شاہ ولی اللہ اور علمِ حدیث

ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ ناز

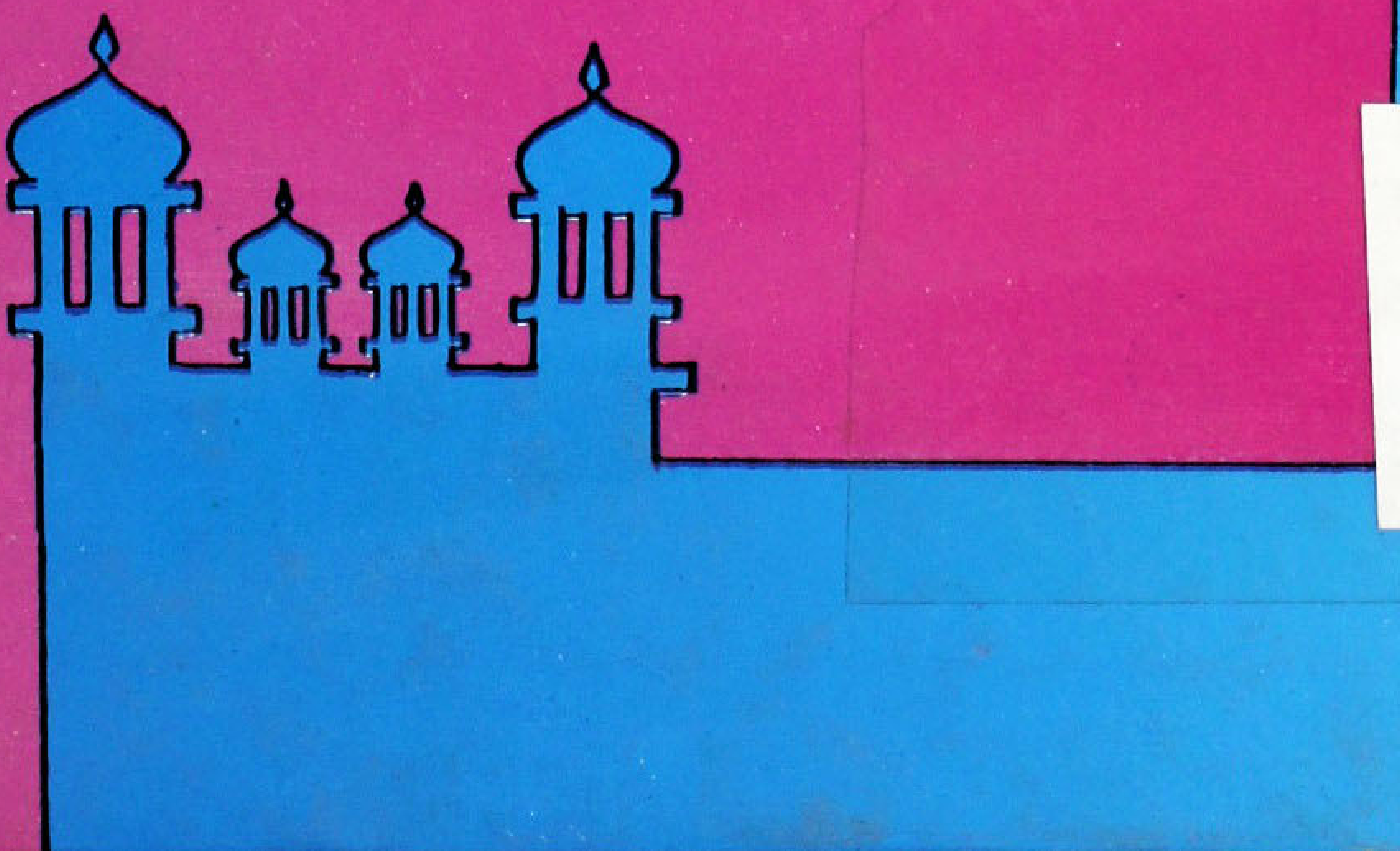

Marfat.com

شاہ ولی اللہ

اور

علمِ حدیث

ڈاکٹر ایم۔ایس ناز

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور

Marfat.com

297.9924
086 9
120985
كرا

©جملہ حقوق محفوظ

اہتمام ملک مقبول احمد
ناشر مقبول اکیڈمی
سرورق میاں نوید ناصر
مطبع خورشید مقبول پریس
قیمت 850 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph: 042-7324164, 7233165 Fax: 042-7238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph: 042-7357058 Fax: 042-7238241
Email: mqbool@brain.net.pk

Marfat.com

حکمتِ ولی اللّٰہی کے عظیم علمبردار
مولانا عبیداللہ سندھی
کے نام

Marfat.com

Marfat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب : ۲۱)

"بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے۔"

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر : ۷)

سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔

فہرست مندرجات

(اجمالی)

ابتدائیہ
قندیل راہ ۱۹

باب ۱
مقدمہ ۲۹

باب ۲
حدیث اور متعلقات حدیث ۱۵۳

باب ۳
طبقات کتب حدیث ۲۰۷

باب ۴
رجوع الی الموطا ۲۹۵

باب ۵
تطبیق بین الفقہ و الحدیث ۴۰۵

باب ۶
اعتدال بین التقلید والاجتہاد ۴۵۱

باب ۷
مختصرات (تجزیہ و نتائج، مصادر و مراجع) ۴۸۷

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مندرجات

(تفصیلی)

ابتدائیہ

موضوع کا انتخاب ۲۰
ماخذ پر ایک نظر ۲۱
اظہار تشکر ۲۳
رموز ۲۷

باب ۱

علم حدیث، پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ تک

عربی زبان اور علم حدیث کا آغاز ۳۳
سندھی محدثین کا کردار ۳۴
عرب و عجم اور علم حدیث ۳۷
فقہ کی بہ نسبت ذوق حدیث میں کمی ۳۸
فارسی پر عربی کی بالادستی ۳۸
لاہور، غزنوی عہد میں علم حدیث کا مرکز ۴۰
امام صغانی اور حدیث میں ان کی خدمات ۴۲
ساتویں صدی ہجری کے بعد ۴۶
محدثین ہند کے مکاتب اربعہ ۴۷
علم حدیث سے بے اعتنائی ۵۰
نویں صدی ہجری میں علم حدیث کا احیاء ۵۳
الدمامینیؒ اور محدث شیرازیؒ ۵۵
مکتب حدیث العسقلانیؒ والسخاویؒ ۵۶
زکریاؒ الانصاری اور ابن حجرؒ
الہثمی کے تلامذہ حدیث ۵۸
علم حدیث کا عروج و زوال ۵۹
الرحلہ فی طلب العلم ۶۲
علم حدیث دسویں صدی ہجری میں ۶۳
مکتب محدثین مجدد الف ثانی ۶۶
محدثین خانوادہ عبدالحقؒ دہلوی ۶۸
علم حدیث کی گیارھویں اور بارھویں صدی ۷۰
ملا نظام الدینؒ اور درس نظامی ۷۲
شاہ ولی اللہ کی تحریک حدیث ۷۶

شاہ ولی اللہ اور ان کا عہد

عرب ہند تعلقات اور برصغیر میں اسلام ۸۰
دینی حالت پر ایک نظر ۸۶
(الف) حیات ولی۔ چند تحقیقی پہلو ۹۱
عملی زندگی کے ادوار ثلاثہ ۹۵
(ب) تصنیفات ابجدی عصری
اور موضوعاتی تجزیہ ۹۹
قرآن اور علوم قرآن ۱۰۱
غیر معروف کتب و رسائل ۱۰۴
شاہ ولی اللہؒ سے منسوب کتابیں ۱۰۷
سنین تالیف اور تالیفی مراحل ۱۰۸
(ج) شاہ ولی اللہ کا زمانہ ۱۱۳
حالات کی ابتری اور شعائر اسلام
کی بے حرمتی ۱۱۵

Marfat.com

زعماء اور عمائدین کے نام خطوط ۱۱۸

طبقات امت سے شاہ ولی اللہؒ کا خطاب ۱۲۰

امت مسلمہ کو دعوت حدیث ۱۲۲

شاہ ولی اللہ اور علم حدیث ۱۲۵

تحصیل حدیث ۱۲۶

(الف) سلسلہ اسانید

زین الدین انصاری سے ابو طاہر کردی" تک ۱۲۹

سند رواۃ موطا ۱۳۰

سند رواۃ صحیح بخاری ۱۳۱

سند رواۃ صحیح مسلم ۱۳۲

سند رواۃ سنن ابی داؤد ۱۳۲

سند رواۃ جامع ترمذی ۱۳۳

سند رواۃ سنن نسائی ۱۳۳

سند رواۃ سنن ابن ماجہ ۱۳۴

سند فراغ اور خدمت حدیث ۱۳۴

درس حدیث ۱۳۶

تلامذہ ۱۳۷

حدیث اور متعلقات حدیث میں تصنیفات ۱۳۸

حجۃ اللہ البالغہ ۱۳۹

تراجم ابواب البخاری ۱۴۲

الدر الثمین ۱۴۳

النوادر من الحدیث ۱۴۳

اربعون حدیثاً" مسلسلہ ۱۴۵

الارشاد الی مہمات ۱۴۶

الانتباہ۔۔۔ واسانید وارثی رسول اللہ ۱۴۷

المسوی اور مصفی ۱۴۸

شاہ ولی اللہ بحیثیت محدث ۱۴۹

باب ۲

فضیلت علم حدیث ۱۵۵

حدیث کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۱۵۶

سنت اور حدیث میں مماثلت و امتیاز ۱۵۶

علم حدیث کی تعریف ۱۵۷

حدیث کی دینی حیثیت ۱۶۲

انواع علوم النبی ۱۶۴

احکام شرعیہ کی اقسام ۱۶۷

مصالح اور شرائع میں فرق ۱۶۹

حدیث، تشریع کا مستقل ماخذ ۱۷۱

علم حدیث کی اہمیت و فضیلت ۱۷۲

درجات علم حدیث ۱۷۴

روایت باللفظ

متواتر ۱۷۷

مستفیض ۱۸۰

مشہور ۱۸۱

صحیح ۱۸۳

حسن ۱۸۴

غریب ۱۸۴

ضعیف ۱۸۴

Marfat.com

روایت بالمعنی ۱۸۶
لفظ کی تقسیم ۱۸۷
محکم و متشابہ ۱۸۸
تاویل ۱۸۹
دلالت ۱۹۰

شرائط راوی ۱۹۴
عقل ۱۹۴
ضبط ۱۹۵
اسلام ۱۹۶
عدالت ۱۹۷
مجہول کی روایت ۱۹۷
مرسل کی حجیت ۱۹۸
معیار حدیث اور کتب حدیث پر تنقید ۲۰۰
صحت و شہرت ۲۰۱
قبولیت کی درجہ بندی ۲۰۱
صحیح و غیر صحیح احادیث کتب ۲۰۲
ولی اللہی نظریہ کتب کی عقلی تشریح ۲۰۳
طبقات کتب حدیث کا جواز ۲۰۴
باب ۳ ۲۰۷
طبقہ اولی ۲۰۹
موطا امام مالک ۲۱۰
صحیح بخاری ۲۱۲
صحیح مسلم ۲۲۳

طبقہ ثانیہ ۲۳۳
سنن ابی داؤد ۲۳۳
جامع ترمذی ۲۳۹
سنن نسائی ۲۴۳
مسند احمد ۲۴۸

طبقہ ثالثہ ۲۵۲
مسند ابی علی ۲۵۳
مصنف عبدالرزاق ۲۵۵
مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ ۲۵۶
مسند عبد بن حمید ۲۵۹
مسند ابی داؤد طیالسی ۲۶۰
کتب بیہقی ۲۶۲
کتب طحاوی ۲۶۴
کتب طبرانی ۲۶۹
مسند شافعی ۲۷۳
سنن (مسند) دارمی ۲۷۳
مسند ابی - علی ۲۷۴
سنن دار قطنی ۲۷۴
صحیح ابن حبان ۲۷۵
مستدرک حاکم ۲۷۵

طبقہ رابعہ ۲۷۸
کتاب الضعفا لابن حبان ۲۸۰
تصانیف حاکم ۲۸۱

Marfat.com

کتاب الکامل لابن عدی ۲۸۱
تصنیفات خطیب ۲۸۳
مولفات ابی نعیم ۲۸۵
کتب جوزقانی ۲۸۶
تصانیف ابن عساکر ۲۸۶
مولفات ابن نجار ۲۸۷
کتب دیلمی ۲۸۷
مسند خوارزمی ۲۸۷

طبقہ خامسہ ۲۸۹

موضوع احادیث کی وادیاں ۲۸۹
مرسل احادیث کے مجموعے ۲۹۰
شہروں کی فضیلت میں باطل احادیث ۲۹۱
موضوع کتب پر تحقیق کی ضرورت ۲۹۲

باب ۴ ۲۹۶

موطا اور کتاب آلاثار
امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے شاگرد نہیں ۲۹۸
امام ابو حنیفہؒ تابعی یا تبع تابعی؟ ۲۹۹
تابعیت کا اقرار اور روایت سے انکار ۳۰۱
سماع حدیث، امام ابو حنیفہ سے شاہ ولی اللہ تک ۳۰۳
ملونہ اسناد اور امام ابو حنیفہؒ ۳۰۴
کتب احادیث موطا سے پہلے ۳۰۶
کتب [illegible] احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ ۳۰۸
موطا میں کتاب آلاثار کا تتبع ۳۰۹
امام مالکؒ کا ابو حنیفہؒ سے استفادہ ۳۱۰
ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ میں علمی روابط ۳۱۱
امام مالکؒ سے ابو حنیفہؒ کی روایت کا مسئلہ ۳۱۴
کتاب آلاثار کا معیار اور موطا سے نسبت ۳۱۵
امام ابو حنیفہ بحیثیت محدث ۳۱۶
عمل بالحدیث کی شرط ۳۱۸
شاہ ولی اللہ کی طرف سے کتاب آلاثار کے سماع کا اعتراف ۳۲۰
کتاب آلاثار کے مختلف نسخے ۳۲۱
امام ابو حنیفہؒ کتاب آلاثار اور امام محمد ۳۲۲
شبلی اور سلیمان ندویؒ کی تصریحات ۳۲۳
کتاب آلاثار کا انتساب ۳۲۴
کتب تلامذہ کا امام ابو حنیفہؒ ۳۲۵
جامع سفیان ثوریؒ اور موطا کا زمانہ تصنیف ۳۲۶
موطا اپنے عہد کی تنہا کتاب نہیں ۳۲۸

موطا امام مالک ۳۲۹

مستند مجموعہ احادیث ۳۲۹
موطا کی وجہ تسمیہ ۳۳۰
تدوین کے مختلف مراحل ۳۳۱
صحت، شہرت اور قبولیت عامہ ۳۳۳
زمانہ تالیف ۳۳۵

Marfat.com

تعداد مرویات ۳۳۶
رواۃ موطا ۳۳۶
سولہ اہم نسخے ۳۳۷
مصمودی اور شیبانی کے نسخوں کا تقابل ۳۴۲
موطا کی شروح و تعلیقات ۳۴۴
مسقّی فی احادیث الموطا ۳۴۶
المسوّیٰ من احادیث الموطا ۳۴۹

امام مالک، شاہ ولی اللہ کی نظر میں ۳۵۲

نام و نسب اور لقب ۳۵۳
ولادت اور وفات ۳۵۳
حلیہ مبارک ۳۵۴
فضیلت مدینہ اور امام مالکؒ ۳۵۴
شیوخ اور تلامذہ ۳۵۵
اساس مذہب فی مالکؒ ۳۵۷
امیر المومنینؒ فی الحدیث ۳۵۹
امام مالکؒ بارگاہ رسالتؐ میں ۳۶۱
موطا کے بارے میں انشراح صدر ۳۶۲

صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ۳۶۴

ابن ماجہؒ۔ مختصر احوال ۳۶۵
ارباب ستہ اور امام احمدؒ
اور ابن معینؒ سے معاصرت ۳۶۷
ابن ماجہؒ اور سماع حدیث ۳۶۷
تین سو سے زائد شیوخ سے استفادہ ۳۶۸
ابن ماجہؒ کی فضیلت ۳۷۲
مسلک ابن ماجہؒ اور شاہ ولی
اللہ کی رائے ۳۷۳
سنن ابن ماجہ شہرہ آفاق تصنیف ۳۷۴
صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کا درجہ ۳۷۵
سنن ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی کیوں؟ ۳۷۶
صحت اسناد اور جودت روایات
کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ
کی فوقیت ۳۸۱
سنن ابن ماجہ پر اعتراضات ۳۸۱
صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ
کی انفرادیت ۳۸۳
موطا اور سنن ابن ماجہ کا
علمی مقام ۳۸۴
صحیح و ضعیف حدیثوں کی پہچان
کا ولی اللہی طریقہ ۳۸۴
موطا کو صحاح ستہ میں شمار کرنے
کا مسئلہ ۳۸۵

موطا۔ اصح الکتب ۳۸۷

امام شافعیؒ کی رائے ۳۸۸
صحیح بخاری اور موطا تقابل و تفاوت ۳۸۸
موطا کے حق میں شاہ ولی اللہؒ
کے دلائل ۳۹۱
صحیحین پر موطا کو ترجیح ۳۹۳
شیخینؒ اور امام مالکؒ کے شرائط ۳۹۴

بنائے موطا ثلاثیات وثنائیات	۳۹۵
خصائص موطا' بزبان ولی اللہ	۳۹۵
آثار موطا کی اشارات حدیث سے تائید	۳۹۶
موطا' صحیحین کی اصل وماخذ	۳۹۷
صحاح اربعہ موطا کی شروح ہیں	۳۹۸
موطا' عہد نبوت اور خلافت راشدہ کا سرمایہ	۳۹۹
موطا میں اہل مدینہ کا توارث	۳۹۹
مولینا سندھی کے اخذ کردہ نتائج	۴۰۰
باب ۵	۴۰۵
مصادر فقہ اسلامی	۴۰۷
فقہ کا لغوی واصطلاحی مفہوم	۴۰۸
فقہ کے چار مسلمہ ماخذ	۴۰۹
قرآن	۴۱۰
سنت	۴۱۱
اجماع	۴۱۱
قیاس	۴۱۳
فقہ الحدیث کے مختلف دور	۴۱۶
عہد رسالت	۴۱۶
صحابہ کبار کا طرز فکر وعمل	۴۱۷
اختلاف کی ابتداء	۴۱۹
وجوہ اختلاف اور اسکی صورتیں	۴۲۰
مختلف فقہی مسالک	۴۲۳
تدوین فقہ	۴۲۴
اھل الحدیث اور اہل الرائے	۴۲۵
مذاھب اربعہ	۴۲۷
فقہ الحدیث کے اصول	۴۲۹
مذاھب اربعہ' اصل میں ایک ہیں	۴۳۲
الفقہ المقارن	۴۳۳
حقیقت مذھب	۴۳۴
مذاھب میں رواداری کی تلقین	۴۳۵
امام ابن تیمیہ کا دفاع	۴۳۶
غالی فقہا اور ظاہریہ پر تنقید	۴۳۶
قیاسی مسائل کا حل	۴۳۷
عظمت ائمہ اربعہ کا اعتراف	۴۳۷
حنفیت کو سنت سے مطابقت دینے کی عملی جدوجہد	۴۳۸
اکثر مسائل میں شافعیت کی تائید	۴۳۹
بعض مسائل میں احناف کی طرف رجحان	۴۴۱
کچھ مثالیں مالکیت کی حمایت میں	۴۴۲
حنبلیت کی تائید میں چند مسائل	۴۴۲
ابن راھویہ اور حسن بصری کے حق میں اقوال	۴۴۳
ائمہ حدیث کے فیصلوں پر آزادنہ عملدرآمد	۴۴۳
حنفیت سے حنفی مذہب میں اختلاف	۴۴۶
راجح اور مرجوح کا سوال	۴۴۷

مذاہب اربعہ کو باہم آمیز
کرنے کی تحریک ۴۴۷

باب ۶

اجتہاد۔ اہمیت، فضیلت
اور تقاضے ۴۵۱
اجتہاد کی تعریف ۴۵۲
شاہ ولی اللہ کی تفریعات ۴۵۴
طبقات مجتہدین ۴۵۵
مجتہد مستقل ۴۵۶
مجتہد منتسب ۴۵۷
مجتہد فی المذہب ۴۵۷
مجتہد فی الفتیا ۴۵۸
نظری مسائل اور مجتہد مصیب ۴۵۹
رسالت مآب اور منصب اجتہاد ۴۵۹
مجتہدین اور مذاہب اربعہ ۴۶۰
اجتہاد فرض کفایہ ۴۶۱
مجتہد مطلق کے شرائط ۴۶۲
علم حدیث۔ شرط لازم ۴۶۳

تقلید۔ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور چوتھی ہجری کے بعد ۴۶۴

تقلید کا لغوی و اصطلاحی مفہوم ۴۶۶
جواز تقلید ۴۶۷
مذاہب اربعہ کی تخصیص ۴۶۸
وجوب تقلید کی تائید ۴۷۱
تقلید کے درجات ۴۷۴
عامی کی تقلید کی دلائل ۴۷۶
تقلید میں روش اعتدال ۴۷۹
حنفی مسلک اور عمل بالحدیث ۴۸۰

اختتامیہ مختصرات ۴۸۱

فقہائے محدثین کی روش ۴۸۹
مذاہب اربعہ میں تطبیق کی سعی ۴۸۹
علم حدیث کی خدمت ۴۹۰
رسول اللہ کا ہر قول و فعل
اور تقریر حدیث ہے ۴۹۰
علم حدیث، فنون دینیہ کی اساس ۴۹۱
علوم النبی کی دو قسمیں ۴۹۱
سنت، شریعت کا اہم ماخذ ۴۹۲
درجات علم حدیث پر بحث ۴۹۳
علم حدیث اور طبقات کتب حدیث ۴۹۳
موطا صحاح ستہ کی پہلی یا
چھٹی کتاب؟ ۴۹۴
شاہ ولی اللہ کی روش اعتدال ۴۹۴
اخذ شریعت کے دو طریقے ۴۹۵
اجتہاد اور علم حدیث ۴۹۶
اجتہاد، فرض کفایہ ۴۹۷
تقلید بھی ضروری ہے ۴۹۸
عمل بالحدیث کی بجائے عمل بالحنفیت ۴۹۸

Marfat.com

علم حدیث پر تصوف کا تسلط ۴۹۹ حواشی ۵۰۱

مصادر و مراجع

کتب ۵۹۵
فہارس ۶۲۳
رسائل ۶۲۴

Marfat.com

قندیل راہ

ابتدائیہ

سیّد المفسرین و سند المحدثین (۱) شاہ ولی اللہ دہلوی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے فکر کی ضیاء اور عمل کا فیض سالکان معرفت اور طالبان حق کے لئے روشنی کا ایک سدا فروزاں مینار اور مستقبل کے لئے قندیل راہ ہے..... "برصغیر پاک و ہند میں علوم اسلامیہ کی تاریخ میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں ہوا (۲)" شاہ ولی اللہ کے اپنے بیان کے مطابق ان کا خاندان علم دین کے حاملین کے نزدیک سلسلۃ الذہب ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ہمارا ہر رخصت ہونے والا بزرگ نئے آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے (۳)۔

شاہ ولی اللہ سمیت ان کے خاندان کے لوگ "اعمال صالحہ اور غیر فانی فضاؤں کے مالک تھے اور ان کا گھرانہ ہند میں علم دین کا گھرانہ (۴)۔ وہ خلق خدا میں اللہ کی حجت اماموں کے امام امت کے رہنما وارث انبیاء علماء دین میں یکتا۔ شرع متین کی ذمہ داری اٹھانے والوں میں قائد یگانہ اور سنت کو زندہ کرنے والے تھے۔ (۵) اور ایک ایسا شجرہ طوبیٰ جس کی جڑیں تو اپنی جگہ قائم ہیں لیکن اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پھیلی ہوئی ہیں (۶) انہوں نے احیاء دین اشاعت قرآن و حدیث اسرار مقاصد و شریعت کی توضیح و تنقیح تربیت و ارشاد اور برصغیر میں ملت اسلامیہ کے تحفظ اور تشخص کے بقاء کی عہد آفریں کوششیں کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ:

> "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہو گا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا

Marfat.com

شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے"۔(۷)

مشیت ایزدی نے شاہ ولی اللہ سے اسلام کی سربلندی اور دین محکم کی استواری کا کام لیا۔ وہ تفسیر القرآن، علم الحدیث، علم الفقہ، اصول التفسیر، آداب السلوک، علم الحقائق، علم العقائد اور اصول الدین کا بحر زخار تھے۔ ان کی فکری زندگی ایک عرصہ سے ارباب علم اور محققین کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے اور حکمت ولی اللہی کے نقطہ نظر سے اسلام کو سمجھنے اور اسلامی علوم کے مطالعہ کا جو رجحان ولی اللہی فلسفے کے عظیم علمبردار اور داعی مولینا عبید اللہ سندھی کی مساعی جمیلہ سے شروع ہوا تھا، وہ بتدریج ترقی کرتے کرتے اب باقاعدہ ایک مستقل مکتب فکر کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان کی جامعات اور بالخصوص جامعہ پنجاب میں شاہ ولی اللہ کی حیات و تعلیمات اور افکار و تالیفات پر تحقیق میں پیش رفت اس سلسلے کی ایک اہم اور مربوط کڑی ہے۔

موضوع کا انتخاب

کسی تحقیقی کام کا آغاز کرنے سے پہلے اس کے موضوع کا تعین کوئی آسان مسئلہ نہیں۔ اس کی خاطر کئی ہفت خواں طے کرنے پڑتے ہیں، مگر خدا کا شکر ہے کہ میری یہ مشکل، آج سے تقریباً دس سال پہلے جناب ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک نے علم الحدیث میں شاہ ولی اللہ کی خدمات کا ذکر کر کے حل کر دی تھی۔ ان کا مقصد دراصل یہ تھا کہ حکمت ولی اللہی کے نقطہ نظر سے بھی دین اسلام اور اسلامی علوم اور بالخصوص علم حدیث کا مطالعہ کرنے اور اس کی تحقیق سے مستفید ہونے کا علمی رجحان نشو و ارتقاء کے قدرتی اور تاریخی ماحول کو طے کرتا ہوا زمانے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے اور عصر حاضر کے تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹ لے، لیکن اس سے خدانخواستہ انہیں اسلام کی تعبیر و تشریح میں کسی قسم کی اجارہ داری یا مسلمانوں کے دوسرے مکاتب فکر کی نفی مقصود نہ تھی۔

فکر ولی اللہی کی تو بنیادی اہمیت ہی اس کی جامعیت و ہمہ گیریت ہے اور اس کا یہ پہلو مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور ان کے فروعی

Marfat.com

اختلافات کم بلکہ ختم کرنے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے اس جذبہ و احساس کے پیش نظر محترم ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک نے نہ صرف علم الحدیث میں شاہ ولی اللہ کی خدمات کے موضوع کی نشاندہی فرمائی بلکہ اس میں کامل دلچسپی لیتے ہوئے ایک شفیق اور لائق استاد کی طرح مقالے کی تکمیل تک قدم قدم پر میری رہنمائی فرماتے رہے۔

ماخذ پر ایک نظر

علم الحدیث میں شاہ ولی اللہ کی خدمات کا جائزہ لینے سے پہلے مقالہ کے ماخذ پر ایک نظر ڈالنا ازبس ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک چونکہ بنیادی طور پر اسلامی علوم دو ہیں علم قرآن اور علم حدیث باقی جتنے علوم اسلامیہ ہیں وہ گویا ان دو کی شاخیں اور پتے ہیں لہذا موضوع کے ساتھ انصاف کے لئے قرآن اور کتب احادیث سے بصیرت و آگہی لازم ہے۔

علم الحدیث کے بظاہر کئی ادوار ہیں۔ اولاً عہد صحابہ سے لے کر آخر قرن اول تک، ثانیاً دوسری صدی ہجری کا دور جب احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا اور قواعد و اصول بھی وضع ہونے لگے تھے مگر سلسلہ تدوین کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ثالثاً تیسری صدی ہجری کے آغاز سے چوتھی صدی ہجری کے نصف تک کہ اس دوران علوم حدیث وجود میں آئے اور علم حدیث باقاعدہ ایک فن بن گیا۔ رابعاً چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر تا اوائل ساتویں صدی ہجری جس میں علوم الحدیث درجہ کمال کو پہنچ گئے اور الرامہرمزی (م ۳۶۰) کی کتاب المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی کے بعد حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) کی معرفۃ علوم الحدیث خطیب بغدادی کی الکفایہ فی قوانین الروایہ اور الجامع لاداب الشیخ والسامع جیسی جامع کتب منصہ شہود پر آئیں۔ ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک پانچویں دور میں نقد و جرح کا فن ترقی کی ایک نئی منزل میں داخل ہوا۔ ابن الصلاح نے علوم الحدیث لکھی اور ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اس کا خلاصہ اختصار علوم الحدیث تیار کیا۔ پھر النووی (م ۶۷۶ھ) العراقی (م ۸۰۶ھ) اور ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کی کتابیں وجود میں آئیں۔ اس کے بعد اجتہاد کا دور قریب الاختتام ہوا اور تقلیدی دور میں بتدریج شدت آتی چلی گئی۔

علم الحدیث میں شاہ ولی اللہ کی خدمات پر تحقیق کے دوران ہر دور کی کتب علم حدیث کو

Marfat.com

مد نظر رکھنا ضروری تھا۔ بنابریں شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیفات مثلاً حجتہ اللہ البالغہ، شروح موطا، المسوی اور مصفی، تفہیمات الہیہ مکتوبات مع کلمات طیبات، الارشاد، الانصاف تراجم ابواب بخاری، ازالتہ الخفاء وغیرہ میں علم حدیث کے جو موتی بکھیرے ہیں ان سب کو چن کر ایک تسبیح میں پرونا تب ہی ممکن تھا کہ حیات ولی اللہ کے بنیادی ماخذ پیش نظر رہیں۔ چنانچہ اس سلسلے کی کتب میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

الروضتہ القیومیہ از ابو الفیض کمال الدین محمد احسان، مقامات مظہری مصنفہ شاہ غلام علی، مناقب فخریہ تالیف نواب غازی الدین، نور الدین حسین فخر کی فخر الطالبین، القول الجلی اور مقدمہ الخیر الکثیر از شاہ محمد عاشق، مکتوبات شاہ ولی اللہ از شاہ عبدالرحمان و شاہ محمد عاشق، مکتوبات مع مناقب بخاری مرتبہ خواجہ محمد امین ولی اللہی ملفوظات شاہ عبدالعزیز تالیف ۱۲۳۳ وقائع عبدالقادر خان مرتبہ تالیف ۱۸۳۱ محمد ایوب قادری آثار الصنادید، سرسید احمد خان تالیف ۱۸۴۶ء الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبدالغنی از محسن ترہتی تالیف ۱۸۶۳ء کمالات عزیزی مصنفہ نواب مبارک علی خان، مقالات طریقت تالیف ۱۸۷۴ء از عبدالرحیم ضیاء، نواب صدیق حسن خان کی تالیفات مثلاً ابجد العلوم، اتحاف النبلاء الحطہ بذکر حدائق الحنفیہ از فقیر محمد جہلمی تالیف ۱۲۸۸ھ تذکرہ علماء ہند از رحمان علی تالیف ۱۸۹۰ء مقدمہ

فتاوی شاہ عبدالعزیز از مرزا محمد بیگ دہلوی، یادگار دھلی مصنفہ سید احمد ولی اللہی، حیات ولی مولفہ رحیم بخش دہلوی واقعات دار الحکومت دہلی از بشیر الدین احمد، نزہتہ الخواطر مصنفہ مولوی عبدالحئی حسنی التحفتہ الدهلویہ از عبدالوہاب مکی دہلوی، تصانیف مولینا عبد الوہاب مکیؒ دہلوی، تصانیف

Marfat.com

مولینا عبید اللہ سندھی اور خود شاہ ولی اللہ کی اپنی تصنیفات میں سے انفاس العارفین"

کتب حدیث پر شاہ ولی اللہ کی گہری نظر تھی۔ موطا' صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے بارے میں ان کے دلائل دعویٰ کی صداقت پر نقد و تبصرہ ہیں۔ چنانچہ مقالہ کی تدوین و تحقیق میں یہ کتب بھی اہم ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ بعض مصنفات ایسی ہیں جو اگرچہ براہ راست علم حدیث سے متعلق نہیں لیکن بالواسطہ ان کا تعلق اس موضوع سے ہے مثلاً فقہ اجتہاد اور تقلید۔ اس سلسلے میں الامدی کی احکام فی اصول الاحکام' الجصاص کی کتاب الاصول' السرخسی کی تمہید الفصول' البزدوی کی کتاب الاصول النسفی کی کتاب المنار تاج الدین السبکی کی جمع الجوامع' ابن ہمام کی کتاب الخیر محب اللہ بہاری کی مسلم الثبوت' الخضوی کی اصول الفقہ اور تاریخ التشریع الاسلامی' ابوزہرہ کی اصول الفقہ' الزرقاء کی المدخل' المحمصانی کی فلسفہ التشریع الاسلامی اور غزالی کی المستصفی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں مقدمہ کی طوالت ممکن ہے بار گراں محسوس ہو لیکن سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ سے پہلے برصغیر میں اسلامی علوم اور بالخصوص علم حدیث کی ناقدری و ناانصافی کی تفصیلات بیان کرنا بھی ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ کے دور میں اسلامیان ہند تباہی و بربادی کے جس دہانے پر پہنچ چکے تھے اور شعائر اسلامی کی جس بیدردی سے بے حرمتی کی جا رہی تھی۔ اس افسوسناک ماحول کی مختصر مگر جامع تفصیل بھی کوشش کے باوجود اختصار کی بجائے طول اختیار کر گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ امید ہے کہ اس پس منظر سے مقالہ کے افق روشن دکھائی دیں گے۔

اظہار تشکر

"علم الحدیث میں شاہ ولی اللہ کی خدمات" کا اعتراف تشنہ کام رہے گا جب تک کہ ان بزرگوں اور اہل علم دوستوں کا شکریہ ادا نہ کر دیا جائے جن کی پر خلوص رہنمائی اور مفید مشورے' اس مقالہ کی تحقیق و تدوین کے دوران جہاں تہاں ناگراں شامل حال رہے۔

Marfat.com

سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق جناب ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک ہیں جو موضوع کی منظوری کے وقت پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے سربراہ تھے بعد میں یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل بنے اور پھر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے وائس چانسلر بنا دیئے گئے۔

جناب ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جو مولینا عبید اللہ سندھی کے بعد حکمت ولی اللہی کے عظیم علمبرداروں میں سرفہرست ہیں۔ فکر ولی اللہ پر ان کی عمیق نظر ہے اور بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ پر دسترس تامہ رکھتے ہیں۔ کچھ عرصہ تک ادارہ تحقیقات اسلامی میں سکالروں کو شاہ ولی اللہ کی اس اہم کتاب کا درس بھی دیتے رہے۔ چنانچہ مقالہ کے بعض دقائق سمجھانے میں انہوں نے میری خاطر خواہ مدد فرمائی ہے۔

بزرگ محقق جناب ڈاکٹر پیر محمد حسن کا ممنون احسان ہوں انہوں نے کتب حدیث کی بعض عربی عبارات کی گتھیاں سلجھانے میں کامل انہماک و استغراق سے کام لیا اور اکثر اوقات اپنے طویل تحقیقی منصوبے کو پس پشت ڈالتے ہوئے میری رہنمائی کی۔

اپنے ادارہ کے بعض بزرگ اور نوجوان محققین کی مدد اور رہنمائی کو نظر انداز کرنا کفران نعمت ہوگا۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن اور جناب ڈاکٹر خالد مسعود کا بطور خاص ممنون ہوں۔ اول الذکر عصر حاضر کے نامور فقیہہ ہیں اور قیاس و اجماع پر ان کی گہری نظر ہے۔ ڈاکٹر خالد مسعود صاحب سے تو میری شناسائی اس زمانے سے ہے جب میں ادارہ نوائے وقت سے وابستہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے امام شاطبی کی الموافقات کے علاوہ اقبال اور اجتہاد کے موضوع پر کافی کام کیا ہے۔ میں نے ان دونوں حضرات سے رہنمائی پانے میں کبھی کوئی عار محسوس نہیں کی۔

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے دیگر رفقاء میں سے جناب ڈاکٹر حافظ محمد طفیل، جناب ڈاکٹر حافظ محمد یونس، ــــــــــــــــــــــــ

جناب عبدالرحیم اشرف بلوچ جناب علی احمد انصاری، جناب محمد نعیم اور جناب صدیق ارشد خلجی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ تمام حضرات وقتاً فوقتاً مقالہ کی تحقیق کے دوران

میری مدد فرماتے رہے۔ ڈاکٹر طفیل صاحب کا تو بہت زیادہ ممنون ہوں جو اپنی بے پایاں اور جذباتی محبت کے تحت زیر نظر مقالہ کی روزانہ کارگزاری کے بارے میں مجھ سے استفسار کرتے رہے۔ سچی بات ہے کہ مجھے تو ان کے رویے میں ہمیشہ لگاؤ ہمدردی اور الفت کے جذبات و احساسات کا پرتو نظر آیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی شعبہ عربی کے موجودہ سربراہ جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا شکریہ دراصل مجھے شروع میں ادا کرنا چاہئے تھا جو ایک خلیق استاد سے کہیں بڑھ کر میرے محسن ہیں۔ میں نے ان کی تحریروں سے بہت کچھ سیکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اب تک سیکھ رہا ہوں۔ مرحوم ڈاکٹر عبدالعزیز میمن کے بعد پاکستان میں عربی دانوں کا جو خلا پیدا ہوا تھا وہ آپ کی ذات سے بہت حد تک پر ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مقالہ کی تدوین کے دوران اول لغایت آخر میری حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

آخر میں سید معراج الحسن اور شفیق احمد کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی جنہوں نے اس مقالہ کو بڑی محنت و لگن سے ٹائپ کیا اور اسی جذبے سے عبدالرحمٰن الزبیدی صاحب نے عربی عبارات ٹائپ کیں۔ اور حافظ ارشاد صاحب نے سرورق کے علاوہ آیات اور عنوانات کی کتابت کی یہ تمام دوست بھی شکریے کے مستحق ہیں۔

ابتدائیہ ختم کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کو جزائے خیر دے/انہیں بلند سے بلند تر مناصب سے نوازے اور میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

والسلام

ایم۔ ایس۔ ناز

۱۹۲۔ ستلج بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

رموز

ج	=	جلد
ح	=	حاشیہ
س	=	سطر
ش	=	شمارہ
ص	=	صفحہ
ص ت	=	صفحات
ت ن	=	تاریخ درج نہیں
ع	=	عدد
ک	=	کالم
م	=	متوفی
ن	=	نمبر
و	(بذیل شخصیات)	ولادت
و	(بذیل مخطوطات)	ورق
رح	=	رحمۃ اللہ علیہ
رض	=	رضی اللہ تعالیٰ
ؐ	=	صلی اللہ علیہ وسلم
ؑ	=	علیہ السلام
سنن اربعہ	=	سنن نسائی، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ
شیخین	(بذیل خلفائے)	حضرت ابو بکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ فاروق
شیخین (بذیل محدثین)		امام بخاری، امام مسلم
صاحبین	=	امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما
صحاح اربعہ	=	صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی

Marfat.com

صحاح ستہ = صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی
سنن نسائی، سنن ابن باد

صحیح بخاری، صحیح مسلم

صحیحین = صحیح بخاری، صحیح مسلم

مذاہب اربعہ = حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی

Marfat.com

باب ۱

مُقدّمہ

Marfat.com

Marfat.com

علم حدیث
پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ تک

برصغیر پاک و ہند میں اسلام بری اور بحری دو راستوں سے داخل ہوا۔ اول الذکر راہ درہ خیبر کی تھی جس سے ترکوں پٹھانوں اور مغلوں کو چوتھی صدی ہجری کے اواخر اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ورود کا موقع ملا لیکن ان سے صدیوں پہلے اہل عرب تاجروں اور سوداگروں کی حیثیت سے سندھ اور ملیبار سے لے کر گجرات تک بحر ہند کے تمام سواحل پر پھیل چکے تھے۔ ظہور قدسی کے بعد عرب کے مسلمان تاجروں اور سوداگروں نے بھی ادھر کا رخ کیا ان کی آمد سے یہ خطہ علوم قرآن و حدیث سے آشنا ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور سے سواحل ہند پر عربوں کی باقاعدہ تاخت شروع ہوئی تو پاک و ہند کی تاریکیاں نور اسلام کی شعاعوں سے کافور ہونے لگیں اور فضا اخبرنا و حدثنا کی خوشبوؤں سے معطر ہو گئی۔ یہ صحابہ کرامؓ کا عہد زریں تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں جو صحابہ ہندوستان کی طرف آئے ان میں سے مندرجہ ذیل کے اسمائے گرامی نمایاں ملتے ہیں۔

عبداللہ بن عبداللہ عتیق، عاصم بن عمر و التمیمی، صحار بن العبدی، سہیل بن عدی، الحکم بن ابی العاص الثقفی، عبداللہ بن معمر التمیمی اور عبدالرحمان بن سمرہ

عبداللہ ۲۱ھ میں کوفہ اور بصرہ کے عامل مقرر کئے گئے (۱) عاصم نے خالد بن ولید کے ساتھ عراق کی فتح میں حصہ لیا اور پھر ہلمند کا مغربی علاقہ فتح کرنے کے بعد سندھ کی تسخیر میں مصروف رہے (۲) صحارؓ نے عہد فاروقی میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی (۳) سہیل کو ۱۷ھ میں الجزیرہ کی فوجی مہم میں شرکت کا موقع ملا (۴) حکم کو ان کے بھائی عثمان بن ابی العاص ثقفی نے

سندھ کی طرف روانہ کیا اور ایک روایت کے مطابق یہ بصرہ تک گئے۔ (۵) حجتہ الوداع میں شریک تھے اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بھی روایت کیں۔ "ان کی مروی احادیث کو معروف قرار دینے میں شبہ نہیں (۶)" عبیداللہ بھی راوی حدیث ہیں۔ (۷) حضرت عثمان نے انہیں ۲۲ھ میں مکران کی مہم پر بھیجا تھا۔ (۸) ان ہی کی کوششوں سے دریائے سندھ تک کا وسیع علاقہ عربوں کے تصرف میں آیا۔ ۳۱ھ میں عبدالرحمٰن کو سیستان کا عامل بنایا گیا (۹) جنہوں نے زرنج سے مشرق کی سمت پیشقدمی کرتے ہوئے ہند کی سرحدات تک تمام علاقوں کو فتح کرلیا۔ بست سے تین میل دور واقع ایک مندر کے سونے کے بت کو انہوں نے توڑا (۱۰)۔ راویان حدیث میں سے تھے۔ انہیں ابن عباس، سعید بن المسیب، ابن سیرین عبدالرحمٰن بن ابن لیلی اور حسن بصری کے شیخ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

سنان بن سلمہ الہذلی برصغیر کی طرف آنے والے غالباً آخری صحابی ہیں۔ عراق کے عامل زیاد نے ۴۸ھ میں انہیں ہندی مہمات کا سپہ سالار بنایا (۱۱) انہوں نے مکران فتح کیا اور کئی نئے شہر بسائے۔ ان کی روایات مراسیل میں شمار کی گئیں اور صحیحین ابوداؤد ابن ماجہ اور نسائی کے سنن میں محفوظ ہیں (۱۲)۔

سنان بن سلمہ الہذلی کے بعد المہلب بن ابی صفرا الازدی ہندوستان آئے جو بقول ابن عبدالبر صاحب الاستیعاب ابن حجر عسقلانی صاحب الاصابہ و تہذیب التہذیب عزالدین ابن الاثیر، صاحب اسد الغابہ اور ذہبی صاحب تجرید اسماء الصحابہ و تذکرۃ الحفاظ صحابی مگر ناقدین اسماء الرجال کے نزدیک قدیم تابعی ہیں۔ "ابتداً میں ۴۳ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ کے زیر کمان سجستان آئے اور پھر اپنے قبیلے کے فوجی دستے کے ساتھ علیحدہ طور پر ۴۴ھ میں کابل سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ بنوں اور لاہور کا درمیانی علاقہ ان کے زیر نگین آیا۔ (۱۳) فرشتہ کا بیان ہے کہ مہلب واپسی پر اپنے ہمراہ بارہ ہزار ہندی قیدی لے گئے جن میں سے بعض حلقہ بگوش اسلام ہوئے (۱۴)۔

مہلب بن ابی صفرا حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ ان سے مروی احادیث سنن ابی داؤد سنن نسائی جامع ترمذی اور مسند احمد بن حنبل میں درج ہیں۔ خطیب نے تاریخ بغداد

Marfat.com

میں خلف بن سالم السندی کے ترجمہ میں انہیں ایک ممتاز ہندی نژاد راوی حدیث ہونے کا اعزاز بخشا ہے جو آل مہلب کے مولی تھے۔

عربی زبان اور علم حدیث کا آغاز

تاریخ میں ایسی کئی شہادتیں موجود ہیں جو متعدد صحابہ کرام کے ورود سندھ و ہند پر روشنی ڈالتی ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ان کی آمد و رفت سے علم حدیث کا دروازہ وا نہ ہو سکا۔ وہ اصحاب رسول ہونے کے ناطے سے گو حدیث کا یقینی طور سے اپنی استعداد کے مطابق علم رکھتے تھے تاہم مختصر قیام اور مستقل سکونت کے حامل اسلامیان ہند نہ ملنے کے باعث وہ اس کی اشاعت نہ کر سکے۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے سے تاریخ میں پہلی بار باضابطہ طور پر عرب ہند سیاسی تعلقات کا آغاز ہوا اور دیبل سے لے کر ملتان کے اوپر تک سارے علاقے پر عرب مسلمانوں کی حکومت قدرے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہوئی اور یہ حصہ نہ صرف سیاسی بلکہ ثقافتی اور تمدنی اعتبار سے بھی برصغیر سے کٹ کر مرکز اسلامیہ کا جزو بن گیا۔

سندھ پر عربوں کی حکمرانی اڑھائی سو سال سے کچھ عرصہ زائد رہی۔ اس دور کی اسلامی فتوحات کی نمایاں خصوصیت سیاسی اقتدار کی حیرت انگیز تیز رفتار اور غیر متزلزل توسیع سے کہیں زیادہ سیاسی اقتدار کے جلو میں دین اسلام عربی زبان و ادب اور قرآن و حدیث ایسے علوم و فنون کی دلربائی و کار فرمائی ہے۔ عرب پہلے ہی اپنی زبان پر بہت نازاں تھے اور اس معاملے میں دوسروں کو عجمی سمجھتے تھے۔ اسلام نے اب عربی کو وہ شرف و توانائی اور افتخار و عزت بخش دی کہ اس کی برتری کو عرب سے باہر کے مسلمانوں نے بھی ایک حقیقت جان کر تسلیم کر لیا چنانچہ عام دستور کے مطابق عرب فاتحین ہندوستان میں سب سے پہلے عربی زبان لائے۔ جس کے نتیجے میں ہندو سندھ میں قرآن و حدیث کی بتدریج اشاعت ہوئی۔

عربوں کے عہد حکومت میں عربی کو سندھ کی سرکاری زبان بننے کا شرف حاصل ہوا۔ تیسری صدی ہجری کے عربی کتبات کی بھنبھور سے برآمدگی اس کی بین شہادت دیتے ہیں۔ ابن حوقل اور مقدسی کا بیان ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں منصورہ' ملتان' اور دیبل کے

Marfat.com

بازاروں میں عربی اور سندھی دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔(۱۵) عرب والیان سندھ وقت کے مشہور شعراء سے رابطہ رکھتے تھے۔ مطیع بن ایاس کا ھشام التغلبی کے دربار میں حاضری دینے سندھ آنا اس کا ثبوت ہے۔

سندھی محدثین کا کردار

محمد بن قاسم کی فتح کے بعد عرب دیبل سے لے کر ملتان تک تمام اہم بندرگاہوں اور شہروں میں پیدل گئے اور انہوں نے جگہ جگہ اپنی نو آبادیاں قائم کیں۔(۱۶) جنوبی ہند کے عربوں کی طرح انہوں نے بھی تجارت کے پیشے کو ترجیح دی اور اسے سندھ اور ہند کے ہمسایہ ملکوں کے درمیان روابط کا موثر ذریعہ بنایا۔ ملتان، منصورہ اور الور اہم عسکری مراکز قرار پائے جب کہ "منصورہ، ملتان، دیبل، سندان، قصدار اور قندابیل اسلامی علوم کے ابتدائی مرکز بن گئے۔(۱۷) ان شہروں میں آباد ہونے والے عرب مسلمانوں کی اکثریت کو قرآن و سنت پر عبور حاصل تھا۔ سندھ میں اسلامی علوم کے آغاز اور اشاعت کے بارے میں پہلی تاریخی شہادت چچ نامہ کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عرب فوج میں قرآن کے متعدد قراء شامل تھے۔ انہیں حجاج بن یوسف نے تاکید کر دی تھی کہ قرات پابندی سے کیا کریں(۱۸) چنانچہ پہلی صدی ہجری ہی میں سندھ میں قرآن و حدیث کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جو بعد میں بھی جاری و ساری رہا۔

سندھی محدثین کے بالعموم چار طبقات گنوائے جاتے ہیں۔ طبقہ اولٰی میں ان کا شمار ہوا جو نسلاً سندھی تھے مگر ان کی ولادت نشو و نما اور تعلیم و تربیت بیرون سندھ ہوئی اور ان میں اکثر عرب میں زندگی گزار کر فوت ہو گئے۔ ان میں امام ابو حنیفہ، اوزاعی، ابو محشر بن عبدالرحمٰن سندھی، ابو عبدالملک بن محمد ابو محشر سندھی، داؤد بن محمد بن ابی محشر سندھی، الحسین بن محمد بن ابی محشر سندھی، ابو محمد خلف بن سالم، عبدالرحیم بن حماد اثقفی، نصر اللہ بن احمد بن القاسم بن سیما سندھی، اور ابو نصر فتح بن عبداللہ وغیرہ شامل ہیں۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے آباد اجداد نے سندھ سے ایران ہجرت کی اور پھر عراق آئے جہاں امام ابو حنیفہؒ کی ولادت ہوئی اور یہیں انتقال ہوا۔ اس لئے بقول سید

Marfat.com

ابو ظفر ندوی "امام ابو حنیفہ نسلاً سندھی ہیں" (۱۹) ابو محشر (م ۱۷۰ھ) کے والد سندھ سے گرفتار ہو کر عرب پہنچے اور بنو ہاشم کے غلام رہے۔ وہیں ابو محشر کی پیدائش ہوئی "حافظہ کی کمزوری کے باوجود علم کا مخزن تھے" (۲۰) آئمہ حدیث و مغازی میں شمار ہوا (۲۱) ان کے فرزند ابو عبد الملک محمد (م ۲۴۷ھ) اپنے والد کے مثل حدیث و مغازی کے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے (۲۲) اور ان کے بیٹے داؤد بن محمد اور الحسین بن محمد بن ابی محشر مغازی کی روایت کرنے والوں میں سے ہوئے۔ (۲۳) ابو محمد خلف (م ۲۳۱ھ) کو سندھ سے عرب لایا گیا تو آل مہلب نے انہیں غلام بنالیا۔ فن حدیث اور دیگر علوم اسلامی میں مہارت رکھتے تھے۔ انہیں حافظ الحدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ (۲۴) عبد الرحیم بن حماد الثقفی کا قیام بصرہ میں رہا۔ اعمش کے نامور تلمیذ اور مدرس حدیث تھے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور ابن حبان نے انہیں "ثقہ" لکھا ہے۔ (۲۵) ابو الحسن نصر اللہ بن احمد نے ساری زندگی بغداد کے باب الازج میں درس حدیث دیا۔ (۲۶) اور ابو نصر فتح بن عبد اللہ' آل حکم کے غلام تھے۔ آزادی کے بعد حدیث' فقہ اور کلام کی تعلیم پائی اور فقیہ و محدث کہلائے۔ (۲۷)

سندھی محدثین کا دوسرا طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے جنہوں نے عرب میں پرورش پائی لیکن سندھ ہجرت کر آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان میں محمد بن قاسم کے عہد کے موسیٰ بن یعقوب الثقفی قاضی القضاۃ سندھ یزید ابی بشا السکسکی (م ۹۷ھ) کہ ان سے مروی احادیث صحیح بخاری' محمد بن حسن الشیبانی کی کتاب الاثار اور حاکم کی المستدرک میں موجود ہیں' ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری نزیل السند (م ۱۵۵ھ) عمرو بن مسلم الباہلی (م ۱۲۳ھ) الربیع بن صبیح السعدی البصری (م ۱۶۰ھ) جو احادیث کے قدیم مرتبین میں سے تھے محمد بن ابی الشوارب منصوری (م ۲۸۳ھ) قاضی ابو محمد منصوری (م ۲۷۵ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

بعض محدثین نے سندھ میں ولادت کے بعد تعلیم تو پائی مگر وہ دیار عرب چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے ایسے سندھی محدثین طبقہ ثالثہ میں داخل ہیں۔ 'خلف بن محمد موازنی دیبلوی' ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ دیبلی' ابراہیم بن محمد بن ابراہیم' ابو الغنم شعیب

Marfat.com

بن محمد بن احمد بن شعیب' ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ الوراق (م ۳۹۷ھ) ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید (۳۳۴ھ) ابوالعباس احمد بن محمد قاضی ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ منصوری دربیلوی' حمید بن قاضی عبداللہ بن ابراہیم قاضی' شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ دربیلوی' حمید بن قاضی عبداللہ دربیلوی' مولانا مصلح الدین لاری' شیخ عبداللہ متقی بن سعد دربیلوی' مخدوم ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالهادی ٹھٹوی ثم مدنی المعروف بہ شیخ ابوالحسن کبیر' شیخ محمد حیات بن ابراہیم' ابوالحسن محمد بن صادق ٹھٹوی' شیخ عبداللہ بن محمد سندھی شیخ محمد عابد بن احمد علی بن حافظ یعقوب بن محمود انصاری خزرجی وغیرہ (۲۸) کو اس طبقہ میں داخل کیا گیا ہے۔ جب کہ سندھی محدثین کے طبقہ رابعہ میں حسب ذیل ممتاز شخصیات ہیں۔

"مخدوم بلال ٹلٹی' قاضی دتہ سیوھانی' مخدوم رکن الدین عرف مخدوم متو ٹھٹوی' قاضی قاضن بن قاضی ابو سعید بن زین الدین بھکری' مخدوم میران بن یعقوب ٹھٹوی' مخدوم جعفر بن مخدوم میراں بوبکائی' علامہ محمد معین ٹھٹوی' مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی' سید حاجی فقیر اللہ علوی شکارپوری' خواجہ محمد زمان بن عبداللطیف لواری (۲۹) وغیرھم۔

طبقہ رابعہ کے یہ محدثین سندھ میں پیدا ہوئے۔ سندھ میں تعلیم پائی اور سندھ ہی میں فوت ہوئے۔ سندھی محدثین کی یہ مختصر ترین فہرست محمد بن قاسم کے عہدے سے لے کر شاہ ولی اللہ کے دور تک کی ہے۔ اس تمام عرصہ میں علم حدیث کی اشاعت کا سلسلہ کسی نہ کسی طور سندھ و ہند میں جاری رہا۔ مسجدیں اور مدرسے تعمیر و آباد ہوئے اور قال اللہ و قال الرسول کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحاق نے تصریح کی ہے کہ۔

"دوسری صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی کے وسط تک عربی میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا۔ قرآن' احادیث' آثار' اخبار اور عربی اشعار کا سرمایہ حفظ نقل' روایت' اور علماء کے ذریعے باقی اور نمو پذیر تھا۔ کتابت پر بھروسہ نہ تھا۔ تحریر مقصود بالذات نہ ہوئی تھی بلکہ اس سے صرف حفظ میں مدد لی جاتی تھی۔ منقول کا یہ سرمایہ تعلیم و ثقافت اور تشریع و حکومت کی تمام ضروریات کا کفیل تھا۔ عقل اور فہم (فقہ) اس سرمایہ کی

Marfat.com

تشریح اور افزائش میں لگی رہتی تھی اور بڑھتے ہوئے تمدن و تفسیر کے نت نئے تقاضے پورے ہوتے رہتے تھے لیکن منقول کا یہ سرمایہ مرکزی نقطہ بن کر اپنی جگہ قائم رہا۔ اس سرمایہ کے حاملین، قراء و حفاظ اور محدثین بڑے اہتمام کے ساتھ فوجی قائدین اور عمال حکومت کے ہمراہ نئے مفتوحہ ممالک میں بھیجے جاتے تھے۔ اکثر تو اشاعت اسلام کے جذبے سے سرشار خود بھی چلے آتے تھے اور بعض غازیوں کی صف میں شامل ہو کر یہ سعادت حاصل کرتے تھے۔ (۳۰)

عرب و عجم اور علم حدیث

چوتھی صدی ہجری یعنی دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں سندھ کے سیاسی خلفشار نے انقلاب کی صورت اختیار کی اور ملتان اور منصورہ میں جب قرامطہ برسر اقتدار آ گئے تو گلشن حدیث کی بہاریں رفتہ رفتہ خزاں میں تبدیل ہونے لگیں لیکن اس میں محدثین کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ تو کامل یکسوئی و انہماک سے علم حدیث کے فروغ میں لگ گئے تھے۔ اسلام عربوں کے ذریعے ہندوستان پہنچا تھا جو اپنے ساتھ دین و دنیا کی دولت حدیث بھی لائے تھے۔ علم حدیث کے فروغ میں ان عربوں کے مزاج ان کی قوت حفظ، عملداری، حقیقت پسندی اور ذات نبوی سے گہری نسبت و وابستگی کا بہت زیادہ دخل تھا۔ انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانے اور اثر و نفوذ کے حلقے میں اس کے ساتھ کامل اعتنا کیا یمن، حضرموت، مصر و شام، عراق، شمالی افریقہ جیسے ملکوں کے علاوہ ہندوستان میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

> "لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعہ اسلام پہنچا وہاں کا یہ حال نہیں۔ ہندوستان میں ترکی النسل خاندانوں نے حکومتیں قائم کیں اور ان مشائخ اور داعیان اسلام کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی جن میں بیشتر عجمی نژاد اور ایران و ترکستان کے باشندے تھے۔ پھر جب ہندوستان میں درس و تدریس کے قیام اور نصاب کی ترتیب کا زمانہ آیا تو اس پر عجمی فضلاء اور دانشمندان ایران کا پورا اثر پڑ چکا تھا۔ ایران میں صفوی حکومت کے قیام اور شیعیت کے سرکاری مذہب ہو جانے کے بعد سے ایران کا حدیث سے رشتہ

Marfat.com

ٹوٹ چکا تھا۔ اس لئے اس کے ذریعہ سے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی اہمیت و عظمت قائم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس کے برعکس جس قدر اس کا اثر ہندوستان کے علمی حلقوں پر گہرا ہوتا جاتا تھا حدیث سے اس قدر بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی۔ بارھویں صدی ہجری جس میں شاہ ولی اللہ کا ظہور ہوا اس کا نقطہ ارتقاء تھا (۳۱)۔

فقہ کی بہ نسبت ذوق حدیث میں کمی

ترکستان اور خراسان تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کا گہوارہ بن چکے تھے۔ امام بخاری مسلم نیشاپوری، ترمذی، امام نسائی، ابو داؤد السجستانی، اور ابن ماجہ قزوینی وغیرھم کا تعلق ان ہی اطراف و دیار کی سرزمین سے تھا لیکن دولت عباسیہ کے اضمحلال کے بعد جب ممالک مذکورہ میں خود مختار غیر عربی حکومتیں قائم ہوتی چلی گئیں تو علم حدیث کے ذوق میں معتد بہ کمی آنے لگی۔ تاتاریوں کی یلغار ہوئی تو ہر سمت سناٹا ہی چھا گیا اور مذہبی علوم اور بالخصوص قرآن و حدیث کی ضرورت محض عہدہ قضاء کے حصول کی خاطر رہ گئی۔ تب سے فقہ کو ترجیح دی جانے لگی۔ اس صورت حال کا سامنا برصغیر پاک و ہند کو بھی کرنا پڑا۔

"سندھ میں عربوں کی حکومت ختم ہونے پر ان کی جگہ غزنوی اور غوری سلاطین برسر اقتدار آئے تو خراسان اور ماوراالنہر سے سندھ آنے والے علماء میں محدثین کی کمی آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے علم حدیث معدوم ہونا شروع ہو گیا اور لوگ شعر و شاعری، فن نجوم ریاضی اور علوم دینیہ میں زیادہ تر اصول فقہ میں دلچسپی لینے لگے۔ یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی یہاں تک کہ علمائے ہند کا خاص مشغلہ یونانی فلسفہ رہ گیا اور علم تفسیر و حدیث سے غفلت بڑھ گئی۔ مسائل فقیہ کے سلسلے میں جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب و سنت میں آجاتا بس اس پر وہ قناعت کرنے لگے تھے۔ (۳۲)

فارسی پر عربی کی بالادستی

غزنویوں نے دراصل چوتھی صدی ہجری یعنی دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر

Marfat.com

میں شمال مغرب سے خروج کیا۔ ان کی آمد کے ساتھ ہی برصغیر پاک و ہند میں اسلامی عربی ثقافت و معیار فضیلت اور فارسی زبان کی درآمد و ترویج کا ایک نیا راستہ وا ہوا۔ اس راہ سے ایک ایسی نہر نکلی جس نے آئندہ کئی صدیوں تک ہندوستان کے کونے کونے کو سیراب کیا۔ اس کا منبع خراسان و ماوراالنہر تھا۔ وسط ایشیا کے یہ علاقے اہم علم و ثقافتی مرکز مشہور ہو چکے تھے اور عراق و شام کی وراثت و ہمسری انہیں زیب دیتی تھی۔ یہاں اگرچہ تعلیم کی اساس عربی زبان اور منقول پر تھی تاہم مقامی ضروریات کے مطابق عربی زبان میں کچھ تغیرات کا رونما ہونا خالی از اندیشہ نہ تھا۔ اس کے نتیجے میں پہلوی اور عربی کی آمیزش سے وجود میں آنے والی جدید فارسی نے شعر و انشا میں اپنی جگہ بنالی لیکن ایک طرف تو جدید فارسی وزن، بحر قافیہ اور اصناف سخن صنائع بدائع میں عربی کے تابع تھی اور اس کو اپنی قوت و شوکت اور جمال و حشمت کا سرمایہ مانتی تھی دوسری طرف مجلس ادب سے ماورا بلند پایہ علمی تصانیف میں اس کی اہمیت و فوقیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نظامی عروضی سمرقندی اپنے وقت کے دبیروں کے لئے جو نصاب تجویز کرتا ہے اس سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔

"پس عادت باید کرد خواندن کلام ربّ العزت و اخبار مصطفیؐ و آثار صحابہ و امثال عرب و کلمات عجم و مطالعہ کتب سلف و مناظرہ خلف چون ترسیل صاحب صابی و قابوس و الفاظ و امامی و قدامہ بن جعفر و مقامات بدیع و حریری و حمید و توقیعات بلعمی و احمد حسن و ابونصر کندری و نامہ ہلی محمد عبدہ و عبدالحمید و سید الروسا و مجالس محمد منصور و ابن عبادی و ابن انسابہ العلمی و از ین دواوین عرب دیوان متنبی و ابیوردی و غزی و از شعر عجم اشعار رودکی مثنوی فردوسی و مدائح عنصری (۳۲)۔

مذکورہ اقتباس میں جن احمد بن حسن کا ذکر ہے وہ "سلطان محمود غزنوی اور سلطان مسعود کے عہد کے وزیر احمد بن الحسن المیمندی ہیں جنہوں نے حکم دیا تھا کہ سرکاری تحریروں کی زبان عربی ہو نہ کہ فارسی (۳۴) ابوریحان البیرونی کا بیان ہے کہ فارسی زبان بادشاہوں کے اخبار اور بزم شبانہ کی خوش گپیوں کے علاوہ کسی مصرف کی نہیں (۳۵) اور یہ

Marfat.com

ایک طرح کی عصری شہادت ہے۔ البیرونی مزید کہتا ہے کہ:

"ہر قوم کو اپنی زبان شیریں معلوم ہوتی ہے جس سے وہ مانوس ہوتی ہے اور عادی ہونے کے سبب اسے ہی اپنی ضرورتوں کے لئے استعمال کرتی ہے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے جو زبان (خوارزمی) میرے حصے میں آئی وہ ایسی ہے کہ اگر اس میں کسی علم کو محفوظ کیا جائے تو ایسا ہی عجیب معلوم ہو گا جیسے اونٹ نالی کے منہ میں یا زرافہ پیالے میں۔ چنانچہ میں نے اپنی زبان کو چھوڑ کر عربی اور فارسی کو اختیار کیا۔ ان دونوں میں دخل رکھتا ہوں اور انہیں شعوری طور پر برتتا ہوں (۳۶)۔

صدیوں تک علمی تصنیف و تدریس میں عربی کا یہی مقام رہا اور فارسی کی ترقی مجلسی ادب اور زیادہ سے زیادہ تاریخ نویسی تک محدود رہی اور جہاں تک منقول کا تعلق ہے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے تحقیقی مطالعہ اور ان سے استنباط احکام کا عمل فقہ کی تدوین اور مذہب اربعہ کے استقرار پر ختم ہوا یہ فطری ارتقاء کی شکل تھی جو کم و بیش سارے عالم اسلام میں عام ہوئی۔ اس کے بعد قضاء کی ضرورتوں کے پیش نظر اگرچہ فقہ پر زیادہ زور دیا جانے لگا تاہم فقہ کے ایک اہم ماخذ کی حیثیت سے علم حدیث کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا رہا اور بعض ممتاز دانشور بھی ثقافت عامہ کے لازمہ کے طور پر حدیث کی سند حاصل کرتے رہے۔ عربیہ اور منقول کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے افق وسیع ہوتا چلا گیا اور تمدن نے پیش رفت کی مسلمان اجنبی علوم کے ذخائر سے الگ تھلگ نہ رہ سکے تا آنکہ منقول (منطق، فلسفہ، ریاضی اور ہیئت وغیرہ) نے نصاب میں جگہ پالی۔ وسط ایشیا کے علمی مراکز نے اس سلسلے میں دنیائے اسلام میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

لاہور، غزنوی عہد میں علم حدیث کا مرکز

برصغیر پاک و ہند میں غزنوی خاندان نے ۳۳۸ھ سے لے کر ۵۸۲ھ تک حکومت کی غزنوی سلطان محمود کی زیر قیادت شمالی ہند میں داخل ہوئے اور انہوں نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا (۳۷) ان کی آمد سے سیاسی فتوحات کے ساتھ ساتھ سارے شمالی

Marfat.com

ہند میں اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت ہونے لگی‛علمائے کرام اولیاء عظام اور صوفیاء و مبلغین اسلام بڑی تعداد میں ہندوستان کا رخ کرنے لگے۔ لاہور میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ۳۹۵ھ میں شیخ محمد اسماعیل نے بخارا سے آکر کیا۔ آپ حدیث و تفسیر کے تبحر عالم تھے۔ لاہور ابھی سلطان محمود غزنوی نے فتح نہیں کیا تھا۔ لیکن شیخ محمد اسماعیل اہل لاہور کے دلوں کو فتح کر چکے تھے۔ "ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی غیر مسلم نے شیخ موصوف کا قرب حاصل کر کے اسلام قبول نہ کیا ہو (۳۸)" ۴۴۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ سمعانی نے محدثین لاہور میں آپ کا ذکر نمایاں طور پر کیا ہے (۳۹)۔

شیخ محمد اسماعیل لاہوری کے علاوہ جن محدثین لاہور نے شہرت پائی ان میں ابوالحسن علی بن عمر (م ۵۲۹ھ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن (م ۵۵۰ھ اور ابوالقاسم محمد بن خلف (م ۵۴۰ھ) قابل ذکر ہیں۔ سمعانی نے کتاب الانساب میں نسبت لاہوری کے تحت ان سب کا ذکر کیا ہے۔ اول الذکر کا شہرہ تو بغداد تک تھا۔ "ابوالفضل محمد بن نصیر السلمی البغدادی (م ۵۵۰ھ کہ حافظ تھے ان سے سماع حدیث کے لئے لاہور آئے (۴۰) ثانی الذکر ابوالفتوح سمرقند میں درس حدیث دیتے تھے۔ پھر لاہور چلے آئے اور باقی زندگی یہیں اشاعت حدیث میں گزاردی موخر الذکر نے ایک عرصہ لاہور میں گزارا۔ بعد میں اسفرائین چلے گئے۔ اور وہاں علم حدیث کی اشاعت میں مصروف رہے۔

غزنوی سلاطین شافعی المسلک تھے۔ ان کے دور میں لاہور علم حدیث کا مرکز بنا رہا۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز یعنی ۶۰۲ھ میں سلطنت دھلی کا قیام عمل میں آیا تو ہندوستان میں فقہ کی گویا باقاعدہ ابتدا ہو گئی۔ "سلاطین دھلی حنفی المذہب تھے اور قدرتی طور پر ان کے قلوب میں عراق‛ فارس‛ خراسان اور ماوراء النہر کے فقہاء کے لئے بڑی جگہ تھی (۴۱)" چنگیز خان کی غارت گری سے وسطی ایشیا کا امن و سکون تہ و بالا ہوا تو وہاں سے علماء کی ایک کثیر تعداد ملتان‛ لاہور‛ بھکر‛ ھانس اور تھانیسو وغیرہ میں ہجرت کر آئی (۴۲) اور یہ شہر بلخ و بخارا کے ہم پلہ ہو گئے۔ دھلی کو مرکز ہونے کا شہرہ حاصل ہوا۔ ابھی پچاس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ان شہروں کی علمی و دینی حدود بنگال سے جا ملیں اور دھلی‛ بدایوں‛ آگرہ اور اجمیر وغیرہ میں ان گنت مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔ نصاب تعلیم میں عربی ادب‛ صرف و نحو‛ لسانیات فقہ‛

Marfat.com

منطق، تصوف اور تفسیر شامل تھے۔ علم حدیث بھی تھا لیکن اس کی بہ نسبت علماء فقہ و اصول فقہ پر زیادہ زور دیتے تھے۔ حدیث میں صرف صغانیؒ کی مشارق الانوار پڑھائی جاتی تھی۔

امام صغانی اور حدیث میں انکی خدمات

صاحب "مشارق الانوار" کی ولادت غزنوی حکمران خسرو ملک کے عہد میں بمقام لاہور ۱۰ صفر ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ اس وقت دار السلطنت لاہور سیاسی، تمدنی اور علمی مرکز تھا۔ غزنوی سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اور غوریوں کا ستارہ اقبال عنقریب طلوع ہونے کو تھا۔ رضی الدین حسن بن محمد بن حسن بن حیدر قرشی عمری حنفی کے اجداد ماوراء النہر کے ضلع صغانیان کے رہنے والے تھے۔ اس نسبت سے وہ صغانی کہلائے۔ یہ معلوم نہیں کہ ان کے بزرگوں میں پہلے کون اور کب لاہور یا ہندوستان آیا۔ انہوں نے لاہور اور غزنی میں تعلیم پائی اور ۶۱۵ھ میں ۳۸ سال کی عمر میں بغداد آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب چنگیز خانی فتنہ کے شعلے بغداد کی طرف لپک رہے تھے۔ خلیفہ بغداد المستنصر (۶۲۴۔۶۴۵ھ) نے انہیں ہندوستان کے فرمانروا (۴۳) کے پاس بطور سفیر بھیجا۔ چنانچہ امام صغانی ایک عرصہ تک ہندوستان رہے۔ پھر حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حج کے بعد یمن ٹھہرے اور یہاں سے بغداد کی راہ لی۔ بغداد سے دوبارہ ہندوستان آئے لیکن رضیہ سلطانہ (۶۳۴ھ ۔ ۶۳۷ھ) کے قتل کے بعد سلطنت دھلی میں جو بحرانی کیفیت پیدا ہوئی اس سے دل برداشتہ ہو کر مستقل طور پر بغداد چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ تہتر (۷۳) سال کی عمر میں شعبان ۶۵۰ھ میں انتقال کیا۔ وصیت کے مطابق مکہ معظمہ لے جا کر دفن کئے گئے۔

امام صغانی نے ساری زندگی علم حدیث کا درس دینے اور علم اللسان پر کتابیں لکھنے میں گزاری۔ وہ بلا شبہ حدیث و فقہ اور لغت و ادب کے امام تھے۔ انہوں نے لغت میں العباب الزاخر واللباب الفاخر (۴۴) اور مجمع البحرین فی اللغۃ (۴۵) ایسی اہم اور دقیق کتب تالیف کیں۔ ان کی دیگر تصانیف باعتبار حروف تہجی یہ ہیں۔

"الاسماء (اسماء الاسد) اسماء الغادۃ، الاصفاد، الاضداد، الافتعال، التجرید و جمل الصنانی، التراکیب، تعزیر بیتی الحریری،

التکملہ علی الصحاح (التکملہ و الذیل و الصلہ) توشیح الدریدیہ (شرح قلادہ الشمطیہ فی توشیح الدریدیہ) درالسحابہ فی بیان مواضع و فیات الصحابہ الدر الملتقط فی تبیین الغلط' الذیب' رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ' السالکین' شرح ابیات الفصل فی النحو للز مخشری' شرح البخاری' الشمس المنیرہ فی الحدیث' الشوارد فی اللغات' فی الضعفاء و المترو کین فی رواۃ الحدیث' العباب الزاخر و اللباب الفاخر فی اللغتہ' العروض (مختصر فی العروض فرائض) الصغانی' فعال و فعلان' کشف الحجاب عن احادیث الشہاب مجمع البحرین فی اللغتہ' مشارق الانوار فی الحدیث' مصباح الدجی فی الحدیث المصطفی' مناسک الصغانی"۔

امام صغانی نے علم حدیث میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ان سے قبل مسلم علماء و فضلاء کے اجتہاد کی بدولت قرآن و سنت پر مبنی شریعت اسلامی کے چار فقہی نظام حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی کا ظہور ہو چکا تھا۔ ان میں سے پہلے تین تو اجماع و قیاس کو مانتے ہیں چوتھے یعنی حنبلی تسلیم نہیں کرتے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق کی تحقیق کے مطابق۔

"سنیوں کے ممالک میں ان چاروں فقہی مذاہب کے پیرو یکساں طور پر منقسم نہ تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں یہ تقسیم اس طرح تھی کہ المغرب یعنی شمال مغربی افریقہ میں مالکی تھے۔ شام اور بغداد میں حنبلی یا اصحاب حدیث' سلطنت کے مشرقی صوبوں میں حنفی' نیشاپور اور ماوراالنہر کے بعض علاقوں کو مستثنیٰ کر کے جہاں کے لوگ شافعی مسلک کے پیرو تھے،ان کے علاوہ مصر میں بھی شافعی اکثریت میں تھے،ہر ایک فقہی مذہب بذات خود ایک وحدت تھا اور اس کے مقلدوں کی رہنمائی اور اس کی انفرادیت کے تحفظ کے لئے فقہ کی تعلیم لازمی تصور کی گئی۔ اس طرح فقہاء کا طبقہ پیدا ہوا جو آگے چل کر

Marfat.com

حکومت کے قانون اور مذہبی امور کے محکموں میں ذمہ دار عہدوں پر فائز کیا جانے لگا۔ غزنویوں اور ایوبیوں نے شافعی فقہ ترکوں نے حنفی فقہ اور ہسپانیہ کے امرا نے مالکی فقہ نافذ کی"(۴۶)

اس طرح امام صغانی کے زمانے میں علم حدیث کی جگہ علم فقہ کو زیادہ فروغ ہو رہا تھا۔ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں جب فقہ شافعی اور المستنصریہ میں فقہ اربعہ کے شعبے قائم ہوئے تو فقہ میں مسلمانوں کی دلچسپی اور بڑھ گئی۔ حنابلہ تک فقہ میں رسائل لکھنے لگے۔ یہ رسائل تو قرآن و حدیث پر مبنی ہوتے تھے تاہم یقینی امر ہے کہ اب علوم دینیہ میں حدیث کی ضرورت صرف اس حد تک رہ گئی تھی کہ وہ فقہی مذاہب کی ضرورت کو پورا کرے۔ اس سے علم حدیث کو ایک طرح سے کافی نقصان پہنچا کیونکہ صحت حدیث کے معیار کو برقرار نہ رکھا جا سکا۔ روایت و درایت کے اصول محض الفاظ کی زینت اور کتابوں کا خزینہ بن کر رہ گئے اور قدرتی طور پر متعدد ضعیف احادیث فقہی ادب میں داخل ہوتی چلی گئیں۔ ابن جوزی (م ۵۹۷ ھ) ایسے ناقدین موضوع احادیث کی بہتات کے پیش نظر عمل تطہیر کے لئے میدان میں اترے مگر دلچسپ امر یہ ہے کہ اپنی تصنیف الموضوعات الکبیر میں کچھ صحیح حدیثوں کو بھی شامل کر گئے۔ اس سے محدثین کے نزدیک مسئلے میں مزید پیچیدگی پیدا ہوئی۔ ابن جوزی کے تقریباً پچاس سال بعد امام صغانی نے اس طرف توجہ دی اور حدیث کے بارے میں ارباب علم کی روش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

" موضوع کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قصہ گو مجلسوں میں امام خطبوں میں اور فقہاء اور فقرا مدرسوں اور خانقاہوں میں انہیں بیان کرنے لگے ہیں۔ یوں موضوع احادیث کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ یہ صورت حال سنت رسولؐ سے قطعی ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جعلی احادیث اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب نہاد اقوال کی اشاعت بلا روک ٹوک کتابوں کے ذریعے ہونے لگی ہے۔ مصنف کا نام مشہور ہونے کی وجہ سے اخلاف ان کتب کو بخوشی قبول کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں دین اسلام خطرے میں پڑ گیا ہے" (۴۷)

Marfat.com

امام صغانی نے علم حدیث کی خدمت میں اصول و قواعد کے مطابق کام کیا۔ انہوں نے موضوعات پر اپنے رسائل میں ایسے مباحث کی نشاندہی کی جن سے متعلق احادیث عموماً گھڑی جاتی ہیں۔ وہ مقررہ شرائط حدیث کے علاوہ حدیث کی نوعیت الفاظ اور معنی کو بھی ملحوظ رکھنے پر زور دیتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ قال الرسول ایسا حکم ہے جو صحیح حدیث کے سوا اور کسی روایت کو زیب نہیں دیتا۔ امام صغانی نے ایسی ہی تنقیحات و توضیحات کے ساتھ ساتھ احادیث گھڑنے والے ماہرین کی ایک فہرست مرتب کی۔ وہ احادیث نبوی کو موضوعات سے پاک کر دینے پر ہی قائع نہ تھے بلکہ انہوں نے احادیث صحیحہ کو مقبول عام بنانے اور انہیں لوگوں تک پہنچانے کے لئے بھی کامیاب سعی کی اور علم حدیث میں یہ ان کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

احادیث میں امام صغانی نے سب سے پہلے دو مختصر مجموعے مرتب کئے۔ مصباح الدجیٰ من صحاح حدیث المصطفیٰ اور الشمس المنیرہ من صحاح الماثورہ۔ امام صغانی کا اپنا بیان ہے کہ ان کے یہ مجموعے مسلمانوں میں بہت مقبول ہوئے۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے مشارق الانوار کے نام سے صحیحین کا ایک انتخاب مرتب کیا۔ اسے بھی بے پناہ قبولیت و شہرت حاصل ہوئی۔ (۴۸) اس کتاب کے شارح اکاز رونی کے بقول مشارق الانوار میں احادیث کی کل تعداد ۲ ہزار ۲ سو ۴۶ ہے۔ اس کے بارہ ابواب ہیں۔ خاء سے مراد بخاری، م سے مراد مسلم اور ق سے مراد متفق علیہ احادیث ہیں (۴۹) لیکن قوینہ کے دارالفنون سے شائع ہونے والے ایڈیشن میں مشارق الانوار کی احادیث کی کل تعداد ۲ ہزار ۲ سو ۵۳ بتائی گئی ہے۔ اس میں سے ۳ سو ۲۷ صحیح بخاری سے ۸ سو ۷۸ صحیح مسلم سے اور باقی ایک ہزار ۵۱ متفق علیہ ہیں (۵۰)۔

امام صغانی کی اس تصنیف کا پورا نام مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ ہے۔ اس میں انہوں نے صرف احادیث قولیہ کا انتخاب کیا ہے اور انہیں احادیث فعلیہ و تقریریہ، نیز تابعات، شواہد اور روایت بالمعنی پر ترجیح دی کیونکہ بقول ان کے شریعت کے اصول مدون کرنے میں احادیث قولیہ کا کردار اہم مرکزی اور بنیادی رہا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ کے لئے تصنیف کی اور اس میں اپنی چاروں

Marfat.com

کتب مصباح الدجیٰ، شمس المنیرہ، کتاب الشہاب اور کتاب النجم کو یکجا کر کے ایک نئی صورت عطا کر دی جو ایک عرصہ تک برصغیر کے دینی مدارس میں نصاب کا حصہ بنی رہی۔

ساتویں صدی ہجری کے بعد

حدیث پر فقہ کی برتری کے باعث ساتویں صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری کے تقریباً ربع اول تک برصغیر پاک و ہند میں محدثین کی بڑی کمیابی رہی۔ اس عرصہ میں جن محدثین کے نام پڑھنے میں آتے ہیں ان میں شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ) قاضی منہاج السراج جوزجانی (م ۶۶۸ھ) برھان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد بخاری (م ۶۸۷ھ) کمال الدین زاھد (م ۶۸۴ھ) رضی الدین بدایونی (م ۷۰۰ھ) تو ئمہ البخاری حنبلی (م ۷۰۰ھ) اور شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر تو باقاعدہ ایک مکتب محدثین کے مالک ہوئے۔

شیخ بہاء الدین زکریا صحابی رسول ھبار بن اسود کی اولاد اور شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کے حلقہ مریدین میں سے تھے۔ ملتان کے قریب کٹ کرا میں ان کی ولادت ہوئی۔ بخارا اور خراسان میں تعلیم پائی پھر زیارت حرمین کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔ اس عرصہ میں مدینہ کے محدث کمال الدین محمد الیمنی سے پانچ سال تک حدیث کی تعلیم پائی۔ واپس آکر حدیث کی اشاعت میں مصروف رہے۔ صفر ۶۶۶ھ میں انتقال کیا (۵۱)

قاضی منہاج السراج کا تعلق خراسان کے شہر جوزجان سے تھا۔ ۶۲۳ھ میں انہوں نے وطن کو خیرباد کہ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ ناصر الدین قباچہ اور سلاطین دھلی التتمش، رضیہ سلطانہ، بہرام اور ناصر الدین محمود کے ادوار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اچ کے مدرسہ فیروزیہ اور دھلی کے مدرسہ نصیریہ کے صدر معلم کی حیثیت سے انہوں نے اشاعت حدیث کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ طبقات ناصری میں انہوں نے سنن ابی داؤد سے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔

برھان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد بخاری، امام صغانی کے شاگرد تھے۔ ان ہی کے ہاتھوں دھلی میں مشارق الانوار کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ الھدایہ کے نامور مصنف برھان الدین

المرغینانی (م ۵۹۲ھ) سے بھی زندگی میں مرغینان جاکر ملاقات کی تھی۔ کمال الدین زاھد کا پورا نام محمد بن احمد بن محمد الرکلی تھا۔ جنہوں نے مشارق الانوار امام صغانی کے دو شاگردوں سے پڑھی۔ ان میں سے ایک برھان الدین محمود تھے۔ ان کے معاصرین میں رضی الدین بدایونی (م ۷۰۰ھ) اور ابو توئمہ البخاری نے نمایاں شہرت پائی۔ رضی الدین علمائے دھلی میں سے تھے اور علم حدیث میں انہیں کافی عبور حاصل تھا۔ (۵۴) کومل کے قاضی رہے۔ مکہ معظمہ اور بغداد کے محدثین سے انہیں شرف تلمذ حاصل تھا۔ ابو توئمہ بخارا کے رہنے والے تھے لیکن نقل مکانی کرکے التتمش کے زمانے میں دھلی آگئے۔ بعد میں سنار گاؤں چلے گئے اور ساری زندگی وہیں علم حدیث کی خدمت میں گزار دی۔ ان سے فیض یاب ہونے والوں میں مشہور ولی اور محدث مخدوم شرف الدین فیری (م ۷۸۲ھ) تھے۔ کمال الدین زاھد سے مستفیض ہونے والوں میں شیخ نظام الدین اولیاء کا نام و مرتبہ بلند ہے۔

محدثین ھند کے مکاتب اربعہ

محمد بن احمد بن علی المعروف بہ نظام الدین اولیاء کی ولادت بدایوں میں ۶۳۴ھ میں ہوئی ان کے دادا اور نانا منگولوں کے حملے کے دوران بخارا سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے تھے شیخ نظام الدین اولیاء نے ابتدائی تعلیم علاؤ الدین اصولی بدایونی اور شمس الدین خوارزمی سے حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں عربی ادب اور فقہ پر عبور پا لیا اور حدیث کا مطالعہ شروع کیا ان کی شہرت ایک ولی اللہ کی حیثیت سے پھیل چکی تھی، عالم اور ولی کے اوصاف سے متصف ہونے کے باوجود انہوں نے شیخ کمال الدین زاھد کے سامنے مشارق الانوار کے درس کے لئے زانوئے تلمذ تہ کرنے میں کسی قسم کی عار محسوس نہ کی۔ ۶۷۹ھ میں انہیں مشارق الانوار سے فراغت کی سند ملی۔ خواجہ نظام الدین نے مشارق الانوار کو حفظ بھی کیا اور پھر علماء کی جامع تقلید پسندی ترک کرکے محدثین کا مسلک اختیار کر لیا۔ باقی زندگی اپنی خانقاہ میں آنے والوں کو مطالعہ حدیث کی تلقین میں گذار دی۔ ان کے حلقہ مریدین میں سے ایک معقول تعداد علم حدیث میں مہارت رکھنے والوں کی ابھری جن میں شمس الدین محمد بن یحیی اودھی (م ۷۴۷ھ) فخر الدین سانوی دھلوی (م ۷۴۸ھ) ضیاء الدین برنی (م ۷۵۸ھ تقریباً)

Marfat.com

محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی (م ۷۱۹ھ) نظام الدین علامی ھاشمی ظفر آبادی (م ۷۳۵ھ) شیخ نصیر الدین چراغ دھلوی (م ۷۵۷ھ) وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

شیخ نصیر الدین چراغ کو علم حدیث پر کافی دسترس حاصل تھی۔ جس کا ثبوت ان کے ملفوظات خیر المجالس سے ملتا ہے۔ ان کے تلامذہ و مریدین میں ابوالفتح صدر الدین محمد بن یوسف بن علی الحسینی (م ۷۲۱ھ) المشہور بہ سید محمد گیسو دراز شیخ وجیہ الدین، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) اور شمس الدین خواجگی کڑاوی (م ۹۷۹ھ) نامور ہوئے ان سب نے حتی المقدور اشاعت حدیث میں حصہ لیا۔

سید محمد گیسو دراز تو تیمور کے حملے کی وجہ سے ۸۰۱ھ میں دھلی کو خیرباد کہ کر گجرات اور دولت آباد سے ہوتے ہوئے ۸۰۳ھ میں گلبرگہ چلے آئے۔ جہاں سلطان فیروز شاہ بہمنی نے ان کا خیر مقدم کیا۔ نزھتہ الخواطر میں ہے کہ آپ نے اسلامی علوم کے بارے میں سو کے قریب کتب و رسائل لکھے۔ ان میں شرح مشارق الانوار، مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ترجمان مشارق الانوار کتاب الاربعین اور رسالہ سیرت النبی قابل ذکر ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین اپنی تصنیف مفتاح الجنان کی وجہ سے مشہور ہوئے جس میں عبادات اور اخلاقیات سے متعلق انہوں نے فارسی میں ھدایات قلمبند کیں۔

قاضی شہاب الدین نے مشارق الانوار مصابیح السنہ مشکوۃ المصابیح اور طحاوی کی شرح معانی سے ماخوذ قرآن و حدیث کی آیات و ارشادات پر مشتمل و ماخوذ رسالہ مناقب السعادات (شرف السادات) کے سبب شہرت پائی۔

شمس الدین خواجگی نے مشارق الانوار سے چہل حدیث مرتب کی تھیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کے بعد ساتویں اور نویں صدی ہجری کے درمیان محدثین ہند کا دوسرا مکتب شرف الدین احمد بن یحیی منیری کا ہے۔ شوال ۶۶۱ھ میں بہار کے اس مشہور ولی اللہ کی موضع منیر میں ولادت ہوئی۔ سنار گاؤں کے شیخ ابو توامہ البخاری حنبلی سے انہوں نے حدیث کی تعلیم پائی۔ ۶۹۱ھ میں دھلی چلے آئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء سے بھی ملے۔ لاہور جانا ہوا تو شیخ نجیب الدین فردوسی (م ۷۳۳ھ) کے مرید ہو گئے۔ اس کے بعد تیس سال کی زندگی راج گیر کے جنگلوں میں عبادت اور مراقبے میں بسر کی۔ واپس آئے تو باقی زندگی

Marfat.com

اشاعت حدیث میں گزار دی۔ نواب صدیق حسن کا بیان ہے کہ شرف الدین منیری حدیث سے متعلق تمام علوم تاویل الحدیث، علم رجال الحدیث اور علم مصطلحات الحدیث پر بہت عبور رکھتے تھے(۵۴)۔ ان کی تصوف کی کتابیں اور مکتوبات اقوال احادیث سے پُر ہیں جن میں انہوں نے روایت بالمعنی، شروط الراوی وغیرھم پر طویل بحثیں کی ہیں اور صحیحین مسند ابو یعلی الموصلی شرح المصابیح اور مشارق الانوار سے کثیر حوالے دئے ہیں۔

مخدوم الملک شرف الدین کے مکتب حدیث سے مظفر بن شمس الدین بلخی (م ۷۸۶ھ) حسین بن معز بخاری (م ۸۴۴ھ) اور احمد لنگر دریا (م ۸۹۱ھ) کندن بن کر نکلے اول الذکر مشارق الانوار کے علاوہ صحیحین پر کامل عبور رکھتے تھے۔ ثانی الذکر نے شرف الدین کے علاوہ عدن کے خطیب العدنی سے حدیث کی تعلیم پائی تھی اور حضرات الخمس اور فارسی کے ایک دیوان کے علاوہ رسالہ اوراق قلمبند کیا جس میں صحاح ستہ سنن بیہقی اور مستدرک الحاکم سے بکثرت احادیث پیش کیں۔ احمد لنگر دریا کی تالیف مونس القلوب میں بھی صحیحین اور مشارق الانوار کے بکثرت حوالہ جات ملتے ہیں۔ لنگر دریا نے مصابیح السنہ چھ ماہ میں حفظ کرلی تھی۔

خواجہ نظام الدین اولیاء اور مخدوم الملک شرف الدین منیری کے بعد محدثین کا تیسرا مکتب ملتان میں شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی کوششوں سے قائم ہوا۔ علم حدیث کے اس مرکز کو ان کے بیٹوں اور پوتوں نے بے پناہ ترقی دی۔ جمال الدین محدث اور مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری اس مکتب حدیث کے روشن چراغ تھے۔ جمال الدین شیخ زکریا کے فرزند اور شیخ صدر الدین جانشین کے مرید تھے۔ انہوں نے ساری زندگی مشارق الانوار اور مصابیح السنہ کے درس میں گزاری۔ سید جلال الدین الحسین بن احمد الحسینی بخاری (م ۷۸۵ھ) نے حدیث کی تعلیم قاضی بہاؤ الدین اور جمال الدین محدث سے حاصل کی صوفی ہونے کے باوجود حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور مشارق الانوار اور مصابیح السنہ ان کے پیش نظر رہتی تھیں۔

محدثین ہند کا چوتھا اور آخری مکتب سید علی ھمدانی (م ۷۸۶ھ) کا ہے۔ امیر کبیر سید علی بن شہاب ہمدانی کا تعلق خراسان سے تھا۔ ۷۷۳ھ میں اپنے سات سو معتقدین کے

ساتھ کشمیر آئے اور تبلیغ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ سلطان قطب الدین فرمانروائے کشمیر (۷۷۰ھ - ۷۹۵ھ) کو ان کا مرید ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے درس حدیث کے ساتھ ساتھ حدیث میں رسائل کی تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چنانچہ ان کے رسائل میں السبعین فی فضائل امیر المومنین اہل بیت کی فضیلت کے بارے میں ستر احادیث کا مجموعہ ہے جو غالباً مسند فردوس الدیلمی سے لی گئی ہیں اور جسے محدثین معتبر نہیں سمجھتے۔ اس کے علاوہ انہوں نے انس بن مالک سے مروی چالیس احادیث کا ایک مجموعہ اربعین امیریہ کے نام سے تیار کیا لیکن ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ شہرت ذخیرۃ الملوک کو نصیب ہوئی۔

سید علی ہمدانی کے مکتب محدثین میں سید جمال الدین اور قاضی حسین شیرازی مشہور ہوئے۔ اول الذکر کو سلطان قطب الدین نے خصوصی طور پر کشمیر میں درس حدیث کے لئے تعینات کیا جب کہ ثانی الذکر قاضی مقرر کئے گئے۔ قاضی حسین شیرازی نے ساتویں صدی ہجری کے بدنام ترین وضاع بابا رتن الہندی کی نقلی حدیثیں احادیث رتنیہ کے نام سے جمع کر کے اس کے ڈھول کا پول کھولا۔ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ بابا رتن الہندی نے صحابی رسول ہونے کا بھی دعوی کیا تھا (۵۴)۔ سید علی ہمدانی کے فرزند میر محمد ہمدانی (م ۸۰۹ھ) کے لئے سلطان قطب الدین کے فرزند سلطان سکندر نے ۷۹۹ھ میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی جو خانقاہ معلی کے نام سے مشہور ہوئی اور جسے بعد میں محدث حاجی کشمیری نے باقاعدہ اشاعت حدیث کے مرکز میں تبدیل کیا۔

علم حدیث سے بے اعتنائی

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے رسالہ مناقب العادات یا شرف السادات (۵۵) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے وسط تک جون پور کی عظیم الشان دینی درسگاہ میں احادیث کے صرف چند مجموعے یعنی مشارق الانوار، مصابیح السنہ، مشکوۃ المصابیح اور شرح معانی موجود تھے۔ رسالہ مناقب العادات نویں صدی ہجری کے اوائل میں لکھا گیا اور اس میں احادیث کے مذکورہ بالا مجموعوں کے علاوہ الھدایہ، الکشاف، تفسیر

Marfat.com

بیضاوی ' فتاوی قاضی خان ' فتاوی تاتار خانیہ ' الدر المنثور ' شرح فرائض سراجیہ ' از تفتازانی ' البحر المحیط ' ابو القاسم کی تاریخ انسب اور اخبار الشمار وغیرہ کتب سے بھی گویا "احادیث" نقل کی گئی ہیں۔ اس سے ہندوستان میں علم حدیث کی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جونپور کی عظیم الشان درسگاہ میں جب جوامع ' مسانید ' اور سنن جیسی کوئی کتاب موجود نہ تھی تو دوسرے شہروں کے مدارس کا کیا حال ہو گا حالانکہ دھلی اور بعض دیگر شہروں کا تمام تر سرمایہ علم تیمور کے حملے کے وقت جونپور منتقل کر دیا گیا تھا۔ حدیث کی گویا تین چار کتابیں ہی سارے ہندوستان میں موجود تھیں اور غالباً ان ہی کے درس پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ فن حدیث میں فقط امام صغانی کی مشارق الانوار پڑھ لی جاتی تھی۔

"اگر کوئی شخص اس فن میں زیادہ ترقی کرتا تو امام بغوی کی مصابیح السنہ یا مشکوۃ پڑھ لیتا اور ایسے شخص کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ محدث ہو گیا ہے۔ اس کی غالباً وجہ ہند کے مسلمانوں کی فن حدیث کی اہمیت و مرتبیت سے ناواقفیت تھی۔ وہ علم حدیث سے کماحقہ آگاہ نہ تھے۔ آئمہ کے اقوال سے آگہی تو دور کی بات ہے۔ وہ صرف تبرکاً مشکوٰۃ شریف پڑھ لیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے قیمتی سرمایہ علم فقہ تھا جسے وہ تحقیق کے طور پر نہیں بلکہ تقلید کے لئے پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے فتاوی و روایات فقہ کا رواج بہت عام ہو گیا تھا۔ نصوص و محکمات متروک ہو گئی تھیں (۵۶)۔

اس دور میں برصغیر پاک و ھند کے مسلمانوں کے علمی ذوق اور علم حدیث سے بے اعتنائی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت (۷۲۰ھ - ۷۲۵ھ) میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لئے علماء میں ایک مناظرہ ہوا جس میں ایک فریق خواجہ نظام الدین اولیاء تھے اور دوسری طرف علماء۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے سماع کی حمایت میں احادیث پیش کیں تو علماء نے انہیں یہ کہتے ہوئے نہایت بے باکی سے مسترد کر دیا کہ یہاں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ کا کوئی قول لایا جائے۔ بعض علماء کا اعتراض یہ تھا کہ نظام الدین اولیاء نے جو حدیث پیش کی ہے اس سے شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ چونکہ حنفی المقلد ہیں لہٰذا وہی حدیث لائیں جس سے

Marfat.com

امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہو(۵۷)۔

علم حدیث سے ہندوستان کے مسلمانوں کی بے اعتنائی کا اندازہ ایک اور واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ ۔ ۷۱۵ھ) کے عہد کا ہے۔ برنی کا بیان ہے کہ مشہور محدث مولانا شمس الدین ترک اس زمانے میں مصر سے ملتان تشریف لائے۔ ان کی آمد کی غرض صرف اور صرف ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت تھی۔ ان کے پاس حدیث اور متعلقات حدیث کی تقریباً چار سو کتابیں تھیں۔ وہ حدیث کی ایک شرح لکھ کر بادشاہ کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ مگر ملتان پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ بادشاہ نماز کا پابند نہیں اور جمعہ بھی نہیں پڑھتا۔ یہ سنتے ہی انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ واپس چلے گئے بادشاہ کو لکھ بھیجا:

"من از مصر خدمت بادشاہ شہر دھلی کردہ بودم و تا از برائے خدائے تعالی و مصطفے را مذہب علم حدیث در دھلی ثابت کنم و مسلمانان را از عمل کردن روایت دانشمندان بے دیانت برھانم (۵۸)

ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا ایک سبب جہاں یہ ہے کہ یہاں فقہ اور اصول فقہ کو اس علم پر ترجیح دی جانے لگی وہاں اس کی ایک وجہ کتب احادیث کی نایابی بھی ہے مشارق الانوار، مصابیح السنہ اور شرح معانی کے علاوہ حدیث کی جن کتابوں کا خال خال ذکر ملتا ہے وہ صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح، سنن البیہقی، المستدرک للحاکم مسند فردوس الدیلمی اور مسند ابو علی الموصلی ہیں، جیسا کہ ساتویں صدی سے لے کر نویں صدی ہجری تک کے محدثین کے تذکروں میں اشارات ملتے ہیں۔ سنن ابی داؤد کے حوالے صرف جوزجانی کی طبقات ناصری میں ہیں۔ اس کے بعد اس کتاب کا کہیں پتا نہیں چلتا۔ اس لئے قیاس اغلب ہے کہ گم ہو گئی یا کہیں اور منتقل کر دی گئی۔ مشکوۃ المصابیح کے متعلق کوئی واضح شہادت نہیں ملتی لیکن گمان غالب ہے کہ تبریزی (م ۷۳۹ھ) کی یہ تالیف نویں صدی ہجری کے اوائل میں کوئی ہندوستان لایا اور یہ جون پور کی درسگاہ میں موجود تھی۔

ایک خیال یہ ہے کہ آٹھویں صدی ہجری یعنی چودھویں صدی عیسوی میں محمد بن تغلق کی "معقول" کی سرپرستی میں قدرے اضافہ ہوا (۵۹) اور جب نویں صدی ہجری میں

Marfat.com

شیخ عبداللہ التلہنی اور شیخ عزیز اللہ ملتان کو خیرباد کہ کر سکندر لودھی کے دربار سے مشرف ہوئے تو معقول کا پلہ اور بھاری ہو گیا(۱۹) اگرچہ دین و دنیا دونوں کے لئے فقہ و اصول کی ضرورت و اہمیت بحال تھی اور عربی کے بغیر علم و ثقافت کا دروازہ کھلنا ممکن نہ تھا البتہ فقہ و اصول اور پھر معقول کے عروج کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ غزنوی دور سے لے کر نویں صدی ہجری تک علم حدیث کے اہتمام میں برابر کمی آتی چلی گئی اور آخر میں بقول صاحب الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند نصاب تعلیم میں اس کی شمولیت برائے تبرک رہ گئی۔

نویں صدی ہجری میں علم حدیث کا احیاء

آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں مرکزی حکومت کی کمزوری کے سبب ہندوستان میں بعض چھوٹی چھوٹی نوخیز ریاستوں کا وجود عمل میں آچکا تھا۔ ان میں بہمنی اور گجرات کی مظفر شاہی سلطنتیں قابل ذکر ہیں جن کے قیام سے علم کے نئے دروازے کھلے۔ ایک خیال یہ ہے کہ علم حدیث سے بے خبری کا سبب خدانخواستہ مسلمانوں کی قصداً بے اعتنائی نہ تھی بلکہ ہندوستان سے عرب تک اثنائے راہ کی دشواریوں کا مسئلہ تھا۔ لوگ افغانستان، ترکستان، ایران اور عراق وغیرہ سے ہو کر عرب میں داخل ہوتے تھے اور یہ راستے اس قدر پر خطر تھے کہ آمد و رفت بہت کم رہتی تھی۔ یہی حال عرب سے براہ خشکی ہندوستان آنے والوں کا تھا۔ شاہان دھلی اس وقت تک سمندر کے سواحل تک دخل نہ پا سکے تھے اس لئے دھلی کا مرکز ایک عرصہ تک علم حدیث کے سرچشمہ سے بہت کم سیراب ہوا۔

ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق جنوبی ھند میں مسلمانوں کی نو آبادیوں میں اسلامی علوم کی اشاعت تیسری صدی میں شروع ہو چکی تھی اور پھر آٹھویں صدی ھجری کے وسط میں جو ابن بطوطہ کا عہد ہے یہ سلسلہ کافی آگے نکل چکا تھا(۲۱) اس ضمن میں وہ بمبئی کے ضلع کنارا میں واقع ایک ایسی نو آبادی کا ذکر کرتا ہے جہاں مسلمان لڑکیوں کے لئے تیرہ اور لڑکوں کے لئے تیس مدرسے تھے اور یہاں کی خواتین عام طور پر حافظ قرآن ہوتی تھیں۔ سفرنامہ ابن بطوطہ میں کالی کٹ کی مساجد کا بھی ذکر ہے۔ ان مسجدوں میں دینی علوم کی باقاعدگی سے تعلیم دی جاتی تھی" شمالی ھند کے مسلمانوں کے برعکس کہ فقہ حنفی کے پیرو تھے جنوبی ھند کے

مسلمان شافعی تھے (۶۲)"

اس صورت حال کے پیش نظر کہ "احناف کو علم فقہ سے زیادہ دلچسپی تھی اور شوافع کو علم حدیث سے زیادہ لگاؤ تھا (۶۳)" یہ مشکل رہی کہ شمالی ھند میں بھی علم حدیث کا بڑھ چڑھ کر چرچا ہو۔ یہ امید نویں صدی ھجری میں بر آئی اور حجاز سے نشر حدیث کے مراکز دکن اور گجرات قرار پائے۔

بہمنیوں نے اپنی سلطنت آٹھویں صدی ھجری کے وسط میں سب سے پہلے دکن میں قائم کر لی تھی۔ وہ سواحل تک رسائی پا گئے۔ سلطان محمود بہمنی علم کا بڑا قدردان تھا سلاطین ھند میں اول اول اس نے علم حدیث کی اشاعت پر توجہ دی اور ۷۸۰ھ سے لے کر ۷۹۹ھ تک کے زمانے میں صورت حال یہ تھی کہ بقول فرشتہ:

"وبجہت محدثان اخبار حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

"در شہر ھائے کلاں وظائف مقرر کردہ در تعظیم ایشاں میکوشید" (۶۴)

مگر علم حدیث کے معاملے میں عرب و ھند کو ملانے کی سعادت سلاطین گجرات کو نصیب ہوئی۔ مسلمان گجرات پر پہلی صدی ھجری سے لے کر آٹھویں صدی ھجری کے وسط تک کئی ناکام حملے کر چکے تھے۔ آخر کار علاؤ الدین خلجی نے ان تمام ناکامیوں کو کامیابی میں بدل دیا۔ محمد شاہ تغلق کے عہد میں دوسرا گورنر ظفر خان گجرات پہنچا تو اس نے مرکز کی کمزوری کو دیکھ کر خود مختاری کا منصوبہ تیار کیا اور ۸۱۰ھ میں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مظفر شاہ کا لقب اختیار کر کے گجرات کی خود مختار سلطنت قائم کر لی۔ ۸۱۳ھ میں اس کے انتقال پر اس کا فرزند احمد شاہ سربراہ سلطنت ہوا جس نے گجرات کو عرب و ھند کے درمیان سلسلۃ الذھب بنا دیا۔ برسوں کی مسافت بحری راستہ کھلنے کے سبب مہینوں میں طے ہونے لگی اور حجاج کے قافلے سال بہ سال سلاطین بیجاپور و گجرات کی نگرانی میں سمندر کے راستے آنے جانے لگے۔ اس راستے سے مشتاقان علم نے ھندوستان سے عرب کی راہ لی اور عرب کی طرف سے آنے والے محدثین کے لئے ھندوستان کا راستہ کھل گیا۔

ھندوستان میں علم حدیث کا احیاء ان مکاتب محدثین کی بدولت ہوا جن کی بنیادیں نویں صدی ھجری میں محدث ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ھ۔ ۸۵۲ھ) اور بعض دوسرے

Marfat.com

محدثین نے رکھی تھیں۔ "ابن حجر عسقلانی کی قیادت میں ایک مکتب محدثین مصر میں قائم ہو چکا تھا" (۶۵) اس مکتب سے کئی نامور محدثین نکلے ان میں عبدالرحمٰن السخاوی (م ۹۰۲ھ) اور زین الدین زکریا الانصاری (م ۹۲۵ھ) قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے علی الترتیب حرمین اور قاہرہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ زکریا الانصاری کے تلمیذ رشید ابن حجر الہیثمی (۹۰۹ - ۹۷۴ھ) نے مکہ مکرمہ میں علم حدیث کی بے پناہ اشاعت کی۔ اس دور میں سیوطی (م ۹۱۱ھ) اور القسطلانی کی شہرت لب بام پہنچ چکی تھی۔ القسطلانی اور الانصاری مکاتب حدیث ھندوستان میں مقبولیت حاصل نہ کر سکے۔ ان مصری مکاتب کے مقابلے میں السخاوی اور الہیثمی کے حجازی مکاتب حدیث نے زیادہ پذیرائی پائی۔

الدمامینی اور محدث شیرازی

ھندوستان میں علم حدیث کے فروغ اور احیاء کا سہرا ابن حجر العسقلانی زکریا الانصاری، السخاوی اور ابن حجر الہیثمی کے مکاتب حدیث کے علاوہ ان دو نامور محدثین پر بھی ہے جو سب سے پہلے ترک وطن کرکے یہاں آئے۔ ایک بدر الدین محمد ابی بکر المخزومی الاسکندری المالکی الدمامینی اور دوسرے ابو الفتوح نور الدین احمد بن عبداللہ شیرازی۔ بدر الدین الدمامینی کی ولادت ۷۶۳ھ میں اسکندریہ میں ہوئی۔ انہوں نے اپنے دادا البہا الدمامینی اور ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کے علاوہ قاہرہ اور مکہ معظمہ کے متعدد اساتذہ سے لغت اور حدیث کی تعلیم پائی۔ کئی سال جامع الازہر میں مدرس رہے۔ سیوطی نے ان کا ذکر عربی لغت کے ممتاز ماہر کی حیثیت سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ الدمامینی صرف و نحو کے استاد مانے جاتے تھے (۶۶) انہوں نے علم حدیث پر بھی چند کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں مصابیح الجامع معروف بہ الفتح الربانی (۶۷) اور تعلیق المصابیح علی ابواب جامع الصحیح (۶۸) قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر صحیح بخاری کے متن میں صرف و نحو کی دقتوں کے بارے میں ہے اور یہ کتاب زبید کی ترک سکونت سے قبل ہی فرمانروائے گجرات کے نام معنون کردی تھی۔

بدر الدین الدمامینی، سلطان احمد بن مظفر شاہ کے عہد (۸۱۴ھ - ۸۴۳ھ) میں گجرات آئے، روانگی سے قبل انہوں نے یمن کی جامع زبید کو خیرباد کہا جہاں وہ مدرس تھے۔ گجرات

Marfat.com

آکر انہوں نے تعلیق الفرائض، تحفتہ الغریب، شرح المغنی اللبیب اور عین الحیات فی خلاصتہ حیات الحیوان تالیف کیں اور ان سب کا انتساب احمد شاہ کے نام کیا۔ اس زمانے میں دکن میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ - ۸۲۵ھ) اور اس کے جانشین احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ - ۸۳۸ھ) کے علم و تقویٰ اور دینداری کا بڑا شہرہ تھا۔ احمد شاہ بہمنی کی پیش کش پر بدر الدین الدمامینی گلبرگہ چلے آئے اور باقی زندگی یہیں علم حدیث کی اشاعت میں گزاری۔ شعبان ۸۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

الدمامینی کے ایک معاصر اور ممتاز محدث ابو الفتوح نور الدین شیرازی ہیں جن کی ولادت فارس کے مقام ابرقوہ میں ہوئی تھی۔ آپ بھی "احمد شاہ کے عہد حکومت میں گجرات آئے (۷۰) مجد الدین فیروز آبادی (۸۱۷ھ) شمس الدین الجزای (۸۲۲ھ) اور بابا یوسف الہروی کے شاگرد تھے۔ الھروی سے انہوں نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی تھی۔ گجرات آنے کے بعد عمر بھر درس حدیث دیتے رہتے۔

مکتب حدیث العسقلانی و السخاوی

ابن حجر عسقلانی کے مکتب حدیث سے تعلق رکھنے والوں میں یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن ابی الخیر الہاشمی الشافعی (۷۸۹ھ م ۸۴۳ھ) اور خواجہ عماد الدین محمود بن محمد بن احمد الکیلانی (۸۱۳ھ م ۸۸۶ھ) نامور محدثین تھے جو ہندوستان آئے اور علم حدیث کی احیاء کی تحریک میں حصہ لیا۔ یحییٰ بن عبد الرحمٰن اپنے قبیلہ کی نسبت سے ابن فہد اور خواجہ عماد الدین، محمود گاوان کے نام سے مشہور تھے۔ اول الذکر نے ۸۳۰ھ میں کھمبایت ہجرت کی اور ثانی الذکر کا علاؤ الدین شاہ بہمنی ثانی کے عہد (۸۳۸ھ - ۸۶۲ھ) میں دکن آنا ہوا (۷۱) ابن فہد نے مصر، مکہ اور مدینہ کے شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا۔ محمود گاوان جن کی پیدائش بحیرہ خضر کے ساحلی مقام کیلان میں ہوئی تھی اپنے بھائی احمد کے شاگرد تھے احمد بن محمد بن احمد نے ابن حجر عسقلانی سے تعلیم پائی۔ پھر محمود گاوان نے خود ابن حجر سے صحیح بخاری اور زین الدین (م ۸۴۵ھ) سے صحیح مسلم کا درس لیا۔ شام کے بعض آئمہ حدیث سے بھی تعلیم پاتے رہے۔ ریاض الانشاء (۷۲) ان کی مشہور کتاب ہے۔

Marfat.com

"محمود گاوان نے تقریباً پینتیس سال اپنی غیر معمولی قابلیت کی بدولت بہمنی سلطنت کی خدمت کی اور انتظامی اصلاحات کے ساتھ ساتھ اپنے علم کی وسعت اور علم حدیث کی سرپرستی اور قدر دانی کی وجہ سے شہرت پائی۔ انسانیت کے محسن اور ذاتی جوہر اور فضیلت رکھنے والے غریب اہل علم کے سرپرست تھے۔ بیدر میں انہوں نے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا اور اس میں ۳۵ ہزار علمی و دینی کتب مہیا کیں۔ محمد شاہ بہمنی ثانی (۸۶۷-۸۸۷ھ) نے انہیں ناحق ۵ صفر ۸۸۶ھ کو قتل کرا دیا" (۷۳)

وہ محدثین جن کا تعلق عبدالرحمٰن السخاوی کے مکتب حدیث سے تھا اور انہوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی نشرو اشاعت کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں ان میں ابوالفتح بن رضی المکی (م ۸۸۶ھ) احمد بن صالح، عمر بن محمد دمشقی (م ۹۰۰ھ) عبدالعزیز بن محمود طوسی شافعی (م ۹۱۰ھ) وجیہ الدین محمد المالکی (م ۹۱۰ھ یا ۹۱۹ھ) اصیل الدین حسین بن عبداللہ بن اولیا کرمانی (م ۹۲۲ھ) جمال الدین محمد بن عمر الحذرمی (م ۹۳۰ھ) المعروف بہ بحرق اور رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ) قابل ذکر ہیں۔ ابوالفتح (و ۸۵۴ھ) مکہ کے رہنے والے تھے۔ حجاز میں قیام کے دوران سخاوی سے علم حدیث حاصل کیا اور پھر سلطنت مالوہ کے دارالحکومت مانڈو پہنچ کر تیرہ سال درس حدیث دیتے رہے۔ احمد بن صالح، سلطان غیاث الدین فرمانروائے مالوہ کے عہد میں مانڈو آئے اور عمر بن محمد دمشقی ۸۵۷ھ میں کھمبایت پہنچے۔ ثانی الذکر نے کھمبایت ہی میں مستقل سکونت اختیار کی اور قاضی کھمبایت مقرر کئے گئے۔ "نزیل کھمبایت" ان کے نام کا جزو بن گیا تھا۔ حدیث کی تعلیم انہوں نے قاھرہ کی ایک محدث خاتون سارہ بنت جماعہ (م ۸۵۵ھ) سے حاصل کی اور ایک سال تک السخاوی سے بھی حدیث کی سماعت کرتے رہے۔

عبدالرحمٰن السخاوی کے دیگر تلامذہ میں عبدالعزیز شافعی (و ۸۳۶ھ) اور وجیہ الدین مالکی (و شعبان ۸۵۶ھ) ہیں۔ اول الذکر نے ابن حجر عسقلانی اور میر اصیل الدین بن جمال الدین شیرازی (م ۸۸۳ھ) کے شاگرد محمد بن عبدالعزیز ابہری سے کچھ مدت حدیث کا سماع کیا محمود گاوان کی ہدایت پر وہ شافعی فقہ پڑھاتے رہے۔ ثانی الذکر نے تقریباً ۸۹۸ھ میں گجرات

Marfat.com

پہنچ کر صوبیدار کھمبایت کے ایماء پر درس حدیث شروع کیا۔ قاضی عیاض کی کتاب الشفاء پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ انہیں ملک المحدثین کے خطاب سے نوازا گیا۔

اصیل الدین حسین کرانی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے السخاوی سے صحیح بخاری مسند شافعی اور مشارق الانوار ایسی کتب حدیث کا مطالعہ کیا۔ ۸۹۶ھ میں بیجاپور آئے اور یہاں چار سال تک حدیث کا درس دینے کے بعد واپس مکہ چلے گئے۔ بحرق کہ محدث تھے اور فقیہ بھی ۹۲۸ھ میں گجرات آئے اور سلطان مظفر ثانی کے اتالیق ہوئے۔ ۲۰ شعبان ۹۳۰ھ کو انہیں کسی درباری نے محض حسد کی بنا پر زہر دے دیا۔ آپ حضر موت کے رہنے والے تھے المنظری کی الترغیب والترھیب کی تلخیص التقویب والتھذیب (۷۴) کے نام سے کی۔ موخر الذکر رفیع الدین صفوی ہیں جنہوں نے "جلال الدین دوانی (م ۹۲۸ھ) کی شاگردی کے زمانے میں عبدالرحمٰن السخاوی سے بذریعہ مراسلت حدیث کی تعلیم پائی (۷۵)۔" اس کے بعد جب ان کے والدین ایران سے ہجرت کر کے حرمین چلے گئے تو رفیع الدین کو عبدالرحمٰن السخاوی سے مزید قربت اور علوم حدیث میں مہارت تامہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ شیخ کی وفات کے بعد وہ سلطان محمود اول کے عہد (۸۶۳ھ۔ ۹۱۷ھ) میں گجرات چلے آئے۔ اخبار الاخیار کی روایت کے مطابق سکندر لودھی کے عہد (۸۹۴ھ۔ ۹۲۳ھ) میں گجرات سے ہجرت کر کے آگرہ میں قیام کیا اور یہیں علم حدیث کی اشاعت کے لئے راہ ہموار کی۔ سکندر لودھی کی فرمائش پر اسے صحیح مسلم (۷۶) کا کچھ حصہ نقل کر کے دیا۔ ملا بدایونی کا بیان ہے کہ رفیع الدین صفوی نے چونتیس برس تک حدیث کا درس دیا (۷۷)۔ شیر شاہ سوری بھی ان کا بہت احترام کرتا تھا (۷۸)۔

زکریا الانصاری اور ابن حجر الہیشمی کے تلامذہ حدیث۔

عبدالمعطی الحضرمی (۷ رجب ۹۰۵ھ بمقام مکہ) اور شہاب الدین عباس (و ۹۰۳ھ بمقام مصر) زکریا الانصاری کے مکتب حدیث سے تعلق رکھنے والے نامور محدثین ہند ہیں جب کہ شیخ عبداللہ العیدروسی (و ۹۱۹ھ بمقام تریم نزد حضرموت) ابو السعادت محمد الفاکہی الحنبلی، میر مرتضیٰ شریف شیرازی اور میر کلاں محدث اکبر آبادی ابن حجر الہیشمی کے

Marfat.com

مکتب حدیث سے متعلق تھے۔ عبدالمعطی (م ذی الحج ۹۸۹ھ بمقام احمد آباد) نے اپنے والد حسن کی موجودگی میں زکریا الانصاری سے صحیح بخاری کا درس لیا تھا۔ "۹۶۲ھ کے لگ بھگ احمد آباد آگئے اور صحیح بخاری کا درس دیتے رہے۔ اسماء الرجال البخاری ایسی نامکمل مگر ضخیم کتاب بھی لکھی (۷۹)" شہاب الدین مبارک (م ۹۹۲ھ) نے زکریا الانصاری کو المقدسی کی عمدۃ فی الحدیث اور نوری کی الاربعین حفظ کر کے سنائی تھیں (۸۰) گجرات آکر انہوں نے علم حدیث کی شمع فروزاں رکھی۔

شیخ عبداللہ العیدروسی (م ۹۹۰ھ) ممتاز مصنف شیخ عبدالقادر العیدروسی صاحب النور السافر کے والد تھے۔ مکہ معظمہ میں انہوں نے ابن حجر الہیثمی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور السخاوی کے بعض شاگردوں سے سماع حدیث کیا۔ ۹۵۸ھ میں ہجرت کر کے احمد آباد آئے اور باقی زندگی یہیں صحیح بخاری اور احیاء علوم الدین کے درس میں گزار دی۔ مشکوۃ المصابیح کی ایک شرح بھی لکھی جس کے دو قلمی نسخے بمبئی اور سوات میں ہیں۔ ان کے علاوہ ابن حجر الہیثمی کے تلامذہ میں ابو السعادت محمد الفاکہی (م ۹۹۲ھ) تھے۔ ۹۵۷ھ میں انہوں نے احمد آباد ہجرت کی اور یہاں کافی عرصہ درس حدیث کی خدمت جاری رکھی۔ میر مرتضیٰ (م ۹۷۴ھ) سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) کے پوتے تھے۔ مکہ معظمہ سے خدمت حدیث کا جذبہ انہیں پہلے دکن لایا پھر وہ ۹۷۲ھ میں اکبر آباد (آگرہ) آگئے۔ محمد سعید (م ۹۸۳ھ) بن مولانا خواجہ کو میر کلاں محدث اکبر آبادی کے نام سے شہرت ملی۔ انہوں نے شیراز میں نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین محدث سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ مکہ معظمہ میں بھی حدیث کا درس دیتے رہے اور "شیخ الحرم المکی" مشہور ہوئے۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) اور غضنفر بن جعفر نہروالی (م ۱۰۰۰ھ) نے اس زمانے میں ان سے مشکوۃ المصابیح پڑھی تھی۔ میر کلاں نے آخری زندگی اکبر آباد میں گزاری جہاں علم حدیث کی اشاعت ان کا مقصد حیات تھا۔

علم حدیث کا عروج و زوال۔

آٹھویں صدی ہجری کے وسط سے لے کر دسویں صدی ہجری کے اختتام تک جنوبی ہند اور

Marfat.com

شمالی ھند دونوں جگہ علم حدیث کو خاطر خواہ فروغ ہوا۔ سلاطین ھند میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے سلطان محمود شاہ اول نے محدثین کی سرپرستی شروع کی اور علمائے حدیث کو نہ صرف وظائف دیئے بلکہ ہر طرح کی سہولتیں بھی بہم پہنچائیں ۔ اس کے دور میں گلبرگہ، بیدر، دولت آباد، ایلچ پور، جیول اور زابل محدثین کی سرگرمیوں کا مرکز بنے رہے (۷۱)۔

سلطان محمود شاہ کے جانشین فیروز شاہ کے عہد میں گلبرگہ میں صحیحین مشکوۃ المصابیح اور حدیث کی متعدد مستند کتابیں موجود تھیں ۔ احمد شاہ بہمنی اول سید محمد گیسودراز کا مرید تھا اور سیرت رسول کا اس قدر شیدائی کہ ولی بہمنی اس کا لقب ہو گیا تھا۔ فرشتہ نے بتایا ہے کہ اسے فقہ اور علم کلام کے علاوہ علم حدیث پر دسترس حاصل تھی۔ سلطان محمود بہمنی ثانی کی علم حدیث سے رغبت کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ ۸۸۷ھ میں ایک عالم ابو سعید حسین نے جو تجارت کے پیشے سے منسلک تھے۔ مشکوۃ المصابیح کی ایک نقل تیار کرائی اور اسے سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ عبدالرحمٰن السخاوی کے دور میں سات محدثین ھند میں سے چار نے مستقل طور پر دکن میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ الدمامینی اور ابن فہد کا گجرات کو خیرباد کہہ کر دکن چلے آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ بہمنی سلاطین مظفر شاہی سلاطین سے زیادہ محدثین کے قدردان تھے۔

علم حدیث کے عروج کے اس دور میں بیجاپور کے عادل شاہی حکمرانوں کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے "ابراہیم عادل شاہ اول (۹۴۱ھ - ۹۶۵ھ) اور ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ - ۱۰۳۷ھ) سنی تھے اور باقی چھ شیعہ (۸۱)۔ ثانی الذکر تو شیعہ سنی یگانگت اور دیگر مذاہب میں غیر جانبداری کی وجہ سے "نورس" مشہور تھا (۸۲)۔ اس نے خطبہ میں خلفائے راشدین کے ساتھ اماموں کے ناموں کا اضافہ کر دیا (۸۳) اور بیجاپور کی عظیم الشان مسجد کے آرائشی کتبات میں عشرہ مبشرہ کے فضائل ظاہر کرنے والی صحیح بخاری اور مشکوۃ المصابیح سے احادیث بھی کندہ کرائیں (۸۴) آثار محل اسی کی یادگار ہے۔ یہ عمارت اس نے رسول اللہ کے آثار مبارک کو محفوظ کرنے کے لئے تعمیر کرائی (۸۵) بیجاپور کا شاہی کتب خانہ اس کی یادگار ہے جہاں آج صحیح بخاری کے مرصع نسخے ابن حجر کی فتح الباری (جلد سوم) النووی کی حملیتہ الابرار اور ریاض الصالحین کے علاوہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الایضاح

بتکملہ ابن الصلاح' البغوی کی مصابیح السنہ اور مشکوۃ المصابیح مکمل مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔

گجرات میں علم حدیث کا عروج سلطان محمود بیگڑہ (۸۶۳ھ-۹۱۷ھ) کی فیاضی و قدر دانی کا رہین منت ہے۔ اس نے وجیہ الدین مالکی کو ملک المحدثین کا خطاب دے کر علمائے حدیث کے معززین سلطنت ہونے کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور احمد آباد کھمبایت' مہائم' سورت اور نہروالا میں حدیث کے جابجا مراکز قائم کئے بیرونی دنیا سے علم حدیث کی سینکڑوں کتابیں منگوائیں۔ فتح الباری ۹۰۱ھ میں یمن پہنچی اور ۹۱۸ھ میں گجرات۔ اسی دور میں صحیح مسلم کا ایک نسخہ بھی باہر سے منگوایا گیا۔ مظفر شاہ دوئم نے سلطان محمود کی جانشینی کی ذمہ داری قبول کی۔ اس کے عہد (۹۱۷ھ - ۹۳۲ھ) میں علم حدیث کو بڑی ترقی ملی۔ وہ خود محدث تھا اور محدث نواز بھی۔ فتح الباری کا ایک نادر نسخہ پیش کرنے پر اس نے مخاطب علی خان کو بھروچ کی جاگیر بخش دی۔ ۹۴۱ھ میں مغل بادشاہ ہمایوں نے گجرات پر لشکر کشی کی۔ اس یک سالہ جنگ کے دوران کئی محدثین گجرات سے ھجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ ان میں علی متقی برھانپوری (م ۹۷۵ھ) عبداللہ سندھی (م ۹۹۳ھ) ایسے محدثین سرفہرست ہیں۔ عبدالاول حسین (م ۹۶۸ھ) غالباً واحد محدث ہیں جنھوں نے گجرات نہ چھوڑا اور علم حدیث کی اشاعت میں پیہم مگن رہے۔

ھندوستان میں علم حدیث کے احیاء و ارتقاء میں مالوہ' خاندیس' سندھ' لاہور جھانسی اور کالپی' آگرہ' لکھنؤ' جونپور' بہار اور بنگال کے محدثین کی خدمات بھی سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں۔ مالوہ کے محدثین میں شیخ المحدثین سعد اللہ (م ۹۰۲ھ) اور علیم الدین مانڈوی سندھ کے محدثین میں مخدوم عبدالعزیز ابہری لاہور کے محدثین میں مولانا مفتی محمد (م ۱۰۰۰ھ) جھانسی اور کالپی کے محدثین میں سید محمد ابراھیم بغدادی ثم ھندی آگرہ کے محدثین میں رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ) ابراھیم محدث اکبر آبادی (م ۱۰۱۰ھ) شاہ میر سید (م ۱۰۰۰ھ) لکھنؤ کے محدثین میں شیخ ضیاء الدین مدنی ثم لکھنوی جون پور کے محدثین میں مھذب الدین السندی بہار کے محدثین میں سید منہاج الدین راستی اور سید یاسین اور بنگال کے محدثین میں تقی الدین بن معین الدین نے علم حدیث کی نشر و اشاعت میں نمایاں

Marfat.com

خدمات انجام دیں۔

ھندوستان میں علم حدیث کا ارتقائی عمل نویں صدی ہجری کے وسط بلکہ دسویں صدی ہجری کے اوائل تک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا لیکن اس کے زوال کے آثار تو محمود گاوان کے قتل کے فوراً بعد ۸۸۶ھ میں نظر آنے لگے تھے۔ محمود گاوان ایک باتدبیر وزیر تھا۔ جس کی دانشمندی حکمت عملی اور دور اندیشی سے مخالف قوتیں آپے سے باہر نہ ہوتی تھیں۔ ادھر اسے موت کے گھاٹ اتارا گیا ادھر شورشیں بپا ہو گئیں۔ نتیجتاً بھمنی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور یہ پانچ ریاستوں میں منقسم ہو گئی۔ بیجاپور میں عادل شاہی احمد نگر میں نظام شاہی گولکنڈہ میں قطب شاہی برار میں عماد شاہی اور برید میں برید شاہی خاندان برسراقتدار آگئے (۸۶)۔

اول الذکر تین ریاستیں اس قدر طاقتور تھیں کہ ان میں سے عادل شاہی نے بیدر اور نظام شاہی نے برار پر بعد میں قبضہ کر لیا۔ اس طرح جو تین ریاستیں رہ گئیں ان میں سے ہر ایک کا شیعہ مسلک سے تعلق تھا۔ چنانچہ ان کے حکمرانوں نے سنی علماء و محدثین پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے نتیجے میں سنی علماء کی اکثریت ان ریاستوں کو چھوڑ کر حجاز وغیرہ چلی گئی اور بہت کم نے شمالی ھند کا رخ کیا۔

الرحلہ فی طلب العلم

اس دور میں بہت سے شائقین حدیث نے اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لئے ھندوستان سے باہر دور دراز مقامات کا سفر کیا۔ ان کی تعداد اور شوق و وارفتگی کا عالم دیکھ کر الرحلہ فی طلب العلم کی یاد تازہ ہوئی۔ ابتدا میں تو بعض طالبان حدیث اپنے اسفار جنوبی و شمالی ھند کے بعض علاقوں تک محدود رکھتے تھے۔ جہاں مصر اور حجاز سے آنے والے مکاتب محدثین ایک عرصہ سے علم حدیث کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ بعد میں اس ذوق نے بادبانی جہازوں اور صحرانوردی کی مشکلات کے باوجود عزم و ہمت کی شکل اختیار کر لی۔ "گلبرگہ کے جمال اللہ (م ۹۰۷ھ) غالباً پہلے طالب علم ہیں جو ۸۴۵ھ میں حصول حدیث کی خاطر اپنے والد خواجہ شمس الدین کے ہمراہ عازم مکہ ہوئے اور انہوں نے تقی الدین بن فہد زین الدین

میراتی احمد الواسطی وغیرہ سے حدیث کا علم حاصل کیا (۸۷)"۔

۔ان کے بعد متعدد ہندی طالب علم مکہ معظمہ آئے ان ہندی تلامذہ کے اسمائے گرامی کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے کچھ یوں ہے:۔

"ابو بکر بن علی بن فخر الدین دھلوی' احمد بن ابراھیم اودھی' احمد بن علی ھندی' احمد بن محمد ھندی' حافظ بن مھذب جونپوری' حافظ بن الیاس ھندی' راجح بن داؤد احمد آبادی' زاھد بن عارف بن جلال لکھنوی' عطا اللہ بن احمد محمد آبادی علی بن عبداللہ کھمبایتی عمر بن بہاؤ الدین کھمبایتی' قاسم بن داؤد احمد آبادی' مسعود بن احمد کھمبایتی' مقبل ھندی اور نعیم اللہ بن نعمت اللہ گلبرگوی وغیرھم" (۸۸)۔

علم حدیث دسویں صدی ہجری میں

بیرون ھندوستان تشنگان حدیث کے علاوہ شمالی اور جنوبی ھند کی سرزمین میں بعض محدثین کا وجود برقرار رہا۔ یہ وہ محدثین ہیں جنہوں نے نویں صدی ہجری کے ربع آخر سے لے کر دسویں صدی ہجری کے اختتام بلکہ بعض نے گیارھویں صدی ہجری کے اوائل تک علم حدیث کی تدریسی و تالیفی خدمات جاری رکھیں۔ ان محدثین کی فہرست میں ابو بکر بن محمد بھروچی (م ۹۱۵ھ) میر سید عبدالاول حسینی زید پوری (م ۹۶۸ھ) شیخ عبدالملک عباسی گجراتی (م ۹۷۰ھ) خواجہ مبارک بن مخدوم ارجانی رھتکی بنارسی (م ۹۸۱ھ) نظام الدین بن امیر سیف الدین المعروف بہ مخدوم بھکاری کاکوروی (م ۹۸۱ھ) جمال الدین محمد بن طاھر بن علی المعروف بہ طاھر پٹنی (م ۹۸۶ھ) شیخ عبدالنبی گنگوہی (م ۹۹۰ھ) شیخ عبداللہ انصاری سلطان پوری (م ۹۹۰ھ) شیخ طیب سندھی (م ۹۹۹ھ) یعقوب بن حسن صرفی کشمیری (م ۱۰۰۳ھ) شیخ عثمان بن عیسی بن ابراھیم صدیقی (م ۱۰۰۸ھ) شیخ منور بن عبدالحمید بن عبدالشکور لاھوری (م ۱۰۱۰ھ) شیخ عاشق بن عمر ھندی (م ۱۰۳۲ھ) اور محی الدین عبدالقادر بن عبداللہ العیدروسی الحضرمی ھندی احمد آبادی (م ۱۰۳۷) کے اسمائے گرامی نمایاں نظر آتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام محدثین نے درس حدیث کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ ابو بکر بن محمد بھروچی نے الجزری کی حصن حصین (۸۹) کے مشرح

فارسی ترجمہ کے علاوہ قاضی عیاض کی کتاب الشفاء(۹۰) کا ترجمہ عین الوفاء ترجمۃ الشفاء کیا۔ میر سید عبدالاول حسینی کی تصانیف میں فیض الباری فی شرح البخاری اور منتخب کتاب سفر السعادہ کا ذکر "جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" میں ملتا ہے۔ ثانی الذکر فیروزی آبادی (م ۸۱۷ھ) کی سفرالسعادۃ کی دس جلدوں میں فارسی ترجمہ و تلخیص ہے۔

شیخ عبدالملک عباسی نے اپنی زندگی درس حدیث میں گزاری جب کہ خواجہ مبارک رھتکی بنارسی نے درس حدیث کے ساتھ ساتھ البغوی کی مصابیح السنۃ کی ترتیب کے مطابق الصغانی کی مشارق الانوار کو مدارج الاخبار (۹۱) کی صورت میں موضوع وار مرتب کیا۔ مخدوم بھکاری، صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور جامع الاصول کا درس دیا کرتے تھے۔ انہوں نے المنہاج کے (۹۲) نام سے اصول حدیث پر ایک رسالہ بھی قلمبند کیا۔ طاہر پٹنی کی شہرت تو ملک المحدثین کے طور پر سارے ھندوستان میں پھیل چکی تھی۔ وہ شمالی گجرات کے مقام نہروالا کے قریب پٹن کے رھنے والے تھے۔ گجرات کے شیخ ناگوری کے علاوہ انہوں نے مکہ معظمہ سے علی متقی ابن حجر الھیثمی، ابوالحسن البکری اور مفتی قطب الدین نہروالی سے سماع حدیث کیا تھا۔ ۶ شوال ۹۸۶ھ کو اجین اور سارنگ پور کے درمیان ایک مقام پر مہدویوں کے ھاتھوں قتل ہوئے۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں المغنی فی ضبط الرجال تذکرۃ الموضوعات، قانون الموضوعات والضعفاء اسماء الرجال اور مجمع بحار الانوار قابل ذکر ہیں۔ ان میں المغنی (۹۳)، تذکرہ الموضوعات (۹۴) اور مجمع بحار الانوار (۹۵) چھپ چکی ہیں اور تمام کے قلمی نسخے بانکی پور کے کتب خانے میں پائے جاتے ہیں۔ موخر الذکر تصنیف کے متعلق مبصرین کی رائے ہے کہ یہ بجاطور پر قرآن مجید اور صحاح ستہ کی مختصر شرح اور علم حدیث کی کلید ہے جسے نواب صدیق حسن کے بقول ساری دنیا میں پسند کیا گیا (۹۶)۔

شیخ عبدالنبی گنگوھی، مشہور ولی اللہ شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے پوتے تھے اور ابن حجر الھیثمی کے شاگرد۔ اکبر نے انہیں صدر الصدور مقرر کیا مگر کچھ ہی عرصہ بعد فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کی ایک سازش کی بدولت زیر اعتاب آ گئے۔ فرشتہ کے بقول انہیں اکبر کے مذہبی فرمان پر دستخط کے سلئے مجبور کیا گیا۔ ان کے معاصر عبداللہ انصاری تھے جنہیں ھمایوں نے

مخدوم الملک کے خطاب سے نوازا۔ اکبر کے عہد میں انہیں حق پرست علماء کے ساتھ بہت سی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ معظمہ چلے گئے تو ابن حجر الہیثمی نے ان کی بہت عزت افزائی کی۔ انہوں نے ترمذی کی شمائل النبی کی شرح کے علاوہ عصمت الانبیاء (۹۷) تصنیف کی۔ شیخ عبدالنبی گنگوہی بھی متعدد کتب کے مصنف تھے۔ ان میں سنن الھدانی متابعۃ المصطفی (۹۸) اور دعاؤں سے متعلق احادیث کا مجموعہ وظائف الیوم واللیل البنبویہ قابل ذکر ہیں۔

شیخ طیب سندھی نے برار کے شہر ایلچ پور اور برھانپور میں تقریباً نصف صدی تک درس حدیث کی شمع روشن رکھی۔ صاحب نزھتہ الخواطر نے ان کی ایک تصنیف تعلیقات علی مشکوۃ المصابیح کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں یعقوب صرفی کہ شیخ احمد سرھندی کے استاد اور ابن حجر الہیثمی کے شاگرد حدیث تھے کئی کتب لکھیں۔ ان میں شرح صحیح البخاری تفسیر القرآن (۹۹) رسالہ اذکار اور مغازی النبوۃ مشہور ہیں۔ موخر الذکر دونوں رسائل کا ذکر نزھتہ الخواطر میں ہے۔ شیخ طاہر برھانپوری نے جو عبدالاول حسینی کے شاگرد تھے۔ اسماء الرجال البخاری والکرمانی کی (۱۰۰) تلخیص کی۔ سیوطی کی جمع الجوامع کا انتخاب ملتقت جمع الجوامع کے نام سے کیا۔ نیز العسقلانی کی ارشاد الساری فی شرح البخاری پر مبنی صحیح بخاری کی شرح کی اور ریاض الصالحین لکھی جس کا پہلا روضہ مستند احادیث کا انتخاب ہے۔

حاجی محمد کشمیری شیخ یعقوب صرفی کے ہمعصر اور ابن حجر الہیثمی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے شرح حصن حصین کے اختتام پر اپنی تالیفات کی فہرست بھی دی ہے۔ اس کے مطابق اٹھارہ کتابیں لکھیں جن میں قرآن کریم کی ایک تفسیر شامل ہے۔ علم حدیث میں ان کی کتابوں میں شرح شمائل النبی شرح مشارق الانوار اور خلاصتہ الجامع فی جمع الحدیث قابل ذکر ہیں (۱۰۱)۔

مولانا عثمان صدیقی حنفی سندھ کے مقام بسکن کے رہنے والے تھے۔ ۹۸۳ھ میں برھان پور میں قیام کیا جہاں فاروقی حکمران محمد شاہ بن مبارک شاہ (۹۷۴ھ - ۹۸۴ھ) نے ان کی نہایت قدر و منزلت کی اور مفتی ملک بنا دیا۔ انہوں نے غایت التوضیح للجامع الصحیح (۱۰۲) اور العقائد السنیہ (۱۰۳) لکھیں۔

Marfat.com

شیخ منور لاہوری کے متعلق کہتے ہیں کہ اسحاق کاکو (م۹۹۶ھ) اور سعد اللہ بنی اسرائیلی (م۱۰۰۰ھ) کے شاگرد تھے۔ اکبر نے پہلے انہیں مالوہ کا صدر مقرر کیا پھر ان کے راسخ العقیدہ ہونے کی بنا پر شدید سزائیں دلوائیں! انہیں گوالیار کے قید خانے میں رکھا گیا جہاں انہوں نے الدر التنظیم فی ترتیب الایہ والسور الکریم کے نام سے ایک مفید کتاب لکھی۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تفسیر قرآن البحر المواج پر اعراب لگائے اور علم حدیث میں مشارق الانوار اور حصن حصین کی شروح قلبند کیں (۱۰۴)۔

عاشق بن عمر السندی کے متعلق پتا چلتا ہے کہ علم حدیث میں عبد اللہ سلطان پوری کے شاگرد تھے اور محدث و فقیہ ہونے کی بنا پر شہرت پائی۔ انہوں نے بھی شمائل النبی کی شرح لکھی (۱۰۵) محی الدین عبد القادر کا تعلق تو عید روسی خاندان سے تھا جس نے دسویں صدی ہجری کے وسط میں حضر موت سے نقل مکانی کر کے احمد آباد سکونت اختیار کر لی تھی۔ علم حدیث میں انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں المنح الباری نجم صحیح بخاری، عقد اللال فی فضائل الآل، رسالہ فی مناقب البخاری، القول الجامع فی بیان العلم النافع، الانموذج اللطیف فی اہل بدر الشریف اور النور السافر قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر تصنیف سب سے مشہور ہے۔ ان ہی کے ایک معاصر عبد النبی شطاری (م۱۰۳۰ھ) تھے۔ عبد اللہ صوفی شطاری کے شاگرد جنہوں نے علوم قرآنی اور حدیث پر مستند کتابیں لکھیں۔ ان کا پورا نام عماد الدین محمد عارف ثانی تھا۔ تصانیف میں ذریعہ النجاۃ فی شرح المشکوۃ الصلوۃ معراج المومنین، شرح حدیث خیر الاسماء عبد اللہ عبد الرحمٰن اور لوامع الانوار فی مناقب السادات الاظہار (۱۰۶) کا ذکر نمایاں ملتا ہے

مکتب محدثین مجدد الف ثانی

دسویں صدی ہجری کے اواخر میں شیخ احمد بن عبد الاحد فاروقی سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ آپ سلسلہ مجددیہ کے نامور بانی ہیں۔ شوال ۹۷۱ھ میں سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ اور پھر کشمیر چلے آئے۔ ملا کمال الدین کشمیری (م۱۰۱۷ھ) سے معقولات کا درس لیا اور شیخ یعقوب صرفی (م۱۰۰۳ھ) سے صحیح بخاری تبریزی

کی مشکوۃ اور سیوطی کی الجامع الصغیر پڑھی۔ قاضی بہلول بدخشی نے صحاح ستہ کے درس کے لئے اجازہ مرحمت فرمایا۔ ۱۰۰۷ھ میں خواجہ عبدالباقی نقشبندی (م ۱۰۱۲ھ) کے سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک ہوئے۔ ۲۰ صفر ۱۰۳۴ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے ھندوستان میں پھیلی ہوئی برسوں کی گمراہیوں اور خرابیوں کے خلاف علی الاعلان جہاد کیا۔ تجدید و احیاءِ دین کے اس کارنامے کے لئے انہیں قید و بند کی متعدد صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے مطالعہ کو فروغ دینے پر بہت زور دیا۔ وہ خود حدیث کے متبحر عالم تھے۔ رسالہ اربعین کے علاوہ ان کے مکتوبات کا دفتر اس کا گواہ ہے۔ قرآن و حدیث پر مبنی اصلاح احوال اور احیاء دین کے مبارک و مشکل کام کو ان کے اخلاف نے بھی جاری رکھا۔ چنانچہ ان کے مکتب محدثین میں شیخ سعید بن احمد سرھندی (م ۱۰۷۰ھ) معصوم بن احمد سرھندی (م ۱۰۸۰ھ) خواجہ سیف الدین بن معصوم سرھندی (م ۱۰۹۸ھ) فرخ شاہ بن شیخ سعید (م ۱۱۱۲ھ) خواجہ اعظم بن سیف الدین سرھندی (م ۱۱۱۴ھ) سراج احمد بن مرشد بن ارشد بن فرخ شاہ (م ۱۲۳۰ھ) شاہ ابو سعید بن صفی القدر مجددی (م ۱۲۵۰ھ) اور شاہ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی دھلوی (م ۱۲۹۶ھ) کے نام نمایاں ملتے ہیں۔

شیخ سعید کا لقب خازن رحمت تھا۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم اپنے والد کے علاوہ عبدالرحمٰن رومی سے پائی۔ ۱۰۳۴ھ میں حرمین جانے تک انہوں نے سرھند میں درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔ مجدد الف ثانی کے دوسرے فرزند شیخ معصوم جو عہد عالمگیری میں روحانی پیشوا کے منصب پر فائز تھے علم حدیث پر کامل عبور رکھتے تھے۔ "انہوں نے مکہ معظمہ کے محدثین سے بھی سند حدیث حاصل کی (۱۰۷)۔ ان کے فرزند خواجہ سیف الدین نے اپنی زندگی علم حدیث کی اشاعت کے لئے وقف کردی تھی۔ فرخ شاہ کو علم حدیث کی تقریباً تمام شاخوں پر دسترس حاصل تھی۔ "حافظ حدیث ان کا لقب قرار پاچکا تھا۔ انہوں نے ستر ھزار احادیث مع اسناد حفظ کرڈالی تھیں (۱۰۸)" خواجہ اعظم نے اپنے والد سیف الدین اور چچا فرخ شاہ سے تحصیل حدیث کی تھی۔ "فیض الباری شرح صحیح البخاری ان کی تصنیف ہے (۱۰۹)۔ سراج احمد مشہور محدث سلام اللہ (م ۱۲۲۹ھ) کے ہمعصر تھے جن کا

Marfat.com

تعلق نامور محدثین عبدالحق دھلوی اور شاہ عبدالعزیز دھلوی (م ۱۲۳۹ھ) کے خاندان سے تھا۔ حدیث کی تعلیم انہوں نے اپنے والد شیخ مرشد (م ۱۲۰۱ھ) سے پائی جو سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر رام پور چلے آئے تھے (۱۱۰)۔ والد کے انتقال کے بعد سراج احمد نے مسند حدیث سنبھالی اور درس و تدریس کے علاوہ فارسی میں صحیح مسلم اور جامع ترمذی (۱۱۱) کی شروح لکھیں۔ علاوہ ازیں احادیث کی روشنی میں رسالہ در ذکر طعام و شراب قلمبند کیا۔ شاہ ابو سعید ان ہی کے بھتیجے تھے۔ جنہوں نے شاہ رفیع الدین دھلوی (م ۱۲۴۹ھ) اور شاہ عبدالعزیز دھلوی (م ۱۲۳۹ھ) سے علم حدیث پایا تھا۔ شاہ عبدالغنی دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) کے استاد اور شاہ ابو سعید، عبدالغنی اور شاہ اسحاق دھلوی کے شاگرد تھے۔ اپنے والد کے همراہ ۱۲۴۹ھ میں حرمین جانا ہوا تو وہاں شیخ عابد سندھی سے صحاح ستہ کے درس کی اجازت حاصل کی۔ انجاح الحاجہ فی شرح ابن ماجہ (۱۱۲) ان کی تالیف ہے۔

محدثین خانوادہ عبدالحق دھلوی

شیخ احمد سرھندی ہی کے زمانے میں شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے مکتب حدیث کا قیام عمل میں آیا۔ شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترکی بخاری دھلوی حنفی آغا محمد ترک (م ۷۳۹ھ) کی اولاد میں سے تھے جنہوں نے بخارا سے نقل مکانی کر کے دھلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ۔ ۷۱۵ھ) قطب الدین (۷۱۶ھ۔ ۷۲۰ھ) اور تغلق شاہ (۷۲۰ھ۔ ۷۲۵ھ) ان تینوں بادشاہوں کے دور میں انہیں امیر دربار ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔ ان کے بر عکس شیخ عبدالحق کے دادا سعد اللہ (م ۹۲۸ھ) اور والد سیف الدین (م ۹۹۰ھ) نے درویشانہ زندگی گزاری۔ شیخ سیف الدین نے تصوف پر کئی رسائل بھی لکھے[۱۱۳]۔ "ذھبی کی الکاشف فی رجال الستہ کا ایک نسخہ ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے (۱۱۴)۔ جس سے ان کے علم حدیث سے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دھلوی محرم ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی اور دھلی میں رہتے ہوئے فارسی عربی فقہ اور معقولات پر عبور حاصل کر گئے۔ ۹۹۶ھ میں انہوں نے اپنی کامل توجہ علم حدیث کے حصول پر صرف کی اور مکہ معظمہ میں علی متقی

Marfat.com

برہانپوری (م۹۷۵ھ) کے شاگرد رشید شیخ عبدالوھاب متقی (م۱۰۱۰ھ) کے رو برو زانوئے تلمذ تہ کرتے رہے۔ شیخ متقی نے انہیں صحاح ستہ کے درس کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ حجاز سے واپس آکر اپنی ساری زندگی تصنیف و تالیف اور دھلی کی خانقاہ قادریہ میں اسلامی علوم بالخصوص علم حدیث کا درس دینے میں گزار دی۔ ۱۰۵۲ھ میں انتقال کیا۔ "حدیث تاریخ اور سوانح پر انہوں نے ایک سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں (۱۱۵)" ان میں سے تیرہ اہم کتابوں کا ذکر بروکلمان نے کیا ہے۔ علم حدیث پر ان کی گرانقدر تصنیفات یہ ہیں:۔

" الطریق القدیم فی شرح صراط المستقیم ' الشعتہ اللمعات فی المشکوۃ' لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح' الا کمال فی اسماء الرجال جامع البرکات منتخب شرح المشکوۃ ماثبت بالسنتہ فی ایام السنہ' الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین' دستور فیض النور' ترجمہ الاحادیث الاربعین ذکر اجازہ الحدیث فی القدیم والحدیث

شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اپنی تمام تر کوششیں اور صلاحیتیں علم حدیث کی نشرو اشاعت پر صرف کیں اور اپنے صدق و اخلاص اور برکت انفاس سے مطالعہ حدیث درس و تدریس حدیث اور شرح و تحشیہ کی ایک نئی تحریک اور ایک نیا ذوق پیدا کیا۔ علم حدیث میں ان سے متعدد علماء فیض یاب ہوئے اور سینکڑوں طالبان حدیث کو فائدہ پہنچا۔ اس میدان میں ان کی سعی اس حد تک کامیاب ہوئی کہ انہیں ھند میں علم حدیث کا بانی کہا جانے لگا (۱۱۶)۔ ان کے خاندان سے شیخ نورالحق بن عبدالحق محدث دھلوی (م۱۰۷۳ھ) مولف زبدۃ التواریخ' تیسر القاری فی شرح صحیح البخاری اور شرح شمائل النبی اور حافظ عبدالصمد فخرالدین بن محب اللہ بن نور اللہ بن نورالحق (م۱۱۵۰ھ) صاحب منبع العلم فی شرح مسلم' شرح عین العلم از محمد بن عثمان بلخی اور شرح حصن حصین' شیخ الاسلام بن حافظ فخرالدین (م۱۱۸۰ھ) مصنف شرح صحیح بخاری' رسالہ کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء رسالہ رد الاوھام عن آثار الامام الھمام' سلام اللہ بن شیخ محدث رامپوری (م۱۲۲۹ھ) مولف المحلی باسرار الموطا' فارسی

Marfat.com

ترجمہ شمائل النبی اور رسالہ فی اصول الحدیث اور شیخ سیف اللہ بن نور اللہ بن نور الحق صاحب اشرف الوسائل فی شرح الشمائل نامور ہوئے۔ خانوادہ عبدالحق کے تلامذہ میں حسب ذیل ممتاز محدثین کے نام ملتے ہیں۔

"خواجہ حیدر بن فیروز کشمیری (م۱۰۵۷ھ) خواجہ خواند معین الدین نقشبندی (م۱۰۵۲ھ) بابا داؤد مشکاتی کشمیری (م۱۰۹۷ھ) حافظ مشکوۃ المصابیح، میر سید مبارک بلگرامی (م۱۱۱۵ھ) میر عبدالجلیل بلگرامی (م۱۱۳۸ھ) شیخ عنایت اللہ (م۱۱۸۵ھ) تلمیذ خواجہ حیدر، میر غلام علی آزاد بلگرامی (م۱۲۰۰ھ) مولف ضوٗ الداری شرح صحیح البخاری، شمامۃ العنبر شمامتہ فی ماورد فی الهند من سید البشر، سند السعاء فی حسن خاتمتہ السادات اور سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان"

علم حدیث کی گیارھویں اور بارھویں صدی

شیخ احمد سرھندی اور شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے مکاتب حدیث کی بدولت پاک و ھند میں علم حدیث کی اشاعت کافی عام ہوئی۔ بالخصوص "شیخ عبدالحق محمدث دھلوی نے جس وقت مسند درس بچھائی اس وقت شمالی ھندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں دینی علوم کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ گویا ان کے ہاتھوں شمالی ھندوستان سے جاری ہوا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دھلی آگیا(۱۱۷) چنانچہ گیارھویں صدی ہجری کے وسط سے لے کر بارھویں صدی ہجری کے وسط تک کئی ممتاز محدثین کے نام سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

محمد صدیق بن شریف (م۱۰۴۰ھ) شیخ حسین الحسینی ھروی (م۱۰۴۵ھ) سید جعفر بدر عالم (م۱۰۸۵ھ) شیخ یعقوب نبانی لاھوری (م۱۰۹۸ھ) ابو المجر محبوب عالم بن جعفر بدر عالم (م۱۱۱۱ھ) مولانا نعیم بن محمد فیض صدیقی اودھی

Marfat.com

جونپوری (م ۱۱۲۰ھ) شیخ محمد اکرم بن عبدالرحمٰن حنفی سندھی (م ۱۱۳۰ھ) شیخ یحیی بن امین عباسی الہ آبادی (م ۱۱۴۴ھ) مولانا امین الدین بن محمود عمری حنفی جونپوری (م ۱۱۴۵ھ) مولانا نور الدین بن صالح احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ) شاہ محمد فاخر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ)

ان تمام محدثین نے اپنے اپنے شہروں میں علم حدیث کے چراغ منور رکھے اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہے۔ محدث محمد صدیق نے مشکوۃ المصابیح کی شرح نجوم المشکوۃ (۱۱۸) شیخ العسینی نے شمائل النبی کی دو شرحیں الشمائل اور نظم الشمائل لکھیں (۱۱۹)۔ جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری المعروف بہ بدر عالم کی تصانیف میں الفرید الطاری فی شرح صحیح البخاری[۱۲۰] اور روضتہ الشاہ (۱۲۱) قابل ذکر ہیں الخیر البخاری الخیر فی شرح صحیح البخاری، المعلم فی شرح صحیح مسلم اور کتاب المصطفی فی شرح الموطا کو نزہتہ الخواطر میں شیخ یعقوب بنانی لاہوری کے تذکرہ میں ان کی تصنیفات بتایا گیا ہے۔ ابوالمجد محبوب عالم کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ انہوں نے زینتہ النکات فی شرح المشکوۃ تصنیف کی (۱۲۲) اور اس میں مکاتب فقہ کے افکار کو بطور خاص شامل کیا۔ نجیم بن فیض نے بھی شرح مشکوۃ المصابیح قلمبند کی (۱۲۳)۔ شیخ محمد اکرم سندھی کا نمایاں کارنامہ ابن حجر کی نخبتہ الفکر کی شرح امعان النظر فی توضیح نخبتہ الفکر[۱۲۴] ہے۔ شیخ یحیی بن امین عباسی کی تالیفات کے عنوان حسب ذیل ہیں۔

"اعانتہ القاری فی شرح ثلاثیات البخاری، الاربعین، تذکرہ الاصحاب ماخذ الاعتقاد فی شان الصحابہ و اہل البیت، شرح حدیث صلوۃ التسبیح ترجمہ وظائف النبی (۱۲۵)"

مولانا امین الدین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اشعتہ اللمعات کی تلخیص کی (۱۲۶) اور شاہ محمد فاخر نے قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین، رسالہ نجابتہ در عقائد حدیثہ نظم عبارۃ سفر السعادۃ، مثنوی در تعریف علم حدیث لکھیں[۱۲۷] مولانا نور الدین کی تالیفات میں نور القاری شرح صحیح بخاری کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے علاوہ مفتاح النجافی مناقب العبا، تراجم الحفاظ، نزدل الابرار بما صح من مناقب اهل البیت الاطہار، اور تحفتہ المحبین فی مناقب الخلفاء

Marfat.com

الراشدین (۱۲۸) کا ذکر ملتا ہے۔ مرزا محمد بن رستم بن قباد حارثی بدخشی (و ۱۰۹۸ھ۔ م ۱۱۹۰ھ)[129] سے نے نظم الدرر والمرجان (م ۱۱۰۰ھ) جان برکی غازلہ الفسادات فی شرح مناقب السادات نیز اسی نام سے محمد صادق لاہوری (م ۱۱۹۳ھ) نے کتابیں تصنیف کیں۔

ملا نظام الدین اور درس نظامی

نویں صدی ہجری میں جنوبی ھند میں علم حدیث کے احیاء کی تحریک سے لے کر بارھویں صدی ہجری کے وسط تک شمالی ھند میں فن حدیث کے ارتقاء کی جو متعدد کوششیں ہوئیں وہ اپنی جگہ ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ برصغیر پاک وھند کے اس قدر وسیع وعریض خطہ سرزمین میں سلاطین ھند کے زوال اور سلاطین دھلی کی علم حدیث سے عدم دلچسپی کے اثرات دیرپا ثابت ہوئے اور گیارھویں صدی ہجری اور اس کے بعد شیخ احمد سرھندی اور شیخ عبدالحق محدث دھلوی اور ان کے خاندان اور تلامذہ حدیث کی کوششوں کے باوجود ھندوستان میں حدیث کی طرف رجوع عام اس کی اشاعت اور درس و تدریس میں اس قدر جوش و جذبہ اور سرگرمی پیدا نہ ہو سکی جس کی توقع تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اب تک علم حدیث کے ذریعہ حنفی مذھب ہی کی تائید کا رجحان غالب تھا اور دوسرے یہ کہ بارھویں صدی ہجری کے وسط میں تعلیم کا مرکز ثقل دھلی سے لکھنؤ منتقل ہو رہا تھا جہاں ملّا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) کے ہاتھوں ایک نئے دینی نصاب کی تشکیل ہو رہی تھی۔

ملا نظام الدین حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی اولاد سے تھے۔ ان کے جد امجد شیخ علاء الدین انصاری ہرات سے دھلی اور متھرا کی راہ میں واقع ھندوستانی قصبہ برناوہ آئے اور یہاں سکونت اختیار کرلی۔ ان کی نسل سے شیخ نظام الدین لکھنؤ سے ۲۸ میل دور سہالی آئے اور یہاں آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے پرپوتے شیخ حافظ نے اکبر کے زمانے میں اپنے علم و فضل کی بدولت شہرت پائی۔ ملا قطب الدین جو ملا نظام الدین کے والد ہیں ان ہی کے فرزند تھے۔ ملا قطب الدین کو مشترکہ زمینداری کی وجہ سے ۱۱۰۲ھ میں سہالی کی عثمانی برادری نے شہید کرڈالا اور ان کے مکان کو آگ لگادی۔ اس آتشزنی میں ان کی تصانیف حاشیہ شرح عقائد دوانی اور تلویحات وغیرہ بھی جل کر خاکستر ہو گئیں۔

Marfat.com

ملا قطب الدین کے چار فرزند تھے۔ ملا محمد سعید، محمد اسعد، نظام الدین اور محمد رضا اورنگ زیب کو جب وقائع نویسوں نے ملا قطب الدین کے شہید ہونے کی خبر دی تو اس نے فوری کارروائی کا حکم دیا اور ان کے بیٹوں کو فرنگی محل کی جاگیر عطا کر دی۔ اِس مقام کی نسبت سے ملا نظام الدین کا خاندان فرنگی محلی مشہور ہوا۔ نظام الدین کی ولادت ۱۰۸۸ھ میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں شفقت پدری سے محروم ہوئے اور بقیہ تعلیم کی تکمیل دیوا کے ملا عبدالسلام کے شاگرد ملا دانیال اور شیخ محب اللہ بہاری کے شاگرد قاضی گھاسی سے کی۔ وحید عصر غلام نقشبند لکھنوی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ چوالیس سال کی عمر میں تمام علوم و فنون پر دسترس پا گئے۔ شاہ عبدالرزاق ھانسوی سے تعلق ارادت تھا۔ ۸ جمادی الاول ۱۱۶۱ھ کو درد گردہ کے عارضہ سے فوت ہوئے اور لکھنؤ میں دفنائے گئے۔

ملّا نظام الدین نے اپنے والد ماجد کی مسند تدریس کو رونق بخشی۔ سینکڑوں افراد نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کی مجلس تدریس کے سامنے سارے لکھنؤ کی مجالس درس بے رونق نظر آتی تھیں۔ آزاد بلگرامی رقمطراز ہیں:۔

"امروز علمائے اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی وارند وکلاہ گوشہ تفاخری شکنند۔ وکسے کہ سلسلہ تلمذ بادمی رساند بین الفضلاء علم امتیاز می افرازد برائے اعتبار فاتحہ فراغ از مولوی گرفتند (۱۴۰)۔

ملّا نظام الدین نے کئی کتابیں تصنیف کیں بقول فضل امام خیر آبادی:۔

"تصانیف بسیار در علوم حکمیہ و اصول دارد (۱۴۱)"

ان کی تصانیف میں صبح صادق شرح منار الاصول، شرح مسلم درحاشیہ صدرا حاشیہ شمس بازغہ، حاشیہ برحاشیہ قدیمہ شرح تجرید جدید، تکملہ مبارزیہ، شرح تحریر الاصول شرح مسلم الثبوت اور مناقب رزاقیہ دقیق تحقیقات پر مشتمل ہیں لیکن ان کا نمایاں کارنامہ درس نظامی کا قیام و اجراء ہے۔ شبلی کا بیان ہے:۔

"ملا صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کے تمام اطراف میں بڑے بڑے علماء موجود تھے اور ہر ایک کی الگ الگ درسگاہ قائم تھی۔ مثلاً محب اللہ بہاری (م

۱۱۱۹ھ) مصنف سلم و سلم ملاجیون (م ۱۱۳۰ھ) مصنف نور الانوار سید عبد الجلیل بلگرامی استاذ غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۱۴۶ھ) میر غلام علی آزاد بلگرامی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دھلوی، لیکن ملا صاحب کے حلقہ درس سے جس رتبہ کے فضلا پیدا ہوئے وہ خود ان بزرگوں کی ھمسری کا دعوی کر سکتے تھے۔ ملا صاحب کے فرزند مولانا عبد العلی (فرنگی محلی) کو تمام ملک نے بحر العلوم کا لقب دیا جو آج تک مشہور ہے (۳۲)۔

ملّا نظام الدین کے درس نے بہت جلد اس قدر قبولیت حاصل کی کہ برصغیر کے دور دراز علاقوں میں مدرسہ نظامیہ ہی کے شاگرد نظر آنے لگے۔ اس طرح بارھویں صدی ہجری میں اس کی شہرت لب بام کو پہنچ گئی۔ لکھنؤ کا فرنگی محل علم و فن کا معدن بن گیا۔ رفتہ رفتہ خیبر سے کر چاٹگام تک اس کے تعلیمی سلسلے پھیلتے گئے اور سینکڑوں مدارس اس کی شاخیں بن گئے " درس نظامی اس دور میں اگرچہ خاص ھندوستان کا کارنامہ فخر ہے لیکن نظام الملک نے بغداد میں جو مدرسہ اعظم نظامیہ کے نام سے قائم کیا تھا اس کی عالمگیر شہرت نے اس قدر دست درازی کی کہ اس سلسلہ (ملا نظام الدین کے درس نظامیہ) کو بھی اس کے فہرست اعمال میں داخل کرنا چاہا۔ چنانچہ اکثر ناواقفوں کو دھوکہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک اردو تصنیف میں صراحتاً یہ دعویٰ بھی کیا گیا (۳۳) " لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مکتب نے علم حدیث کی کیا خدمت کی؟

بیان کیا جاتا ہے کہ ملا نظام الدین نے درس نظامی کے لئے جو نصاب مرتب کیا اس میں بظاہر ہر فن کی مشکل ترین کتاب شامل کی گئی۔ منطق و فلسفہ کی کتابوں کو تمام علوم کی بہ نسبت زیادہ رکھا گیا۔ ادب کا حصہ کم اور علم حدیث کا برائے نام بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ صرف میں نامعلوم مصنفین کے رسائل میزان، منشعب اور پنج گنج کے علاوہ سید شریف جرجانی (م ۶ ربیع الثانی ۸۱۶ھ) کی صرف میر، سید علی اکبر الہ آبادی کی فصول اکبری اور جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بہ ابن حاجب (م ۲۶ شوال ۶۴۶ھ) کا رسالہ الشافیہ، نحو میں شریف جرجانی کی نحو میر اور عبد القاہر جرجانی (م ۴۷۴ھ) کی شرح مأۃ عامل، ابو حیان اندلسی (م ۷۴۵ھ) کی ہدایۃ النحو ابن حاجب کی الکافیہ اور نور الدین عبد الرحمٰن (م ۱۴ محرم

۸۹۸ھ) کی شرح جامی، فلسفہ و حکمت میں قاضی کمال حسین (م۱۰۹۶ھ) کی میبذی محمد بن ابراھیم صدر الدین شیرازی (م۱۰۵۰ھ) کی صدرا اور ملا محمود جونپوری (م۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ) کی شمس البازغہ شامل کی گئیں۔ فن منطق کی کتابیں اور مصنفین کے نام یہ ہیں:۔

"صغریٰ کبریٰ از سید شریف جرجانی، ایساغوجی از اثیر الدین بن عمر ابہری (م ۷۴۵ھ) شرح تہذیب از علامہ عبداللہ یزدی (م۹۸۱ھ) قطبی از قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ) معہ میر قطبی از شریف جرجانی سلم العلوم از محب اللہ بہاری (م۱۱۱۹ھ)"

ہیت و ہندسہ میں بہاؤ الدین عاملی (م۱۰۳۱ھ) کا خلاصہ الحساب علامہ نصیر الدین محقق طوسی (م۶۷۲ھ) کی تالیف تحریر اقلیدس (مقالہ اول) بہاؤ الدین عاملی کا رسالہ تشریح الافلاک اور موسی پاشاہ قاضی زادہ رومی (م اثنائے ۸۲۳ھ۔۸۴۱ھ) کی شرح چغمنی (باب اوّل) معنی و بیان میں سعد الدین تفتازانی (م ۲ محرم ۷۹۲ھ کی) مختصر المعانی اور مطول (کچھ حصہ کلام و عقائد میں نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی کی شرح عقائد نسفی، جلال الدین دوانی (م۹ ربیع الثانی ۹۰۸ھ) کی شرح عقائد جلالی شریف جرجانی کی شرح مواقف اور رسالہ میر محمد زاھد ھروی (م۱۱۰۱ھ) فقہ میں عبیداللہ بن مسعود المعروف بہ صدر الشریعت (م۷۴۷ھ) کی شرح وقایہ برھان الدین علی مرغینانی (م۵۹۳ھ) کی ھدایہ اولین و آخرین، اصول فقہ میں شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون (م۹ ذی الحج ۱۱۳۰ھ) کی نور الانوار عبیداللہ بن مسعود صدر الشریعت کی توضیح، تفتازانی کی تلویح اور بہاری کی مسلم الثبوت، تفسیر میں جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) کی جلالین اور عبداللہ بن عمر بیضاوی (م۶۸۴ھ) کی انوار التنزیل و اسرار التاویل۔ اور حدیث میں آٹھویں صدی ہجری کے ولی الدین عراقی کی صرف مشکوۃ المصابیح یعنی فقط ایک کتاب کو شامل کیا گیا

تحقیقی نقطہ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملا نظام الدین کے مدرسہ کو تو اس دور میں کافی شہرت حاصل ہوئی مگر ان کے مرتبہ نصاب کو عام دینی مدارس میں زیادہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی اور اس کی اغلباً وجہ یہ تھی کہ حدیث اور متعلقات حدیث کی کتب کو درس نظامی کا نصاب ترتیب دیتے وقت نظر انداز کیا گیا۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو بعد میں

Marfat.com

مذکورہ گیارہ فنون میں مزید چھ فنون یعنی مناظرہ 'ادب عربی' عروض 'اصول التفسیر 'اور اصول حدیث ہرگز نہ بڑھائے جاتے۔ بالخصوص حدیث اور علم حدیث کی کتابوں کی کمی کو درس نظامی میں شدت سے محسوس کیا گیا۔ چنانچہ مشکوۃ المصابیح کے علاوہ صحیحین جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن نسائی سنن ابن ماجہ گویا صحاح ستہ مکمل اور شمائل ترمذی شامل کی گئیں اور اصول حدیث میں ابن حجر کی نخبۃ الفکر کو داخل کرلیا گیا۔ اس طرح درس نظامی میں حدیث اور علم حدیث کی کتابوں کے اضافے سے کسی حد تک نصاب میں توازن پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئیں لیکن یہ سب کچھ آنے والے دور میں ہوا اور اس تحریک علم الحدیث میں دراصل شاہ ولی اللہ کی سعی کا بہت عمل دخل تھا۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک حدیث

درس نظامی کی ابتدائی تاریخ کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس نصاب کے واضعین و مصنفین کا کسی طرح سے بھی علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں تھا۔ جو حدیث کے درس و تدریس اور علم حدیث کی خدمت و اشاعت کے مراکز تھے۔ اس لئے علوم حکمیہ اور علوم دینیہ میں حدیث اور علم حدیث پر فقہ و اصول فقہ کو تفوق حاصل رہا اور پاک و ھند کے حقیقی علمی و دینی حلقے اور قرآن و سنت کے سچے شیدائی ایک ایسی شخصیت کے منتظر و محتاج تھے جو حدیث و علم حدیث سے عشق و فریفتگی کا تعلق رکھتی ہو اور اس کی نشرو اشاعت ہی اس کی زندگی کا مقصد اولین ہو۔ رب کائنات نے یہ کمی شاہ ولی اللہ کی صورت میں پوری کردی۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک کی بدولت حدیث کے سکے کو رائج الوقت تسلیم کیا گیا۔ ان کی بدولت درس حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔ مدارس میں صحاح ستہ اور بالخصوص کتب اربعہ کو بہ نظر غائر و تحقیق پڑھنے کا رواج ہوا۔ شروح و تعلیقات کا سلسلہ زیادہ شدومد سے بنپا اور جگہ جگہ دینی مدرسوں میں مسند حدیث اجازہ حدیث اور درس حدیث کے طالب علم دور دراز علاقوں سے بے سرو ساماں چل کر جوق در جوق آنے لگے۔ شاہ ولی کی تحریک حدیث اور ان کے مکتب محدثین سے ابھرنے والوں میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی

مجددی مظہری (م۱۲۲۵ھ) شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی (م۱۲۳۹ھ) شاہ اسحاق بن افضل فاروقی دھلوی (م۱۲۶۲ھ) احمد علی بن لطف اللہ انصاری سہارنپوری (م۱۲۹۷ھ) شاہ عبدالغنی مجددی (م۱۲۹۶ھ ـ ۱۲۹۷ھ) قاسم بن اسد بن غلام شاہ نانوتوی (م۱۲۹۷ھ) مولانا مظہر نانوتوی (۱۳۰۲ھ) اور سید نذیر حسین بہاری دھلوی (م۱۳۲۰ھ) نے شہرت پائی۔

فرزندان شاہ ولی اللہ میں ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں سب سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ بستان المحدثین اور عجالہ نافعہ ایسی قابل قدر کتب لکھیں اور حلقہ تلامذہ میں شاہ رفیع الدین دھلوی (م۱۲۴۹ھ) شاہ اسمٰعیل شہید (م۱۲۴۶ھ) کے علاوہ شاہ محمد مخصوص اللہ، مفتی صدر الدین دھلوی، حسن علی محدث لکھنوی، حسین احمد، شاہ رفیع احمد مجددی، شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی، خرم علی بلہوری، شاہ ابو سعید، محمد شکور جعفری، شاہ ظہور الحق قلندری، سلامت اللہ بدایونی، کرم اللہ محدث اور نواب صدیق حسن خان قنوجی کے والد اولاد حسین وغیرہ یادگار چھوڑے جنہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ پاک و ھند میں علم حدیث کی بے پایاں خدمات انجام دیں۔ ان سب کی بدولت ہندوستان میں علم حدیث کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا اور مستقبل کے لئے اس کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ اس اعتبار سے یہ تاثر موقع کے مطابق ہے کہ اگر علمائے ہند نے علوم حدیث کے ساتھ اعتنانہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر شام، عراق و حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں ضعف پیدا ہو گیا تھا۔ جو چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

"ولا عنایۃ اخواننا علماء الہند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر و الشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للھجرۃ، حتی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن الرابع عشر (۱۴)

شاہ ولی اللہ دھلوی کو جملہ علوم عقلیہ پر کامل عبور حاصل تھا۔ ورع و تقوی اور ذہانت و ذکاوت کی صفات سے متصف اور نہایت بلند پایہ مفکر اور مصلح تھے، اسرار و حکم مسائل تصوف، مباحث کلام اور علم حکمت و اخلاق پر ان کی عمیق نظر تھی، انہوں نے قرآن و حدیث کے حقائق اور باریکیوں کو اس طرح سمجھا اور سمجھایا کہ متقدمین کی یاد تازہ کردی۔ توجیہ

Marfat.com

حدیث میں بالخصوص ان کا مقام بہت بلند تھا۔ انہوں نے علم حدیث میں خاطر خواہ خدمات انجام دیں۔ تجدیدی و اجتہادی شان رکھتے تھے۔ ان کی اصلاح اور تجدید کا دائرہ بڑا وسیع و متنوع تھا جس میں علمی و فکری رونقیں دوبالا تھیں اور اس کے حدود میں تدریس و تصنیف اشاعت کتاب و سنت تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاھب الفقیہ اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح آنے والے عقلی دور کی رعایت، تربیت و ارشاد، ھندوستان میں اسلامی اقدار کی حفاظت، سیاسی تبدیلیوں اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور ان میں ملت کے تحفظ اور تشخص کے بقاء کی ممکنہ تدبیریں علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ فکر و نظر اور اس کے طبقہ علماء کی طرف منتقلی کی کوششیں سب شامل تھیں (۱۲۱)۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک حدیث کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے وقت میں اس کا آغاز کیا جب گھر قرآن و حدیث سے خالی ہو رہے تھے۔ کتاب و سنت کے چشمہ صافی سے پیاس بجھانے والوں کا قحط الرجال تھا۔ خلق خدا کی ہدایت بہتری اور تذکیر کے لئے اتری ہوئی کتاب سبز غلافوں میں لپیٹ کر طاقوں کی زینت بنالی گئی یا قبروں پر محض فاتحہ خوانی کے لئے وقف کر دی گئی تھی۔ بارہ سو سال کی محدثین کی کوششوں کے باوجود سرزمین ھند کے اکثر و بیشتر علاقوں کی فضائیں حدثنا و اخبرنا کی آوازوں سے یکسر نا آشنا تھیں۔ بقول مسعود عالم ندوی:۔

"اھل درس اور اصحاب مسند کا حال اور برا تھا۔ وہ صاف صاف کہتے ڈرتے تھے۔ نام نہاد فقراء اور صوفیاء فقر کی بساط بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کے مال اور ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔ مدرسوں میں ابھی ارسطو کی سڑی ہوئی لاش پر عمل جراحی جاری تھا۔ بڑے بڑے علماء کے خانوادے صرف مشکوۃ شریف اور مشارق الانوار پڑہانا کافی خیال کرتے تھے۔ کسی کو ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے فتوی یا قول سے اختلاف رائے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ اور اگر کوئی کر بھی لیتا تو شرعی گالیوں کا مستحق قرار پاتا۔ کتاب ربانی کا حال کیا، اہل مدرسہ کے ہاں کبھی یہ عزیز بار نہ پاتی تھی۔ پورے درس نظامی میں اگر کوئی کتاب خارج تھی تو یہی کتاب ربانی جسے قرآن حکیم کہا جاتا ہے، یہ

پُرآشوب زمانہ تھا اور یہ دردناک حالات تھے کہ غیرت الٰہی جوش میں آئی۔ قدرت کی مرضی تھی کہ پیام محمدی کی از سر نو تجدید ہو، مسجد نبوی کے ایک طالبعلم اس منصب سے نوازے گئے۔ یہ ھندی نژاد ولی اللہ بن عبدالرحیم تھے۔(۱۳۵)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ اور ان کا عہد

پس منظر اور پیش منظر

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان علم دین کے حاملین کے نزدیک سلسلۃ الذہب ہے اور ان کی زندگی بذات خود ایک بہت بڑا عہد۔ اگر بارہویں صدی ہجری کے مہ و سال اور شب و روز کو ایک شخصیت تصور کر لیا جائے تو وہ بلاشبہ بطل جلیل، جامع علوم ظاہر و باطن، شیخ الاسلام اور مجدد ملت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذات رفیع الدرجات ہے، جس نے سارے عالم اسلام اور بالخصوص سرزمین پاک و ہند میں اپنے عمیق اور ہمہ گیر اثرات چھوڑے۔ ان کے اجداد و امجاد اور اسلاف و اخلاف بھی عالی مرتبت بزرگ تھے۔ علم و فضل اور تقویٰ میں ان کا خاص مقام تھا اور شاہ ولی اللہ کو جو روحانی اور علمی و فکری دولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی، وہ شاید ان کے اپنے خاندان اور اپنے عہد میں کسی کے منصب میں نہ لکھی تھی۔ اس عہد کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ گذشتہ گیارہ صدیوں اور بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد اور اس کے اثرات پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔

عرب ہند تعلقات اور برصغیر میں اسلام

پاک و ہند پہلی صدی ہجری کے اوائل ہی میں اسلام کی روشنی سے منور ہو چکے تھے اور یہ سرزمین صحابہ کرام اور تابعین عظام کے قدوم میمنت لزوم سے یکسر محروم نہ رہی تھی۔ عربوں کے ساتھ اس خطے کا تعلق تو زمانہ قدیم یعنی قبل از اسلام اور بعض روایات کے مطابق ابتدائے آفرینش سے تھا۔ ابن ابی حاتم رازی، ابو عبداللہ حاکم، ابن جریر الطبری اور السیوطی وغیرہ نے حضرت عبداللہؓ بن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابوالبشر آدمؑ

Marfat.com

سب سے پہلے سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ایک دوسری روایت میں تصریح موجود ہے کہ "دکھن" میں اتارے گئے۔

"ان اول ما اھبط اللہ آدم الی الارض الھند وفی ھذجنی ارض الھند (ا)"

اس قسم کی ایک روایت ممتاز تابعی عطا ابن ابی رباح سے بھی منقول ہے کہ آدم جب ہند میں اتارے گئے تو ان کے پاس جنت کی چار شاخیں تھیں، جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے وہاں سے بیت اللہ کا حج کیا

"ان آدم ھبط بارض الھند و معہ اربعہ اعواد من الجنۃ فھی ھذہ التی یتطلب الناس بھا و انہ حج ھذا البیت (۲)"

ان روایات کی حیثیت خواہ کچھ ہو، یہ امر یقینی ہے کہ اہل عرب کے نزدیک سرزمین ہند کوئی اجنبی خطہ نہ تھا۔ وہ اہل ہند سے برس ہا برس سے واقف تھے۔ ان دونوں کے درمیان مذہبی یگانگت یعنی بت پرستی اور بعض عقائد و اعمال میں یک رنگی و ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم جغرافیہ نویس ابن خردازبہ، الاصطخری اور البلاذری وغیرہ ہی نہیں (۳) جدید یورپین مورخین کو بھی اپنی کتابوں میں ہند اور جزیرۃ العرب تاریخ کے دھندلکے میں ایک دوسرے سے متعارف و مربوط دکھائی دیتے ہیں (۴)

قدیم عربوں کے نزدیک برصغیر دو حصوں میں تقسیم تھا۔ سندھ اور ہندیہ دونوں ملک عرب کے مشرق میں سمندر پار واقع تھے۔ اول الذکر سندھ، کرمان اور سجستان وغیرہ سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد سرزمین ہند مشرق میں حدود چین سے متصل تھی۔ بعض عرب ان دونوں کو ملا کر "ہند" بولتے تھے۔ بعد میں اسی ترکیب کو تقسیم ہند کی صورت میں پاکستان اور بھارت کا نام دے دیا گیا اور دونوں کے لئے جامع لفظ "ہندوستان" تجویز ہوا۔ اہل عرب تغلیب کے طور پر دونوں ملکوں کے باشندوں کو کبھی کبھار ہندی کہہ کر مخاطب ہوتے تھے۔ ویسے بالعموم سندھی کا اطلاق سندھ اور ہندی کا ہند کے باشندوں پر ہوتا تھا اور یہ صورت حال صدیوں سے چلی آ رہی تھی۔

اہل ہند اور عربوں کے درمیان تعلقات کا واحد موثر ذریعہ تجارت تھی۔ "سندھ و ہند

Marfat.com

سے ہر قسم کا عود، صندل، کافور، ماخور، جوزبویا، قاقلہ، کبابہ، نارجیل، نباتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی تک دیار عرب جاتے تھے۔ سرندیپ سے ہر قسم و رنگ کے یاقوت، موتی، بلور، منبادرج، ملی اور سنجان (سندان) سے فلفل، کلہ سے رصاص، قلعی، جنوبی ہند سے بقم اور وازی یعنی تاڑی اور سندھ سے قسط، بانس، اور بید کی لکڑیاں عرب بھیجی جاتی تھیں (۵)" عرب قدیم میں اس سامان تجارت کی ابلہ، صحار، جار، عدن، ظفار، صنعاء، قصر غمدان، مارب، نجران اور طائف وغیرہ میں منڈیاں لگتی تھیں۔ سب سے مشہور اور سالانہ بازار عکاظ ایام حج میں لگتا۔ تاجر یہاں سے سامان مصر و شام تک لے جاتے۔ موسمی و مقامی بازار زیادہ تر دومۃ الجندل، دبی، شحر، حضرموت، ذوالمجاز، نطاۃ خیبر، مشقر، منیٰ اور حجر وغیرہ میں لگائے جاتے (۶) بعض عرب تاجروں نے جہاں جنوبی ہند میں اپنی بستیاں بنالی تھیں، وہاں کئی سندھی و ہندی قوموں نے جزیرہ نمائے عرب کے اندرونی مقامات کو اپنی نو آبادیوں کے لئے منتخب کرلیا تھا۔ ان ہندی اقوام میں " زط، مید، سیابجہ، اساورہ، احامرہ، بیاسرہ اور تکاسرہ (۷) قابل ذکر ہیں۔ عہد رسالت میں ان میں سے اکثر قومیں موجود تھیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ طلوع اسلام تک عرب ہند روابط محض تجارتی و اقتصادی تھے۔ بعد میں فکری، تمدنی اور ثقافتی بھی ہو گئے۔ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری و ثقافتی روابط نے اور مضبوط کیا۔ بقول ڈاکٹر محمد یوسف "عرب تاجر سندھ و ہند کی مصنوعات ان کے ناموں سمیت لے جاتے تھے اور ہندی الاصل ناموں کی اپنے نطق کے مطابق تعریب کرلیتے تھے۔ یہ معرب الفاظ خاصی تعداد میں دور جاہلیت ہی سے عربی زبان کا جزو بن گئے تھے (۸) اسی لئے چند ہندی الاصل معرب الفاظ کا قرآن میں پایا جانا محقق ہے (۹) اور

"جس طرح ہندوستان کے باشندوں کی نظریں عربوں سے مانوس تھیں، اسی طرح ان کے کان عربی زبان سے آشنا تھے" (۱۰)

ہندوؤں میں زبان زد خاص و عام ہے کہ کورو اور پانڈو کی لڑائی میں عربی زبان خفیہ بات چیت کا ذریعہ تھی۔ اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ ہندی زبانوں کے اصل رسم الخط یعنی براہمی کا رشتہ فینیقی تاجروں کے واسطے سے عربی رسم الخط سے جاملتا ہے (۱۱) عربی زبان کی اس واقفیت اور عرب ہند فکری و ثقافتی روابط کی بدولت بھی ہندوستان میں اسلام بہت تیزی سے

پھیلا۔ ایک روایت کے مطابق عہد رسالت میں دعوت اسلام کی صدائے بازگشت بالواسطہ یا براہ راست یہاں بھی سنی گئی۔ حذیفہ، اسامہ اور صہیب قنوج کے راجہ سرباتک کے پاس آئے جس نے حضورؐ کے نامہ مبارک کو بوسہ دیا اور فوراً اسلام قبول کرلیا۔

" وزعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انفذ الیہ حذیفہ واسامہ وصہیبا یدعونہ الی الاسلام فاجاب و اسلم وقبل کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲) "

حافظ ابن حجر نے یہ روایت نقل تو کی ہے، مگر اس تصریح کے ساتھ کہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں اسے کذب واضح اور کھلا جھوٹ قرار دیا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت سندھ میں پانچ صحابہ کے تشریف لانے اور ان میں سے دو کے واپس جانے اور تین کے سندھ ہی میں انتقال فرمانے کی ہے۔ یہ روایت جمع الجوامع سے منقول ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ پانچ صحابہ سندھ کے مقام نیرن کوٹ آئے تو وہاں کے بعض لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان صحابہ نے اہل سندھ کو اسلامی احکام بھی سکھائے

" روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسل کتابہ الی اہل السند علی ید خمستہ نفر من اصحابہ فلما جاء فی السند فی قلعتہ یقال نیرون اسلم بعض اہلہ ثم رجع من اصحابہ اثنان مع الو افد علیہ السند وبقی ثلاثتہ منہم فی السند، و اظہر اہل السند الاسلام، و بیتوا لاہل السند الاحکام وماتوا فیہ وقبورہم فیہ الان موجودہ وجدت (۱۳) "

جس قلمی مجموعہ یادداشت سے یہ روایت نقل کی گئی ہے، قاضی اطہر مبارکپوری کی تحقیق ہے کہ وہ معتبر نہیں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ جمع الجوامع کونسی کتاب ہے۔ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع میں تو اس قسم کی روایت مستبعد معلوم ہوتی ہے۔ بنا بریں یہ امر اپنی جگہ اہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی پیش گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کو نار جہنم سے مامون و محفوظ ہونے کی بشارت دی۔ امام نسائی نے سنن میں اس حدیث کے لئے باب "غزوۃ الہند" کا مستقل عنوان قائم کیا ہے

Marfat.com

اور طبرانی نے المعجم میں اس کی سند کو جید بتایا ہے۔ حضرت ثوبان مولی رسول اللہ روایت کرتے ہیں

" قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عصابتان من امتی احرزہما اللہ من النار عصابۃ تغزو الہند و عصابۃ تکون مع عیسی بن مریم علیہما السلام (۱۵)"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے نار جہنم سے محفوظ رکھا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰؑ کا ساتھ دے گا۔

اسی بشارت نبویؐ پر حضرت ابو ہریرہؓ نے ہندوستان کے جہاد میں شرکت کی آرزو اور جان و مال قربان کرنے کی پیشکش کی۔ چنانچہ ان سے روایت ہے

" وعدنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غزوۃ الہند فان ادرکتہا انفق فیہا نفسی و مالی فان اقتل کنت افضل الشہداء و ان ارجع فانا ابو ہریرہ المحرر (۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنا جان و مال اس پر قربان کردوں گا۔ مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور زندہ واپس ہوا تو نار جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔

آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے مشرقی ساحل بحرین کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ عہد رسالت میں یہاں کے لئے علاء خضری اور ابان بن سعید ابن العاص کی تقرری عمل میں لائی گئی۔ اول الذکر قطیف اور ثانی الذکر خط کے حاکم بنائے گئے۔ دور صدیقی میں انہیں بحال رکھا گیا' البتہ عہد فاروقی میں اتنی تبدیلی کی گئی کہ بحرین حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے کردیا گیا 15ھ میں ان کی جگہ عثمانؓ بن ابی العاص مقرر ہوئے' جنہوں نے مجاہدین اسلام کا ایک لشکر لے کر تین اطراف سے ہندوستان پر فوج کشی کی۔ تھانہ (بمبئی) اور بھروچ (گجرات) کے علاوہ دیبل (سندھ' کراچی) نشانہ بنائے گئے۔ یہ حملہ کامیاب رہا۔ حضرت عمرؓ کو مطلع کیا گیا تو انہوں نے راستے کی دشواریوں اور دیگر مسائل کے باعث اس اقدام کو ناپسند فرمایا اور ایک

Marfat.com

تهدید آمیز خط کے ذریعے متنبہ کیا کہ اے برادر ثقفی تو نے تو گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا تھا۔ بخدا اگر آئندہ مسلمانوں پر اس قسم کی آفت آئی تو تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لوں گا۔

"یا اخا ثقیف حملت وودا علی عود' وانی اخلف باللّٰہ ان لو اصیبو لاخذت من قومک مثلھم (۱۷)"

اس ہنگامی یلغار کی مثال الدینوری کے نزدیک ایسی ہی ہے جیسے خلافت صدیقی کے ابتدائی دور میں حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی حدود فارس پر حیرہ کی طرف سے اور حضرت سویدؓ بن قحطبہ عجلی ابلہ کی راہ سے حملہ آور ہوئے اور پھر صحراؤں کو لوٹ گئے(۱۸) بہر کیف یہ حقیقت ہے کہ بنی ثقیف نے ہندو سندھ کو اسلام کی سیاسی' عسکری' دینی اور روحانی توجہ کا مرکز بنانے کے لئے اولین سعی کی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی محتاط روش کے تحت عراق کے حاکم عبداللہ بن عامر کریز کے ذریعے حکم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان کے سرحدی مقامات کی سیاسی و جغرافیائی صورت حال اور جہاد کے امکانات معلوم کرنے کے لئے بھیجا' لیکن بوجوہ کوئی کارروائی عمل میں نہ لائی جا سکی' تاآنکہ حضرت علیؓ نے اپنے دور میں ۳۰ھ کے لگ بھگ حارث بن مرہ عبدی کو متطوعین کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی اجازت دی۔ انہوں نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر کامیاب حملے کیے۔

عہد اموی میں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرا نے پاک و ہند کی راہ لی۔ ان کے بعد عبداللہ بن سوار العبدی نے قیقان (قلات) پر حملہ کر کے حارث بن مرہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا بدلہ لیا اور فتح پائی۔ امیر معاویہؓ ہی کے زمانے میں زیاد بن ابی سفیان نے سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو ایک لشکر دے کو مکران بھیجا۔ پھر راشد بن عمرو ازدی نے لشکر کشی کی(۱۹) اس طرح مجاہدین اسلام کی طرف سے چھوٹے بڑے حملوں کا سلسلہ جاری رہا' لیکن فتح مبین محمد بن قاسم کے مقدر میں لکھی تھی۔ انہوں نے ۹۳ھ میں سندھ پر پرچم اسلام لہرایا۔

Marfat.com

دینی حالت پر ایک نظر

برصغیر اور بالخصوص جنوبی ہند یعنی سرندیپ اور ملیبار وغیرہ پہلی صدی ھجری ہی میں نور اسلام سے منور ہو چکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام کی اولین کرنیں یہاں سے آگے شمالی ہند کے مرکز تک نہ بڑھ سکیں۔ اور یہ حصہ عرب مجاہدین کی بجائے ترکوں اور مغلوں کے تسلط میں رہا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ درہ خیبر کی طرف سے یلغار کرنے والے سپاہی اور جرنیل اسلام کی حقیقی اقدار سے کما حقہ آگاہ نہ تھے۔ انہیں دین حنیف کی صداقتوں اور خوبیوں کا اول تو علم نہ تھا اور اگر آشنا تھے بھی تو بہت کم اور پھر ایسے وقت یعنی تیسری صدی ھجری کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ جب خود اسلامی مراکز حجاز، عراق اور شام میں انحطاط کا دور دورہ تھا۔ خلافت عباسیہ ترکوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکی تھی۔ ہندوستان پر حملہ آور ہونے والے اکثر ترک غلاموں کو اسلام کے قانون جنگ تک سے واقفیت نہ تھی۔ ان کے دلوں میں ابوعبیدہؓ کی تڑپ تھی نہ عمر فاروقؓ کا ولولہ جہاد۔ ان کی فوج کی اکثریت محض لوٹ مار اور مال و دولت کے لالچ میں ہندوستان چلی آئی تھی۔

"درہ خیبر کی راہ سے ہندوستان میں باقاعدہ داخل ہونے والا مسلمان جرنیل سلطان محمود غزنوی تھا، لیکن اس کی سپاہ میں اکثر نو مسلم تھے اور بعض ہندو بھی (۲۰)"

محمود غزنوی کے حملے کے وقت مغل ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے اور علاء الدین خلجی کے عہد (۶۹۵ھ ۔ ۷۱۶ھ) تک ان کا شمار کفار میں ہوتا تھا۔ یہی صورت حال بہت سے افغانی قبائل کی تھی۔ اہل غور کی اکثریت نے چوتھی صدی ھجری میں اسلام قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ محمود غزنوی (۳۸۸ھ ۔ ۴۲۱ھ) کے بعد بھی ایک عرصہ تک ہندوستان میں اسلامی تعلیم عام نہ ہو سکی، بلکہ ایک اعتبار سے اسلام کا مضحکہ اڑایا جاتا رہا مسلم حکمران ایک طرف تو غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرتے اور دوسری طرف ان کے عبادت خانوں کو منہدم کرنے سے دریغ نہ کیا جاتا۔ تیمور اور نادر شاہ کے عہد کے واقعات اس کے گواہ ہیں۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے

"ھرات کے آس پاس کے رہنے والے بڑے بہادر ہیں۔ اہل ہند پر

Marfat.com

دھاوا بولتے ہیں اور بسا اوقات مسلمان عورتوں کو بھی لونڈیاں بنا کر لے آتے ہیں" (۲۱)

قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ۔۶۰۶ھ) اور سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ھ ۔۔ ۶۳۳ھ) اگرچہ اعتدال پسند فرمانروا تھے، لیکن دین اسلام کی خدمت کا کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکے۔ ان کے برعکس محمد تغلق (۷۲۵ھ ۔۔ ۷۵۲ھ) پہلا مسلم فرمانروا ہے، جس نے شعائر اسلام کی ترویج اور بدعات کی بیخ کنی کی بہ صمیم قلب کوششیں کیں۔ اس کے عہد کی چشم دید شہادت ملاحظہ ہو

"دین کے شعائر اس کے ہاں محفوظ ہیں اور نماز کے معاملہ میں وہ سخت گیر ہے۔ تارکین صلوۃ کے لئے سزائیں مقرر ہیں" (۲۲)

محمد تغلق نے ۷۴۵ھ میں بارگاہ خلافت سے شمشیر کمال عقیدت بھی پائی۔ اس کے بعد اس کے جانشین فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ ۔ ۷۹۰ھ) کو خلافت اسلامیہ سے منشور و خلعت کا اعزاز برقرار رہا۔ محمد تغلق کی طرح اس نے بھی غیر اسلامی شعائر کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ چنانچہ اس عہد کی مستند تاریخ میں سلطان خود کہتا ہے

"زندیقوں کا ایک گروہ مستقل طور پر لوگوں کو زندقہ والحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ رات کو وہ دوستوں اور ملنے والوں کے ساتھ ایک مقررہ جگہ پر جمع ہوتے۔ شراب کا دور چلتا اور وہ اسے مذہبی عبادت قرار دیتے۔ وہ اپنی ہی بیویوں، ماؤں اور لڑکیوں کو ہمراہ لاتے، جو جس کا دامن پکڑ لیتا، اس کے ساتھ اسے صحبت کا حق حاصل تھا۔ میں نے اس فرقہ کے سرغناؤں کو موت کی سزا دی اور باقی کو جلاوطن اور قید کی، تاکہ آئندہ اس گروہ کی مذموم اور غیر اسلامی سرگرمیاں ختم ہو جائیں" (۲۳)

فیروز شاہ تغلق نے محاصل کے نظام کو شریعت کے تقاضوں کے مطابق بنایا اور شعائر اسلامی کی ترویج کے لئے متعدد اقدامات کئے"۔

"پہلے بادشاہ سونے چاندی کے برتن، ارزاں لباس اور ریشمی

Marfat.com

کپڑے استعمال کرتے تھے۔ فیروز شاہ نے یہ سب چیزیں روک دیں اور حکم دیا کہ وہ برتن' لباس اور چیزیں استعمال ہوں گی جن کی صرف شرع نے اجازت دی ہے"۔ (۲۵)

آل تغلق کی اس اسلامی روش کو سکندر لودھی کے عہد (۸۹۴ھ۔ ۹۲۳ھ) میں بھی برقرار رکھا گیا۔ چنانچہ اس عہد کی ایک مستند تاریخ میں لکھا ہے کہ

"سکندر لودھی ایک پر جوش مسلمان تھا۔ اس نے بت پرستوں کے عبادت خانے مسمار کرا دیئے۔ متھرا کی تیرتھ گاہیں تباہ کر دیں اور مشہور عبادت خانوں کو کارواں سرائے اور مدرسوں میں منتقل کر دیا" (۲۶)

تاریخ داؤدی میں تصریح موجود ہے کہ سکندر لودھی نے ہندوؤں اور غیر مسلموں کو مختلف مقامات پر زمینیں دیں' تاکہ وہ وہاں الگ سے اپنے عبادت خانے بنالیں اور مرکزی شہروں کا اسلامی تشخص و تقدس قائم و بحال رہے۔ لیکن الفنسٹن نے اس کے احیاء دین کے اقدامات اور اسلامی جوش و جذبہ کو تعصب کی نگاہ سے دیکھا ہے اور لکھا ہے کہ

"وہ ہندوستان کے چند متعصب ترین بادشاہوں میں سے تھا۔ اس نے مندر گرائے اور لوگوں کو تیرتھ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اپنے قلمرو کے اندر بعض دریاؤں پر اشنان کرنے سے بھی منع کیا" (۲۷)

عہد اسلامی کے ہندوستان کی تاریخ کو پیش نظر رکھا جائے تو اس امر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) فیروز شاہ تغلق (م ۷۹۰ھ) اور سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ) نے اسلام کے نام پر اصلاح کی اور کفار پر سختیاں روا رکھیں' لیکن سکندر لودھی سے ایک سال پہلے' جب آل تغلق (۷۲۱ھ۔۔۸۱۵ھ) کا آفتاب غروب ہو رہا تھا' فیروز شاہ تغلق کی وفات کو دس برس ہوئے تھے کہ امیر تیمور نے ۱۲ محرم ۸۰۱ھ کو جہاد کے نام پر ہندوستان پر لشکر کشی کی خود لکھتا ہے کہ

"ہندوستان آنے اور تمام مصائب کو جھیلنے کے دو مقصد ہیں۔ اول

دشمنان اسلام سے نبرد آزمائی اور دوم بت پرستوں کے مال و دولت کی لوٹ مار(۲۸)

لیکن جب قتل و غارت گری کی تو ہندو مسلم کا امتیاز برقرار نہ رکھ سکا اور بھٹ نیر کے قتل و نہب(۲۹) کی زد میں آنے والے مسلمانوں کے بارے میں اتنا کہہ کر کہ وہ صرف نام کے مسلمان تھے، اپنے دل کی تسلی تو کرلی، لیکن دامن تاریخ سے اپنے داغ کو دھو نہ سکا۔

امیر تیمور کے بعد ہندوستان میں ظہیر الدین بابر سے مغلیہ دور حکومت شروع ہوا۔ اکبر کا زمانہ (۹۶۴ھ - ۱۰۱۴ھ) بظاہر عہد زریں تھا، لیکن اس کی تاریکیوں کا ذکر کریں تو شرم آتی ہے۔ اکبر سے پہلے ہندوستان کے فرمانروا مذہب کے معاملات سے بے پروا اور اسلامی تعلیمات سے بے تعلق تو رہتے تھے، مگر دین حنیف کی سچائیوں اور حقیقی قدروں سے عناد نہیں رکھتے تھے۔ انہیں اصول مذہب میں ترمیم و تنسیخ کا کبھی خیال آیا نہ انہیں ایسا کرنے کی کبھی جسارت ہوئی۔ صرف:

"علاؤ الدین حسین شاہ سلطان بنگال (۸۹۹ھ - ۹۲۷ھ) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ستیہ پیر(۳۰) کی عبادت کو رواج دے کر ایک قسم کی مذہبی معجون تیار کی تھی۔"(۳۱)

اکبر نے تقریباً نصف صدی کے دور حکومت میں تو اسے بھی مات دے دی۔ ۹۸۳ھ میں اس کے اکبری الحاد کے فتنے کا آغاز ہوا، جو ابوالفضل کے قتل (۱۰۰۱ھ) تک جاری رہا۔ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) فتنہ و فساد کے اس دور کا سب سے بڑا تلخ نقاد اور چشم دید راوی ہے، جس کی منتخب التواریخ اکبر کی بے راہرویوں سے بھری پڑی ہے۔

"اکبر بالکل ان پڑھ تھا، لیکن اسے علماء و مشائخ، سنی و شیعہ، برہمن، عیسائی یہودی اور مجوسیوں وغیرہ کے درمیان مباحثے اور مناظرے کرانے اور سننے کا بہت شوق تھا۔ یہیں سے اس کا عقیدہ پیدا ہوا کہ تمام مذاہب حق ہیں اور اسلام کو کوئی برتری نہیں۔ یہ نشہ اور تیز ہوا تو اس نے دین الٰہی کے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ دی"(۳۲)

دین الٰہی کو دربار اکبری سے باہر کوئی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ زیادہ سے زیادہ اٹھارہ افراد

Marfat.com

اس کے نئے لادینی نظام میں داخل ہوئے۔ شیعت کو وہ سنیت پر ترجیح دیتا تھا اور اس کی اغلباً وجہ یہ تھی کہ فتح اللہ شیرازی اور عبداللہ یزدی اس کے خاص مقربین تھے۔ ملا بدایونی کی منتخب التواریخ میں سنی علماء پر سختیوں کی روداد ملتی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اکبر کسی ایک عقیدہ پر ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔ آگ اور آفتاب کے سامنے عقیدت سے سرخم کرنا' مریم کو معبود بنانا اور ستاروں کی پرستش اس کے معمولات میں شامل ہو چکے تھے۔ وہ عقل کو معصوم کہنے لگا تھا اور اس کی یہی بے عقلی اسے ہر وقت مذہبی جنون میں مبتلا رکھتی تھی۔ اس نے گاؤکشی کی ممانعت کی۔ ہندو تہواروں میں مسلمانوں کی شمولیت کو لازمی قرار دیا اور قصر شاہی کے تمام آداب و اطوار بالکل ہندوانہ رنگ میں رنگ لئے۔ لباس' تعمیر' مصوری اور ہر چیز میں ہندوئیت سرائیت کرتی جا رہی تھی' اسی لئے ونسنٹ اسمتھ کو شیخ سلیم چشتی کے:

"مقبرہ میں ہندو اثرات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے عمارت کی پوری ساخت ہندوانہ جذبے کو ظاہر کرتی ہے"(۳۳)

اور ھینل کو:

"فتح پور سیکری کی مسجد' مسجد سے زیادہ وشنو مندر معلوم ہوتی ہے"(۳۴)

دور اکبری کی ضلالت و کج روی کا ایک بڑا سبب علماء سو بھی تھے' جن کی باہمی مناقشت' دنیوی محبت اور دین سے سطحی واقفیت نے انہیں اسلام کے حقیقی شعائر و فرائض سے غافل کر دیا تھا۔ اس غفلت و لالچ کے نتیجے میں انہوں نے ۹۸۷ھ کے اس مہمل محضر نامہ پر دستخط کر دیئے تھے' جس کے مضمون میں بتایا گیا تھا کہ بادشاہ ظل اللہ' امام عادل اور مجتہد العصر ہے۔ کسی کا پابند نہیں اور اس کا حکم سب سے بالا ہے۔ اکبر کے دور کی یہ فتنہ سامانی اس عہد کے ابن حنبل سے دیکھی نہ گئی۔ چنانچہ مجدد الف ثانی ببانگ دھل پکار اٹھے:

"ہر فتورے کہ دریں زماں در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومی علماء سو است کہ فی الحقیقت شرار مردم و نصوص دین اند"(۳۵)

اکبری دور میں اسلام اور اسلامیان ہند کو بہت نقصان پہنچا۔ معروف و منکر کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی اور زندقہ و الحاد نے رفتہ رفتہ حکومت کی آغوش میں پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کو اپنے اسلامی تشخص مجروح ہونے کا شدید رنج تھا۔ وہ بے اختیار تو تھے مگر

Marfat.com

بے حس نہیں۔ انہیں ایک نئے احمد بن حنبل کا انتظار تھا' قدرت نے شیخ احمد سرہندی کو مجدد الف ثانی کی صورت میں خلعت تجدید پہنا کو بھیج دیا۔ انہوں نے جہانگیر کے دور (۱۰۱۴ھ ۔ ۱۰۳۷ھ) میں اسلام کی سربلندی اور بقاء و تحفظ کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کردی۔ اسی زمانے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تبلیغی مساعی اور اسلامی اقدار کی بحالی میں آپ کا ساتھ دیا۔ جس کے نتیجے میں جہانگیر کے آخری دور میں مغلیہ حکومت کی پالیسی میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔

جہانگیر کے انتقال پر شاہجہان نے اقتدار سنبھالا۔ اس کے دور میں ہندوانہ اثرات کم نہ ہوسکے۔ البتہ اس نے مسلمانوں کو ان کے مذہبی معاملات میں کامل آزادی دیئے رکھی اور خود فنون لطیفہ اور فن تعمیر کی حد تک کوشش کی کہ اسلامی تعلیمات و اقدار کا احیا ہو۔ اس کے بعض سیاسی و مذہبی اقدامات سے حالات میں قدرے تغیر آیا۔ عالمگیر سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے اپنے عہد (۱۰۶۸ھ ۔ ۱۱۱۸ھ) میں گذشتہ ایک سو چھ سال کے عرصہ پر محیط گمراہیوں اور فتنہ سامانیوں کو ختم کرنے کا عہد کیا' لیکن یہ کوئی اتنا آسان کام نہ تھا۔ اس کے جانشین ہی اگر لائق اور صاحب عزیمت ہوتے تو عالمگیر اور ان کی کوششیں یقیناً برگ و بار لاتیں' مگر یہاں معاملہ برعکس تھا۔ عالمگیر کے بعد تخت مغلیہ کے وارث اتنے کمزور ثابت ہوئے کہ آن کی آن میں ہندوستان سے مسلمانوں کے اقتدار کا جنازہ نکلنے کے آثار دکھائی دینے لگے۔ نتیجتہً سیاسی و مذہبی فتنوں نے پھر سے سر اٹھایا اور ہر طرف بدعات کی گرم بازاری شروع ہوگئی۔ اس پر آشوب زمانے میں رب کائنات نے اصلاح احوال اور پیام رسالت کی ازسرنو تجدید کے لئے شاہ ولی اللہ کو بھیجا۔

حیات ولی۔ چند حقیقی پہلو

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پیدائشی نام احمد' بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین ہے۔ بعض تذکروں میں عبداللہ بھی لکھا ہے۔ کنیت ابوالفیض اور بقول بعض ابوالفیاض تھی' لیکن وہ اپنی کنیت اور پیدائشی' بشارتی اور تاریخی ناموں کے بجائے شاہ ولی اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے[1] بشارتی نام حضرت قطب الدین بختیار کعکی (کاکی) نے رکھا

Marfat.com

تھا۔ شاہ ولی اللہ کا اپنا بیان ہے کہ ایک روز میرے والدان کے مزار پر گئے تو انہیں وہاں سے میری ولادت کی بشارت ملی احمد بھی شاہ ولی اللہ کے والد ماجد نے تجویز کیا تھا، لیکن خود انہیں عبداللہ پسند تھا:

"قال الفقیر ولی اللّٰہ و قدسی نفسہ عبداللہ"(۳۸)

کنیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ عالم ملکوت سے مقرر کردہ ہے:

"ایں فقیر از بعض یاران شنیدہ بود کہ نام حضرت ایشاں (یعنی شاہ عبدالرحیم راقم) در عالم ملکوت ابوالفیض است۔ در خلوتے ازیں معنی استفسار کردم، تبسم کردند و فرمودند ہمچنیں است و نام تو ابوالفیاض است"(۳۹)

شاہ ولی اللہ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر فاروق۔ اور والدہ کی جانب سے امام موسی کاظم تک پہنچتا ہے۔ اول الذکر میں تیس واسطے ہیں اور اس کی ترتیب اس طرح سے ہے:۔

"فقیر ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قازن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش بن سیلمان بن عفان بن عبداللّٰہ بن محمد بن عبداللّٰہ بن عمرؓ بن الخطاب"(۴۰)

نسب نامہ میں مذکور خطاب ملک کے متعلق شاہ ولی اللہ کی تصریح ہے کہ زمانہ قدیم میں ایک تعظیمی لقب تھا، جس طرح کہ آج کل خان ہے۔(۴۱)

شجرہ نسب کے ہمایوں، جرجیس اور محمد شہریار ایسے ناموں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پانچویں یا چھٹی پشت کے بعد شاہ ولی اللہ کے خاندان نے عرب کو خیرباد کہہ کر سرزمین عجم کو اپنا وطن بنایا۔ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ کے خاندان کے جو بزرگ غیر منقسم ہندوستان آئے، وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے۔ انہوں نے ساتویں صدی ہجری کے

اواخر یا آٹھویں صدی کے اوائل میں رہتک میں سکونت اختیار کی اور یہ وہ زمانہ تھا:

> "جب تاتاریوں کے حملے سے عالم اسلام کا مشرقی حصہ زیر و زبر، خاندان کی عزتیں برباد، ان کے علمی اندوختے غارت اور ایران و ترکستان کے نامی گرامی شہر تاراج و بے چراغ ہو رہے تھے، عراق، ایران و ترکستان کے شریف و نجیب خاندان اور ذی علم و باکمال خانوادے کثرت سے ہندوستان آئے" (۴۴)

شیخ شمس الدین کے انتقال کے بعد ان کی اولاد امجاد میں کمال الدین مفتی پھر کمال الدین کے فرزند قطب الدین اور قطب الدین کی رحلت پر ان کے صاحبزادے عبدالملک قضا و احتساب پر مامور رہے۔ ان حضرات نے اپنی اولاد کی شادیاں رہتک کے صدیقیوں اور سونی پت کے سیدوں میں کیں۔ شاہ ولی اللہ کے جد خاص شیخ محمود کا عقد سونی پت کے سادات میں ہوا۔ ان سے شیخ احمد تولد ہوئے، جنہوں نے صغر سنی ہی میں رہتک کو خیرباد کہہ کر سونی پت میں سکونت اختیار کر لی۔

شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم کی دختر نیک اختر کی شادی ان سے ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد وہ رہتک چلے آئے اور شہر سے باہر ایک بڑی حویلی تعمیر کر کے اپنے خاندان کے سب افراد کو یہیں بلالیا۔ شیخ منصور ان کے فرزند تھے۔ ان کا عقد شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی کی صاحبزادی سے کیا گیا تو شیخ معظم کی ولادت ہوئی۔۔۔

شیخ معظم کے سید نور الجبار سونی پتی کی دختر سے شادی کے بعد تین فرزند ہوئے۔ شیخ جمال، شیخ فیروز اور شیخ وجیہہ الدین۔ موخر الذکر شاہ ولی اللہ کے حقیقی دادا ہیں۔

شیخ وجیہ الدین میں تقویٰ و شجاعت دونوں صفات کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ سفر و حضر اور چستی و کسل مندی کسی حالت میں بھی انہوں نے ارکان اسلام کو ترک نہ کیا۔ بالخصوص نماز اور قرآن تو باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ جنگ برادران میں انہوں نے عالمگیر کا ساتھ دیا۔ زندگی کے آخری ایام میں فوج کی ملازمت ترک کر دی۔ سیوارا جاتے ہوئے ایک رات نوبزیا کی سرائے میں مقیم تھے کہ ڈاکوؤں نے شبخون مارا۔ شیخ وجیہ الدین نے ان کا جرات و

Marfat.com

مردانگی سے مقابلہ کیا اور بائیسویں زخم کی تاب نہ لا کر بالآخر جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ان کے تین فرزند تھے۔ ابو الرضا، شاہ عبد الرحیم اور شیخ عبد الحکیم۔ ثانی الذکر شاہ ولی اللہ کے والد ہیں۔

شاہ عبد الرحیم (و ۱۰۵۴ھ - م ۱۱۳۱ھ) نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ معقولات کا درس میر محمد زاہد ہروی سے لیا اور ان کے بعد سید عظمت اللہ اکبر آبادی، خلیفہ ابو القاسم اکبر آبادی، خواجہ خورد اور حافظ سید عبد اللہ سے فیضیاب ہوئے۔ نقشبندی اور چشتی دونوں سلسلوں سے نسبت تھی۔ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق خاطر کے باوجود وحدۃ الوجود کے قائل، اس کے مبلغ اور شیخ ابن العربی کے بے حد معتقد تھے[۴۳] دہلی میں مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد رکھی اور زندگی کے آخری ایام تک اشاعت دین میں مصروف رہے۔ فتاوی عالمگیری کی نظرثانی کرنے والے مولفین میں بھی ان کا نام ملتا ہے۔ دو شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ کے بطن سے صلاح الدین پیدا ہوئے۔ جو القول الجلی کی روایت کے مطابق عنفوان شباب میں انتقال کر گئے۔ دوسری زوجہ فخر النساء کے بطن سے دو بیٹوں نے جنم لیا۔ ایک شاہ اہل اللہ اور دوسرے شاہ ولی اللہ۔

شاہ ولی اللہ بتاریخ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ (۴۴) (مطابق فروری ۱۷۰۳ء) چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب پھلت میں پیدا ہوئے۔ بقول شاہ ولی اللہ بعض دوستوں نے "عظیم الدین" تاریخ پیدائش نکالی اور ولادت سے قبل اور اس کے بعد اس فقیر سے متعلق والدین اور صالحین کی ایک جماعت کو بکثرت بشارات ہوئیں[۴۷] جنہیں ان کے ایک عزیز ترین دوست نے دیگر واقعات کے ساتھ ایک رسالے کی شکل میں قلمبند کر کے القول الجلی[۴۸] نام رکھا۔ ملفوظات شاہ عبد العزیز میں[۴۹] شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

"تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم شوال و چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بود"[۵۰]

مروجہ رسم کے مطابق پانچویں سال شاہ ولی اللہ کی تسمیہ خوانی ہوئی اور وہ مکتب تشریف لے گئے۔ سات برس کی عمر میں والد ماجد نے نماز روزے کی عادت ڈال دی۔ آٹھواں سال شروع نہیں ہوا تھا کہ قرآن مجید کے حفظ سے فراغت پا گئے۔ دسویں سال شرح ملا جامی پڑھی تو مطالعہ کی راہ کھل گئی۔ چودھویں سال شاہ عبد الرحیم نے شاہ ولی اللہ کی شادی ان کے

Marfat.com

ماموں شیخ عبید اللہ صدیقی پھلتی کی دختر سے کردی۔ ان کے بطن سے شیخ محمد کی ولادت ہوئی، جو شاہ عبدالعزیز کے ساتھ درس شمائل ترمذی میں شریک تھے۔ پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد شاہ ولی اللہ نے سید ثناء اللہ سونی پتی[۵۱] کی بیٹی ارادت بی بی سے نکاح کیا۔ ان سے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی اور ایک صاحبزادی اُمۃ العزیز پیدا ہوئے۔

عملی زندگی کے ادوار ثلاثہ

شاہ ولی اللہ کی عملی زندگی تین ادوار میں منقسم ہے۔ اول: عربی زبان کا سیکھنا، منطقی اصطلاحات کا استعمال، سوسائٹی کے رائج الوقت قانون یعنی فقہ حنفی کے متون و شروح پڑھنا، اس قانون کے عقلی نظام یعنی اصول فقہ کا سمجھنا اور متکلمین کے مختلف مکاتب فکر اور ان کے تقابلی مباحث سے شناسا ہونا۔ یہ علوم وفنون شاہ ولی اللہ کے تحصیلی ملکات کا ذریعہ تھے چنانچہ عبید اللہ سندھی نے اسے کسب علوم اور تحصیل ملکات کے دور کے نام سے یاد کیا ہے[۵۲] جو شاہ ولی اللہ کی پندرہ سال کی عمر میں تمام ہوگیا۔ اس کے بعد کے ادوار میں زمانہ حرمین شریفین ہے اور پھر وطن واپسی کے بعد کا عہد۔

تحصیل ملکات کے دور میں شاہ ولی اللہ نے عربی زبان نہ صرف خود سیکھی، بلکہ اس میں مہارت تامہ حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ فارسی کا اس زمانے میں کچھ کم شہرہ نہ تھا۔ ایک لحاظ سے یہ سرکاری زبان تھی۔ شاہ ولی اللہ نے فارسی پر بھی عبور حاصل کیا تاکہ تحصیل علم کے دور میں کتب کے پڑھنے پڑھانے اور اسلامی علوم کے سیکھنے سکھانے میں کسی قسم کی کمی نہ رہ جائے۔ فرماتے ہیں کہ:

> "مجھ ضعیف پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ میں نے چند مرتبہ مدرسہ میں والد بزرگوار کی خدمت میں قرآن عظیم معانی اور شان نزول کو سمجھتے ہوئے پڑھا اور یہ طریقہ فتح عظیم کا سبب ہوا" (۵۳)

حفظ قرآن کے بعد شاہ ولی اللہ نے کافیہ ختم کی اور شرح ملا جامی پڑھنے کے بعد تو مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی۔ چودھویں سال میں تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ ختم کرچکے تھے۔

Marfat.com

پندرھویں سال والد ماجد سے مشکوۃ کا درس لیا۔ کتاب البیوع تا کتاب الادب تک کی سماعت نہ ہو سکی، تاہم والد صاحب کی طرف سے اس کی اجازت مل گئی اور مروجہ علوم متداولہ سے فراغت پا گئے۔ شاہ عبدالرحیم نے تحصیل ملکات کے اس مرحلے کی تکمیل پر ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا۔ الجزء اللطیف میں مذکور تفصیلات کے مطابق شاہ ولی اللہ نے تحصیل ملکات کے دور میں حسب ذیل دینی نصاب پڑھا:

"تفسیر میں بیضاوی اور مدارک (بعض حصص) فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ (کامل باستثنائے قدر قلیل) اصول فقہ میں حسامی اور توضیح و تلویح (معتدبہ حصص) منطق میں شرح شمسیہ (کامل) اور شرح مطالع (ایک حصہ علم کلام میں شرح عقائد (کامل) خیالی کے حاشیہ کے ایک حصہ کے ساتھ، شرح مواقف (چند اجزاء) سلوک میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ کے چند حصص حقائق میں شرح رباعیات جامی اور لوائح، مقدمہ شرح اللمعات، مقدمہ شرح النصوص اور الفوائد الماۃ" طب میں موجز، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ، معانی میں مطول (معتدبہ حصہ) اور مختصر المعانی (ملا زادہ کے حاشیہ تک) ہندسہ و حساب میں بعض مختصر رسائل، حدیث میں صحیح بخاری (کتاب الطہارت تک) شمائل النبی للترمذی (کامل) مشکوۃ شریف (معہ سوائے کتاب البیوع لغایت کتاب الاداب)"

مولانا ابو الحسن علی ندوی کی تحقیق ہے کہ کئی کتابوں کو جن میں اکثر مکرر مضامین تھے، حذف کر دیا گیا۔ مثلاً نحو میں مصباح 'لب الالباب (مصنفہ قاضی ناصرالدین بیضاوی) ارشاد (مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی) کے بجائے صرف کافیہ اور شرح جامی پڑھائی گئی۔ اصول فقہ میں منار اور اس کی شروح اور اصول بزدوی کے بجائے حسامی اور توضیح و تلویح کا کچھ حصہ، تفسیر میں کشاف ترک کر دی گئی اور حدیث میں مشارق الانوار، ادب میں مقامات حریری کا عام رواج تھا۔ لیکن شاہ صاحب کے نصاب درس میں وہ نظر نہیں آتیں اور ممکن ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں بارھویں صدی ہجری کے اوائل تک حلقہائے درس میں متروک ہو گئی ہوں (۵۵)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کے نصاب درس میں عربی ادب اور نظم و نثر کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں ہوتی، لیکن اغلباً خیال ہے کہ اس دوران انہوں نے عربی ادب کی ان قدیم معیاری کتب کا مطالعہ کیا، جو سلاست و حلاوت کا نمونہ تھیں اور جن پر عجمی اثرات ابھی مرتسم نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب حجاز میں آپ نے چند سال قیام فرمایا تو عربوں سے اختلاط و صحبت اور اہل بادیہ سے تعلقات و گفتگو سے آپ کی عربی دانی میں مزید فصاحت و بلاغت آ گئی۔

"وقد اقام بالحجاز سنین وزاحم العرب وسمع من اہل البادیۃ وہم یومئذ احسن حالا منہم فی زماننا"(۵٦)

شاہ ولی اللہ نے اکثر علوم متداولہ معقولات و منقولات کی سند اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے حاصل کی۔ خود فرماتے ہیں:

"واما العلوم الظاہرۃ من التفسیر والحدیث والفقہ والعقائد والنحو والصرف والکلام والاصول والمنطق فقد تعلمنا من سیدی الوالدی"(۵۷)

شاہ ولی اللہ نے تصوف کی بعض کتب بھی اپنے والد سے پڑھیں(۵۸) اور عمر کے سولہویں سال سے لے کر حرمین شریفین روانگی تک، جو ان کی زندگی کا دوسرا اہم دور ہے، مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس میں گزارا۔ ۱۱۲۹ھ میں فراغت درس کے بعد اجازت حدیث ملی اور ۱۱۳۱ھ میں اجازت بیعت و ارشاد۔ اس سال شاہ عبدالرحیم کا انتقال ہوا تو اشاعت دین اور بالخصوص درس حدیث کا فریضہ آپ نے سنبھال لیا۔ اور بارہ سال تک دینی کتب و عقلی علوم کی کتب پڑھانے کی پابندی کرتے رہے۔ اس دوران آپ کو مذاہب اربعہ کے مطالعہ و تحقیق کا بھرپور موقع ملا۔ آپ نے فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں کامل انہماک سے پڑھیں اور احادیث سے استدلال کے عمل کو جاری رکھا

مذاہب اربعہ، فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ و تحقیق اور احادیث سے استدلال ہی کے نتیجے میں فقہائے محدثین کی روش پر شاہ ولی اللہ کا دل مطمئن ہوا، جس کا اعتراف انہوں نے خود اپنی تالیفات میں کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اپنی علمی زندگی کے دوسرے اہم دور میں حرمین شریفین کا قصد کیا۔

اس زمانے میں سورت ہندوستان کی اہم بندرگاہ تھی اور مالوہ اور گجرات مرہٹوں کی غارت گری اور استحصال کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ شمالی ہند سے جنوبی ہند تک اس طویل اور کٹھن سفر کو بالعموم مختلف سواریوں اور بالخصوص بیل گاڑیوں یا اونٹ گاڑیوں سے طے کیا جاتا تھا۔ بحر ہند اور بحر احمر کے تمام سواحل پر تگیزی ولندیزی قزاقوں اور فرانسیسی و انگریز ملک گیروں کے بحری حملوں کے خطرات سے محفوظ نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ بھی دیگر حجاج کی طرح اثنائے سفر کے ان مصائب و حوادث سے گزرے۔ سورت سے جدہ تک کا سفر پینتالیس روز میں طے کیا اور ۱۵ ذی قعدہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ خود فرماتے ہیں کہ:

"ذی الحج ۱۱۴۳ھ میں حج سے مشرف ہوا۔ ایک سال بیت اللہ کی مجاورت کی اور پھر زیارت مدینہ کے لئے چلا گیا شیخ ابو طاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی۔ علمائے حرمین سے مجالس رہیں۔ شیخ ابوطاہر مدنی نے خرقہ پہنایا۔ اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے اور اگلے سال کے اوائل میں واپسی کا سفر باندھ کر ۱۰ رجب ۱۱۴۵ھ کو بروز جمعہ اپنے مستقر (دھلی) پہنچ گیا"(۵۹)

زیارت حرمین شریفین کے وقت شاہ ولی اللہ کی عمر تقریباً تیس سال تھی اور اس سفر میں ان کے ماموں شیخ عبداللہ بارہوی اور ماموں زاد شیخ محمد عاشق ہمراہ تھے۔ شاہ ولی اللہ نے ایام حرمین کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک رسالہ بھی لکھا اور اس میں ابو طاہر محمد بن ابراھیم الکردی المدنی، تاج الدین قلعی حنفی، شیخ احمد شناوی، احمد قشاشی، سید عبدالرحمن ادریسی المعروف بہ مجوب، شمس الدین محمد بن العلاء البابلی، شیخ عیسی جعفری مغربی، محمد بن محمد بن سلیمان مغربی، شیخ ابراھیم کردی، احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بن سالم البصری ثم المکی کا تفصیل سے ذکر کیا(۶۰) یہ تمام گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری کے شیوخ حرمین ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ان سب کی دینی خدمات اور بالخصوص علم حدیث میں ان کی سرگرمیوں کا اعتراف کیا ہے۔ سب سے زیادہ فیض آپ نے شیخ ابو طاہر کردی سے پایا۔

حجاز سے واپسی کے بعد شاہ ولی اللہ کی علمی زندگی کا تیسرا اہم دور شروع ہوا۔ اس دور میں ایک طرف تو آپ نے مدرسہ رحیمیہ کی مسند درس سنبھالے رکھی، دوسری طرف اپنا زیادہ

Marfat.com

تر وقت تصنیف و تالیف کی مصروفیت میں گزارا۔

تصنیفات و تالیفات

ابجدی' عصری اور موضوعاتی تجزیہ

شاہ ولی اللہ نے قرآن اور علوم قرآن' حدیث اور متعلقات حدیث' فقہ الحدیث اور حکمت دین' کلام' اصول فقہ' اختلاف الفقہاء' تصوف' سیر و سوانح' مکتوبات' قصائد اور دیگر متفرق موضوعات پر عربی اور فارسی' دونوں زبانوں میں متعدد کتب و رسائل تصنیف فرمائے ۔ ان کی چھوٹی بڑی اہم تصنیفات حروف تہجی کے اعتبار سے اس طرح سے ہیں۔

(الف)۔ آثار المحدثین (فارسی) اجوبتہ عن ثلاث مسائل (فارسی) اربعون حدیثا مسلمتہ بالاشراف فی غالب سندھا' المختصر بہ الاربعین (۶۱) (عربی) الارشاد الی مہمات علم الاسناد (عربی) ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء (فارسی) اسرار فقہ (فارسی) اطیب النغم فی مدح سید العرب و العجم (عربی) الطاف القدس (فارسی) الاعتصام (عربی) اعراب قرآن (فارسی) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ (فارسی) انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی) الامداد فی ماثر الاجداد (فارسی) الانفاس المحمدیہ (فارسی) الانوار المحمدیہ (فارسی)۔

(ب)۔ البدور البازغتہ (عربی) بوارق الولایتہ (فارسی)

(ت)۔ تاویل الاحادیث (عربی) تراجم ابواب البخاری (عربی) التفہیمات الالہیہ (عربی و فارسی) التنبیہ علی مایحتاج الیہ المحدث و الفقیہ (عربی)

(ج)۔ الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف (فارسی)

(ح)۔ حاشیہ رسالہ لبس احمر (عربی) حجتہ اللہ البالغہ (عربی) حسن العقیدہ (عربی)

(خ)۔ الخیر الکثیر (عربی)

(د)۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین (عربی) دیوان اشعار (عربی)

Marfat.com

(ر) ۔ الرسالہ (فارسی) رسالہ دانشمندی (فارسی) رسالہ فی تحقیق مسائل الشیخ عبدالباقی الدھلوی (عربی) رسالہ فی مسئلہ علم الواجل (فارسی) رسالہ در رد روافض رد گوہر مراد (فارسی)

(ز) ۔ زہراوین (فارسی) اذکر المیمون (فارسی)

(س) ۔ سطعات (فارسی) سرور المحزون (فارسی) السرالمکتوم فی اسباب تدوین العلوم (عربی)

(ش) ۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی) شفاء القلوب (فارسی) شوارق المعرفتہ (فارسی)

(ص) ۔ صرف میر (فارسی)

(ع) ۔ العطیتہ العمدیتہ فی انفاس المحدیہ (فارسی) عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید (عربی) العقیدیتہ الحسنہ عوارف (فارسی)

(ف) ۔ فتح الرحمن (فارسی) فتح الخبیر بمالابد من حفظہ فی علم التفسیر (عربی) فتح الاسلام (فارسی) فتح الودود لمعرفتہ الجنود (عربی) الفضل المبین فی السلسل من حدیث النبی الامین (عربی) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی) فیوض الحرمین (عربی)۔

(ق) ۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی)

(ک) ۔ کشف الغین عن شرح الرباعیتین (فارسی) کشف الانوار (فارسی)

(ل) ۔ لمعات (فارسی) لمحات (فارسی)

(م) ۔ المقالتہ الوضیتہ فی النصیحتہ و الوصیہ (فارسی) المقدمہ السینہ فی الانتصار للفرقہ السنیہ (عربی) المقدمہ فی قوانین الترجمہ (فارسی) المسوی من الاحادیث الموطا (عربی) مصفی فی احادیث الموطا (فارسی) المکتوب المدنی (عربی) مکتوبات المعارف مع مکاتیب ثلاثہ (فارسی) مکتوبات مشمولہ کلمات طیبات (فارسی) مکتوبات مع مناقب بخاری و فضیلت ابن تیمیہ (فارسی) مکتوبات مشمولہ حیات ولی (عربی) سیاسی مکتوبات فارسی منصور (فارسی)

(ن) ۔ النبذۃ الابریزیہ فی اللطیفتہ العزیزیہ (فارسی) النوادر من احادیث سید الاوائل

Marfat.com

والاواخر (عربی) النخبہ فی سلسلہ الصحبتہ (عربی) نہایت الاصول (فارسی)

(و)۔ واردات (فارسی) وصیت نامہ نظم کردہ سعادت یار خان رنگین (فارسی)

(ھ)۔ ہمات (فارسی) ہوامع شرح حزب البحر (فارسی)

شاہ ولی اللہ کی مذکورہ بالا تصنیفات میں سے پینتالیس (۴۵) فارسی میں اور باقی انتیس (۲۹) عربی میں ہیں۔ اور یہ تعداد معین ہے نہ حتمی۔ مولوی رحیم بخش نے تو شاہ ولی اللہ کی چوالیس کتابیں شمار کرنے کے بعد جو ان کے پیش نظر رہیں، لکھا ہے کہ شاہ صاحب کی اور بھی کتابیں ہیں، جو قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں(۶۵) اور مولانا محمد منظور نعمانی، شاہ ولی اللہ کی چھیالیس کتابیں شمار کر کے کہتے ہیں کہ ان کے علاوہ آپ کی اور بہت سی تصانیف ہیں، جن کے نام بھی ہم کو معلوم نہیں اور آپ کے علمی سلسلہ کے بعض ثقات آپ کی تصانیف سینکڑوں کے حساب سے بتاتے ہیں (۶۶)۔ مولانا حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی کا محتاط اندازہ ہے کہ:

"شاہ ولی اللہ کی تصنیفات دو سو سے زیادہ ہیں" (۶۷)

دراصل شاہ ولی اللہ کی تصانیف کی صحیح تعداد کی تعیین اس قدر آسان نہیں۔ شیخ محمد اکرام کا موقف یہ ہے کہ اگر انڈیا آفس لائبریری کے Delhi Collection کی فہرست مرتب ہو جائے تو عجب نہیں کہ اس میں شاہ ولی اللہ کی کچھ مزید کتابوں کے نام مل جائیں۔(۶۸) ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کے متفرق رسائل بعض کتب میں شامل ہیں۔ مثلاً انفاس العارفین وغیرہ جس میں پہلے پانچ رسائل تھے، بعد میں ان کی تعداد سات ہو گئی۔ چنانچہ تعداد کے تعین میں یہ اصول وضع کرنا پڑے گا کہ ان کی کتاب کا جو باب یا فصل کسی دوسری کتاب کا جزو ہے یا الگ سے شائع ہو چکی تھی، جیسے انفاس العارفین کے رسائل کے علاوہ مکتوب مدنی وغیرہ، جو تفہیمات الٰہیہ میں بھی ہے، اسے مستقل تصنیف شمار کیا جائے کہ نہیں؟ بہرکیف ان کی تصانیف کی موضوعاتی تقسیم اس طرح سے ہے۔

☆ قرآن اور علوم قرآن

فتح الرحمان فی ترجمہ القرآن (مطبوعہ) المقدمہ فی قوانین الترجمہ (مطبوعہ) الفوز الکبیر مع فتح الخبیر (مطبوعہ) اعراب القرآن (غیر مطبوعہ)

تاویل الاحادیث (مطبوعہ)

☆ حدیث و متعلقات حدیث

الاربعین (مطبوعہ) الدرالثمین (مطبوعہ) المسلسلات (مطبوعہ) کتاب النوادر (مطبوعہ) المسوّیٰ (مطبوعہ) مصفیٰ (مطبوعہ) تراجم ابواب البخاری (مطبوعہ) شرح تراجم ابواب البخاری (مطبوعہ) الارشاد (مطبوعہ) الرسالہ (غیر مطبوعہ) آثار المحدثین (غیر مطبوعہ)

☆ فقہ الحدیث اور اصول فقہ

حجتہ اللہ البالغہ (مطبوعہ) عقد الجید (مطبوعہ) الانصاف (مطبوعہ) اسرار فقہ (غیر مطبوعہ)

☆ کلام و علم کلام

العقیدۃ الحسنہ (مطبوعہ) قرہ العینین (مطبوعہ) رسالہ در رد روافض (غیر مطبوعہ) المقدمہ السنیہ (غیر مطبوعہ) منصور (غیر مطبوعہ)

☆ تصوف

القول الجمیل (مطبوعہ) فیوض الحرمین (مطبوعہ) الخیر الکثیر (مطبوعہ) البدور البازغہ (مطبوعہ) التفہیمات الالٰہیہ مع مکتوب مدنی (مطبوعہ) ہوامع شرح حزب البحر (مطبوعہ) کشف الغین (مطبوعہ) شفاء القلوب (مطبوعہ) الطاف القدس (مطبوعہ) سطعات (مطبوعہ) ہمعات (مطبوعہ) لمحات (مطبوعہ) لمعات (مطبوعہ) الانتباہ (مطبوعہ) رسالہ فی تحقیق مسائل الشیخ عبدالباقی الدھلوی (غیر مطبوعہ) فتح الودود (مطبوعہ)

Marfat.com

☆ سیر و سوانح

سرور المحزون (مطبوعہ) ازالۃ الخفاء (مطبوعہ) انفاس العارفین (مطبوعہ)

☆ مکتوبات

مکتوب المعارف مع مکاتیب ثلاثۃ (مطبوعہ) مکتوبات مشمولہ کلمات طیبات (مطبوعہ) مکتوبات مع مناقب بخاری و فضیلت ابن تیمیہ (مطبوعہ) مکتوبات مشمولہ حیات ولی (مطبوعہ) سیاسی مکتوبات (مطبوعہ)

☆ صرف

صرف میر (مطبوعہ)

☆ قصائد

الطیب النغم فی مدح سید العرب و العجم (مطبوعہ)

☆ دیوان

دیوان اشعار عربی (غیر مطبوعہ)

متفرقات

السر المکتوم (مطبوعہ) رسالہ دانشمندی (مطبوعہ) النخبتہ فی سلسلہ الصحبتہ (غیر مطبوعہ) وصیت نامہ نظم کردہ سعادت یار خان رنگین (غیر مطبوعہ) عوارف (مطبوعہ) واردات (غیر مطبوعہ) نہایت الاصول (غیر مطبوعہ) الانوار المحمدیہ (مطبوعہ) فتح الاسلام (غیر مطبوعہ) کشف الانوار (غیر مطبوعہ) کتاب التنبیہ (مطبوعہ) الذکر المیمون (غیر مطبوعہ) اجوبتہ عن ثلاث مسائل (غیر مطبوعہ) رسالہ فی مسئلہ علم الواجب (غیر مطبوعہ) الانفاس المحمدیہ (غیر مطبوعہ) القاصد الوضیہ (مطبوعہ)

☆ غیر معروف کتب و رسائل

شاہ ولی اللہ کی متعدد کتب و رسائل وہ ہیں، جنہیں بوجوہ خاطر خواہ پذیرائی نہ مل سکی۔ ان میں شفاء القلوب، المقدمہ السنیہ الانتصار الفرقہ السنیہ، فتح الودود لمعرفۃ الجنود، الحبنتہ فی سلسلہ الصحبتہ، الاعتصام، حاشیہ: رسالہ لبس احمر، الرسالہ، رسالہ فی حقیقی مسائل الشیخ عبدالباقی الدھلوی، وصیت نامہ نظم کردہ سعادت یار خان رنگین، عوارف واردات نہایات الاصول، الانوار المحمدیہ، فتح الاسلام، کشف الانوار، رسالہ در رد روافض رد گوہر مراد، التنبیہ علی ما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ، الذکر المیمون، اعراب القرآن، آثار المحدثین، اجوبتہ عن ثلاث مسائل، رسالہ فی مسئلہ علم الواجب، الانفاس المحمدیہ، اسرار فقہ اور منصور شامل ہیں۔

شفاء القلوب سے متعلق اتنا معلوم ہے کہ حقائق و معارف میں ایک رسالہ ہے، جب کہ المقدمہ السنیہ کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ اس کا ایک مختصر سا حصہ مولانا مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیو بند کے تصرف میں ہے اور اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک میں ہے(۶۹) حیات ولی کے مولف مولوی رحیم بخش دھلوی کا دعوی ہے کہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کی صرف ان تصنیفات کا ذکر کیا ہے جو مطبوعہ ہیں۔ چنانچہ وہ شاہ ولی اللہ کی ایک عربی تالیف فتح الودود لمعرفۃ الجنود اور ایک فارسی رسالہ عوارف کو مطبوعہ کتابوں میں شمار کرتے ہیں۔(۷۰)

النخبتہ فی سلسلہ الصحبہ کا انکشاف مولانا جار اللہ کے نام جاری کردہ شاہ ولی اللہ کی سند(۷۱) سے ہوتا ہے۔ گویا اس کا ذکر خود شاہ ولی اللہ نے ۱۲۷۳ھ میں کیا ہے۔ اسی طرح الاعتصام کی نشاندہی مجموعہ رسائل خمسہ شاہ عبدالعزیز دھلوی سے ہوتی ہے۔ اس کے "رسالہ فیض عام" میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

"فقیر مناجات تصنیف نکردہ است مگر والد بزرگ فقیر دعائے موسوم اعتصام تصنیف فرمودہ اند بزبان عربی" (۷۲)

مولانا عبدالحی نے اسی کو دعاء الاعتصام کے نام سے یاد(۷۳) کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ شاہ محمد

عاشق نے "الاعتصام" کی شرح قلمبند کی (۷۴)۔ حاشیہ رسالہ لبس احمر کے متعلق بھی شاہ عبدالعزیز ہی اشارہ فرماتے ہیں۔ ان کا بیان ہے:

"رسالہ در لبس احمر در اصل یکے از علماء روم تصنیف کردہ بود و حضرت ابو طاہر کردی۔ حضرت ولی نعمت ما را فرمودند کہ آں را مطالعہ نمائید و بران چیزے بنویسند۔ بعد مطالعہ بطریق حاشیہ چیزے بران رسالہ نوشتہ اند۔ ہمیں حاشیہ در فہرست مولفات ایشاں داخل است" (۷۵)

اور الرسالہ (رسالہ نامعلوم الاسم) کا ذکر شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز نے اپنی ایک دوسری مختصر تصنیف میں کیا ہے۔ رقمطراز ہیں

"و برائے فہم معانی حدیث و دفع تعارض من بینہا حضرت والد ماجد قدس سرہ قواعد عجیبہ و فوائد غریبہ تنسیق فرمودہ اند، اگر انشاء اللہ فرصت حاصل شود برخے ازاں نقل کردہ برائے آں برادر (۷۶) خواہد فرستاد" (۷۷)

شاہ ولی اللہ کی تصنیفات میں جن کتب و رسائل کو زیادہ شہرت نہ مل سکی یا وہ گوشہ گمنامی میں رہے، ان میں سے ایک تو سعادت یار خان رنگین کا نظم کردہ وصیت نامہ ہے۔ فارسی کے اس غیر مطبوعہ رسالہ کے متعلق ڈاکٹر مظہر بقاء کی رائے ہے کہ سعادت یار خان رنگین کے قول کے سوا شاہ صاحب کی طرف اس وصیت نامہ کے انتساب کا اور کوئی ثبوت نہیں اور شاہ صاحب کی دوسری تصانیف کے مضامین سے اس کے مضامین کی مطابقت اس کو ان کی تصنیف کہنے کے لئے کافی نہیں (۷۸) اس کے برعکس مولانا عبدالحئی کے نزدیک رسالہ فی تحقیق مسائل الشیخ عبدالباقی الدھلوی شاہ ولی اللہ کا ایک مستقل رسالہ ہے (۷۹) اور اس کی اغلباً وجہ یہ ہے کہ کشف **الغین** سے یقیناً مختلف و مستقل ہے، کیونکہ اول الذکر فارسی میں لکھا گیا۔

شاہ ولی اللہ کے غیر معروف اور غیر مطبوعہ کتب و رسائل میں واردات نہایات الاصول، الانوار المحمدیہ، فتح الاسلام، کشف الاسرار رسالہ رد روافض اور التنبیہ کا ذکر عبدالرحیم

Marfat.com

ضیاء نے اپنی کتاب میں کیا ہے(۷۱) موخر الذکر رسالہ التنبیہ علی مایحتاج الیہ المحدث و الفقیہ اغلباً اتحاف النبیہ فیما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ(۷۲) کے نام سے بھی موسوم ہے مگو ہر مراد ملا عبدالرزاق لاہیجی صدر شیرازی کا رسالہ ہے' جس کی طرف ای.جی براؤن(۷۳) نے بھی اشارہ کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس کے جواب میں رسالہ رد روافض قلمبند فرمایا۔

الذکر المیمون کے بارے میں پتا نہیں چلتا کہ کس موضوع کی کتاب یا رسالہ ہے' لیکن اعراب القرآن سے یہ بات خارج از مکان نہیں کہ علوم القرآن سے متعلق رسالہ یا کتاب ہو گی۔ ان دونوں کو معراج محمد بارق(۷۴) نے شاہ ولی اللہ کی تصنیف بتایا ہے۔ اسی طرح آثار المحدثین اجوبتہ عن ثلاث مسائل اور رسالہ فی مسئلہ علم الواجب کی نشاندھی ڈاکٹر جمال الدین شیال نے کی ہے۔ ان کے خیال میں القول الجمیل فی اصول الطریق الاربعتہ اور القول الجمیل فی علم السلوک شاہ ولی اللہ کی دو جدا جدا تصانیف ہیں۔ علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ نے تنویر العمینین فی رفع الیدین اور الرسالہ العزیز فی المعانی (او النفاس) الارتضائیۃ بھی تصنیف کیں(۷۴) لیکن یہ درست نہیں کیوں کہ تنویر العمینین شاہ اسماعیل شہید اور الرسالہ العزیزیہ شاہ ولی اللہ کے ایک ننھیالی بزرگ شیخ عبدالعزیز کی تالیف ہے۔ ثانی الذکر کے متعلق تو شاہ ولی اللہ کا اشارہ(۷۵) بھی موجود ہے۔

بعض الانفاس المحمدیہ کو بھی شاہ ولی اللہ کی تالیف بتاتے ہیں(۷۶) لیکن اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ وہی کتاب ہے' جسے صاحب مقالات طریقت نے انوار المحمدیہ لکھا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی غیر معروف تصنیفات میں سے اسرار فقہ اور منصور کا انکشاف شاہ ابو سعید حسنی(۸۷) کے نام سید محمد نعمان حسنی(۸۸) کے اس مکتوب سے ہوتا ہے' جس کا ذکر نسیم احمد فریدی نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ یہ مضمون شاہ ابو سعید حسنی رائے بریلوی کے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے ساتھ روابط کے بارے میں ہے۔ اس مکتوب میں شاہ ولی اللہ کے بارے میں ہے:

> "تصانیف آنحضرت قریب بنود بل زیادہ در علم دین از تفسیر و اصول فقہ و کلام و حدیث مثل حجتہ اللہ البالغہ و اسرار فقہ و منصور و ازالہ و (۸۹)"

Marfat.com

شاہ ولی اللہ سے منسوب کتابیں

تیرھویں صدی ھجری کے وسط میں تقلید و عدم تقلید کے مباحث زوروں پر تھے۔ تنبیہہ الضالین و ھدایتہ الصالحین(۹۱) میں ہے کہ مقلدین و غیر مقلدین کے درمیان مناظروں کا بکھیرے اس کہنے سے یہ غرض ہے کہ جواب تصانیف ان کی چھپیں اچھی طرح اطمینان کر لیا جاوے جب خریدنی چاہیں۔(۹۲)

ظہیر الدین نے مزید وضاحت شاہ ولی اللہ کی ایک اور تصنیف کے آخر میں "التماس ضروری" کے عنوان سے کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> "دوسری التماس آپ کے ملاحظہ فرمانے کے لائق یہ بھی ہے کہ فی زمانہ بعض حضرات نے کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات موصوف (یعنی شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف) کی طرف اکثر کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں، جو کسی طرح ان حضرات کی تصنیف میں سے نہیں ہیں"(۹۳)

اس کے بعد ناشر کتب نے شاہ ولی اللہ سے منسوب جعلی کتب و رسائل میں سے چند نام گنوائے ہیں۔ مثلاً تحفتہ الموحدین، اور البلاغ المبین وغیرہ۔ علاوہ ازیں جو کتب شاہ ولی اللہ سے منسوب کی گئیں، ان میں قرہ العینین فی ابطال شہادۃ الحسین، الجنتہ العالیہ فی مناقب المعاویہ، قول سدید اور اشارہ مستمرہ۔ اس ضمن میں بعض سوانح نگاروں نے شاہ عبدالعزیز وغیرہ اصحاب کی تصنیفات کو شاہ ولی اللہ کی کتب میں شامل کرنے کی غلطی بھی کی۔ مایجب حفظہ للناظر، فیض عام، رسالہ اوائل اور القول الجلی اس کا بین ثبوت ہیں۔ خوب دور دورہ تھا۔ اس دوران میں طرفین کی طرف سے ان مباحث پر رسائل و کتب لکھی گئیں اور جعلی کتابیں بھی وجود میں آئیں۔ قاری عبدالرحمان محدث پانی پتی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "اور ایسا ہی ایک اور جعل (غیر مقلدین) کرتے ہیں کہ سوال کسی مسئلہ کا بنا کر اور اس کا جواب موافق اپنے مطلب کے لکھ کر علمائے سابقین کے نام

Marfat.com

سے چھپواتے ہیں۔ چنانچہ بعض مسئلے مولوی حیدر علی کے نام سے علیٰ ہذا القیاس چھپوائے ہیں۔"(۱۹)

شاہ ولی اللہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان کے خاندان کے ایک فرد اور ان کی تصنیفات کے مشہور ناشر ظہیر الدین سید احمد ولی اللہی 'شاہ ولی اللہ کی ایک کتاب کے آخر میں قارئین کی توجہ اس مسئلے کی طرف مبذول کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعد حمد و صلوٰۃ کے بندہ محمد ظہیر الدین عرف سید احمد اول گزارش کرتا ہے 'بیچ خدمت شائقین تصانیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دھلوی وغیرہ کہ آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور در حقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان کی تصنیف میں اپنے عقیدہ کے خلاف بات ہوئی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر و تبدل کر دیا تو

سنین تالیف اور تالیفی مراحل

شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیفات کے مقدموں میں چند ایک کے سوا کہیں سنین کتب تحریر نہیں فرمائے حالانکہ اس دور میں مولفین کی یہ عام عادت تھی کہ وہ اپنی ہر تصنیف میں سنہ تالیف ضرور لکھا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے قریبی معاصر' ممتاز محقق اور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (۱۱۰۴ھ - ۱۱۷۴ھ) کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ملے' جس میں سنہ تصنیف کا اندراج نہ ہو' لیکن شاہ ولی اللہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کی کتابوں کے زمانہ تالیف کی سب سے قابل اعتماد اور موثر شہادت یہ ہے کہ انہوں نے خود مقدمہ کتاب یا کسی دوسری تصنیف یا مختلف یالیفات میں اس بارے میں تصریح فرمائی ہو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے کسی کتاب کے سنہ تالیف کا ذکر اپنے کسی تلمیذ سے زبانی یا اس کی سند فراغ میں کیا ہو۔ بہر کیف گہرے تفحص و

تلاش اور تحقیق و تدقیق ہی سے قرائن کسی ٹھوس نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں۔

عہد حاضر کے ایک مولف کا یہ بیان سو فی صدی درست نہیں کہ سفر حرمین سے پہلے شاہ ولی اللہ نے تصنیف و تالیف کا کوئی کام ہی نہیں کیا[۹۴] جب کہ اس عرصہ میں ان کی کم از کم ایک تالیف زھراوین تو طے ہے، یعنی البقرۃ اور سورہ آل عمران کا فارسی ترجمہ ان کا اپنا بیان ہے

"لا جرم عزم تالیف ترجمہ دیگر مصمم شد و تسوید ترجمہ زھراوین بروئے کار آمد بعد ازاں سفر حرمین اتفاق افتاد و آں سلسلہ ازہم گست" (۹۵)

سفر حرمین سے واپسی کے بعد شاہ ولی اللہ نے فتح الرحمان کے نام سے قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ مکمل کیا۔ تب زھراوین کی مستقل و منفرد حیثیت ختم ہو گئی۔ حیات ولی کے سوانح نگار نے ایک ہم عصر فاضل کا جو نوٹ حاشیہ میں شامل کیا ہے۔ اس کے مطابق مسجد فتح پوری کے واقعہ کے دنوں میں کٹ ملاؤں کو شیعہ سرداروں نے شاہ ولی اللہ کو شہید کرنے یا دھلی بدر کرنے پر اکسایا[۹۶] اس کی اغلباً وجہ اہل تشیع کے معتقدات کے خلاف شاہ ولی اللہ کی تصنیفات ہی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

۲۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین

۳۔ تعریب رسالہ رد روافض از مجدد الف ثانی

۴۔ رد گوھر مراد

اول الذکر دونوں تصانیف قرائن کی رو سے حرمین سے واپسی کے بعد کی ہیں۔ تاہم امکان ہے کہ تعریب رسالہ رد روافض اور رد گوھر شاہ ولی اللہ نے سفر حرمین سے قبل تصنیف کئے ہوں، لیکن حیات ولی کے ہم عصر کا یہ بیان کہ مسجد فتح پوری کے واقعہ کو شاہ ولی اللہ کے خاندان کے لوگوں اور شاہ عبدالعزیز نے سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور سب کا مشورہ تھا کہ کچھ عرصہ کے لئے دلی کو خیرباد کہہ دیا جائے، چنانچہ شاہ ولی اللہ حرمین روانہ ہوئے[۹۷] انتہائی ناقابل اعتبار ہے، کیونکہ سفر حرمین ۱۱۴۳ھ میں درپیش ہوا جب کہ شاہ عبدالعزیز ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کی تصنیفی زندگی کا دوسرا دور حرمین شریفین پہنچنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی اہم تصنیف فیوض الحرمین ہے۔ شاہ ولی اللہ ۲۶ جمادی الآخر ۱۱۴۶ھ کی سند میں لکھتے ہیں:

"واجزتہ ان یروی عنی کتبی ورسائلی التی الفتا فی التصوف وغیرہ سما قرا علی کتاب فیوض الحرمین او لم یقراء (۹۸)"

نور اللہ پھلتی کو دی جانے والی اس سند میں مزید فرماتے ہیں

"وقد فصلنا الاسانید فی سائر رسائلنا فمن شاء معرفتہا فلیراجع الیہا" (۹۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ ۱۱۴۶ھ سے قبل تصوف اور اسانید وغیرہ سے متعلق کئی کتب و رسائل تصنیف فرما چکے تھے۔ تصوف میں ان کے کتب و رسائل القول الجمیل، ہمات، سطعات، لمعات، فیوض الحرمین، الخیر الکثیر، الطاف القدس، مکتوب مدنی، ہوامع، البدور البازغہ، کشف الغین، مکتوب الخارف، شفاء القلوب اور التفہیمات الالہیہ اور اسانید میں انفاس العارفین (انسان العین فی مشائخ الحرمین) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ اور الارشاد الی مہمات الاسناد ہیں۔

القول الجمیل کے متعلق خیال ہے کہ ۱۱۴۶ھ، انفاس العارفین ۱۱۴۸ھ اور الانتباہ ۱۱۶۰ھ سے قبل کی تصانیف ہیں۔ تفہیمات کے عہد تصنیف کا تعین قدرے مشکل ہے، کیونکہ اس میں نور اللہ پھلتی کو دی جانے والی سند کے علاوہ ۱۱۶۰ھ میں حافظ عبد الرحمان ٹھٹوی کو عطا کی جانے والی سند بھی شامل ہے۔ لہٰذا اولذکر سند کے حوالے سے اسے ۱۱۴۶ھ سے قبل کی تصنیف قرار دینا قیاس آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ القول الجمیل (۱۰۰) کے حوالے فیوض الحرمین میں ہیں۔ اس اعتبار سے فیوض الحرمین ۱۱۴۶ھ اور ۱۱۴۸ھ کے درمیانی عرصہ کی تصنیف ہے۔ ہمات ۱۱۴۶ھ کے بعد کی اور داخلی شہادتوں کے مطابق لمعات اور الطاف القدس ۱۱۴۸ھ سے قبل کی ہیں۔ ھمعات کے آخر میں اس کا سنہ تالیف ۱۱۴۸ھ درج ہے (۱۰۱) اور اس میں انفاس العارفین کے حوالے بھی موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ھمعات، انفاس العارفین کے بعد کی ہے۔ انفاس العارفین، فیوض الحرمین، لمعات اور الطاف القدس

Marfat.com

کے حوالوں سے خالی نہیں جن سے ان تصانیف کا ۱۱۴۸ھ سے قبل پایہ تکمیل کو پہنچنا ثابت ہو جاتا ہے۔

قرائن اور داخلی شہادتیں بتاتی ہیں کہ حجتہ اللہ البالغہ کی تصنیف کا خیال شاہ ولی اللہ کے دل میں زیارت حرمین کے دوران پیدا ہوا جب ایک روز نماز عصر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور آپ کو کپڑے جیسی کسی چیز سے ڈھانپ لیا۔[۱۰۲] پھر قیام مکہ کے دوران امام حسینؓ اور حسنؓ خواب میں آپ کو نظر آئے اور انہوں نے ایک قلم عطا فرماتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارے نانا کا قلم ہے۔[۱۰۳] اس کے بعد اپنے پس و پیش کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ثم یعوقنی انی لا اجد ولدی ولا اری من خلفی وبین یدی من اراجعہ فی المتشبہات من العلماء المصنفین الثقات (۱۰۴)

اس سے گمان ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے حرمین سے دھلی واپسی یعنی ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ کے بعد حجتہ اللہ البالغہ کی تصنیف کا آغاز کیا' کیونکہ اگر انہوں نے اس کی ابتدا حرمین ہی میں کر دی ہوتی تو وہ وہیں کے شیوخ سے اور بالخصوص شیخ ابو طاہر کردی سے کم از کم ان کی رحلت تک کو مشتبہات میں مراجعت فرما سکتے تھے۔

شاہ ولی اللہ کی بعض تصانیف کی کتابت ان کی زندگی ہی میں ہو گئی تھی۔ چنانچہ انڈیا آفس لائبریری میں الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کا جو نسخہ موجود ہے' اس پر ۱۱۵۳ھ رقم ہے۔[۱۰۵] حجتہ اللہ البالغہ میں چونکہ الانصاف کا حوالہ موجود ہے' اس لئے الانصاف اس کے بعد کی تصنیف قرار پائی ہے جبکہ فتح الرحمان اور قصیدہ اطیب النغم وغیرھما کے سنین تالیف معلوم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ اول الذکر پر تکمیل تاریخ اوائل شعبان ۱۱۵۱ھ اور ثانی الذکر پر ۲۴ ربیع الثانی ۱۱۵۶ھ درج ہیں۔ مقدمہ فتح الرحمان میں تصریح موجود ہے کہ یہ کتاب سفر حجاز سے قبل شروع ہو کر ۱۱۵۱ھ میں چار مراحل میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ خواجہ محمد امین کے نام شاہ ولی اللہ کے ایک خط محررہ ۱۱۵۸ھ[۱۰۶] سے معلوم ہوتا ہے کہ اطیب النغم کی شرح ۱۱۵۶ھ اور ۱۱۵۸ھ کے درمیانی عرصہ میں مکمل ہوئی۔

۲۹ رمضان ۱۱۶۰ھ کو شاہ ولی اللہ نے حافظ عبدالرحمان ٹھٹوی کو جو سند (۱۰۷) عطا

Marfat.com

فرمائی، اس میں المسوی اور الاشتباہ کا ذکر ہے، جس سے ان کا اس عرصہ سے قبل کی تصنیف قرار پانا یقینی امر ہے۔ اسی سند کے بعض الفاظ شاہ ولی اللہ کے کثیر التعداد رسائل و کتب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ازالتہ الخفاء میں المسوی کا حوالہ ہے۔ گویا ازالتہ الخفاء المسوی کے بعد کی تصنیف ہے اور اگر قرۃ العنین کو ۱۱۶۰ھ سے قبل کی تصنیف تسلیم کر لیا جائے تو الفوز الکبیر خود بخود اس سے بھی پہلے کی تالیف قرار پاتی ہے، کیونکہ شاہ محمد عاشق کے نام ایک مکتوب میں شاہ ولی اللہ نے قرۃ العنین کے دس کراسوں میں سے پانچ کی تکمیل اور حافظ عبدالرحمان کے الفوز الکبیر پڑھنے کا ذکر کیا ہے (۱۰۸) الفوز الکبیر ۱۱۶۰ھ سے قبل کی تصنیف ہو تو تاویل الاحادیث اس سے بھی پہلے لکھی گئی ہو گی۔ اس لئے کہ الفوز الکبیر (۱۰۹) میں فتح الرحمان اور تاویل الاحادیث دونوں کا ذکر ہے۔ فتح الرحمان جیسا کہ تعین یا گیا ہے ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوئی۔ اس اعتبار سے تاویل الاحادیث اس سے پہلے یا قریبی زمانے کی ہے۔ الخیر الکثیر کی تبییض شاہ محمد عاشق نے ۱۱۶۱ھ میں شاہ ولی اللہ کے سامنے کی، یعنی الخیر الکثیر ۱۱۶۰ھ تک اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ ان تمام کتب کے زمانہ تصنیف کی مزید وضاحت شاہ ولی اللہ کے اس اجازت نامہ سے ہو جاتی ہے جو انہوں نے ۲۱ محرم ۱۱۷۳ھ کو مولانا جار اللہ کے نام جاری فرمایا۔ اس میں انہوں نے اپنے دست مبارک سے خود ان تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

"المسوی، حجتہ اللہ البالغہ، الانصاف، عقد الجید، القول الجمیل، سلسلات، النخبتہ فی سلسلہ الصحبہ الفوز الکبیر"

صرف میر کا زمانہ ۱۱۶۵ھ کے قریب قریب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ کتاب شاہ عبدالعزیز کے بچپن میں ان کے لئے نظم کی گئی۔ ۱۱۵۹ھ ان کا سنہ ولادت ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ صرف میر انہوں نے پانچ چھ سال کی عمر میں پڑھی۔

سلسلات کی عبارت "قال الفقیر ولی اللہ عفی عنہ ولہ تصانیف فی فنون الحدیث"(۱۱۰) سے پتا چلتا ہے کہ علم حدیث میں شاہ ولی اللہ کی بیشتر تصنیفات ھ کے اواخر تک کہ سلسلات اسی زمانے کی تالیف ہے، مکمل کر چکے تھے، اور اس سے متعلق کتابوں میں

Marfat.com

المسوی، مصفیٰ، الاربعین، الدر الثمین، النوادر، الارشاد، الفضل المبین، الانتباہ، اور شرح تراجم بعض ابواب البخاری شامل ہیں۔ مصفیٰ بعد میں اور المسویٰ پہلے لکھی گئی۔ ثانی الذکر کتاب میں شاہ ولی اللہ کے اپنے الفاظ ہیں۔

"وقد تاکد العزم منی ان اشرحہ ایضا بالفارسیتہ" (۱۱۱)

المقالہ الوضیہ (وصیت نامہ) کے متعلق اس کے نام کی نسبت سے گمان غالب ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ کی زندگی کے آخری ایام کی یادگار ہے۔

شاہ ولی اللہ کا زمانہ

شاہ ولی اللہ کے اوقات کار معین تھے۔ نماز صبح اور وظائف کے بعد سے دوپہر تک درس حدیث دیتے تھے/علم حدیث اور اسرار دین سے اپنے اخلاف و تلامذہ کو مستفیض فرماتے اور پھر مدرسہ رحیمیہ کے اساتذہ کی علمی مشکلات میں ان کی رہنمائی کرتے۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ:

"اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے تو دوپہر تک زانو بدلتے نہ کھجلاتے اور نہ دھن مبارک سے تھوک پھینکتے۔(۱۱۲)

۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو شاہ ولی اللہ نے وفات پائی۔ ظہر کا وقت تھا اور بروز شنبہ۔ عمر اکسٹھ سال اور تقریباً چار ماہ، وفات کی تاریخ امام اعظم دین نکالی گئی:

"دربست نہم وفات یافت۔ تاریخ وفات او بود، امام اعظم دین، دیگر ہائے دل روزگار رفت (۱۱۳) بست نہم محرم وقت ظہر" (۱۱۴)

شاہ ولی اللہ کی تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی جو مہندیاں[۱۱۵] کہلاتا ہے

ان کے خصائص، معمولات نظام الاوقات اور نشست و برخاست کی تفصیلات کا بہترین ماخذ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ میں نے والد ماجد جیسا قوی

Marfat.com

الحفظ نہیں دیکھا: "مثل والد ماجد حافظ ندیدہ ام"[۱۱۶] طبیعت میں بچپن سے لطافت تھی۔ سخن فہم تھے اور سخن ور بھی۔ صوفیانہ اشعار گنگنایا کرتے تھے۔ مثالیں مکتوبات معہ مناقب، تفہیمات الہیہ اور ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے دور (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ) میں برصغیر پاک و ہند ہی نہیں، عالم اسلام کی صورتحال بھی کوئی زیادہ حوصلہ افزا اور تسلی بخش نہ تھی۔ اس عرصہ میں سلطنت عثمانیہ کے پانچ سلاطین مصطفیٰ ثانی (م ۱۱۱۵ھ) احمد ثالث (م ۱۱۴۳ھ) محمود اول (م ۱۱۶۷ھ) عثمان ثالث (م ۱۱۷۱ھ) اور مصطفیٰ ثالث (م ۱۱۸۷ھ) نے یکے بعد دیگرے اقتدار سنبھالا اور حکومت کی۔ شاہ ولی اللہ کے شعور و فکر کا ارتقاء اول الذکر مصطفیٰ ثانی کو چھوڑ کر باقی سلاطین کے عہد میں ہوا۔ وہ ابھی عالم شباب میں تھے کہ سلطنت عثمانیہ میں مطبعوں کا قیام عمل میں آیا اور سب سے پہلا مطبعہ قسطنطنیہ میں لگایا گیا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵ھ - ۱۲۰۶ھ) شاہ ولی اللہ کے ہمعصر تھے۔ گویا شاہ ولی اللہ کے زمانے ہی میں ان کی تحریک نے فروغ پایا۔ شاہ ولی اللہ حرمین شریفین تشریف لے گئے تو سلطان محمود اول (۱۱۴۳ھ - ۱۱۶۷ھ) کی سلطنت و خلافت کا زمانہ تھا۔ عثمانیوں کے نائب و نمائندے امیر حجاز ہوتے تھے اور شریف مکہ کہلاتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے حجاز کا سفر کیا تو محمد بن عبداللہ بن سعید بن زید بن محسن الحسنی (م ۱۱۶۹ھ) نے اپنے والد کے انتقال پر ۱۱۴۳ھ میں حجاز کی امارت سنبھالی تھی۔ ان کا زمانہ خانہ جنگی اور خاندانی کشمکش میں گزرا۔ ۱۱۴۵ھ میں انہیں اپنے چچا مسعود بن سعید کے ہاتھوں اپنے عہدہ سے دستکش ہونا پڑا، لیکن ۱۱۴۶ھ میں وہ دوبارہ امیر حجاز بننے میں کامیاب ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ نے اقتدار کی یہ جنگ اپنی آنکھوں سے دیکھی۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ نے گیارہ فرمانرواؤں کا زمانہ پایا۔ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ) قطب الدین محمد، شاہ عالم بہادر شاہ اول (۱۱۱۸ھ - ۱۱۲۴ھ) معزالدین جہاندار شاہ (۱۱۲۴ھ - ۱۱۲۵ھ) معین الدین احمد فرخ سیر (۱۱۲۵ھ - ۱۱۳۱ھ) شمس الدین محمد ابوالبرکات رفیع الدرجات (۱۱۳۱ھ) شمس الدین محمد رفیع الدولہ شاہجہان ثانی (۱۱۳۱ھ) ناصرالدین روشن اختر محمد شاہ (۱۱۳۱) مجاہد الدین بہادر احمد شاہ (۱۱۳۱ھ-۱۱۶۱ھ) عزالدین محمد عالمگیر ثانی (۱۱۶۱ھ - ۱۱۶۷ھ) شاہجہان ثالث (۱۱۶۷ھ۔

Marfat.com

۱۱۷۳ھ) جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳ھ - ۱۲۱۸ھ)۔

اورنگ زیب کی وفات کے وقت جب سلطنت مغلیہ انحطاط پذیر تھی اور عہد اسلامی کے ہندوستان کی سیاسی و معاشرتی تباہ حالی کا عمل شروع ہو چکا تھا' شاہ ولی اللہ کی عمر تقریباً ۴ سال تھی اور شاہ عالم ثانی کی حکومت کو ابھی اڑھائی سال ہی گزرے تھے کہ شاہ ولی اللہ کا انتقال ہو گیا۔

عالمگیر سے لے کر شاہ عالم ثانی تک جتنے مغل فرمانروا ہوئے' ان میں سے ایک بھی کامل اطمینان اور یکسوئی سے حکومت نہ کر سکا۔ صرف محمد شاہ نے معتدبہ عرصہ (۲۵ھ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ - ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ) فرمانروائی کی۔ بیشتر حکمران پابند سلاسل ہوئے یا قتل کیے گئے۔ جہاندار شاہ کو ۲۳ ذی الحج ۱۱۲۴ھ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ فرخ سیر کی پہلے آنکھیں نکالی گئیں اور پھر ۸ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ رفیع الدرجات نے بمشکل چار ماہ (۸ ربیع الثانی - ۱۹ رجب ۱۱۳۱ھ) حکومت کی۔ رفیع الدولہ نے بھی تقریباً اتنی ہی مدت ۱۹ رجب - ۲۵ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ) شہنشاہی کی۔ احمد شاہ کو چھ سال کی فرمانروائی کے بعد ۲ شعبان ۱۱۶۷ھ کو اندھا کر کے قتل کیا گیا اور عالمگیر ثانی نے ۲۰ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ کو مقتل میں جان جان آفرین کے سپرد کی۔

حالات کی ابتری اور شعائر اسلام کی بے حرمتی

اسے تاریخ کی بوالعجبی کہئے کہ اورنگ زیب کا سب سے اول جانشین کمزور اور نااہل ہی نہیں' اپنے باپ کی طبعیت اور اس کے دینی مزاج کے بالکل برعکس نکلا۔ اس نے تیموری سلسلہ فرمانروایان سلطنت کے عقیدہ و مسلک اور مصالح حکومت کے برخلاف جبکہ ہندوستان کے مشرقی حدود بنگالہ سے لے کر سلطنت کے مغربی حدود کابل و قندھار تک نوے فیصدی سے زائد مسلمان سنی العقیدہ اور حنفی المذہب تھے' شیعی مسلک اختیار کیا۔ علماء اہل سنت سے مباحثات و مناظرات کا دروازہ کھولنے کی اجازت دی اور کلمہ طیبہ میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ' کے الفاظ کا اضافہ کرایا جس کے نتیجے میں بہادر شاہ اول کے قیام لاہور کے دوران اس کے خلاف شورش بپا ہوئی۔ طباطبائی کہ خود اثناء عشری سے تعلق رکھتا ہے'

Marfat.com

رقمطراز ہے:

"بہادر شاہ بدستور اصرار بایں کار داشتہ در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می کوشید و مدت ہائے دراز در مباحثہ بعلماء باز بود 'اما فائدہ بر آں مترتب نمی شد(۱۱۷)

بہادر شاہ اول کے بعد فرخ سیر:

"استقامت مزاج اور رائے صائب نہیں رکھتا تھا۔ اوروں کی رائے پر چلتا تھا۔ قسمت سے تاج و سلطنت مل گیا۔ اپنی سلطنت کا مادہ فساد خود ہی بنا"(۱۱۸)

محمد شاہ نے انتیس سال چھ ماہ حکومت کی، لیکن وہ سادات بارھہ قطب الملک عبداللہ خان اور امیرالامراء حسین علی خان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہا۔ اسے سوائے نماز جمعہ کے احکام جاری کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ ہندو علی الاعلان اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے رہے اور آگرہ سے دریائے شور تک برسر عام بت پرستی ہوتی رہی۔ گاؤکشی کی ممانعت کی جاتی تھی۔ طباطبائی کے الفاظ ہیں

"بادشاہ چوں جوان بے عزم و کم جرت بود مشغول عیش و طرب گردیدہ"(۱۱۹)

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

"محمد شاہ بہادر صاحب سریر تھا۔ تن آسانی کے سوا کسی کام سے کام نہ تھا۔ ہر وقت ہاتھ میں جام اور بغل میں دل آرام"(۱۲۰)

حقیقت میں محمد شاہ اپنے اقبال مند اجداد کی شاہانہ صفات سے بھی عاری تھا:

"اسے اپنے عیش و عشرت کے مشغلوں میں معاملات ملک پر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی۔ وہ محل سرائے شاہی کی بیگمات سے بھی زیادہ سلطنت کے حالات سے بے خبر اور اس کی خرابی سے بے پرواہ تھا"(۱۲۱)

سرکار کا بیان ہے:

"محمد شاہ اگرچہ عزت کا مستحق نہیں، مگر رحم کا مستحق ضرور ہے۔ اس نے کاروبار حکومت انجام دینے کی بجائے عیش میں اپنا وقت صرف کیا، مگر

Marfat.com

المیہ یہ ہے کہ اس جیسا آدمی اگر کاروبار سلطنت میں کامل دلچسپی لیتا' تب بھی تنہا حالات کا رخ نہیں موڑ سکتا تھا۔" (۱۲۲)

محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۵۱ھ میں جب شاہ ولی اللہ کی عمر سینتیس سال تھی اور وہ حجاز سے تشریف لا چکے تھے' نادر شاہ نے دھلی پر حملہ کیا۔ وہ تسخیر ہند کا عزم لے کر نکلا اور کابل' پشاور اور لاہور کو مسخر کرتا ہوا دھلی کے قریب کرنال میں مغل فوجوں سے نبرد آزما ہوا۔ دھلی پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے بے دریغ قتل و غارتگری کی۔ صورت حال یہ تھی کہ:

"شہر مردوں سے پر تھا اور زندوں سے خالی۔ مکانوں پر ویرانی برستی تھی۔ محلے کے محلے جلے پڑے تھے۔ مردوں کی بدبو سے بھیجا نکلا جاتا تھا۔ نہ کسی کو کفن دینے والا تھا اور نہ کوئی گور میں دفن کرنے والا۔ خزانہ میں پھوٹا بادام نہ تھا۔ محاصل اور خراج کا کہیں پتا نہ تھا۔ سیاہ تباہ اور خستہ حال تھی" (۱۲۳)

نادر شاہ کے حملے کے ضرر رساں اثرات مرتب ہوئے اور سلطنت دھلی اپنے تین زرخیز صوبوں بنگال' بہار اور اڑیسہ سے محروم ہو گئی۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ کو محمد شاہ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے تیس سالہ دور میں یہی "بیماری" سلطنت مغلیہ کو بھی لگ چکی تھی۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں تو حکومت کا اخلاقی و انتظامی طور سے دیوالیہ نکل چکا تھا۔ پورا ملک مرہٹوں' سکھوں اور بالخصوص دھلی و آگرہ اور راجپوتانہ جاٹوں کے رحم و کرم پر تھا' جو مثل طوفان یلغار کرتے اور لوگوں کو حشرات الارض کی طرح روند کر واپس چلے جاتے۔ گویا سلطنت مغلیہ ہی نہیں' سارے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی یہی تین نوخیز جنگجو طاقتیں رہ گئی تھیں۔ دھلی کی تباہی و بربادی اور مرہٹوں' سکھوں اور جاٹوں کی فریب کاری و تخریب کاری کے تمام احوال و واقعات شاہ ولی اللہ کے سامنے تھے۔ فرماتے ہیں:

"خدا سے پناہ مانگتا ہوں' اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو کہ وہ مسلمانوں کو زیر و زبر کر گیا اور مرہٹہ اور جاٹ کو سالم و غانم چھوڑ کر چلتا بنا۔ نادر شاہ کے بعد مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا' سلطنت دھلی بچوں کا کھیل بن گئی۔ پناہ بخدا اگر قوم کفار اس حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا" (۱۲۴)

Marfat.com

سلطنت مغلیہ کے زوال اور فرخ سیر اور محمد شاہ کے ادوار کی بد نظمی ' طوائف الملوکی عزت و آبرو کی نیلامی خون انساں کی ارزانی اور شعائر اسلام کی بے حرمتی پر شاہ ولی اللہ کا حساس و درد مند دل خون کے آنسو روتا تھا۔ چنانچہ دھلی کے قرب و جوار سے لے کر آگرہ کے آخر اور حدود میوات سے فیروز آباد اور شکوہ آباد تک سورج مل کی مرہٹہ گردی کا ذکر کرتے ہوئے نشاندھی کرتے ہیں کہ اب کس کی طاقت ہے کہ وہ اذان و نماز جاری کر سکے۔

"ازاں باز شوکت سورج مل افزونی یافت و ازدو کردہ دھلی گرفتہ تا اقصی اکبر آباد طولاً و از حدود میوات تا فیروز آباد و شکوہ آباد عرضاً متصرف شد و اذان و صلاۃ مقدور کسے نہ کہ بر پا دارد" (۱۲۵)

بیانہ کی سات سو سالہ اسلامی شان و شوکت کی بربادی اور وہاں کے مسلمانوں کی ذلت و خواری بھی شاہ ولی اللہ سے دیکھی نہ جا سکی۔ فرماتے ہیں:

"شہر بیانہ را کہ شہر قدیم اسلام بود و علماء و مشائخ از مدت ہفت صد سال در آں جا اقامت داشتند قہراً و جبراً متصرف گشتہ ہمہ مسلمانان را بخواری اخراج نمودند (۱۲۶)

مسلمانان ہند دھلی کے ہوں خواہ مضافات دھلی یا ہندوستان کے کسی بھی مقام کے 'شاہ ولی اللہ سے ان کے صدمات دیکھے نہ گئے۔ انہوں نے یہاں تک فرمادیا کہ چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے۔ رحم کا مقام ہے:

"مسلمانان ہندوستان چہ دھلی و چہ غیر آں چندیں صدمات دیدہ اند' و چند بار نہیب و غارت آزمودہ کارد باستخوان رسیدہ است' جائے ترحم است" (۱۲۷)

زعماء اور عمائدین کے نام خطوط

اسلام کی بقاء و سربلندی اور مسلمانوں کے ملی و دینی تشخص کے تحفظ کے لئے شاہ ولی اللہ نے علماء سو اور درباری سرکاری ملاؤں کو مخاطب کرنے کی بجائے امرائے سلطنت اور قائدین حکومت کی توجہ اصلاح احوال کی طرف مبذول کرائی۔ ان میں وزیر مملکت آصف جاہ' نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی' وزیر عماد الملک' تاج محمد خان بلوچ' نواب مجد

Marfat.com

الدولہ بہادر، نواب عبید اللہ خان کشمیری، میاں نیاز گل خان اور سید احمد روہیلہ شامل ہیں۔
لیکن شاہ ولی اللہ کی نگاہ انتخاب و اختصاص کا اہم مرکز اس دور کی دو اہم شخصیتیں تھیں۔ ایک اندرون ہند کی اور دوسری بیرون ہند سے یعنی نواب نجیب الدولہ[۲۸] اور احمد شاہ ابدالی[۲۹]۔ اول الذکر کو اپنے ایک مکتوب میں انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر غلبہ کفر معاذ اللہ اس طرز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑی ہی مدت میں مسلم قوم اسلام اور غیر اسلام میں تمیز کرنے کے قابل نہ رہے گی:

"اگر غلبہ کفر معاذ اللہ بہمیں مرتبہ ماند مسلمانان اسلام فراموش کنند واند کے از زماں نہ گزرد کہ قومے شوند کہ نہ اسلام را دانند نہ کفر را"[۳۰]

ایک اور مکتوب میں نواب نجیب الدولہ کو نصرت مسلمین اور جدوجہد کی نوید سنائی کہ خدا اس کے برکات دنیا و آخرت میں عطا کرے گا:

"از فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام محبت مشام واضح آنکہ دعائے نصر مسلمین کردہ می شود و از سروش غیبی نفحات قبول شنیدہ می شود امید انست کہ خدائے تعالی بر دست ایشاں احیاء طریقہ جہاد فرمودہ برکات آں عاجلاً و اجلاً نصیب کند۔ انہ قریب مجیب"[۳۱]

شاہ ولی اللہ نے اپنے مکتوبات میں نجیب الدولہ کے لئے دعاؤں ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہیں امور سلطنت میں بعض مفید قسم کے مشوروں سے بھی نوازا۔ نیز سابقہ فروگزاشتوں اور واقعات کے اعادہ سے محتاط و مجتنب رہنے کی تلقین کی اور آخر میں انہیں احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کا خاص ذریعہ بنایا۔ احمد شاہ ابدالی کو خود بھی ایک پر زور اور اثر انگیز خط ارسال کیا کہ مسلمانان ہند کو کفار کے چنگل سے نجات دلائیں

"ما بندگان الہی رسول خدا را صلی اللہ علیہ وسلم شفیع می اریم و بنام خدائے عزو جل سوال می نمانیم کہ ہمت ہا نہمت را بہ جانب جہاد کفار ایں نواحی مصروف فرمانند تا در پیش خدائے عزو جل ثواب جمیل در نامہ اعمال آنحضرت ثبت شود و در دیوان مجاہدین فی (سبیل) اللہ نام نامی نوشتہ شود ے ورد دنیا غنائم بے

Marfat.com

حساب بدست غازیان اسلام اللہ و مسلمانان از دست کفار نجات یابند" (۱۳۲)

نواب نجیب الدولہ اور شاہ ولی اللہ کے خطوط سے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان کے حالات سے آگاہی ہوئی۔ وہ قبل ازیں چھ مرتبہ ہندوستان پر یلغار کر کے اپنی وقتی اور مقامی ضروریات پورا کر کے جا چکا تھا۔ اب ساتویں مرتبہ ۱۱۷۳ھ میں اس نے قصد کیا' جس کے نتیجے میں ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرھٹوں اور افغانوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ مرھٹوں کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ برصغیر کے سیاسی نقشے سے نکل باہر کئے گئے۔

"بعد اس فتح کے احمد شاہ پانی پت سے نواح دھلی میں آیا اور چند روز متوقف رہا۔ ہندوستان کا بادشاہ شاہزادہ عالی گوہر یعنی شاہ عالم کو مقرر کیا اور اس سے شجاع الدولہ کے وزیر اور نجیب الدولہ کے امیر الامراء ہونے کی سفارش کی۔" (۱۳۳)

احمد شاہ ابدالی کا یہ حملہ اور مرہٹوں کی ذلت آمیز شکست مسلمانوں کے لئے نیا خون ثابت ہو سکتے تھے۔ سلطنت مغلیہ میں اگر تھوڑی بہت سکت بھی ہوتی تو پانی پت کی جنگ کے نتائج کی بدولت ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار پھر سے بحال ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسا شاید ممکن نہ تھا' کیونکہ اس وقت مغلیہ سلطنت کی کیفیت اس جسم کی مانند تھی' جو بے روح ہو۔

طبقات امت سے شاہ ولی اللہ کا خطاب

شاہ ولی اللہ کے دور میں سیاسی انحطاط کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور معاشرتی قدریں بھی پامال ہو چکی تھیں۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت تو بس ایسی تھی کہ امراء جنازہ اٹھنے کے منتظر تھے۔ شاہ ولی اللہ کے عہد کے بیشتر بادشاہوں کا زمانہ امور سلطنت سے غفلت' عیش کوشی اور لذت اندوزی کے انہماک کی داستانوں سے عبارت تھا۔ جہاندار شاہ اور لال کنور کے قصوں' محمد شاہ کی رنگ رلیوں اور احمد شاہ کی بے اعتدالیوں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے برصغیر کے ان حالات کو عالم اسلام کے تناظر میں دیکھا اور پھر مختلف طبقات

امت سے خصوصی خطاب پر مجبور و مائل ہوئے۔ ان کا خطاب سلاطین اسلام اور امرائے سلطنت و ارکان دولت سے تھا۔ فوجیوں اور اہل صنعت و حرفت کو بھی انہوں نے اپنا پیغام پہنچایا۔ پیرزادوں غلط کار عالموں متقشف اور خوردہ گیر واعظوں اور تارک الدنیا و عزلت گزیں زاہدوں کی حمیت و غیرت کو بذریعہ خطاب بیدار کرنے کی سعی کی۔ معاشرے کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا اور مادی و روحانی تشخیص فرمائی۔ سلاطین اسلام سے وہ ان الفاظ میں مخاطب ہوئے:

"اے بادشاہو! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس زمانے میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو' جب تک مسلم' مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائے اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں شامل نہ ہو جائیں" (۱۲۴)

امراء اور ارکان دولت سے خطاب کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے فرمایا:۔

"اے امیرو! تم خدا سے نہیں ڈرتے اور دنیا کی فانی لذتوں میں ڈوبے جا رہے ہو کہ تم سر عام شرابیں پیتے ہو۔ ان بڑے بڑے شہروں میں جہاں چھ سو سال سے کسی پر شرعی حد جاری نہیں ہوئی۔ تمہیں جب کوئی کمزور مل جاتا ہے اسے پکڑ لیتے ہو اور قوی ہو تو چھوڑ دیتے ہو۔ تمہاری تمام تر صلاحیتیں لذیذ قسم کے کھانوں کی دیگیں پکوانے اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اندوز ہونے میں صرف ہو رہی ہیں۔ خدا کا نام تو تمہارے پاس صرف اس لئے رہ گیا ہے کہ اسے تذکروں اور قصے کہانیوں میں استعمال کرو" (۱۲۵)

میدان جہاد کے جوانوں کے لئے شاہ ولی اللہ کا خطاب انتباہ بھی ہے اور تلقین بھی:

"اے فوجیو! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا کیا تھا لیکن جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذھن ہو' شرابیں پینا' بھنگ کے پیالے انڈیلنا' ڈاڑھیاں منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا اور عام لوگوں پر ظلم و زیادتی کرنا تمہارا معمول ہے، تمہارے ساتھ خدا کی مرضی یہ ہے کہ اچھے پارسا صالحین نمازیوں کا لباس پہنو اور ان کی وضع قطع اختیار کرو۔ نماز پنجگانہ ادا کرو اور سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں انہیں سیکھ لو اور مقابلے کے میدان میں ڈٹے رہو" (۱۲۶)

Marfat.com

اہل صنعت و حرفت سے شاہ ولی اللہ کا خطاب اس طرح ہے:

"ارباب پیشہ! امانت کا جذبہ تم میں موجود نہیں رہا اور تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل بے نیاز ہو چکے ہو۔ تم میں سے بعض نے فال بازی، رمل سازی اور ٹونکا اندازی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے اور یہی ان کی صنعت و دولت ہے اور یہی ہنر۔ بعض اپنی عورتوں اور بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے، کچھ صرف شراب نوشی اور شراب فروشی کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور بعض عورتوں کو کرائے پر چلاتے ہیں۔ تم کیسے بد بخت انسان ہو کہ اپنی دنیا اور آخرت خود تباہ کر رہے ہو اور جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔(۱۳۷)

اولاد مشائخ یعنی پیر زادوں اور صاحبزادوں سے اپنے خطاب میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا، جو مرید سے ٹکہ وصول کرتے ہیں اور ایک علم شریف کو سیکھ کر اس سے دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں۔ میں ان سے بھی ناخوش ہوں، جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے بجائے لوگوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں اور انہیں قرآن و سنت کی بجائے اپنی مرضی کا پابند کرتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں بٹ مار اور راہ گیر ہیں۔ ان کا شمار دجالوں، کذابوں اور فتانوں میں ہو گا۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ اپنے زمانے کے نوجوانوں کو خطاب کرتے ہیں کہ:

"خبردار، ہوشیار، ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا، جو اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کی طرف نہ بلاتا ہو۔ اور یاد رکھو کہ مقصد تصوف صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے"(۱۳۸)

امت مسلمہ کو دعوت حدیث

شاہ ولی اللہ نے اس دور کی تمام مادی اور روحانی برائیوں اور بیماریوں کا علاج عمل الحدیث تجویز کیا اور سلاطین اسلام، امرائے سلطنت و ارکان دولت، عساکر وطن، اہل صنعت و حرفت اور اولاد مشائخ وغیرہ طبقات کو شعائر اسلام اپنانے اور قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ عوام و خواص سبھی لوگ اسلامی تعلیمات کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ اسی لئے انہیں ذلت و رسوائی اور افلاس و کسمپرسی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک

Marfat.com

مسلمانوں کے زوال پذیر معاشرے کا عضو معطل بننے کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔ علماء کے ایک طبقے میں ہر طرح کی غلط کاریاں پائی جاتی تھیں۔ شاہ ولی اللہ انہیں بڑے تلخ الفاظ میں مخاطب ہوئے:

"اے بد عقلو! تم نے اپنا نام علماء رکھ چھوڑا ہے اور یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں غرق ہو۔ سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے۔ یاد رکھو کہ علم قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔ جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے مثلاً صرف و نحو وغیرہ، تو ان کی یہی حیثیت رہنے دو نہ کہ انہیں مستقل علم بنا بیٹھو۔ علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اسے سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دیا جائے لیکن تم دینی شعائر اور اس کے احکام کی ترویج کی بجائے لوگوں کو زائد از ضروریات کا مشورہ دیتے ہو" (۱۳۹)

دین میں خشکی کی راہ اختیار کرنے والے واعظوں، عابدوں اور کنج نشینوں سے شاہ ولی اللہ کا سوال ہے کہ ہر بری بھلی بات اور رطب و یابس پر تم لوگوں کا ایمان ہے۔ آخر کیوں؟

"تم لوگوں کو جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو۔ اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے۔ حالانکہ تم تو امت محمدیہ کو آسانیاں بہم پہنچانے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ پس تمہیں چاہئے کہ لوگوں کو مقام احسان کی طرف بلاؤ۔ پہلے اسے خود سیکھو، پھر دوسروں کو دعوت دو، سب سے بڑی رحمت اور اللہ کا سب سے بڑا کرم وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہم پہنچایا ہے۔ وہی صرف ہدایت ہے، جو آپ کی ہدایت ہے۔ تمہیں صرف وہی افعال کرنے چاہئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کیا کرتے تھے۔ (۱۴۰)"

شاہ ولی اللہ علماء کرام کو مشورہ دیتے ہیں کہ:

"قرآن سیکھو۔ پہلے اس کے غیب لغات کو حل کرو۔ پھر سبب نزول کا پتا چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو۔ اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے۔ وضو کرنے کا حضور کا طریقہ کیا تھا؟ اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے؟ آپ کے جہاد کا قاعدہ اور گفتگو کا انداز کیا تھا؟ اور آپ کے اخلاق کیا تھے؟(۱۴۱)

اپنے اس خطاب میں شاہ ولی اللہ نے آگے چل کر لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کی کامل پیروی کی تلقین کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضور کی سنت پر عمل کرنا از بس ضروری ہے، لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ سنت 'سنت ہے' اسے فرض سے ملایا جائے نہ فرض کا درجہ دیا جائے۔ چنانچہ عام امت مسلمہ سے اپنے جامع خطاب میں متعدد امراض کی تشخیص اور علاج تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اے بنی آدم! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم نے حرام کو اپنے لئے خوشگوار بنالیا ہے اور حلال تمہیں بدمزہ لگتا ہے۔ خدا کی قسم! اللہ نے کسی کو اس کے بس سے زیادہ ہرگز تکلیف نہیں دی۔ تمہیں چاہئے کہ کمائی کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور اختیار کرو اور قناعت کو اپنا دستور حیات بناؤ۔ یاد الٰہی کے لئے جو فرصت ملے اسے غنیمت جانو۔ کم از کم تین وقت صبح، شام اور رات کے پچھلے پہر ذکر کا خاص خیال رکھو۔ حق تعالی کی یاد اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ کیا کرو اور حضور کی حدیث سنا کرو"۔(۱۴۲)

شاہ ولی اللہ اور علم حدیث

شاہ ولی اللہ کے عہد میں پاک و ہند سیاسی ' انتظامی ' معاشی ' اخلاقی اور کافی حد تک اعتقادی اعتبار سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ تک پہنچ چکے تھے ، جو بالعموم اسلامی ملکوں کے زوال اور بالخصوص مسلم معاشرہ کی ذلت و رسوائی کا افسوسناک و خطرناک مرحلہ ہوتا ہے۔ اس وقت حقیقی صورت حال یہ تھی کہ :

"مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا۔ مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا جھوٹے فقیر اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے۔ مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ھنگاموں سے پر شور تھا۔ فقہ و فتاوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی۔ مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذھب کا سب سے بڑا جرم تھا۔ عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطلب اور احادیث کے احکامات و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔ (۱)

قریب تھا کہ یہ عہد زمانہ جاہلیت کے مشابہ ہو جاتا تدبیر کلی اور حکمت ازلی اس کی مقتضی ہوئی کہ حقیقت حقائق قدر مشترک کے ساتھ جو علوم نبوت و ولایت کی جامع ہی نہ ہو بلکہ تمام علوم میں کامل ہو پھر ایک بار اپنے مظہر ثالثہ میں نمودار ہو تاکہ حقائق جامعہ کیلئے جو علوم اور مراتب علوم میں امتیاز کرنے والی ہیں ' منصہ شہود کا کام دے۔ وہ قوانین وضع اور قواعد مدون کرے کہ علوم ولایت و نبوت میں امتیاز قائم ہو

Marfat.com

سکے۔ یہاں تک کہ تمام قابل شمار علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف اور سلوک میں سے ہر علم اپنے مرتبہ پر رہے اور ہر عبارت اپنے مقام اور ہر اشارہ اپنے محل کو پہنچے، وہ کامل و مکمل ہستی زبدۃ متقدمین اور قدوۃ متاخرین، قطب مدققین، غوث محققین شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کی ہے۔

"کاد الزمان ان یکون شبیہا بزمان الجاہلیۃ فاقتضی التدبیر الکلی و الحکمۃ الازلیۃ ان تظہر حقیقۃ الحقائق بالقدر المشترک الجامع بین علوم النبوۃ و الولایۃ بل الجامع بین العلوم کلہا مرۃ اخری فی مظہرہا الثالث لیکون منصۃ الظہور حقائقہا الجامعۃ الممیزۃ بین العلوم فی مراتبہا فہو یقسن قوانین و یدون قواعد یحصل بہا الامتیاز التام بین العلوم النبوۃ و الولایۃ بل بین العلوم المعتدۃ کلہا من التفسیر و الحدیث و الفقہ و الکلام و التصوف و السلوک فینزل کل علم منزلتہ و یبلغ کل عبارۃ و اشارۃ مبلغہ وھو الکامل المکمل زبدۃ المتقدمین قدوۃ المتاخرین قطب المدققین غوث المحققین الشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی (۲)۔

شاہ ولی اللہ نے احیاء دین، دعوت الی القرآن، اسرار مقاصد شریعت کی تنقیح و توضیح، تربیت و ارشاد اور برصغیر پاک و ھند میں ملت اسلامیہ کے تحفظ اور تشخص کی بقا کے لئے سب سے موثر اور عہد آفریں کام حدیث اور علم حدیث سے لیا۔ اس ضمن میں ان کی عملی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ اول تحصیل حدیث اور دوم تدریس حدیث اور تعلیم حدیث۔ موخر الذکر میں ان کی حدیث و متعلقات حدیث میں تضیفی خدمات بھی شامل ہیں۔

تحصیل حدیث

شاہ ولی اللہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں والد ماجد شاہ عبد الرحیم کے علاوہ شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے حدیث کی تعلیم پائی۔ شیخ محمد افضل مکہ معظمہ کے شیخ سالم بن عبد اللہ بصری کے شاگرد تھے اور انہوں نے شیخ عبد الاحد بن خواجہ محمد سعید سرھندی سے بھی سند

Marfat.com

حدیث حاصل کی تھی۔ غازی الدین خاں کے مدرسہ دھلی میں ان کا درس ہوتا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے الانتباہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور تصریح کر دی ہے کہ حدیث میں میرے استاد ہیں۔

شیخ سیالکوٹی کے علاوہ شاہ ولی اللہ مفتی مکہ شیخ تاج الدین قلعی حنفی کے درس حدیث میں شریک ہوتے رہے اور صحاح ستہ کے اطراف اور موطا کا ایک حصہ مسند دارمی اور کتاب الآثار نیز حدیث مسلسل بالاولیہ ان سے سنی (۳)۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ حدیث اور جامع کمالات شیخ محمد بن محمد سلیمان المغربی کے فرزند شیخ محمد وفد اللہ سے ان کے والد کی تمام روایات کی اجازت حاصل کی۔ اس کے علاوہ موطا یحیی بن یحیی کاملا ان سے پڑھی اور اس کی اجازت لی (۴)۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے شیوخ حرمین میں سب سے تفصیلی تعارف اپنے شیخ ابو طاہر کردی سے کرایا ہے کیونکہ زیادہ تر ان ہی سے فیضیاب ہوئے۔ شیخ ابو طاہر کردی کا اصل نام عبدالسمیع اور لقب جمال الدین تھا۔ مگر وہ اپنی کنیت سے مشہور ہوئے۔ ولادت ۲۱ رجب ۱۰۸۱ھ بمقام مدینہ اور مختصر نام و نسب اس طرح سے ہے: محمد عبدالسمیع بن ابراھیم بن حسن بن شہاب الدین الکردی المدنی الشافعی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ ابراھیم کردی سے پائی اور علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے بعد محدث محمد بن عبدالرسول برزنجی ابو الاسرار حسن بن علی عجیمی اور عبداللہ بن سالم بصری سے سماع حدیث کیا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"پس ایں فقیر مدتے با شیخ ابو طاہر صحبت داشتہ و صحیح بخاری تمام آں حرفاً حرفاً از ایشاں حاصل کرد و مشکلات ایں فن را بر ایشاں بحث کرد بطریق تتبع کتب رجال و شرح غریب آشنا شد و در رجال اسانید ازیں طبقہ تا طبقہ مصنفین و از مصنفین تا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہارتے پیدا کرد و صحیح را از سقیم باز شناخت و قوانین روایت تحدیث یاد گرفت و بمعرفت متابعات و شواھد آشنا شد و مسند دارمی ھمہ آں از ایشاں استماع نمود و اطراف کتب ستہ و غیر آں بر ایشاں عرض کرد و ایشاں اجازت روایت آں کتب بل جمیع مرویات خود دادند و بر مرویات خود و طرق اسانید خود بوجہ نیک مطلع ساختند و خرقہ پوشانیدند (۵)

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ وطن روانگی سے قبل فقیر شیخ ابو طاہر کو الوداع کہنے کے لئے گیا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

نیست کل طریق کنت اعرفہ　　　الا طریقا یودینی لربعکم

میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستے کے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا ہے۔
یہ شعر سن کر ابو طاہر پر گریہ غالب آگیا اور وہ بہت متاثر ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ والد گرامی مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو استاد محترم سے عرض کی کہ میں نے جو کچھ پڑھا، سب بھلا دیا، سوائے علم حدیث کے (۶) علامہ محسن بن یحیی ترھتی کے بقول شیخ ابو طاہر اکثر کہا کرتے تھے کہ ولی اللہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے مطالب میں استفادہ کرتا ہوں (۷)۔

مشکوۃ اور صحیح بخاری، تو شاہ ولی اللہ نے اپنے والد ماجد ہی سے پڑھ لی تھیں اور انہیں درایت علم حدیث حاصل ہو گیا تھا۔ ان کی سند محمد زاھد (۸) کے توسل سے ملا جلال الدین دوانی (۹) تک پہنچتی ہے۔ محمد زاھد نے محدث عصر مرزا محمد فاضل بدخشی (م ۱۰۵۰ھ بمقام لاہور) سے تعلیم حاصل کی، جو جلال الدین دوانی کے بدو واسطہ شمس الدین حبیب اللہ بن عبداللہ علوی دھلوی المعروف بہ میرزا جان شیرازی حنفی (م ۹۹۴ھ) اور محمود بن محمد عبداللہ بن محمود شیرازی (م ۹۳۲ھ) شاگرد ہیں۔ شاہ ولی اللہ کو حاجی محمد افضل بن محمد معصوم بن احمد سیالکوٹی ثم دھلوی (م ۱۱۴۶ھ) صاحب جوھر الاصول سے جو علوم عقلیہ و نقلیہ میں شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرھندی اور حدیث میں شیخ سالم بن عبداللہ بصری کے تلمیذ رشید تھے، روایت حدیث کی سند حاصل تھی۔

شیخ مظہر جانجاناں کے بقول: حاجی محمد افضل تبحر علماء اور دانشور فضلاء میں سے تھے۔ انہیں علوم باطنی کے بہت زیادہ اسرار معارف معلوم تھے۔ موصوف حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف اور الطاف الہی اور عنایات نبوی سے بہرہ ور ہو کر واپس آئے تو طالبان حقیقت کا مرجع و ماوی بن گئے۔ خلق کو ظاہر و باطن مستفید فرمایا۔ شاہ ولی اللہ حدیث کی سند ان سے رکھتے ہیں:

"حاجی محمد افضل ایشاں از علماء تبحر و فضلا دانشور ند از اسرار معارف علوم باطن

۔ بشرف زیارت حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا رسیدہ اند و مورد الطاف الٰہی و عنایات حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم شدہ باھزاراں فتوحات مراجعت نمودہ مرجع طلاب حق گردیدند و خلق را ظاہرا و باطنا فیضہا رسانیدند حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمتہ اللہ علیہ علم حدیث از ایشاں سند دارند"

(۱۰)
زین العابدین انصاری سے ابو طاہر کردی تک

شاہ عبدالرحیم اور حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے اسناد حاصل کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حرمین کے عظیم شیوخ سے استفادہ کیا۔ سب سے زیادہ یگانہ روز گار شیخ ابو طاہر کردی مدنی سے مستفیض ہوئے جن کا سلسلہ سند صوفیاء و عارفین کے واسطے سے شیخ زین الدین زکریا انصاری تک متصل و مسلسل ہے۔ موصوف نے علم حدیث کی تحصیل اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے، انہوں نے شیخ احمد قشاشی، احمد قشاشی نے احمد شناوی اور انہوں نے اپنے والد شیخ علی بن عبدالقدوس شناوی (۱۱) سے کی۔ نیز شیخ محمد بن الحسن البکری (۱۲) محمد بن احمد (۱۳) الرملی اور شیخ عبدالرحمٰن (۱۴) بن عبدالقادر بن فہد سے بھی استفادہ کیا۔ شیخ علی بن عبدالقدوس شناوی، ابن حجر مکی (۱۵) اور عبدالوھاب شعرانی (۱۶) سے مستفیض ہوئے تھے۔ جنہوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری (۱۷) سے تحصیل کی تھی۔ ابن ابی الحسن البکری اپنے والد عارف باللہ ابوالحسن البکری (۱۸) کے اور وہ زین الدین زکریا کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح شیخ محمد الرملی نے اپنے والد احمد بن حمزہ (۱۹) سے تعلیم پائی تھی جنہیں زین الدین زکریا کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ ابن ابی الحسن البکری اور ابن احمد الرملی سے قطع نظر شیخ عبدالرحمٰن بن فہد اپنے چچا جار اللہ (۲۰) بن فہد اور وہ جلال الدین سیوطی کے تلمیذ رشید تھے۔

شیخ ابو طاہر کردی، حسن عجیمی کے شاگرد بھی تھے جب کہ عیسی مغربی حسن عجیمی کے استاد تھے، شیخ عیسی مغربی محمد بن العلاء بابلی اور وہ شیخ سالم سنہوری (۲۱) کے شاگرد تھے جنہوں نے شیخ نجم الدین غیطی (۲۲) سے اور انہوں نے زین الدین زکریا

انصاری سے استفادہ کیا تھا۔ عیسی مغربی چند واسطوں سے شیخ جلال الدین سیوطی کے بھی حلقہ تلامذہ میں شامل تھے۔ نیز ابو طاہر نے شیخ احمد نخلی ' نخلی نے سلطان مزاحی (۲۳) مزاحی نے شہاب الدین احمد بن خلیل سبکی (۲۴) اور انہوں نے شیخ محمد مقدسی سے استفادہ کیا تھا جنہوں نے زین الدین زکریا سے تحصیل کی تھی۔ ابو طاہر کردی شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی مستفیض ہوئے۔ ابن سالم بصری شیخ احمد نخلی کے معاصرین میں سے تھے اور انہوں نے ان کے مشائخ سے بھی استفادہ کیا تھا۔

شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک دو تین واسطوں سے اس شاخ در شاخ شجرہ او متعدد طریقوں سے شیخ زین الدین زکریا ' جلال الدین سیوطی، شمس الدین سخاوی ' عبدالحق (۲۵) سنباطی اور سید کمال الدین محمد بن حمزہ حسینی (۲۶) تک پہنچتا ہے اور ان سے ہر ایک اپنے وقت کا نہایت مستند عالم اور حافظ الحدیث تھا۔ ان کی تصانیف عالم میں ہر سو پھیلیں اور ان کی سندیں دنیا بھر میں مشہور و معروف ہوئیں:

"بالجملہ ہریک ازیں عزیزان بدو واسطہ یا سہ واسطہ بہ طریق کثیرہ شجرہ ملتفہ بہ شیخ زین الدین زکریا و شیخ جلال الدین سیوطی و شمس الدین سخاوی و عبدالحق سنباطی و سید کمال الدین محمد بن حمزہ الحسینی میر سند و ہر یکے ازیں مذکورین مستند و حافظ وقت خود بودند و تصانیف اینہا دائر و سائر و اسانید اینہا در آفاق معروف و مشہور است)(۲۷)"

سند رواۃ موطا

شاہ ولی اللہ نے مؤطا بہ تمام و کمال شیخ محمد وفد اللہ مکی (۲۸) سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی سے پڑھی۔ شیخ محمد وفد اللہ نے مؤطا حسن عجیمی اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی پڑھی۔ ان دونوں نے شیخ عیسی مغربی سے، انہوں نے سلطان مزاحی سے، سلطان محمد بن احمد مزاحی نے احمد بن خلیل السبکی اور شیخ محمد نجم الدین بن احمد غیطی سے اور انہوں نے شیخ شرف الدین عبدالحق بن محمد سنباطی سے۔

شیخ شرف الدین عبدالحق بن محمد سنباطی، ابو محمد حسن بن محمد بن ایوب حسنی (۲۹)

النسابہ کے شاگرد تھے اور یہ اپنے چچا حسن بن ایوب النسابہ (۳۰) کے۔ چنانچہ اسی طریق سے موطا کا درس جاری رہا۔ حسن بن ایوب نے ابو عبد اللہ محمد جابر الوادیاشی (۳۱) سے الوادیاشی نے ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن ھارون قرطبی (۳۲) سے قرطبی نے قاضی ابو القاسم شیخ احمد بن یزید قرطبی (۳۳) سے انہوں نے شیخ محمد بن عبد الرحمٰن بن عبد الحق خزرجی قرطبی (۳۴) سے محمد بن عبد الرحمٰن نے محمد بن فرج مولی ابن الطلاع (۳۵) سے انہوں نے قاضی ابو الولید یونس (۳۶) بن عبد اللہ مغیث صفار، صفار نے ابو عیسی یحیی (۳۷) بن عبد اللہ بن یحیی بن یحیی سے انہوں نے اپنے والد کے چچا عبید اللہ (۳۸) بن یحیی اور عبید اللہ نے اپنے باپ یحیی بن یحیی لیثی مصمودی اندلسی سے موطاء کی روایت کا سماع کیا۔ یحیی بن یحیی لیثی مصمودی براہ راست حضرت امام مالک کے شاگرد تھے۔

سند رواۃ صحیح بخاری

شاہ ولی اللہ کے شیخ ابو طاہر کردی نے صحیح بخاری کو اپنے والد شیخ ابراھیم کردی سے پڑھا۔ انہوں نے شیخ احمد قشاشی، احمد قشاشی نے ابو المواھب احمد بن عبد القدوس شناوی سے انہوں نے شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی اور انہوں نے شیخ الاسلام ابو یحیی زکریا بن محمد انصاری سے صحیح بخاری پڑھی۔ ابو یحیی زکریا شیخ شہاب الدین احمد (۳۹) بن علی بن حجر کنانی عسقلانی صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری کے شاگرد تھے۔

ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی سماعت و روایت زین الدین ابراھیم (۴۰) بن احمد تنوخی سے انہوں نے ابو العباس احمد (۴۱) ابی طالب الحجار سے الحجار نے شیخ سراج الدین حسین (۴۲) بن مبارک حنبلی زبیدی سے اور انہوں نے عبد الاول (۴۳) بن عیسی ابن شعیب السجزی الہروی سے کی۔ عبد الاول نے ابو الحسن عبد الرحمٰن (۴۴) بن مظفر بن محمد بن داؤد الداودی سے انہوں نے ابو محمد عبد اللہ (۴۵) بن احمد سرخسی سے اور انہوں نے ابو عبد اللہ محمد (۴۶) بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری سے صحیح بخاری کی روایت کی جب کہ موخر الذکر امام بخاری کے ممتاز شاگرد تھے۔ شاہ ولی اللہ کو والد گرامی کے بعد صحیح بخاری روایت کرنے کی اجازت ابو طاہر کردی سے بھی ملی۔

سند رواۃ صحیح مسلم

امام مسلمؒ سے ان کی کتاب کی سماعت اور روایت کرنے والوں میں اول اول ابو اسحق ابراہیم (۴۷) بن محمد بن سفیان الفقیہ الجلودی شامل تھے۔ ابو احمد محمد (۴۸) بن عیسی الجلودی نیشاپوری ان کے تلمیذ رشید تھے۔ انہوں نے امام ابوالحسین عبدالغافر (۴۹) بن محمد الفارسی سے صحیح مسلم کی روایت کی سند حاصل کی اور انہوں نے ابوعبداللہ (۵۰) محمد بن فضل بن احمد القراوی سے۔ ان سے لے کر ابو طاہر کردی اور شاہ ولی اللہ تک کی اسانید بہ اعتبار اسمائے گرامی یوں ہیں:

"شیخ ابوالحسن موید (۵۱) بن محمد طوسی' فخرالدین ابوالحسن علی (۵۲) بن احمد المعروف ابن البخاری' شیخ صلاح (۵۳) بن ابی عمر مقدسی' ابن حجر عسقلانی' زین الدین زکریا' نجم الدین غیطی' شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سبکی' سلطان مزاحی' ابراہیم کردی' ابو طاہر کردی' شاہ ولی اللہ"۔

سند رواۃ سنن ابی داؤد

امام ابو داؤد سے ان کی کتاب ابو علی محمد (۵۴) بن لولوی نے پڑھی' ان سے ابو عمر قاسم ہاشمی (۵۵)' ابو عمر قاسم سے خطیب بغدادی (۵۶) اور ان سے ابراہیم (۵۷) بن محمد بن منصور کرخی اور ابوالفتح مفلح (۵۸) بن احمد بن محمد رومی نے۔ ابو حفص عمر (۵۹) طبرزد بغدادی نے موخر الذکر دونوں بزرگوں سے سنن ابی داؤد کو پڑھا۔ ان سے لے کر ابو طاہر کردی اور شاہ ولی اللہ تک کے رواۃ یوں ہیں:-

"ابو حفص عمر بن محمد' ابوالحسن فخرالدین علی بن محمد بن احمد بن البخاری' شیخ صلاح بن ابی عمر مقدسی' محمد بن مقبل حلبی

(۶۰)' جلال الدین سیوطی' بدر الدین حسن کرخی' شہاب الدین احمد (۶۱) بن محمد خفاجی' شیخ عیسیٰ مغربی' حسن عجمی' ابو طاہر کردی' شاہ ولی اللہؒ دھلوی۔"

سند رواۃ جامع ترمذی

شاہ ولی اللہ کے شیخ ابو طاہر کردی نے جامع ترمذی اپنے والد سے پڑھی۔ انہوں نے سلطان مزاحی' سلطان مزاحی نے شہاب الدین احمد بن خلیل سبکی' انہوں نے نجم الدین محمد غیطی اور غیطی نے زین الدین زکریا بن محمد انصاری سے۔ موخر الذکر شیخ عزیز الدین عبدالرحیم (۶۲) القاھری کے شاگرد تھے اور یہ سند جامع ترمذی میں عمر (۶۳) بن ابی الحسن المراغی کے' جنہوں نے فخر الدین ابن البخاری سے اور انہوں نے شیخ عمرو بن طبرزد بغدادی سے لی تھی۔ ان کے بعد ابو عیسیٰ ترمذی تک کا سلسلہ یوں ہے:۔

"ابوالفتح عبدالملک (۶۴)' قاضی ابو عامر محمود(۶۵)' ابو محمد عبدالجبار المروزی (۶۶)' ابوالعباس محمد (۶۷) بن محبوب المحبوبی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی"۔

سند رواۃ سنن نسائی

شاہ ولی اللہ کو سنن نسائی کی روایت کی سند ابو طاہر کردی سے ملی' جنہوں نے امام نسائی کی یہ کتاب اپنے والد سے پڑھی۔ شیخ ابراہیم کردی کے شیخ' احمد قشاشی' ان کے احمد بن علی بن عبدالقدوس شناوی اور ان کے شمس الدین محمد رملی تھے۔ موخر الذکر نے سنن نسائی کی سماعت شیخ زین الدین زکریا سے کی۔ ان کے بعد سے امام نسائی تک کی سند اس طرح سے ہے:۔

Marfat.com

"زین الدین زکریا، عزیز الدین عبدالرحیم بن محمد بن الفرات، عمر بن ابی الحسن المراغی، فخر الدین ابن البخاری، ابوالمکارم احمد(۶۸)، ابو علی حسن الحداد، قاضی ابو نصر احمد الکسار (۷۰)، ابن السنی حافظ ابو بکر(۷۱)، ابو عبدالرحمان احمد النسائی"۔

سند رواۃ سنن ابن ماجہ

شیخ ابو طاہر کردی سے زین الدین زکریا تک اس کی اس اسناد وہی ہیں جن کا بیان سنن نسائی میں ہوا ہے۔ زین الدین زکریا نے سنن ابن ماجہ ابن حجر عسقلانی سے، انہوں نے ابن ابی المجد دمشقی (۷۲) سے اور انہوں نے ابوالعباس حجار سے پڑھی۔ ابوالعباس حجار کے شیخ انجب (۷۳) بن ابی السادات تھے۔ جنہوں نے ابو زرعہ طاہر سے۔ طاہر نے ابی منصور محمد مقوی (۷۵) قزوینی سے اور انہوں نے ابو طلحہ قاسم (۷۶) سے سند روایت سنن ابن ماجہ پائی۔ ابو طلحہ قاسم کے استاد ابوالحسن علی (۷۷) تھے اور انہوں نے خود مولف نسائی سے سنن پڑھی۔

سند فراغ اور خدمت حدیث

شیخ ابو طاہر کردی نے شاہ ولی اللہ کو جو سند فراغ عطا کی، اس میں موصوف کی سماعت و قرات کا تذکرہ صراحت سے موجود ہے۔ اس سند کو شاہ ولی اللہ نے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و وارثی رسول اللہ کی قسم ثانی میں بعینہ نقل کر دیا ہے۔ اس کے مطابق شاہ ولی اللہ نے ابوطاہر کردی سے حسب ذیل کتب پڑھیں۔

"صحیح بخاری (کامل)، مسند دارمی (کامل)، الام (کامل)، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد، الرسالۃ للشافعی، الجامع الکبیر، الادب المفرد

Marfat.com

للبخاری' شفاء قاضی عیاض (بعض حصص) سورۃ الصف'
الحدیث المسلسل بانی احبک الحدیث المسلسل بالمصافحۃ' الحدیث
المسلسل بالاولیۃ"۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میری سند کا اتصال حرمین کے سات مشائخ سے ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

☆ شیخ ابراہیم الکردی (م ۱۰۷۰ھ - ۱۰۷۱ھ)
☆ شمس الدین محمد بن علاء البابلی (م ۱۰۷۷ھ)
☆ شیخ عیسیٰ الجعفری المغربی (م ۱۰۸۰ھ)
☆ شیخ حسن العجیمی (م ۱۱۱۳ھ)
☆ شیخ احمد النخلی (م ۱۱۳۰ھ)
☆ شیخ عبداللہ بن سالم البصری ثم المکی (م ۱۱۳۴ھ)
☆ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی (م ۱۰۹۴ھ)

ان سات حضرات سے شاہ ولی اللہ کی روایت بلا واسطہ نہیں۔ ان میں سے بعض کا تو شاہ ولی اللہ کی ولادت سے قبل اور بعض کا ان کے سفر حرمین سے قبل انتقال ہو چکا تھا۔ مگر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام حضرات کی اسناد دو پر منتہی ہوتی ہے۔(۷۹) اور وہ یہ ہیں:

☆ شیخ الاسلام زین الدین زکریا (م ۸۵۲ھ)
☆ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

شیخ زین الدین زکریا اور جلال الدین سیوطی کی اسناد بقول شاہ ولی اللہ ان تین حضرات پر منتہی ہوتی ہیں۔(۸۰)

☆ شہاب الدین احمد بن ابی طالب الحجار المعروف بہ ابن الشحنہ (د ۶۱۳ھ)

Marfat.com

☆ فخر الدین ابوالحسن علی بن احمد بن عبداللہ المعروف ابن البخاری (و ۶۱۳ھ ۔ م ۶۹۰ھ)

☆ شرف الدین عبدالمومن ابن خلف الدمیاطی (و۔ اواخر ۶۱۳ھ)

مذکورہ سات مشائخ تک شاہ ولی اللہ کی سند کن واسطوں سے متصل ہوتی ہے' اس کی تفصیل اس شجرہ سے ظاہر ہوتی ہے' جس کے مطابق شاہ ولی اللہ کے سب سے اعلیٰ شیخ تاج الدین قلعی حنفی ہیں' پھر ابو طاہر کردی' ان کے بعد وفد اللہ مکی' اور سید عمر' عبدالرحمان اور سالم' موخر الذکر سہ حضرات شاہ ولی اللہ کے غرائب شیوخ میں سے ہیں' جن سے شاہ ولی اللہ کا حدیث کی کسی کتاب کا سماع یا قرات ثابت نہیں۔

درس حدیث

شاہ ولی اللہ نے عمر کے سولھویں سال سے لے کر حرمین شریفین روانگی تک کا زمانہ جو ان کی زندگی کا اہم دور ہے' مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس میں گزارا۔ ۱۱۲۹ھ میں انہیں فراغت درس کے بعد اجازت تدریس ملی اور ۱۱۳۱ھ میں اجازہ بیعت وارشاد۔ اسی سال شاہ عبدالرحیم کا انتقال ہوا تو اشاعت دین اور بالخصوص درس حدیث کا فریضہ آپ نے سنبھال لیا اور پھر پیہم بارہ سال دین اور عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی کرتے رہے۔ خود فرماتے ہیں:

"بعد از وفات ایشان دوازدہ سال کم و بیش بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود"(۸۱)

مولوی رحیم بخش دھلوی لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ پورے بارہ سال تک تدریس میں اس استغراق و محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی(۸۲) اور مولوی سید احمد رقمطراز ہیں:

> "بعدہ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبان ہدایت کو سیدھے رستے پر لگانا شروع کر دیا۔ کتب دینیہ و عقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جوق در جوق لوگ آنے لگے اور سینکڑوں طالب علم مستفیض ہوئے"(۸۳)

شاہ ولی اللہ نے مسند درس پر متمکن ہونے کے بعد نصاب تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درس قرآن کریم کو جزو نصاب قرار دیا۔ قبل از سفر حرمین مدرسہ رحیمیہ میں بے شمار طلباء شاہ ولی اللہ سے درس قرآن اور بالخصوص درس حدیث پاتے رہے۔ حرمین سے واپسی پر شاہ ولی اللہ:

"دلی تشریف لائے اور اپنے قدیم مکان میں اقامت اختیار کی۔ مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد (۸۴) جناب شیخ عبدالرحیم ڈال گئے تھے' رونق دی۔ حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے بعد اس زمانے میں آپ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا۔ اطراف ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی۔ طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے پرانی دلی دارالحدیث بن گئی"۔ (۸۵)

تلامذہ

قبل از سفر حرمین بارہ سالہ دور میں شاہ ولی اللہ فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت تیار کر گئے تھے۔ جو بعد از سفر حرمین مدرسہ رحیمیہ کے نئے دور تدریس میں آپ کی بے پناہ رفیق و معاون ثابت ہوئی۔ اس میں شاہ محمد عاشق' خواجہ محمد امین ولی اللھی اور شاہ اہل اللہ سرفہرست تھے۔ دیگر تلامذہ میں نوراللہ بن معین الدین پھلتی' مولوی محمد شریف بن خیرالدین بن عبدالغنی، حافظ عبدالرحمٰن - ٹھٹوی' شیخ بدر الحق پھلتی' محمد عابد بن علاء الدین پھلتی' شاہ عبدالعزیز' شاہ رفیع الدین قاضی ثناء اللہ پانی پتی مخدوم محمد معین ٹھٹوی' مولوی مخدوم لکھنوی' مولوی رفیع الدین مراد آبادی' امین اللہ نگر نہوی' جار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری ثم المدنی' عبدالھادی' شاہ ابو سعید رائے بریلوی' سید مرتضٰی زبیدی بلگرامی' شیخ محمد بن ابی الفتح بلگرامی' قمرالدین منت' مولانا خیرالدین سورتی' سید جمال الدین رام پوری' شیخ ابراہیم آفندی' حافظ عبدالغنی عرف عبدالرحمان' سید شرف الدین محمد' مرزا رستم علی بیگ' بابا فضل اللہ کشمیری' بابا محمد عثمان کشمیری' مخدوم محمد امین'

عبداللہ خان رامپوری اور شاہ نثار علی الہ آبادی ثم مظفر آبادی شامل ہیں۔[۸۶] شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ان کے والد ماجد (شاہ ولی اللہ) نے ہر فن کے لئے ایک شاگرد تیار کیا دوسرے طالب علموں کو اس کے سپرد فرما دیتے اور خود فکر و نظر اور تحریر میں مشغول رہتے فکر و نظر کے نتائج کو قلمبند فرما لیتے، مریض بھی کم ہی ہوتے تھے:

"حضرت والد ماجد از ہر فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن بادے می سپردند بعد مراقبہ ہرچہ بکشف می رسیدی نگا شتند مریض ہمہ کم می شدیدند" (۸۷)

مدرسہ رحیمیہ کا حقیقی اور تابناک دور شاہ ولی اللہ ہی نے شروع کیا اور اس کے ذریعے حدیث کے فروغ اور علم حدیث کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ اس میں کلام نہیں کہ "شاہ صاحب کے لئے فن حدیث کے خصوصی ذوق، حرمین میں اس کی تدریس و اشاعت کے آسان مواقع اور وہاں بیٹھ کر مختلف ملکوں سے آنے والے طالبین علم اور علماء کو مستفید کرنے کا امکان، پھر مجاورت بیعت اور جوار نبوی کی برکت و سعادت اور ہندوستان کے غیر یقینی حالات، سلطنت اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدم اور غیر ملکی طاقتوں کے روز افزوں طاقتور ہونے کا علم، حجاز میں مستقل قیام و ہجرت کی نیت کے قوی اسباب و محرکات تھے اور نہ صرف اس کے جواز کے دلائل بلکہ دینی و علمی مصالح کی تائید بھی فراہم کرتے تھے۔ لیکن آپ نے ہندوستان کی واپسی کا فیصلہ کیا"[۸۸] اور یہاں آکر تجدید و احیاء دین اور ملت کی جامع ہشت پہلو اصلاح کے لئے منصوبہ بندی کی۔

حدیث اور متعلقات حدیث میں تصنیفات

شاہ ولی اللہ کی اس تحریک کا تقاضا یہ تھا کہ اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کار کو نہ صرف احتیاط اور باقاعدگی سے روبہ عمل لائیں بلکہ کسی ایسے مشغلے میں بھی صرف اوقات و استعداد نہ فرمائیں، جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ درس و تدریس اور تحریر میں سے آپ نے تصنیف و تالیف کے کام کو اس کی زمانی و امکانی افادیت کے پیش نظر ترجیح دی اور اپنے بیشتر اوقات غور و فکر اور نتائج غور و فکر کو احاطہ تحریر میں لانے کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ حجاز سے واپسی پر مدرسہ رحیمیہ کی ذمہ داریاں اس انداز سے

Marfat.com

سنبھالیں کہ قبل از رحمین ہر فن کے جو فارغ التحصیل علماء و فضلاء تیار کر گئے تھے' انہیں زیادہ تر تدریس کے فرائض سونپ دیئے اور خود نگرانی فرماتے رہے۔ یوں تدریس حدیث کی نگرانی کے ساتھ ساتھ بیشتر وقت فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن و علوم القرآن' فقہ' کلام' عقائد' تصوف' سیرو سوانح وغیرہ موضوعات کے علاوہ حدیث اور علوم حدیث پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں موطا کی عربی شرح المسوی فی احادیث الموطا' فارسی شرح مصفی من الاحادیث الموطا' شرح تراجم ابواب البخاری' الارشاد الی مہمات الاسناد' الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین' النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر' الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین' اربعون حدیثاً سلسلتہ بالاشراف فی غالب سندھا اور الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ قابل ذکر ہیں۔ بعض تصانیف وہ ہیں جو فن حدیث سے براہ راست متعلق نہیں' لیکن بالواسطہ حدیث سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی حیثیت مقدمات علم حدیث کی سی ہے ایسی کتب میں الانصاف فی بیان سبب الاختلاف' عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید اور حجتہ اللہ البالغہ سرفہرست ہیں۔

حجتہ اللہ البالغہ

شاہ ولی اللہ کا ممتاز کارنامہ' ان کی یہ معرکتہ الآراء عربی تصنیف حجتہ اللہ البالغہ ہے۔ اس کتاب مستطاب میں انہوں نے شریعت اسلامی کی حکمت و فلسفہ اغراض و مقاصد اور اسرار و رموز کو جس طرح واضح کیا ہے' اس کی مثال علوم اسلامیہ کی تدوین کی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ اس کتاب کو موضوعات کے اعتبار سے عام طور پر فقہ و حکمت دین یا کلام میں شمار کرتے ہیں اور بقول نواب صدیق حسن خان، یہ کتاب اگرچہ علم حدیث میں نہیں ہے' لیکن اس میں بہت سی حدیثوں کی شرح اور حدیث کے اسرار و حکمتوں کو بیان کر دیا گیا ہے:

> "ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما شرح احادیث بسیار در آں کردہ' و حکم و اسرار آں بیان نمودہ (۸۹)"

صاحب اتحاف النبلاء کا یہ بیان کہ حجتہ اللہ البالغہ اپنے فن کی پہلی کتاب ہے اور اس

Marfat.com

جیسی کتاب بارہ سو سال کے اندر عرب و عجم کے علماء میں سے کسی نے تالیف نہیں کی حرف بہ حرف صحیح نہیں[۹۰] کیونکہ "وہ شیخ علی مہائمی کی انعام الملک العلام اسرار شریعت کے علم میں ہے اور گمان غالب ہے کہ اس فن میں یہ سب سے پہلی تصنیف ہے"[۹۱] بنابریں شاہ ولی اللہ سے پہلے زمانے کے علماء کی تصانیف میں بھی اسرار دین سے متعلق لطیف و بلیغ اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی کی الفتوحات المکیہ، شیخ عزالدین عبدالسلام المقدسی کی القواعد الکبری اور امام الغزالی کی احیاء علوم الدین وغیرہ لیکن جامعیت و وسعت میں حجتہ اللہ البالغہ اپنی مثال آپ ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے بقول:

"اصول و فروع' مقدمات و مبادی اور مقاصد و نتائج کے استنباط و استخراج پر جس شرح صدر اور سوز اخلاق کے ساتھ شاہ ولی اللہ نے کلام کیا ہے' تمام دیار و امصار کے علماء اس کے معترف ہیں" (۹۳)

اور ایک رائے تو یہ ہے کہ "اگر شاہ ولی اللہ قدما کے دور میں ہوتے تو امام وقت سمجھے جاتے۔ پھر بھی وہ غزالی ہند مانے جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک تو ان کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ امام غزالی کی شہرہ آفاق احیاء علوم الدین سے بہتر ہے[۹۴] مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ایک نوٹ میں بتایا ہے کہ انہوں نے معاصر عرب فضلا و اہل نظر میں زعیم مغرب علامہ علال الفاسی مراکشی مصنف مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ و مکارمہا اور معالی الاستاد محمد المبارک سابق عمید کلیتہ الشریعتہ و وزیر شام کو شاہ ولی اللہ کی مدح اور حجتہ اللہ البالغہ کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان پایا۔ وہ خاص طور پر اسی پہلو سے متاثر تھے کہ اس کتاب میں دین کے تمام شعبوں یہاں تک کہ اخلاق اور تزکیہ نفس و احسان تک کی نمائندگی و ترجمانی ہے[۹۵] مولانا محمد منظور نعمانی اعتراف کرتے ہیں:

"اس کتاب کو پورے عالم اسلام کی شرح کہا جا سکتا ہے۔ میں اپنی زندگی میں کسی بشر کی کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا جس قدر حجتہ اللہ البالغہ نے مجھے فائدہ پہنچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل اور مرتبط الاجزاء نظام

حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا ہے۔ دین مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلیداً مانتا تھا اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمدللہ میں ان پر حقیقتاً اور علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں"(۹۶)

حجۃ اللہ البالغہ کا امتیاز و انفرادیت یہ ہے کہ اس میں شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اس میں ایمانیات 'عبادات' معاملات 'اخلاق' علم الاجتماع و تمدن' سیاست اور احسان کو باہمی ربط و تعلق اور صحیح تناسب کے ساتھ ایک ایسے عمدہ تناظر میں پیش کیا گیا ہے کہ اصول و فروع 'مقاصد و وسائل اور دائمی و موقت کا فرق نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتا۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔ اول میں ان اصول عامہ کا بیان ہے' جن سے مذہبی اوامر و نواہی کی توجیہ کی جاسکتی ہے اس حصہ میں سات مبحث ہیں اور ہر مبحث میں کئی کئی ابواب۔ دوسرے حصے میں تمام مذہبی احکام کی حکمت و مصلحت بیان کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے الفاظ ہیں:

"شاہ ولی اللہ نے اس کتاب میں تعلیمات اسلامی کے ہر پہلو کو لیا' ان کے اسرار و رموز کو اجاگر کیا اور مہد سے لے کر لحد تک انسانی معاشرے کو جو ضروریات پیش آسکتی ہیں' ان کے لئے ایک خیال افروز اور جاندار ضابطہ مرتب کیا' جس کی افادیت اور ضرورت کا ہر دور اور ہر خطے کے علماء اسلام نے اعتراف کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر برصغیر کی امت مسلمہ کسی اور اہل علم و فضل کو جنم نہ دیتی تو صرف شاہ صاحب کی قابل فخر شخصیت ہی کافی تھی اور شاہ صاحب اگر اور کتابیں لکھ کر امت پر احسان نہ بھی کرتے تو حجۃ اللہ البالغہ ان کا ایسا عظیم الشان احسان ہے جسے ملت اسلامیہ کبھی فراموش نہیں کرسکتی"(۹۷)

حجۃ اللہ البالغہ کو شاہ ولی اللہ کی تقریباً تمام تصنیفات میں سب سے زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہ کئی بار چھپ (۹۸) چکی ہے اور اس کے اردو میں تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

تراجم ابواب البخاری

صحیح بخاری کے تراجم و ابواب کو ہر دور میں درس بخاری کے سلسلے کی ایک دقیق چیز سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ مختلف ادوار میں بخاری کے شراح اور اساتذہ ان میں اپنی ذہانت اور دقیقہ سنجی کے قابل قدر نمونے پیش کرتے رہے ہے۔ شاہ ولی اللہ نے بھی اس سلسلے میں ابتداء میں تراجم ابواب البخاری کے عنوان سے ایک مختصر ترین رسالہ لکھا، جو صرف چار صفحات پر مشتمل ہے اور چھپ چکا ہے۔ (۱۰۰) اس میں شاہ ولی اللہ نے اصولی طور پر ایسے قواعد بیان کئے ہیں، جن سے تراجم بخاری کے حل میں مدد ملتی ہے۔

شرح تراجم ابواب صحیح البخاری

"تراجم ابواب البخاری" کے علاوہ علم حدیث میں شاہ ولی اللہ کی ایک اور مختصر تصنیف شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ہے۔ بعض اداروں کی طرف سے ان دونوں کو یک جا کر کے شائع کیا گیا ہے، جس سے تراجم ابواب اور شرح تراجم ابواب میں کوئی خط امتیاز ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ اول الذکر کی حیثیت ایک مقدمہ کی رہ جاتی ہے اور اس صورت میں یہ دونوں الگ الگ مستقل تالیفات نہیں رہتیں۔

شاہ ولی اللہ نے اس مختصر تالیف کے ذریعہ ابواب بخاری کی جو تشریح و توضیح فرمائی ہے وہ فکر انگیز نتائج کی حامل ہے۔ ابتدا میں انہوں نے ابواب بخاری کو سمجھنے کے چند اصول بیان فرمائے ہیں مثلاً

☆ "بعض اوقات امام بخاری ایسی حدیث مرفوع کو عنوان قرار دیتے ہیں، جو خود ان کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتی، مگر اس عنوان کے تحت ایسی حدیث بیان کرتے ہیں، جو ان کی شرائط کے مطابق ہوتی ہے۔

☆ بسا اوقات وہ کسی نص سے مستخرج مسئلہ کو باب قرار دیتے ہیں اور کبھی علمائے سابق کے مذہب کو اور پھر ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جن سے ان کے

Marfat.com

مذہب کی تائید ہوتی ہو۔

☆ مسئلہ مختلف فیہ کو بھی باب قرار دیتے ہیں اور پھر تمام متضاد حدیثوں کو روایت کرتے ہیں' تاکہ فقیہ اپنی رائے کے مطابق نتیجہ نکال لے۔

☆ کبھی کئی احادیث ایک عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں اور پھر ایسی حدیثیں نقل کرتے ہیں جو عنوان متعلقہ کا تتمہ ہوتی ہیں۔ ایسی احادیث کو وہ لفظ "باب" سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ ایک مختلف یا جداگانہ باب ہے۔ بلکہ اس موقع پر باب کا استعمال ایسا ہی ہے' جیساکہ متاخرین کی تصانیف و تالیفات میں تنبیہ یا فائدہ کی اصطلاح مستعمل ہوتی ہے۔

☆ بعض اوقات وہ لفظ "باب" قول المحدثین کی جگہ استعمال کرتے ہیں اور کبھی مذہب بعض الناس یا ایسی حدیث کو جو ان کے نزدیک معتبر نہیں' باب قرار دیتے ہیں اور پھر وہ صحیح حدیث بیان کرتے ہیں' جس سے مذہب بعض الناس یا حدیث ضعیف کی تردید مقصود ہو"(۱۰۲)

شراح تراجم ابواب صحیح البخاری بظاہر مختصر سا رسالہ ہے' لیکن موضوع کے لحاظ سے نہایت اہم تصنیف ہے' اس سے صحیح بخاری کے تراجم ابواب کے حل میں جو اکثر مشکل تصور کئے جاتے ہیں' بڑی مدد ملتی ہے۔ اس سلسلے میں بڑے بڑے محدثین نے گو بہت کچھ لکھا ہے' تاہم شاہ ولی اللہ کے اس چھوٹے سے رسالے کے مطالعہ سے مولف علام کے تبحر علمی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ سہارنپور کے مشہور محدث حافظ مولانا شیخ احمد علی محشی صحیح بخاری نے اپنے حواشی کے مقدمہ میں تراجم ابواب پر جو تحقیق کی ہے' اس میں ایک طرف تو حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابوالولید الباجی کی تحقیق کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف ولی اللہ بن عبدالرحیم کی اس تالیف یعنی شرح تراجم ابواب صحیح بخاری کی عبارات کو بھی موضوع کی وضاحت میں بطور سند پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ کئی بار طبع ہو چکا ہے۔(۱۰۳)

الدر الثمین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبشرات کا مجموعہ کہ شاہ ولی اللہ کی ذات یا

Marfat.com

بزرگوں سے متعلق ہے۔ ان میں نبی کریمؐ سے بطریق خواب یا بطریق روح بلا واسطہ یا بیک واسطہ (والد) یا بدو واسطہ یا بوسائط مروی چالیس احادیث ہیں اور اس کا پورا نام الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ہے۔ خواب میں سنی گئی براہ راست حدیثوں کو شاہ ولی اللہ نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول جنھیں خود شاہ ولی اللہ نے سنا' دوم جو ایک واسطہ سے سنیں اور سوم جن کو ایک سے زائد واسطوں سے سنا گیا۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں گجرات کی کسی مسجد میں مراقبہ میں مصروف تھا کہ حضور پاکؐ کی روح مبارک کی زیارت کی۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھ پر چادر ڈال دی گئی ہے۔ تب مجھ پر تمام مذہبی اسرار و نکات منکشف ہو گئے۔(۱۰۴)

الدر الثمین میں فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں شیعہ فرقہ کی بابت دریافت کیا تو جواب ملا کہ باطل ہے۔ فقہ کے مذاہب اربعہ کے متعلق پوچھا کہ کونسا بہتر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاروں برابر ہیں۔ محققین کے نزدیک ایسی تمام احادیث کی نوعیت مروی حدیثوں سے مختلف ہے۔ ان کو اس معنی میں تو حدیث کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی گئیں' مگر چونکہ خواب میں مسموع ہوئی ہیں' اس لئے دوسروں کے لئے حجت نہیں ہیں۔

الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین الگ سے مستقل رسالے کی حیثیت سے اور بعض دوسرے رسائل کے ساتھ بھی طبع ہو چکی ہے۔(۱۰۵)

النوادر من الحدیث

اسی کو "النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر" بھی کہتے ہیں اور یہ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین سے مختلف ہے۔ اس میں شاہ ولی اللہ نے حدیث کے متعلق نادر و غریب باتیں جمع کر دی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک حدیث "مسند الجن" ہے' یعنی ایسی حدیث جسے جن نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' جن سے خداوند تعالیٰ نے اور خداوند تعالیٰ سے پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ پوری حدیث مع اسنادیوں ہے عن النبی عن اللہ عن الجن عن النبی قل اوحی الی انہ استمع نضر من الجن فقالوا انا سمعنا قرانا عجبا

Marfat.com

یھدی الی الرشد۔ یہاں پہلے راوی جن تے قرآن رسولؐ سے سنا۔ پس قرآن کا متن ہے اور جن پہلا راوی، دوسرا راوی خدا، جس نے یہ "قول جن" رسول پر اتارا اور پھر اس روایت خدا کا ناقل خود رسولؐ ہے۔ لہٰذا اس کا سلسلہ اسناد عن النبی عن اللہ عن الجن عن النبی ہوا۔

النوادر میں ایک حدیث "المسلسل بالاولیہ" ہے یعنی وہ حدیث جس کو ہر راوی نے مروی عنہ سے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ یہ پہلی حدیث ہے، جو میں نے سنی۔ دوسرے "الحدیث المسلسل بالفقھا" ہے گویا ایسی حدیث جس کے تمام راوی فقیہہ ہیں تیسرے وہ حدیث جس کے تمام راوی صوفی ہیں۔ چوتھے ایسی حدیث جس کے تمام راویوں کا نام احمد ہے اور پانچویں وہ حدیث، جس کے تمام راویوں کے نام حرف غین سے شروع ہوتے ہیں۔

النوادر من الحدیث کے تحقیقی معیار کے متعلق ناقدین نے تفصیل سے کچھ نہیں لکھا بہرکیف یہ رسالہ المسلسلات میں شامل ہے، جو الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

الاربعون حدیثاً مسلسلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے کہ جو شخص میرے امتیوں کے لئے چالیس حدیثیں جمع کرے گا، قیامت کے دن اس کا شمار علمائے دین میں ہوگا اور میں اس کی شفاعت کروں گا۔ اسی سعادت کے حصول کے لئے چالیس چالیس حدیثوں کے مجموعے لکھے گئے جو چہل حدیث، الاربعین یا چہل رسائل کے نام سے موسوم ہیں۔ شاہ ولی اللہ سے بھی اسی قسم کا ایک رسالہ منسوب ہے، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وہ صحیح احادیث ہیں، جو رسول اللہ سے شاہ ولی اللہ کے استاد ابو طاہر مدنی تک اور پھر ان سے شاہ ولی اللہ کو پہنچیں۔ شاہ ولی اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر اسناد ہیں، وہ سب اربعون حدیثاً مسلسلہ بالاشراف فی غالب سندھا میں بیان کردی گی ہیں، اسی کا نام الفلباالاربعین بھی ہےالاس کی مختصر مگر جامع احادیث جوامع الکلم کا مصداق ہیں۔

"اس چھوٹی سی کتاب میں شاہ صاحب نے وہ حدیثیں جمع

Marfat.com

کی ہیں، جو اسلام کی مدار علیہ ہیں۔ اگرچہ ان نام کی اور نہ صرف نام بلکہ اس مضمون کی چند کتابیں اور علماء نے بھی لکھی ہیں، جو آج ہمارے پیش نظر ہیں، لیکن جب ان میں اور اس میں صحیح اندازہ اور پورا موازنہ کیا جاتا ہے تو آسمان و زمین کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے نہایت مختصر مختصر حدیثیں جو ہر شخص کے لحاظ سے مفید اور سود مند ہیں، درج کی ہیں اور تمام مضامین کا احاطہ کر لیا ہے۔ سچ پوچھئے تو آپ نے اہل اسلام کی سچی ہمدردی و خیر اندیشی مدنظر رکھ کر وہ کام کیا ہے جو ایک درجہ کا مقتدائے قوم اپنی عزیز قوم کے لئے نہایت دلسوزی کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مضامین سے قطع تعلق کر کے اس کی حسن نظمی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے"۔ (۱۰۷)

شاہ ولی اللہ کا یہ رسالہ چہل حدیث ہر دور میں مقبول رہا۔ اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ مختلف ناموں مثلاً چہل حدیث ولی اللہی، اربعین ولی اللہی وغیرہ کے نام سے بھی چھپ چکا ہے۔ (۱۰۸)

الارشاد الی مہمات

علم حدیث کے موضوع پر یہ شاہ ولی اللہ کی مختصر تالیف ہے اور اس کا پورا نام الارشاد الی مہمات علم الاسناد ہے، اس کی تائید الارشاد کے ایک مخطوطہ کی عبارت مرقومہ سے بھی ہوتی ہے، جو حسب ذیل ہے:

"ھذا الثبت المسمی بالارشاد الی مہمات علم الاسناد لحافظ عصرہ مسند وقتہ الشیخ الاجل محدث الہند احمد بن عبدالرحیم العمری" (۱۰۹)

آغاز رسالہ کی عبارت میں مولف نے بتایا ہے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے، جس نے اس امت مرحومہ کو حفظ اسناد جیسی عظیم فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا اور جس کو چاہا، اسناد کے علو اور طرق اسناد کی وسعت اور کشادگی سے نوازا اور یہ بہت بڑی امداد ہے:

Marfat.com

"الحمد لله الذی خص ہذہ الامتہ المر حومہ بفضیلتہ عظیمتہ

ہی حفظ الاسناد، وامر من شاء منہم بعلوہ وسعتہ طرقہ و ما اعظم

من امداد"(۱۰۴)

الاشاد الی مہمات علم الاسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ کے سفر حجاز سے واپسی کے بعد کی تالیف ہے، کیونکہ اس میں ان کے اساتذہ و شیوخ حرمین کا ذکر موجود ہے۔ فن حدیث میں علو اسناد اور طرق اسناد کی اہمیت و وسعت اور کشادگی کے پیش نظر اس رسالہ کی افادیت چنداں محتاج وضاحت نہیں۔ یہ رسالہ مجموعہ رسائل اربعہ میں شامل ہے اور الگ سے بھی چھپ چکا ہے(۱۱۱) اس کا ایک مخطوطہ(۱۱۲) پیر جھنڈو کی لائبریری میں ہے۔

الانتباہ ۔۔۔ واسانید وارثی رسول اللہ

شاہ ولی اللہ کی اس تالیف کا پورا نام الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ ہے۔ یہ کتاب براہ راست تو نہیں، البتہ بالواسطہ علم حدیث سے متعلق ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ اہل تصوف کے مشہور طرق کے سلاسل پر ہے اور دوسرا حصہ کتب حدیث و فقہ کی اسانید اور احادیث وفقہ سے متعلق فوائد پر مشتمل۔ گویا اول حصہ میں تصوف کے مختلف سلسلوں کی مختصر مگر جامع تاریخ مع تاریخ تذکرہ تعلیمات آگئی ہے اور حصہ دوم میں فنون حدیث سے متعلق امور و فوائد کا بیان ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"کاتب حروف گوید ایں ست آنچہ از بیان سلاسل دریں رسالہ میسر شد، بعد ازاں ذکر بعض اسانید علم حدیث و فقہ و غیر ھا خواہد آمد"(۱۱۳)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ الانتباہ فی اسانید وارثی رسول اللہ، اسی کتاب کا دوسرا حصہ ہے۔ پہلے حصے پر تنقید کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں ص ۱۰۰ پر کشف قبور، کے عنوان کے ماتحت جو طریقہ لکھا گیا ہے، وہ ان تمام احتیاطوں اور محققانہ و محدثانہ ذوق سے مطابقت نہیں رکھتا جو شاہ صاحب کی اہم تصنیفات بالخصوص حجتہ اللہ

Marfat.com

البالغہ' تفہیمات الہیہ اور الفوز الکبیر میں نمایاں ہے"(۱۱۴)

الانتباہ کے بعض قلمی نسخوں کی نشاندھی بھی ہوتی ہے(۱۱۵) اس کے تراجم ہو چکے ہیں اور یہ اب شاہ ولی اللہ کی مخفی تالیف نہیں رہی' بلکہ چھپ چکی ہے۔(۱۱۶)

المسوی اور مصفیٰ

شاہ ولی اللہ فقہ حدیث اور درس حدیث کا جو طریقہ مروج کرنا چاہتے تھے 'المسوی من الاحادیث الموطا اور مصفی فی احادیث الموطا اس کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے شاہ ولی اللہ کی علوم حدیث اور فقہ حدیث میں محققانہ اور مجتہدانہ شان کا اظہار ہوتا ہے اول الذکر کتاب موطا امام مالک کی مختصر عربی شرح اور ثانی الذکر مفصل فارسی شرح ہے۔ شارح کا دراصل نقطہ نظر یہ تھا کہ دنیا میں حنفی اور شافعی مذاہب کے متبعین کی چونکہ اکثریت ہے' اس لئے ان دونوں کو ملا کر ایک کر دینا چاہیئے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر شاہ ولی اللہ نے یہ دونوں شروح لکھیں اور ان میں عموماً احناف اور شوافع کے مذاہب کو نقل کرنے پر اکتفا کیا اور جہاں کہیں امام مالک' امام احمد بن حنبل اور دوسروں کے اقوال کی ضرورت پڑی انہیں بھی نقل کر دیا۔

شاہ ولی اللہ موطا کو صحاح ستہ میں اول درجہ پر رکھتے تھے اور اسے ان میں سنن ابن ماجہ کی جگہ شمار کرتے تھے(۱۱۷) نیز موطا کے بے حد قائل اور اس کے ساتھ اعتنا کرنے اور اس کو درس حدیث میں اولیت دینے کے پرجوش داعی اور مبلغ تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جب عربی زبان پر قدرت حاصل ہو جائے' موطا کے اس نسخہ کو جو یحیی بن یحییٰ معمودی کی روایت سے ہے' پڑھائیں۔ ہرگز اس سے پہلو تہی نہ کریں کہ وہ علم حدیث کی اصل ہے اور اس کا پڑھنا بڑے فیوض کا حامل ہے:

"چوں قدرت بزبان عربی یافت موطا بروایت یحیی بن یحیی معموری بخوانانند و ہرگز آں را معطل نگزارند کہ اصل علم حدیث ہست و خواندن اں فیضہا دارد"(۱۱۸)

شاہ ولی اللہ ـــــ بحیثیت محدث

توجیہہ اور شرح حدیث میں شاہ ولی اللہ نے جو بلند مقام حاصل کیا' اس کا اعتراف نہ صرف شاہ ولی اللہ کے عہد کے ارباب علم بلکہ بعد کے اصحاب فضل و کمال بھی کرتے رہے ہیں۔ شیوخ حرمین تک شاہ ولی اللہ کی فہم و فراست ' شرح حدیث ' معانی حدیث اور توضیح مطالب کے قائل تھے۔ شیخ ابو طاہر کردی ' موصوف کے متعلق فرماتے ہیں

"انہ یسند عنی اللفظ و کنت اصحح سند المعنی "(۱۱۹)

وہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے اور میں ان سے صحت معنی کی سند لیتا ہوں۔

محسن ترھتی کا بیان ہے کہ شاہ ولی اللہ نے علم حدیث سے اعتنا کرتے ہوئے روایت حدیث اور نشر و اشاعت حدیث کی جو خدمت انجام دی' وہ اہل ہند میں ان کے پیشروؤں میں سے کسی کے مقدر میں نہیں لکھی ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے' جو اللہ تعالی نے ان کے لئے مخصوص فرمائی۔ اس کو ان کے ہاتھوں ظاہر فرمایا اور ان کے متبعین حاملین حدیث اور ناقلین اخبار نے اس کو ظاہر کیا۔ شاہ ولی اللہ نے حدیث کے جھنڈے اڑائے اور انہیں لہرایا۔ علم حدیث کے نشانات کو از سر نو ابھارا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ان کے علم و فضل کو تسلیم کیا اور شاہ ولی اللہ محدثین کے سردار اور سردار انبیاء کی سنتوں کے بہترین مددگار ہو گئے۔ ان کی یہ فضیلت ایسی ہے کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا:

"نشر اعلام الحدیث و اخفق لوائہ و جدد معالمہ حتی سلم لہ الناس اعشار الفضل دانہ رئیس المحدثین و نعم الناصر لسنن سید المرسلین و ہذہ فضیلتہ لا یختلف فیہا(۱۲۰)"

الیانع الجنی میں یہ بھی مذکور ہے کہ شاہ ولی اللہ سے پیشتر بڑے بڑے علماء گزرے۔ جن کا علم حدیث سے گہرا شغف رہا' وہ اور ان کے شاگرد اس سلسلے کو قائم نہ رکھ سکے' ان کے آثار مٹ گئے' لیکن شاہ ولی اللہ کی اسناد کا سلسلہ جاری رہا۔

Marfat.com

لوگوں کا اسی پر اعتماد ہے۔ اسی کے لئے کوشاں ہیں:

"افسلت شموس الاولین و شمسنا ابدا علی افق العلاء لاتغرب (۱۲۱)"

پہلے والوں کا آفتاب ڈوب چکا۔ اب ہمارا آفتاب (شاہ ولی اللہ) افق پر بلند ہے۔ وہ غروب نہیں ہو گا۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے شاہ ولی اللہ کے لئے شیخ اجل محدث اکمل ناطق دوراں اور حکیم زماں کے علاوہ فائق معاصرین اور زعیم عصر کے القابات استعمال کئے ہیں اور لکھا ہے کہ موصوف نے بڑی سرگرمی و جانفشانی سے اس علم کی اشاعت کی، جس سے علم حدیث موجب حیرت ہونے کے بعد از سر نو ترو تازہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اور ان کے علوم سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچایا:

"و کذا باولادہ الامجاد و اولاد اولادہ اولی الارشاد المبشرین هذا العلم عن ساق الجدو الاجتهاد فعاد لهم علم الحدیث غضا طریا بعد ما کان شیا فریاد و قد نفع اللہ بهم و بعلو مهم کثیرا من عبادہ المومنین" (۱۲۲)

الحطہ بذکر صحاح الستہ میں مزید لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے علم حدیث کے ذریعہ شرک و بدعت کے فتنوں سے دین کو پاک کیا۔ وہ ان نفوس قدسیہ میں سے تھے۔ جنہوں نے علوم سنت کو دیگر علوم پر ترجیح دی اور فقہ کو سنت کے تابع و محکوم بنایا۔ انہوں نے اس انداز میں حدیث کی تعلیم دی کہ اہل روایت خوش ہو گئے اور اہل درایت بھی مشتاق بن گئے (۱۲۳) الخ

ایک اور تحریر میں نواب قنوجی اعتراف کرتے ہیں:

"انصاف ایں است کہ اگر وجود او در صدر اول و زمانہ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شد" (۱۲۴)

شیخ مظہر جانجاناں کی رائے میں شاہ ولی اللہ کا طریقہ جدیدہ اسرار معارف و حقائق کی تحقیق میں ان کا ایک خاص ڈھنگ ہے۔ وہ ربانی علماء میں سے ہیں:

ولعله لم یوجد مثله فی الصوفیه المحققین الذی جمعوا بین علمی الظاهر و الباطن و تکلموا بعلوم جدیده الارجال معدودون" (۱۲۵)

مفتی عنایت احمد کاکوروی کے نزدیک شاہ ولی اللہ کی مثال ایک ایسے شجر طوبیٰ کی ہے، جس کی جڑ گھر میں ہے اور اس کی شاخیں مسلمانوں کے گھر گھر موجود ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی گھر اور کوئی جگہ ایسی نہیں، جس میں اس درخت کی شاخ نہ ہو۔ آخر لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی جڑ کہاں ہے؟

" ان الشیخ ولی اللہ مثلہ کمثل شجرۃ طوبی اصلھا فی بیتہ و فرعھا فی کل بیت من بیوت المسلمین فما من بیت ولا مکان من بیوت المسلمین و امکنتھم الا و فیہ فرع من تلک الشجرہ لا یعرف غالب الناس این اصلھا (۲۶)"

مولانا عبدالحیٔ کے بقول شاہ ولی اللہ کی تصانیف اس امر پر شاہد ہیں کہ وہ جلیل القدر عظیم المرتبت اور بڑے علماء میں سے تھے۔ حق پسندی و انصاف اور رشد و ہدایت کی انہیں حق کی طرف سے توفیق ارزانی ہوئی تھی۔ وہ ظلم و تعصب سے گریزاں اور علوم دینیہ اور مباحث حدیث میں بھی ماہر تھے:

" و تصانیفہ کلھا تدل علی انہ کان من اجلاء النبلا و کبار العلماء موفقا من الحق بالرشد و الانصاف متجنبا عن التعصب و الا عتساف ماہرا فی العلوم الدینیہ متبحراً فی المباحث الحدیثیہ"

Marfat.com

Marfat.com

باب ۲

حدیث

اور متعلقاتِ حدیث

Marfat.com

Marfat.com

فضیلت علم حدیث

تعریف۔ اہمیت اور تاریخ

قرآن حکیم اللہ تبارک و تعالیٰ کی آخری اور مکمل کتاب ہے، جو حضور خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل کی گئی۔ نبی آخر الزمان سرور دو جہاں اس عالم رنگ و بو میں مبلغ و معلم بنا کر مبعوث کئے گئے۔ رحمت عالم نے کلام الہٰی کو اول لغایت آخر لوگوں کو سنایا، سمجھایا، یاد کرایا، لکھوایا اور خود قرآن کے جملہ احکام و تعلیمات کا اسوہ حسنہ ثابت ہوئے۔ محسن انسانیت کی سیرت طیبہ کا ہر لحظہ، ہر لمحہ اور ہر گوشہ قرآن مجید فرقان حمید کی قولی و عملی تفسیر ہے۔ آپ کے اقوال و افعال و احوال کا نام حدیث ہے اور یہ کوئی اختراع یا خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ قرآن ہی سے مستنبط ہے۔ قرآن نے جہاں دین کو نعمت قرار دیا ہے، وہاں اس نعمت کی نشر و اشاعت کو تحدیث سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ (۱)"

ترجمہ: اور اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر کی گئی اور یہ وہی (نعمت) ہے جو تم پر کتاب و حکمت میں سے نازل کی گئی۔

اور تکمیل دین کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (۲)

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔

ایک اور آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے:

"واما بنعمۃ ربک فحدث (۳)"

Marfat.com

ترجمہ : اور اپنے رب کی نعمت بیان کیجئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و اعمال کے لئے بھی قرآن نے مختلف مقامات[4] پر حدیث ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

"حدیث" کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

لفظ "حدیث" کے بنیادی معنی ہیں: خبر، بیان، گفتگو یا کوئی نئی بات، خواہ وہ مذہب سے متعلق ہو یا دنیوی معاملات سے۔ اسی سے حدوث، حادثہ اور حادث ایسے الفاظ بنے ہیں۔ لیکن ان معنی سے قطع نظر مسلمانوں میں لفظ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے صحابہ کے اقوال و افعال کے لئے مختص ہوا اور ارباب علم حدیث کی تعریف میں نبی کریم کے قول، فعل یا تقریر کو شمار کرنے لگے۔ ابن حجر کے الفاظ میں:

"المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم"(۵)

اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک حدیث کے معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول، فعل یا تقریر قرار پائے[6]۔ قول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک اور فعل سے آپؐ کا عمل ہے، جب کہ تقریر کا مفہوم ہے کہ آپؐ کے سامنے کوئی بات ہوئی، مگر آپ نے اس سے روکا نہیں۔

سنت اور حدیث میں مماثلت و امتیاز

حدیث کا ایک مترادف سنت ہے جس کے لغوی معنی "طریقہ" اور "عادت" کے ہیں مسلمانوں میں اس کا اطلاق اس دینی طریقہ پر ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا مگر بعد میں یہ تخصیص کردی گئی کہ سنت اعمال نبوی کے لئے خاص ہے اور حدیث قول و عمل دونوں کے لئے عام۔ پھر "اکثر محدثین خصوصاً متاخرین کے راجح قول کی بنا پر حدیث اور سنت دونوں مترادف قرار پائے اور ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جانے لگے۔(۷)" شریعت کی اصطلاح میں حدیث کو عبادات میں استعمال کیا گیا تو ان سے مراد وہ نوافل

Marfat.com

ہوئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور جب لفظ "حدیث" یا "سنت" کو ادلہ شرعیہ کے مواقع پر اختیار کیا گیا تو اس سے قرآن کے سوا وہ قول، فعل یا تقریر اور بقول بعض ارادہ مراد لی گئی جس کا صدور نبی کریمؐ سے ہوا (۸) شاہ ولی اللہ نے اس کی تشریح مختصر مگر جامع الفاظ میں یوں کی ہے۔

"و ان عمدۃ العلوم الیقینیۃ و راسہا و مبنی الفنون الدینیۃ و اساسہا ھو علم الحدیث الذی یذکر فیہ ماصدر من افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ اجمعین من قول او فعل او تقریر (۹)"

علم حدیث کی تعریف

شاہ ولی اللہ کے نزدیک علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و سرتاج اور فنون دینیہ کی اصل و اساس علم حدیث ہے جس میں افضل الرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا کسی بات پر آپؐ کے سکوت و رضا کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ علم حدیث کو تاریکی میں مثل روشن چراغ، رشد وہدایت کا سنگ میل اور مانند بدر منیر مانتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے والا گویا ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے اور اس سے جو اعراض و روگردانی کرتا ہے وہ اپنے کو بدبخت گمراہی اور ہلاکت میں ڈالتا ہے اور اسے سوائے خسارے کے کچھ نہیں ملتا۔

"فہی مصابیح الدجیٰ و معالم الھدیٰ و بمنزلت البدر المنیر، من انقاد لہا و وعیٰ فقد رشد و اھتدیٰ و اوتی الخیر الکثیر و من اعراض و تولّیٰ فقد غویٰ و ھویٰ و ما زادہ نفسہ الا التخسیر (۱۰)"

علامہ محمد بن جعفر الکتانی کے الفاظ سے شاہ ولی اللہ کے ان خیالات کے مزید تشریح ہو جاتی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ سنت سے عام قرار دینے والوں کے نزدیک علم حدیث کی تعریف یہ ہے کہ وہ علم جو نبی کریمؐ یا صحابیؓ یا کسی بعد میں آنے والے کی طرف منسوب کی جانے والی تمام منقولہ تعلیمات پر محیط و مشتمل ہو۔ مثلاً اقوال، افعال، تقاریر، حالات، سیرت اور ذکر ایام یہاں تک کہ حرکات و سکنات جو بحالت بیداری یا بعالم خواب ہوں، علم شریعت میں پنہاں

Marfat.com

ہیں۔ پھر مذکورہ بالا منقولات کی اسناد اور روایت اس کا حفظ کرنا اس کے الفاظ کو تحریر میں لانا اور اس کے معانی و مطالب کی شرح و تفسیر کرنا یہ اور اس جیسے تمام امور علم حدیث میں داخل ہیں

" و اعلم ان علم الحدیث لدی من یقول انہ اعم من السنتہ ھو العلم المشتمل علی نقل ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم او الی صحابی اوالی من دونہ من الاقوال و الافعال' و التقاریر و الاحوال و السیر و الایام' حتی الحرکات و السکنات فی الیقظتہ و المنام و اسانید ذلک و روایتہ و ضبطہ و تحریر الفاظہ و شرح معانیہ (۱۱) "

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کا دین اور شریعت آپ کی احادیث ہیں اور یہ وہ علم عظیم ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ جو اس میں اور اس کی نشرو اشاعت میں مشغول ہو اس کے نشانات مخلوق میں باقی رہتے ہیں۔

دین النبی و شرعہ اخبارہ، واجل علم یقتفی آثارہ
من کان مشتغلا ابہا و بنشرھا بین البریتہ لاعقت آثارہ (۱۲)

بعثت نبویؐ کی تاریخی اہمیت

شاہ ولی اللہ کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی شریعت کے معنی سمجھنے کے لئے ان امیوں کے حالات کی تحقیق ضروری ہے جن میں آپ مبعوث فرمائے گئے۔ یہ حالات آپ کی شریعت کا مادہ اور اساس ہیں۔ نیز آپ نے تشریع تیسیر اور احکام ملت کے مقاصد کے ضمن میں جس طرح گردو پیش کے ماحول کو سنوارا اس پر غور و فکر سے پہلو تہی نہیں کی جاسکتی۔ یہ ایک اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافذ کردہ شرائع و قوانین کا تاریخی پس منظر ہے چنانچہ وہ یہودیت اور نصرانیت کا بطور خاص ذکر فرماتے ہیں جو اس وقت مروج تھیں۔ اس باب کا عنوان ہے۔

"باب اسباب اختلاف دین نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و دین الیہودیہ والنصرانیہ (۱۳)۔

شاہ ولی اللہ کی تحقیق ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے انبیاء کرام تشریف

لائے ان سب نے احکام میں وقتاً فوقتاً کمی کی بجائے اضافہ ہی کیا۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے نوحؑ کے مذہب میں مناسک و عبادات میں بعض چیزوں چند اعمال فطرت اور ختنے وغیرہ کو بڑھایا۔ اس طرح حضرت موسیٰ نے ملت ابراہیمی کے مذہبی امور میں اونٹ کا گوشت حرام قرار دینے یوم السبت کا احترام کرنے اور زانیوں کے لئے رجم کی سزا مقرر کرکے اس میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ لیکن ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام میں فقط اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ کئی جگہ کمی کی اور بعض مقامات پر ترامیم۔

"ونبینا صلی علیہ وسلم زاد و نقص وبدل والناظر فی دقائق الشریعۃ اذا استقراء ھذہ الامور وجدھا علی وجوہ (۱۴)۔

یہودی مذہب کے تمام تر اختیارات احبار و رھبان کے ہاتھوں میں رہے۔ انہوں نے یہودیت میں متعدد تحریفات کیں شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے ہر چیز کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا۔ اس طرح شریعت محمدی اس دور کی مروجہ یہودیت سے مختلف ہو گئی۔

"فلما جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم رد کل شئی الی اصلہ فاختلفت شریعتہ بالنسبتہ الی الیھودیتہ (۱۵)"

شاہ ولی اللہ کے نزدیک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں ایک اور بعثت شامل تھی۔ یعنی آپ بنی اسمٰعیل کی طرف مبعوث فرمائے گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم (۱۶)

ترجمہ:۔ وہی (اللہ) ہے جس نے امیوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

پھر رسالت مآب کو حکم دیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں:

"لتنذر قوماً انذر اباءھم فھم غافلون (۱۷)

شاہ ولی اللہ کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بعثت اس امر کی مقتضی تھی کہ آپ کی شریعت کا مادہ وہی شعائر عبادات کے وہی طریقے اور تدابیر معاش ہوں جو پہلے سے بنی اسمٰعیل میں موجود تھیں کیونکہ مقصد شریعت اصلاح احوال تھا نہ کہ انہیں ایسے امور کا

Marfat.com

مکلف بنانا جنہیں وہ سرے سے جانتے ہی نہ ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔

"انا انزلناہ عربیاً لعلکم تعقلون (۱۸) بے شک ہم نے قرآن عربی میں نازل کیا۔

پھر یہ کہا گیا کہ اگر قرآن کو عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کھول کھول کر بیان نہیں کی گئیں۔

"ولو جعلنا قرانا عجمیا لقالوا لولا فصلت ایاتہ (۱۹)

اسی لئے ارشاد ربانی ہے کہ ہم نے بھی رسول بھیجا' اس کی زبان والا ہی بھیجا۔

"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" (۲۰)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت تمام اھل زمین کے لئے ہے اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو ارتفاق رابع سے متعلق ہیں۔ اسی بنا پر رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں پر لعنت بھیجی اور ان کی سلطنتوں کے زوال کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ عجم اور روم کی سلطنتوں کا حشر اس کی گواہی دیتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارتفاق رابع کے نفاذ کا حکم ہوا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے جب سلسلہ وحی منقطع ہو چکا تھا۔ مذھب حقہ میں تحریفات کی جا چکی تھیں اور وہ قریب قریب محو ہو گئے تھے۔ تعصب اور کج حجتی کا لوگوں پر غلبہ تھا۔

"..... ومنھا انہ بعث فی زمان فترۃ قد اندرست فیہ الملل لحقۃ وحرفت وغلبت التعصب واللجاج (۲۱)"

بنی اسمٰعیل ایک عرصہ تک اس شریعت پر عمل پیرا رہے جو انہوں نے حضرت اسماعیل سے ورثہ میں پائی تھی۔ عمرو بن لحی نے بعد میں اپنی غلط رائے سے اس شریعت میں بہت سی غلط باتیں داخل کر دیں۔ وہ خود گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی نے بنی اسماعیل میں بت پرستی کو رواج دیا اور لوگوں پر جہالت شرک اور کفر غالب آ گئے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ:-

ہمارے نبی نے بنی اسماعیل کی شریعت پر غور کیا۔ اس میں جو طریقہ اسماعیل کے منہاج کے موافق یا شعائر الہٰی میں نظر آیا اسے باقی رکھا اور تحریف شدہ کے باطل ہونے پر مہر ثبت کر دی باقی عادات و اطوار سے متعلق امور کے آداب و مکروہات بیان فرمائے۔ بری رسموں سے منع کیا اور صالح رسوم اختیار کرنے کا حکم دیا۔ نیز وہ اصلی و عملی امور جو زمانہ فترت میں نبوت کا سلسلہ بند ہونے کی وجہ سے متروک ہو گئے تھے انہیں آپ نے از سرنو زندہ کیا۔ اس طرح اللہ کی نعمت پوری ہو گئی اور اس کا دین مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا(۲۲)

شاہ ولی اللہ نے جاہلیت کے دور پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اھل جاہلیت بعثت انبیاء کے قائل تھے جزا و سزا کا تصور ان میں موجود تھا اور وہ مختلف النوع نیکیوں کے اصولوں پر اعتقاد رکھتے تھے۔

"وکان اھل الجاہلیتہ فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسلمون جواز بعثتہ الانبیاء و یقولون بالمجازاۃ و یعتقدون اصول انواع البر(۲۳)"

اس کے بعد بنی اسماعیل میں موجود دو گروھوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک فاسقوں اور زندیقوں کا گروہ تھا اور دوسرا جاھلوں اور غفلت شعاروں کا۔ فاسقوں میں دینداری کم تھی اور ان کے نفوس خواھشات سے مغلوب تھے۔ زندیق جبلی طور پر ناقص الفہم تھے۔ صاحب ملت کی تقلید اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کو ماننے سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ انہوں نے اپنی گردنوں سے دین کا پٹہ اتار پھینکا تھا۔ دوسرے گروہ یعنی جاھلوں اور غفلت شعاروں نے بھی دین کی طرف کبھی التفات نہ کیا تھا۔ یہ زیادہ تر قریش اور ان کے گرد و پیش کے لوگوں میں سے تھے۔(۲۴)

اہل جاھلیت 'ارض و سما کی پیدائش اور اسی طرح کے بڑے بڑے امور کی تدبیر میں کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے لیکن انہیں یہ غلط فہمی تھی کہ باری تعالیٰ نے اکثر امور فرشتوں کے حوالے کر رکھے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے بیان کے مطابق اھل جاھلیت کے مسلمہ اصولوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ جس طرح چاہے اپنے بندوں کو احکام کا مکلف بناتا ہے۔ اس نے بعض چیزیں حلال اور بعض حرام قرار دی ہیں اور وہ اچھے اور برے کاموں کا

بدلہ دیتا ہے۔ یہ اور اسی طرح کی بہت سی مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اگرچہ صراط مستقیم سے دور نکل گئے تھے تاہم ان کے پاس ان کے علوم کا بقیہ اس قدر ضرور موجود تھا کہ جس سے ان پر حجت قائم کی جا سکتی۔ شاہ ولی اللہ نے ان تمام تفصیلات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

> "اہل جاہلیت مختلف طریقوں سے عبادات کرتے تھے۔ حج بیت اللہ' شعائر حج اور حرمت والے مہینوں کی تعظیم تو ان میں مشہور تھی۔ علاوہ ازیں انہوں نے مختلف قسم کے منتروں اور تعویذوں کے ذریعہ شرک کو اپنے اندر داخل کر لیا تھا اور رفتہ رفتہ ان میں کہانت' تیروں سے آنے والے حالات کا اندازہ کرنا اور بدشگونی جیسی چیزیں رواج پا گئی تھیں۔ ان حالات میں نبی کریمؐ کی بعثت ہوئی۔ قوم کے پاس جو کچھ موجود تھا اس پر آپ نے غور و خوض فرمایا۔ امور ملت ابراہیمیہ کے صحیح بقیہ پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی۔ عبادات منضبط کیں اور ان کے اسباب اوقات اور آداب مقرر کئے۔ گناہوں کے تدارک کے لئے حدود کا تعین کیا اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ دین کو آسان بنا دیا (۲۵)

حدیث کی دینی حیثیت

حضور نبی کریم کی مختلف حیثیات ہیں جن کا تعین اللہ تبارک و تعالی نے قرآن مجید میں کر دیا ہے۔ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ آپ مبلغ ہیں اور مراد الہی کے مبین یعنی بیان کرنے والے۔ ارشاد ربانی ہے

"یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (۲۶)

ترجمہ:۔ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچا دیجئے جو کچھ اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے۔

Marfat.com

"و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (۲۷)"

ترجمہ:۔ اور آپ پر ہم نے یہ یادداشت (قرآن) نازل کی تاکہ جو کچھ اتارا گیا ہے آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم کتاب و حکمت بنا کر بھیجا گیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

"لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم آیتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمتہ (۲۸)"

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہیں آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں (اللہ) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تحلیل و تحریم یعنی اشیاء میں حلال و حرام کی تمیز سکھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب میں داخل تھا۔

"و یحل لھمم الطیبت و یحرم علیھم الخبث (۲۹)"

ترجمہ:۔ اور وہ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں

ایک اور آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ آپ تمام معاملات نپٹانے اور فیصلہ کرنے والے ہیں۔

"و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلاۃ بینا (۳۰)"

ترجمہ:۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بے شک وہ صریح طور پر گمراہ ہو گیا۔

"فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک (۳۱)"

ترجمہ:۔ سو قسم ہے تیرے رب کی یہ مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ تمہیں ہی حکم نہ بنائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی حیثیات کے پیش نظر قرآن لوگوں کو تلقین کرتا ہے۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنتہ (۳۲)"

ترجمہ:۔ بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں عمدہ نمونہ عمل ہے۔ اس لئے ضروری ہے:

"یا یہاالذین امنو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (۴۳)"

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔

"وما اتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا (۴۴)"

ترجمہ:۔ اور اللہ کا رسول جو کچھ تمہیں دے لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔

"وان تطیعوہ تھتدوا (۴۵)"

ترجمہ:۔ اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ھدایت پر آجاؤ گے۔

قرآن حکیم کی ایسی متعدد آیات منصب رسالت اور حدیث کی دینی حیثیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی امر و نہی انذار و تبشیر اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے۔ آپ نے برائیوں سے منع کیا اچھے کاموں کا حکم دیا ڈرایا خوشخبری دی سمجھانے کے لئے طرح طرح کی مثالیں دیں اور نصیحتیں فرمائیں۔ آپ کے یہ ارشادات تعداد میں قرآن مجید کے برابر یا اس سے زیادہ ہونگے۔

"........فانہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نھی و ائمروانذر وبشرو ضرب الامثال وذکروانھا لمثل القرآن او اکثر (۳۶)"

انواع علوم النبیؐ

افعال نبوی کہ حدیث کی تعریف میں داخل ہیں ان کی مختلف اقسام ہیں اور ہر قسم کے احکام جدا جدا۔ مثلاً بقضائے طبیعت صادر ہونے والے جبلی افعال، دوسرے وہ جو صرف آپ سے مخصوص تھے۔ ثالثاً ایسے افعال کہ جبلی ہوں نہ آپ کے ساتھ مختص بلکہ کسی مجمل کا بیان ہوں اور رابعاً جن میں کسی مجمل کا بیان بھی نہ ہو۔ اول الذکر کا تعلق عبادات سے نہیں۔ اس میں قیام و قعود وغیرہ شامل ہیں اور ان کی اباحت پر سب کا اتفاق ہے آپ سمیت آپ کی امت کے لئے بھی (۳۷)۔ شوکانی کہتے ہیں کہ بعض کے نزدیک یہ مندوب ہیں (۳۸)

ثانی الذکر افعال نبویؐ یعنی چار سے زیادہ ازواج مطہرات اور وصال وغیرہ ان میں بالاتفاق

Marfat.com

امت آپ کے ساتھ شریک نہیں (۳۹)۔ شوکانی کے بقول امام الحرمین ان میں توقف کے قائل ہیں اور ابو شامہ مقدسی کی رائے میں جو افعال آپ کے لئے مباح تھے۔ مثلاً چار سے زیادہ ازواج ان میں امت کے لئے آپ کی اقتدا جائز نہیں اور جو افعال آپ پر واجب تھے یعنی ضحی اور وتر کی نماز یا جو آپ کے لئے حرام تھے۔ مثلاً بدبودار چیزوں کا کھانا ان میں اقتداء جائز ہے (۴۰)۔ اسی طرح دیگر افعال کے بارے میں اگر معلوم ہو کہ واجب مندوب یا مباح تھے تو اس میں آئمہ فقہاء و متکلمین اور جمہور کے مختلف اقوال ہیں (۴۱) شاہ ولی اللہ کے ہاں افعال نبوی کی یہ تفصیل نہیں ملتی بلکہ وہ عام فہم انداز میں ان افعال نبوی میں جو بطور عبادت اور بطور عادت کئے امتیاز کرتے ہیں اور دونوں کے احکام جدا جدا قرار دیتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ سے جو کچھ مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے اور دوسری کا تبلیغ رسالت سے نہیں۔

"اعلم ان ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودون فی کتب الحدیث علی قسمین احدھما مسبیلہ سبیل تبلیغ الرسالۃ ـــــ وثانیھما مالیس من باب تبلیغ الرسالۃ (۴۲)۔

تبلیغ رسالت میں شاہ ولی اللہ علوم معاد اور عجائبات ملکوت کو شمار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان سب کی سند و ماخذ وحی ہے۔ اسی قسم میں شرعی احکام ہیں اور ارتفاقات بھی یعنی مدنی اور معاشرتی تدابیر کا منضبط ہونا۔ ان امور میں بعض کی سند و ماخذ وحی ہے اور بعض کی اجتہاد۔ شاہ ولی اللہ نے یہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ حضور نبی کریمؐ کا اجتہاد بمنزلہ وحی ہے کیونکہ اللہ تعالی نے آپ کی رائے کو غلطی کے امکان سے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالی نے آپ کو مقاصد شریعت قانون تشریع و تیسیر و احکام کی تعلیم دی۔ چنانچہ اس قانون کے مطابق آپ ان مقاصد کی توضیح فرمادیا کرتے تھے جو آپ کو بذریعہ وحی حاصل ہوتے۔ اسی تبلیغ رسالت میں وہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو بلا قید اور مطلق رکھی گئی ہیں جن کا کوئی وقت معین ہے نہ ان کی حدیں مقرر کی گئی ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک تبلیغ رسالت سے متعلق یہ تمام امور اس ارشاد باری تعالی کے تحت آتے ہیں کہ اللہ کا رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو (۴۳)۔ یعنی رسول اللہ کے اقوال ہوں یا افعال ان میں حضورؐ کی اتباع کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ امت کے حق میں وجوب و

Marfat.com

ندب و تحریم و کراہت وغیرہ کے اعتبار سے ایسے تمام قوال و افعال کے درجات مختلف ہی ہوں گے۔

علوم النبی کی دوسری قسم تبلیغ رسالت کے امور سے متعلق نہیں۔ اس میں وہ امور داخل ہیں جو آپ نے عادتاً کئے نہ کہ بطور عبادت/اور اتفاقاً کئے نہ کہ قصداً۔

"ومنہ مافعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی سبیل العادۃ دون العبادۃ و بحسب الاتفاق دون القصد"(۴۴)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ایک انسان ہوں۔دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اسے لے لو اور جب میں اپنی رائے سے کسی دنیوی شے کے بارے میں کہوں تو میں ایک انسان ہوں۔

"انما انا بشر اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا بہ و اذا امرتکم بشئی من رائی فانما انا بشر(۴۵)"

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

"فانی انما ظننت ظناً ولا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیا فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ (۴۶)"

میں نے صرف گمان کیا تھا۔ تم ظن کے معاملے میں میری پیروی نہ کرو۔ البتہ جب میں کوئی بات اللہ کی طرف سے کہوں تو وہ لے لو۔ اس لئے کہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا۔

شاہ ولی اللہ نے اشارۃً ذکر کیا ہے کہ جزئی مصلحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھی اس لئے وہ امور جو آپ نے کسی مصلحت کی بناء پر کئے ان کا اتباع ضروری نہیں (۴۷)۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

"باستقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظم نظر دقیق در تفریق بیان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از ان غیر آن مصروف می ساخت لہذا احادیث شمائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد

بدو وجہ یکے انکہ اینہا از علم تکلیفیہ تشریعیہ نیست و یحتمل کہ شغل قوم بایں احادیث از شغل بشرائع مانع آید و دیگر انکہ جمعے کہ بشرف صحبت انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسیدہ بودند در زمان فاروق اعظم بسیار بودند احتیاج بتعلیم ایں اشیاء واقع نشد (۴۸)"

اس موقع پر شاہ ولی اللہ نے وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے انصار کی ایک جماعت کو روانگی کوفہ کے وقت تقلیل روایت حدیث کی وصیت فرمائی۔ شاہ ولی اللہ دارمیؒ کے حوالے ہی سے کہتے ہیں کہ یہ وصیت احادیث سنن و فرائض سے متعلق نہیں بلکہ احادیث ایام سے متعلق ہے۔ اس کے بعد اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"والاوجہ عندی ان معناہ الحدیث عن الشمائل والعادات مما لایتعلق بہ حکم شرعی او معناہ الحدیث علی سبیل الظن فیما لم یثبت فیہ ولم یحتھد فی لفظہ عند التحمل والاء (۴۹)

احکام شرعیہ کے اقسام

شاہ ولی اللہ نے جہاں یہ تصریح کر دی ہے کہ شمائل وعادات کے قبیل کے افعال کا کوئی شرعی حکم نہیں وہاں احکام شرعیہ کی پانچ قسمیں بھی گنوادی ہیں۔ یعنی وجوب 'ندب 'اباحت 'تحریم اور کراہت (۵۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال عادیہ سے موخر الذکر دو کے تعلق کا سوال تو در کنار تصور بھی محال ہے اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک تو وجوب اور ندب سے کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہوتا لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے افعال سے کیا ندب اور اباحت بھی متعلق نہیں ہوتے یعنی دوسروں کے حق میں نہ مندوب ہوں گے نہ مباح؟

شاہ ولی اللہ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم شرعی سے ان کی مراد اباحت قطعاً نہیں کیونکہ ان کی اباحت متفق الیہ مسئلہ ہے اور اس سے مراد یقیناً وجوب ہے۔ پھر ان کا عدم وجوب بھی متفق علیہ ہے۔ البتہ ندب کے بارے میں حتمی بات نہیں کہی جاسکتی۔ خود فرماتے ہیں:

"اما اتیانہ علیہ السلام الی مسجد قباء کل سبت فانما کان لملاقاۃ

Marfat.com

الانصار الذين كانو ایسکنون فیها' لانهم کانوا بعیدین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم' مایصلون کل یوم الیہ وجلوسہ علیہ السلام فی المسجد لتحصیل لقاء کل واحد واحد منہم و اتباع ابن عمر رضی عنہ فی ذلک لہ علیہ السلام لما شاع من الاتباع فی السنن الزوائد (۵۱)"

شاہ ولی اللہ نے قول اور فعل کے بعد تقریر کو علم حدیث میں شمار کیا ہے۔ علامہ شوکانی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا آپ کے عہد میں کسی نے کوئی بات کی اور آپ نے علم میں آنے کے باوجود انکار (۵۲) کی بجائے سکوت اختیار کیا تو یہ تقریر ہوگی اور (۵۳) اس کی صورتیں اور احکام بھی مختلف ہیں۔ مثلاً کسی کافر کے فعل پر تقریر اس فعل کے جواز کی دلیل نہیں (۵۴) اور اگر غیر کافر کے فعل پر ہے مگر پہلے سے اس کی تحریم معلوم نہ ہو تو یہ تقریر مطلقاً اس فعل کے جواز کی دلیل ہے اس کے حق میں نیز دوسروں کے حق میں (۵۵) اور جمہور کا مسلک یہی ہے۔

ارشاد الفحول میں ہے کہ اگر تقریر کسی عموم سابق کی مخص ہے تو صرف اسی کے حق میں جواز پیش کرے گی۔ جس کے فعل پر تقریر ثابت ہے اور تقریر کسی غیر کافر کے فعل پر اور پہلے سے اس فعل کی تحریم معلوم ہو تو یہ تحریم کی ناسخ یا مخص ہوگی۔ تقریر کے ساتھ آپ نے اس فعل پر اظہار خوشنودی فرمایا تو یہ بدرجہ اولیٰ اس فعل کے جواز کی دلیل ہے (۵۶)۔ شاہ ولی اللہ کافر اور مسلم دونوں کے افعال پر تقریر کا حکم بیان کرتے ہیں۔ شرح تراجم کے باب "سجود المسلمین مع المشرکین" میں انہوں نے امام بخاری کے استدلال پر جو اشکال وارد کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک کفار کے فعل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اس کے جواز کی دلیل نہیں (۵۷)۔ اور ایک مسئلہ پر کہ فرض روزہ میں نیت رات کے کس حصے میں کرنی چاہئے لکھتے ہیں:

"عادت مستمرۂ مردم است نوم عند اول جزو شب و نوم آخر شب و در اشتراط این چیزها حرج عظیم است و از صاحب شرع

نمے بان ظاہر شد' باوجود شدت حاجت و معلوم بودن کثرت وقوع آں پس ایں تقریر است از شارع بر آں عادت مستمرۃ (۵۸)۔

اس کی رو سے شاہ ولی اللہ کے نزدیک مسلمانوں کے فعل پر تقریر اس کے جواز کی دلیل ہے۔

ارادہ نبویؐ کے بارے میں اختلاف ہے کہ حدیث یا سنت کی قسم ہے کہ نہیں۔ امام شافعی اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کا ارادہ فرمایا لیکن اسے انجام نہ دے سکے تو اس فعل کو روبہ عمل لانا مستحب ہے۔ اس اعتبار سے ارادہ نبویؐ سنت کی ایک قسم ہے۔ علامہ شوکانی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ارادہ سنت کی قسم نہیں کیونکہ بسا اوقات مقصد ارادہ زجر بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

"لقد ہممت ان اخالف الی قوم لایشہدون الصلوٰۃ فاحرق علیھم بیوتھم (۵۹)"

شاہ ولی اللہ احراق بیوت والی حدیث کے تحت یہ واضح فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کا ارادہ دلیل تحریم نہیں۔ رقمطراز ہیں:

"چوں ایں حدیث بظاہر خود دلالت بر فرضیت جماعت دارد، علماء در توجیہ آں اختلاف کردہ اند می تواں گفت کہ کلمہ لقد ہممت..... الخ دلالت بر تحریم ترک جماعت نمی کند زیرا کہ آدمی قصد چیزہا می کند بجہت مصلحت بعد ازاں معارضے ظاہر می شود آں مصلحت را برھم می زند (۶۰)"

علم حدیث کی اب تک کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ بقول شوکانی تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے پہلے قول کا درجہ ہے پھر فعل کا اس کے بعد تقریر اور آخر میں ارادہ کا (۶۱)۔

مصالح اور شرائع میں فرق

شاہ ولی اللہ نے علم حدیث کی اہمیت کو مزید اجاگر کرنے کے لئے مصالح اور شرائع میں فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شارع نے ہمیں جو دو قسم کے علوم مستفید فرمائے وہ

Marfat.com

احکام و مراتب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممیز و ممتاز ہیں۔ ان میں سے ایک مصالح و مفاسد کا علم ہے، جس میں شارع نے نفس کی اصلاح و تہذیب کو بیان فرمایا اور تلقین کی ہے کہ دنیا اور آخرت میں فائدہ مند اخلاق کو حاصل اور ان کے متضاد اخلاق کو زائل کیا جائے۔

اس علم میں تدبیر خانہ داری، آداب معاشرت اور مدنی سیاست کا ذکر ہے۔ شاہ ولی اللہ کی رائے میں شارع نے اس سلسلے میں مقدار معین کیں نہ کسی مبہم ضابطے و قاعدے کی واضح حدود کا تعین کیا اور نہ ہی علوم و معروف علامات کے ذریعہ اس کی شکل و صورت نمایاں کی۔ فقط پسندیدہ امور کی ترغیب دی اور رذائل سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ نیز اپنے کلام کو اہل زبان کے فہم پر چھوڑ دیا۔ اس ضمن میں حصول و طلب اور احتراز و امتناع کا دارومدار فی نفسہ ان مصالح پر رکھا نہ کہ ان کے مواقع و احتمالات پر جو ان کے لئے مقرر ہیں اور نہ ان کی علامات پر جن سے کہ وہ پہچانے جاتے ہیں(۱۶۲) اس کے بعد شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ ہر وہ مصلحت جس کی شرع نے ہمیں ترغیب دی اور ہر وہ خرابی کہ جس سے اس نے ہمیں منع کیا ہے، اسے ان تین اصولوں میں سے کسی نہ کسی اصول کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں۔

اولاً = ان خصلتوں کے ذریعہ جو موت کے بعد معاد میں مفید ہیں، یا دنیوی زندگی میں جو نفع بخش ہیں، نفس کی اصلاح و تہذیب

ثانیاً = کلمہ حق بلند کرنا، شرائع الٰہی کو مستحکم بنانا اور ان کی نشر و اشاعت کے لئے جدوجہد کرنا۔

ثالثاً = لوگوں کے معاملات کی درستگی، ان کے ارتفاقات یعنی معاشرتی و تمدنی امور کی اصلاح کرنا۔(۱۶۴)

دوسرا علم شرائع، حدود اور فرائض کا ہے اور اس سے شاہ ولی اللہ کی مراد شریعت کی بیان کردہ معین مقداریں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شارع نے ان مقداروں کو مصالح کا مواقع احتمال اور انکی معلوم و معروف علامات بنایا، ان ہی پر حکم کا مدار رکھا اور لوگوں کو ان ہی کا مکلف بنایا۔ نیکی کی مختلف انواع، اس کے ارکان، شرائط اور آداب اپنی اپنی تعین کے ساتھ اس میں ملتے ہیں۔ ہر نوع کی حد مقرر ہے، جس کا پورا کرنا لوگوں پر لازم ہے۔ نیز شارع نے ایک حد ایسی مقرر کی جو بدرجہ واجب نہ تھی، بلکہ اس کی حیثیت مندوب و مستحب کی تھی۔ گویا ہر نیکی کے

Marfat.com

لئے ایک مخصوص عدد کا تعین کیا اور اسے لوگوں کے لئے واجب کر دیا۔ دوسرا عدد کہ متعین کیا، مستحب قرار دیا۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر اوقات چیزوں کا واجب یا حرام ہونا ملاء اعلیٰ میں لکھ دیا جاتا ہے اور وہاں ان کے ایجاب و تحریم کی صورتیں قائم ہو جاتی ہیں، لیکن یہ سب امور دائرہ عقل سے باہر رہتے ہیں، کیونکہ ہم تشریع احکام کے قوانین جاننے کے باوجود یہ علم نہیں رکھتے کہ وجوب و حرمت کی یہ صورتیں ملاء اعلیٰ میں لکھی گئیں یا خطیرہ القدس میں تحقیق پذیر ہوئیں۔ اس کا علم ہمیں نص شرعی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ نے نصاب زکوٰۃ کی مثال دی ہے کہ نقدی میں دو سو درہم اور غلے میں پانچ وسق اناج پر ایک معقول مقدار ہے اور یہ دونوں مقداریں لوگوں کے ہاں منضبط و مستعمل ہیں۔ نصاب کی کیفیت و کمیت کس سبب سے ہے، اس کی معرفت کا ذریعہ سوائے خبر کے اور کوئی نہیں[۶۵] اور خبر سے یہاں مراد احکام قرآنی اور فرمان نبوی، دونوں ہیں۔

حدیث، تشریع کا مستقل ماخذ

قرآن کے بعد سنت کو بالاتفاق پہلی صدی ہجری میں تشریع میں سرفہرست اہمیت دی جاتی تھی۔ دوسری صدی ہجری میں، عہد شافعی میں یا اس سے کچھ پہلے ایک طبقہ اس موقف کا حامی نہ تھا۔ اس کے بعض لوگ سرے سے تشریع میں سنت کی حجت کے قائل نہ تھے۔ کچھ اس سنت یا حدیث کو حجت مانتے تھے، جس کی تائید قرآن سے ہوتی ہو، بعض کو اخبار احاد کی قبولیت پر اعتراض تھا۔[۶۶] ان کے مقابلے میں ہر دور میں قابل اعتماد اہل علم نے سنت و حدیث کو تشریع کا ایک مستقل ماخذ تسلیم کیا۔ شاہ ولی اللہ بھی اس کے موئد ہیں کہ قرآن کے بعد سنت شریعت کا دوسرا ماخذ ہے۔ شریعت کے دلائل اربعہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"پس دلیل شرع یا کتاب است یا سنت یا آثار صحابہ و تابعین کہ اجماع و اختلاف علی قولین ازاں دانستہ شود یا قیاس۔"[۶۷]

ان کے نزدیک سنت کی دو حیثیتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ قرآن کا بیان ہے اور رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مبین ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

"وھو الصادق المصدوق فیما قال وھو المبین لکلام اللہ المتعال"(۶۸)

شاہ ولی اللہ کی رائے میں قرآن فہمی کے لئے حدیث و سنت کی طرف رجوع بہت ضروری ہے۔ لکھتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبین قران عظیم است ہر جا اشکالے بہم رسد بحدیث آنحضرت رجوع می باید کرد قال اللہ تعالی لتبین للناس مانزل الیھم"(۶۹)

سنت کی ایک اور حیثیت یہ ہے کہ وہ خود تشریع کا مستقل ماخذ ہے۔ شاہ ولی اللہ کے بقول تحریم و تحلیل جس طرح اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' اسی طرح منجانب رسولؐ ہوتی ہے۔ دین میں تحریک کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"ومنھا عدم تعمل الروایۃ عن صاحب الملۃ والعمل بہ وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم' الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القران' فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ' وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ"(۷۰)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک حدیث یا سنت چونکہ قرآن کا بیان اور خود بھی تشریع کا مستقل ماخذ ہے' اس لئے وہ تتبع احادیث کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد ایک طرف تو علم حدیث کی اہمیت واضح کرنا ہے اور دوسری طرف علم حدیث کی فضیلت۔

علم حدیث کی اہمیت و فضیلت

شاہ ولی اللہ کی تصریحات کے مطابق پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر واجب قرار دیتی ہے' یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و ارشادات کا تتبع کیا جائے' اس انداز و طریق میں کہ آپ نے احکام الٰہی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح ان پر عمل پیرا رہے۔ پھر ضروری ہے کہ قلب و جوارح سے ان اقوال و احوال کا اتباع کیا جائے' کیونکہ ہماری گفتگو اس شخص کے متعلق ہوتی ہے' جس نے یہ حقیقت تسلیم کر لی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے

Marfat.com

بندوں کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے اور اس نے تکلیف شرعی کی اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کا عزم صمیم کر لیا ہے۔

"اول چیزے کہ عقل آنرا برخودش واجب میگرد آنست کہ تتبع اخبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربیان احکام الہی و پیروی آن اخبار بدل و جوارح باید نمود، زیرا کہ کلام درشخصے است کہ تصدیق کردہ است بتکلیف اللہ تعالی عباد خود را باحکام وقصد خروج از عہدہ تکلیف مصمم ساختہ" (۷۱)

تتبع احادیث اس لئے بھی ضروری ہے کہ بقول شاہ ولی اللہ

"لا سبیل لنا الی معرفتہ الشرائع والاحکام الاخبرا النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۷۲)

شاہ ولی اللہ کی نظر میں حدیث کا یہ مقام اس لئے ہے کہ وہ جمہور اہل اسلام کی طرح سنت کو وحی کی ایک قسم مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک وحی کی جو دو قسمیں وحی متلو اور وحی غیر متلو ہیں، سنت کا تعلق موخر الذکر وحی غیر متلو یعنی وحی باطن سے ہے، فرماتے ہیں:

"مقرر درمیان اہل اسلام آنست کہ بعد وضوح طلب و منع از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محل توقف نماند واجب میشود امتثال بآن اعتقادا و عملاً زیرا کہ آں مسئلہ مستند است بوحی ظاہر یا باجتہادے کہ مقرر داشتہ شد وآں بوحی باطن است" (۷۳)

حدیث کا مقام و معیار جب شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ٹھہرے تو بلاشبہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ علم حدیث ایسی بزرگی و شرافت کا حامل ہے کہ کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، کیونکہ علم القرآن، عقائد اسلام، احکام شریعت اور اصول طریقت سب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر موقوف ہیں۔ چنانچہ تمام کشفی باتیں اور ساری عقلی چیزیں اس ترازو میں نہ تلیں اور اس کی کسوٹی پر نہ پرکھی جائیں، ناقابل اعتبار ہوں گی۔ جیسا کہ شاہ عبد العزیز نے شاہ ولی اللہ ہی کی تائید میں لکھا ہے۔

"علم حدیث شرافتے دارد کہ ہیچ علم بمشابہ آں نمیتو اندر سید زیرا کہ علم قران و عقائد اسلام و احکام شریعت و قواعد طریقت ہمہ موقوف بر بیان پیغمبر است علیہ الصلوۃ و السلام و کشفیات و عقلیات راتا بایں میزان نسخبذ و بریں معیار نزنند قابل اعتماد و محل اعتبار نمی تواند بود" (۷۴)

درجات علم حدیث

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح علم حدیث کے مختلف طبقات ہیں' اس طرح علم کے حاملین کے بھی مختلف درجات ہیں۔ اس علم کے چھلکوں میں مغزاور صدف ہیں' جن کے اندر موتی ہوتے ہیں۔ اس کے اکثر فنون کو علماء نے اپنی کتب میں نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے' جس سے اجنبی' مشکل اور نامانوس مطالب حل کر سکتے ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ ہر علم کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔ اس سے دل بستگی اور وابستگی کی وجہ سے نفس انسانی میں بری یا بھلی ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ شاہ عبد العزیز اس حوالے سے کہتے ہیں کہ علم حدیث سے وابستگی اور مزاولت انسان میں صحابیت کی شان پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ صحابیت کے معنی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احوال سے واقفیت اور ہر عبادت و ہر عادت میں آپ کے اوضاع و اطوار کا مشاہدہ کرنے کے ہیں۔

"واگر بہ نظر تامل و امعان دیدہ شود ہر علم راخاصیتی است کہ نفس انسانی بمزاولت آں علم کیفیتی از کیفیات نیک یابد بہم می رساند و مزاولت ایں علم شخصی راہ معنی صحابیت می بخشد زیرا کہ در حقیقت معنی صحابیت اطلاع بر جزئیات احوال رسول است و مشاہدہ اوضاع آنجناب در عبادات و در عادات" (۷۵)

اور بلا مبالغہ یہ علم مانند صراف (۷۶) ہے کہ تمام علوم کے زرو جواہر کو پرکھتا ہے۔ تفسیروں کے طریقے اور وجوہ' احکام شریعت کے دلائل' عقائد اسلام کے ماخذ اور سلوک الی اللہ کے جو طریقے اس صراف کی پرکھ میں کھرے نکلتے ہیں' وہی رواج پذیری کے لائق ہوتے ہیں اور

Marfat.com

کھوٹے ثابت ہوتے ہوں تو پھینکنے کے لائق۔ لہٰذا علم شریعت (حدیث) کا حکم ہی تمام علوم دینیہ پر چلتا ہے اور جناب رسالتؐ پناہ کی اتباع اسی علم کی بدولت نصیب ہوتی ہے' جو حیات جاودانی کی دلیل راہ اور دونوں جہانوں کا سرمایہ سعادت ہے۔

"ایں علم بمنزلہ صرّاف کامل المعیار برآمد قابل ترویج و داد ستد و تواند شد وانچہ ناسرہ شد مردود و مطرود' پس حکم ایں نافذ است برجمیع علوم دینیہ و اتباع جناب رسالتؐ پناہ کہ سرمایہ دو جہانی و پیرایہ حیات جاودانی است وابستہ بایں علم است"(۷۷)

شاہ ولی اللہ کے بقول علم حدیث کا سب سے اوپر کا چھلکا معرفت حدیث کا فن ہے' جس کے ذریعہ احادیث کی صحت وعدم صحت ضعف' سقم اور شہرت و غرابت کا پتا لگایا جاتا ہے ۔ اس فن میں متقدمین میں سے بڑے بڑے محدثین اور حفاظ حدیث نے تصانیف چھوڑیں۔ پھر غریب اور مشکل احادیث کے معانی معلوم کرنے کا درجہ ہے اور اس کا اہتمام آئمہ فنون ادب اور عربی زبان کے علمائے ماہرین نے کیا۔ بعد ازاں احادیث کے فن' معانی شرعیہ اور ان فروعی احکام کے استنباط کرنے' عبارت النص و صراحتہ النص سے قیاس کرنے کے اور ان کے ایماء وا شارات سے استدلال کرنے' نیز منسوخ و محکم اور مرجوع و یقینی حدیث کی معرفت کا درجہ ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عام علماء کے نزدیک یہ فن بمنزلہ مغز اور موتی کے ہے' جس پر بالخصوص فقہائے محققین نے بحث کی ہے۔

"وہذا بمنزلہ اللب والدر عند عامتہ العلماء و تصدی لہ المحققون من الفقہاء"(۷۸)

الکتانی کہتے ہیں کہ عالم دین نہ ہوتے تو دین حق باطل سے مل جاتا اور سرکشی کرنے والوں کے کھیل کا نشانہ بن کر رہ جاتا۔ سو اہل علم ہی اس امت میں عادل اور صاحب دیانت ہیں۔ مشہور ہے کہ محدثین کی عمریں طویل ہوتی ہیں اور نبی کی دعا کی بدولت انکے چہرے تروتازہ رہتے ہیں اور مشائخ سے یہ بھی سنا ہے ہے کہ اس دعا کی وجہ سے ان کا رزق وسیع ہوجاتا ہے۔

اهل الحدیث طویلتہ اعمارہم   و وجوههم بدعا النبی منضره

Marfat.com

وسمعت من بعض المشائخ انھم ارزاقھم ایضاً بہ متکثرہ (۷۹)

شاہ عبد العزیزؒ نے ایک شعر میں یوں اشارہ فرمایا ہے۔

اہل الحدیث ہموا اہل النبی و ان لم یصحبوا نفسہ انفاسہ صحبوا (۸۰)

اہل الحدیث ہی اہل النبی ہیں اور انہیں گو رسالت مآبؐ کی صحبت حاصل نہیں، مگر آپ کے انفاس قدسیہ کے ساتھ شرف صحبت تو رکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ علم حدیث کے تمام درجات اپنی جگہ ہیں، لیکن میرے نزدیک فنون حدیث میں سب سے دقیق، اپنی اصل میں عمیق ترین، اپنی ضیاء باری میں نہایت بلند، علوم شرعیہ میں سب سے ضروری اور اپنی قدد منزلت میں افضل ترین علم اسرار دین ہے، جو شرعی احکام کے اسرار، ان کی علتوں اور اعمال کے خواص کے رموز و نکات سے بحث کرتا ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ بخدا یہ وہ علم ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے قیمتی اوقات اس میں صرف کرے اور فرض عبادات کے بعد اپنی آخرت کے لئے اس کو زاد راہ بنائے۔ اس سے انسان کو شریعت میں بصیرت کاملہ حاصل ہوتی ہے اور احادیث و اخبار سے اہل کا تعلق ایسا ہو جاتا ہے، جیسے عروض جاننے والے کا اشعار کے دواوین سے، منطقی کا حکماء کی براہین و دلایل سے، نحوی کا فقہائے عرب کے کلام سے اور اصول فقہ جاننے والے کا فقہاء کی تفریعات سے۔

"ہذا و ان ادق الفنون الحدیثیتہ باسرھا عندی و اعمقھا محتدی و ارفعھا منارا و اولی العلوم الشرعیتہ عن اخرھا فیما اری و اعلاھا منزلتہ و اعظمھا مقداراھو علم اسرار الدین الباحث عن حکم الاحکام ولمیاتھا و اسرار خواص الاعمال و نکاتھا فھو واللہ احق العلوم بان یعرف فیہ من اطاقہ نفائس الاوقات ویتخذہ عدۃ لمعادہ بعد ما فرض علیہ من الطاعات اذبہ یصیر الانسان علی بصیرہ فیما جاء بہ الشرع وتکون نسبتہ بتلک الاخبار کنسبۃ صاحب العروض بدو اوین الاشعار او صاحب المنطق براہین الحکماء او صاحب النحو بکلام العرب العرباء او صاحب اصول الفقہ بتفاریع الفقہاء" (۸۱)

روایت باللفظ

متواتر اور غیر متواتر اصناف حدیث

علم حدیث میں روایت و درایت کے اعتبار سے جملہ علوم حدیث کے علاوہ حدیث کی حجیت و ضرورت اور حدیث پر کئے گئے اعتراضات کے رد پر مشتمل مباحث' نیز صحاح' سنن' مسانید' مختصرات اور اربعین پر لکھی گئی شروح اور اسی طرح قدماء کی کتب الاطراف اور عصر حاضر میں مرتب کی جانے والی معاجم و فہارس اور دیگر متفرق مباحث مثلاً قرآن حدیث کا ربط اور فقہ و حدیث میں باہمی تعلق وغیرہ شامل ہیں۔ گویا وہ تمام کوششیں جو حدیث کو سمجھنے اور اس کا مقام متعیّن کرنے' حدیث کی تاریخ' متن و اسناد کو پرکھنے کے اصول و طریقے' ناسخ الحدیث' غریب الحدیث' اختلاف الحدیث' مصطلحات حدیث وغیرہ اور مجموعہ احادیث کو مرتب و مدون کرنے کے اصول متعین کرنے' احادیث کی تعلیم و تعلم اور حدیث کی ارتقائی سرگزشت اور نقد و جرح کے قواعد و ضوابط جاننے یا حدیث کے خلاف کئے گئے اعتراضات کے جوابات دینے کے سلسلے میں کی گئیں' علم حدیث میں شمار ہوتی ہیں۔ مختصر طور پر علم حدیث کی دو شاخیں گنوائی جاتی ہیں۔ علم روایت اور علم درایت۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک احادیث نبویؐ کی روایت کی دو صورتیں ہیں۔ اول۔۔ روایت باللفظ اور دوم۔۔ روایت بالمعنی۔ روایت باللفظ کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ نے حدیث کے سات اقسام کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> **" اخبار اہل ملل از ائمہ خود دو قسم می باشند' نقل لفظ صاحب ملت' وآں چند قسم می باشد' متواتر و مستفیض' مشہور و خبر صحیح و حسن و غریب و ضعیف عقل حصر می کند اخبار لفظی۔**

رادر ابی اقسام"(۱)

"تواتر" کے معنی ہیں۔ اشیاء کا ایک دوسرے کے بعد' وقفہ کے ساتھ آتے رہنا۔ جب کہ اصولیین کی اصطلاح کے مطابق خبر متواتر کی تعریف میں کہا جاتا ہے:

"ھو الخبر الذی رواہ قوم لا یحصی عددہم ولا یتوہم تواطئہم علی الکذب"(۲)

امام بزدوی نے ان الفاظ کے ساتھ "تباین اماکن" کی شرط بھی عائد کی ہے' لیکن عبدالعزیز بخاری کی تصریح کے مطابق مصنف نے یہ شرط اسلئے عائد نہیں کی کہ ان کے نزدیک خبر متواتر سے ثبوت علم ان شرائط پر موقوف ہے' بلکہ اس لئے کہ ان کے ہوتے ہوئے احتمال بالکل ختم ہو جاتا ہے(۳) بقول آمدی یقین جلد حاصل ہو سکتا ہے(۵) شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

"معنی تواتر آنست کہ جماعہ عظیمہ کہ تواطو ایشان' عادۃً' بر کذب ممتنع باشد' بحس ادراک کردہ باشند چیزے را و خبر دہند از ادراک خویش"(۶)

شاہ ولی اللہ کی اس تعریف میں "بحس ادراک کردہ باشند" کے الفاظ کا اضافہ اس امر کا غماز ہے کہ وہ خبر متواتر کو علم حس یعنی مشاہدہ یا سماع سے مستند مانتے ہیں اور اس کے لئے فقط عقلی دلیل کو کافی نہیں سمجھتے۔ ان کا بیان ہے کہ متواتر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متواتر وہ ہے جس کے الفاظ بھی متواتر ہوں' جیسے کہ قرآن عظیم اور تھوڑی سی حدیثیں' ان ہی میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔" انکم سترون ربکم کما ترون ہذا القمر(۷) مزید فرماتے ہیں کہ متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے معنی متواتر ہوں۔ مثلاً طہارت' نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج' خرید و فروخت' نکاح اور غزوات وغیرہ کے متعدد احکام جن کے بارے میں فرقہ ہائے اسلام میں سے کسی فرقے نے اختلاف نہیں کیا۔

"--- ومنہ المتواتر معنی ککثیر من احکام الطہارۃ والصلوۃ والزکاۃ والصوم والحج والبیوع والنکاح والغزوات مما لم یختلف فیہ فرقۃ من فرق الاسلام"(۸)

شاہ ولی اللہ نے متواتر احادیث کی تعداد کا تعین کیا ہے نہ کہیں ان کی صراحت کی ہے۔

Marfat.com

صرف اتنا اشارہ کیا ہے کہ متواتر احادیث کی تعداد بہت کم ہے۔ خود انہوں نے جن احادیث کے متواتر ہونے کی تصریح کردی ہے، ان میں سے ایک تو وہی "انکم سترون ربکم۔۔" ہے۔ دوسری "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم (۹)" اور تیسری "ستکون فتنتہ القاعد فیھا خیر من القائم"(۱۰) ہے۔

خبر متواتر کے رواۃ کی تعداد کے تعین میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ سترہ سو بتاتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ان میں پانچ سات، دس، بارہ، بیس، چالیس، پچاس، ستر، تین سو اور پندرہ سو تک کی گنجائش موجود ہے۔ آمدی کے بقول اقل کی تعداد بھی متعین نہیں (۱۱) لیکن شوکانی کے خیال میں اتنی ضرور ہے کہ علم ضروری حاصل ہو جائے (۱۲) شاہ ولی اللہ بھی تعداد رواۃ کو تواتر کے لئے میزان تسلیم نہیں کرتے، لیکن اس سے حاصل شدہ یقین ان کے نزدیک میزان ہے:

پس میزان التواتر عدد الرواۃ ولد حاصم

ولکن الیقین الذی فی قلوب الناس (۱۳)

شاہ ولی اللہ کی رائے کے برعکس بعض کا کہنا ہے کہ خبر متواتر سے علم یقین کا حصول ممکن نہیں، بلکہ علم طمانیت حاصل ہوتا ہے (۱۴) ملا جیون کے نزدیک علم طمانیت معتزلہ کا مذہب ہے (۱۵) اور جمہور کی رائے شاہ ولی اللہ کے حق ہی میں ملتی ہے کہ خبر متواتر سے علم یقین حاصل ہوتا ہے (۱۶) شاہ ولی اللہ تو جمہور کی خبر متواتر کو مفید یقین مانتے ہیں اور ایک اور جگہ "اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر" پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خبر متواتر بالمعنی ہو، مفید قطع و یقین ہے۔

"چوں ہمہ این طریق جمع کنیم متواتر باشد بالمعنی و دال باشد بالقطع" (۱۷)

خبر متواتر سے مستفاد علم نظری ہے یا ضروری؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ شوکانی کے بیان کے مطابق جو لوگ علم نظری کے قائل ہیں، انکی یہ شرط ہے کہ سامع یا سامعین کو تواتر کا پہلے سے علم ہونا چاہئے (۱۸) چنانچہ علم نظری کے نظریہ کے حامی کعبی، ابو

الحسین بصری اور دقاق وغیرہ ہیں (۱۹) امام رازی کا بھی یہی خیال ہے (۲۰) معتزلہ میں سے بلخی اس کے حق میں ہیں (۲۱) امام غزالی کا موقف یہ ہے کہ خبر متواتر سے مستفاد علم ضروری ہے نہ نظری، بلکہ ان قضایا کے قبیل سے ہوتا ہے، جن کے قیاسیات ان کے ساتھ ہوں (۲۲) لیکن شاہ ولی اللہ کا نظریہ یہ ہے کہ تواتر سے حاصل ہونے والا علم ضروری ہے، کیونکہ ضروریات دین ان امور کو کہتے ہیں جن کا دین سے ہونا ضرورتاً اور بداہتاً معلوم ہو۔

" مترجم گوید احادیث و آثار متظاہر اند کہ حق تعالی با وصف تعالی از زمان و زمانیات تخصیص فرمودہ است بعضے از منہ رابعضے و قائع و ایں قدر از ضروریات دیں است کہ بتواتر ثابت شدہ " (۲۳)

شاہ ولی اللہ نے گویا اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کا ساتھ دیا ہے۔ جمہور فقہاء کے علاوہ اشاعرہ اور معتزلہ میں سے جمہور متکلمین کے نزدیک خبر متواتر سے حاصل علم ضروری ہے اور احناف و شوافع کا صحیح مذہب بھی یہی ہے۔ (۲۴)

مستفیض

متواتر کے بعد شاہ ولی اللہ نے غیر متواتر احادیث کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کے کئی درجے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ مستفیض کا ہے۔ ابن ہمام اس کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

" المستفیض ما رواہ ثلاثتہ من الصحابتہ فصاعدا او مازاد علیہا " (۲۵)

محدثین کی اکثریت نے مستفیض کی اسی تعریف کو اپنایا ہے اور شوافع نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مستفیض وہ ہے جس کو تین یا تین سے زیادہ صحابہ روایت کریں اور پانچویں طبقے تک اس کے راویوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔

" المستفیض ---- وھو مارواہ ثلاثتہ من الصحابہ فصاعدا ثم لم یزل یزید الروایتہ الی الطبقہ الخامستہ " (۲۶)

شاہ ولی اللہ مزید لکھتے ہیں۔

" بعض احادیث مستفیض اند کہ از حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کس از اصحاب آنرا روایت کردہ است و از ہر صحابی طریقے

مشتجر برامده است و روز بروز سبز اید شده' واین مرتبہ اعلی مراتب مراتب حدیث مطلقا"(۲۷)

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث بھی مستفیض ہے 'جو متعدد طرق سے ثابت ہو اور اس وجہ سے اس میں کوئی قابل لحاظ شبہ نہ رہا ہو۔ نیز مختلف بلاد و امصار کے جمہور فقہاء نے اس پر عمل کرنے میں اتفاق کیا ہو۔ بالخصوص علمائے حرمین نے 'کیونکہ قرون اولیٰ میں خلفائے راشدین کے محل و مقام حرمین ہی تھے۔ پھر ہر دور میں علماء نسلاً بعد نسل ان ہی دو شہروں کا رخ کرتے رہے۔ ان حالات میں یہ بعید از قیاس ہے کہ علمائے حرمین ان احادیث کے راویوں سے اگر کوئی غلطی ہوئی ہوتی تو وہ اسے تسلیم کر لیتے۔(۲۸)

حجتہ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ نے تلقی کی دو قسمیں گنوائی ہیں۔ اس میں سے پہلی تلقی ظاہر کو وہ درجہ بہ درجہ متواتر' مستفیض' صحیح اور حسن میں تقسیم کرتے ہیں اور ان کے بعد وہ احادیث جنہیں بعض نے قبول کیا اور بعض نے رد۔ چنانچہ "باب طبقات کتب حدیث" میں ان ہی اقسام کو بیان کیا ہے۔ متواتر اور احاد کے درمیان وہ صرف مستفیض کا ذکر کرتے ہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر متواتر احادیث میں انہوں نے فی الحقیقت سب سے اعلیٰ درجہ پر حدیث کی اسی قسم کو شمار کیا ہے۔ لیکن بعض مقامات پر انکی طرف سے مستفیض و مشہور کا ایک ہی قسم کے تحت اندراج بحث و تحقیق کا نیا دروازہ کھول دیتا ہے۔

مشہور

حدیث "مشہور" کی عام تعریف تو "ما تلقتہ الامۃ بالقبول(۲۹)" کے الفاظ میں کی جاتی ہے' مگر امام بزدوی کا بیان ہے۔

"المشہور ما کان الاحاد فی الاصل ثم انتشر فصار ینقلہ قوم لا یتوہم تو اطئہم علی الکذب وہم القرن الثانی بعد الصحابۃ رضی اللہ عنہم و من بعدہم"

آمدی کے بقول یہی وجہ ہے کہ خبر مشہور ہی کو مستفیض کہہ دیا جاتا ہے۔ شاید یہی اشکال شاہ ولی اللہ کے ہاں بھی وارد ہے۔ حجتہ اللہ البالغہ میں تلقی ظاہر کے بیان میں جہاں

Marfat.com

انہوں نے خبر مشہور کا ذکر نہیں کیا' وہاں مکتوبات میں مستفیض و مشہور کو ایک ہی قسم کے تحت درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

"پس آنچہ از ملت متواتر یا مستفیض و مشہور باشد (۳۲)"

لیکن بعد میں اقسام حدیث میں اس ابہام کو خود روایت باللفظ کی سات قسمیں گنواتے ہوئے دور کر دیتے ہیں۔ یوں مستفیض اور مشہور ان کے نزدیک حدیث کی الگ الگ قسم قرار پاتی ہیں۔ مستفیض کا ذکر مکمل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"بعد ازاں حدیث مشہور کہ از حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم یک صحابی یا دو صحابی روایت کردہ' باز ازیں عزیز در طبقہ کبار تابعین یا صغار تابعین یا کبار تبع تابعین طرق متعددہ پیدا شد مانند حدیث "انما الاعمال بالنیات" (۳۳)

احناف تمام تر "متواتر الفرع احاد الاصل" کو خبر مشہور کہتے ہیں اور بقول ابن ہمام مشہور و مستفیض میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے (۳۴) یعنی جسے تین یا تین سے زائد نے روایت کیا اور وہ قرن اول کی بجائے قرن ثانی یا قرن ثالث میں تواتر کو پہنچی ہو' مشہور ہو گی اور مستفیض بھی۔ اور اگر قرون ثانی و ثالث میں تواتر کو نہ پہنچی ہو تو صرف مستفیض ہو گی۔ جسے ایک یا دو نے روایت کیا اور وہ قرن ثانی یا قرن ثالث میں تواتر کو پہنچ گئی' مشہور ہو گی' مستفیض نہیں۔ (۳۵)

شاہ ولی اللہ نے کلمات طیبات میں مستفیض اور مشہور کی الگ الگ جو تعریف بیان کی ہے' اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ دونوں کو حدیث کی جداگانہ اقسام مانتے ہیں۔ متواتر کے بعد وہ مستفیض کے درجہ کو مطلقاً بلند اور پھر مستفیض کو مشہور سے بلند درجہ پر فائز کرتے ہیں۔ مستفیض کا درجہ تو وہ اس حد تک بڑھا دیتے ہیں کہ اسے متواتر یا ملحق بالتواتر قرار دیتے ہیں۔

"فکانت الاحادیث المستفیضہ من ہذا الوجہ متواتر او ملحقا بالتواتر" (۳۶)

احناف میں جصاص نے مشہور کو متواتر کی قسم مانا ہے اور شاہ ولی نے مستفیض کے

Marfat.com

لئے وہی صورت اختیار کی ہے جو احناف نے علی اختلاف الاقوال مشہور کے لئے اپنائی ہے۔ احناف کے نزدیک خبر مشہور سے علم طمانیت حاصل ہوتا ہے اور یہ علم نظری ہے[۴۷] یہ قاضی ابو زید ' شمخین یعنی بزدوی و سرخسی اور عام متاخرین احناف کا بیان ہے۔ جصاص کی رائے ان کے بر عکس ہے۔وہ کہتے ہیں کہ مشہور سے علم یقین حاصل ہوتا ہے گو وہ استدلالی اور نظری ہوتا ہے ' کیونکہ ان کے خیال میں خبر مشہور ' خبر متواتر کی ایک قسم ہے ' جب کہ عیسیٰ بن ابان کا کہنا ہے کہ مشہور متواتر کی قسم نہیں بلکہ اس کی قسیم ہے اور خبر مشہور کا مفید علم طمانیت ہونا ابن ابان کے مذہب سے عام احناف نے اختیار کیا ہے[۴۸] شاہ ولی اللہ کے نزدیک مستفیض سے حاصل شدہ علم کا مرتبہ ' مشہور سے حاصل شدہ علم کے مقابلے میں بلند ہے۔ اس اعتبار سے مشہور کا مرتبہ علم کم ہے۔ اس کی تشریح انہوں نے حجتہ اللہ البالغہ میں بھی کردی ہے۔

صحیح

شاہ ولی اللہ کے نزدیک متواتر اور مستفیض و مشہور کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے ' جو صحیح ہے۔ صحیح عام طور پر اس بے عیب حدیث کے لئے مخصوص ہے ' جس کے اسناد متصل ہوں اور اسے عادل و ضابط راوی نقل کریں ' اس میں کوئی علت نہ رہے اور وہ جمہور محدثین کے خلاف نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حدیث حسن کے بعض طرق میں تمام راوی ثقہ ہوں ' ان میں نکرہ اور شذوذ کے بغیر اتصال ہو اور وہ حدیث ان علماء سے مروی ہو ' جو عدالت اور ضبط کے ساتھ معروف ہیں تو وہ صحیح ہوگی[۴۹]۔ حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے۔

" ---- ثم ماصح او حسن سندہ و شہد بہ علماء الحدیث و لم یکن قولا متروکا لم یذہب الیہ احو من الائمہ "[۵۰]

صحیح کے لئے جہاں یہ شرط ہے کہ اس کے تمام راوی عادل اور کامل الضبط ہوں ' وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اس کی سند متصل ہو۔ شاذ اور معلل نہ ہو اور اسکی دو قسمیں ہیں۔ صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ

Marfat.com

حسن

وہ حدیث جس کے راویوں میں ضبط ناقص ہو، مگر بقیہ تمام شرائط صحیح اس میں موجود ہوں، حسن کہلائے گی۔ زیادہ صراحت سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی حدیث کے راوی صدق و امانت میں مشہور ہوں، ان پر کبھی روایت حدیث میں کذب کا اتہام نہ لگا ہو لیکن وہ حدیث صحیح کے رجال کے درجہ اتقان و حفظ تک نہ پہنچے ہوں، حسن میں شمار ہو گی۔

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ صحابہ تابعین یا کبار تبع تابعین سے اس شخص تک جو اس حدیث کا مخرج ہے، اس کے متعدد طرق ہوں، اور تمام طرق باہم متماسک اور ایک دوسرے کے شاہد ہوں تو اسے حسن کہیں گے (۱۴۱) کلمات طیبات میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ جو حدیث ثقات کی مرسل اور ان اہل علم کی روایت ہو، جو ضبط کی حد کو نہ پہنچے ہوں، لیکن اس کے طرق باہم متماسک ہوں اور ایک دوسرے کے شاہد ہو سکتے ہوں، اسے مطلق حسن کہیں گے۔ (۱۴۲)

غریب

صحابی، تابعی اور تبع تابعی راویوں میں سے سند میں کہیں نہ کہیں کوئی ایک راوی رہ جائے، تو ایسی حدیث غریب کہلائے گی۔ شاہ ولی اللہ کی تصریح کے مطابق اگر کسی حدیث کے متعدد طرق نہ ہوں، صرف ایک طرق ہو تو اسے مطلق کہیں گے۔ (۱۴۳)

ضعیف

شرائط صحت و حسن میں سے کسی شرط کے معدوم ہونے کا نام ضعیف ہے۔ بعض کے نزدیک ہر وہ حدیث ضعیف یعنی کمزور سمجھی جائے گی جس میں صحیح حدیث کی صفات موجود ہوں نہ حسن کی، بلکہ اس کے متعلق شک و شبہ کی گنجائش نکلتی ہو۔ مثلاً اسکے مضمون کی بنا پر یا اس کے ایک یا ایک سے زائد راوی کے غیر معتبر یا بد عقیدہ متصور ہونے کی وجہ سے۔

شاہ ولی اللہ نے یہ تمام تصریحات امام ترمذی کی اصطلاحات کے مطابق بیان کی ہیں اور

خود انکی صراحت بھی کر دی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتداء میں ان اصطلاحی ناموں کی تعبیر متفق علیہ نہ تھی اور متاخریں کی تصانیف میں بھی ان سب تعریفوں کے بارے میں مکمل اتفاق رائے کی تلاش محال ہے۔ حدیث کے مختلف اصناف پر علم الروایہ کے اصولوں کی تمہیدی کتابوں میں ایسے مباحث موجود ہیں اور روایت کی اصول بندی کے تحت حدیث کی جو اقسام مقرر کی گئی ہیں، ان میں صحیح، حسن، ضعیف، مسند، متصل، مرفوع، موقوف، مقطوع، مرسل، منقطع، معضل وغیرہ قابل ذکر ہیں، لیکن شاہ ولی اللہ نے جو مذکورہ اصناف حدیث ممیز کی ہیں، وہ باعتبار طرق یعنی راویوں کے مختلف سلسلوں کے لحاظ سے ہیں۔

اخبار احاد میں صحیح، حسن اور وہ ضعیف احادیث جن میں قابل تحمل ضعف ہو اور جن سے فی الجملہ استدلال بعید نہیں، انکی تعداد شاہ ولی اللہ کے نزدیک تقریباً دس ہزار پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ استدلال تب ہے کہ تکرار اور تعدد طرق کا اعتبار نہ کیا جائے۔ ورنہ انکی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔(۴۴)

بنیادی طور پر شاہ ولی اللہ نے اصناف حدیث کو دو بڑے عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ اول ـــ متواتر اور دوم غیر متواتر۔ غیر متواتر میں وہ سب سے بلند درجہ مستفیض کو دیتے ہیں اور پھر مشہور کو، یہ بھی فرماتے ہیں کہ مستفیض کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے، جس کی صحت یا حسن کا فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے کیا گیا ہو۔ پھر ایسی احادیث کا مرتبہ بیان کیا ہے، جن میں محدثین نے کلام کیا۔ بعض نے انہیں قبول اور بعض نے قبول نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ کا قول ہے کہ ان میں سے جو حدیثیں شواہد یا اکثر اہل علم کے لئے اقوال یا عقل صریح سے موئد ہوں وہ بھی واجب العمل ہیں۔

"ـــ فما اعتضد منها بالشواہد او قول اکثر اہل العلم او العقل الصریح وجب اتباعہ"(۴۵)

Marfat.com

روایت بالمعنیٰ

روایت باللفظ کے بعد احادیث نبوی کی دوسری صورت روایت بالمعنی ہے' جس کا تعلق علم حدیث کی ثانی الذکر شاخ علم درایت سے ہے۔ اس کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' حسن بصری اور اکثر ائمہ کے نزدیک ناقل جب تک الفاظ کے دلالت اور ان مواقع کے اختلافات کا ادراک نہ رکھتا ہو' اس کے لئے روایت بالعنی حرام ہے اور بالفرض جانتا ہو' تب بھی روایت باللفظ اولی ہے۔(۱)

علامہ شوکانی کی تحقیق ہے کہ الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں تو روایت بالمعنی بھی ناجائز نہیں اور اگر امکان ہے تو روایت بالمعنی ناجائز ہے مزید فرماتے ہیں کہ بعض اصحاب شافعیہ کا مسلک ہے اور طبری نے اسی کو اپنایا ہے(۲) ارشاد الفحول کی تصریح کے مطابق امر و نہی میں روایت بالمعنی جائز اور اخبار میں جائز نہیں۔(۳)

احناف روایت باللفظ کو جہاں عزیمت کہتے ہیں' وہاں روایت بالمعنی کو رخصت' لیکن رخصت اسقاط نہیں جیسے سفر میں قصر' بلکہ رخصت تیسیر کہ عزیمت اپنی جگہ پر رہے۔ اس کے بعد وہ روایت بالمعنی کے لئے سنت کی پانچ اقسام بیان کرتے ہیں۔ محکم' جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو' ظاہر کہ اس میں احتمال تاویل ہو' مشکل و مشترک' مجمل و متشابہ اور جوامع کلم' اول الذکر میں مشروط طور پر کہ راوی یا ناقل وجوہ لغت میں بصیرت کا حامل ہو' روایت بالمعنی اسی صورت میں جائز سمجھتے ہیں۔ دوسری صورت میں ان کے نزدیک روایت بالمعنی اسی صورت میں جائز ہے کہ راوی فقیہ اور مجتہد ہو۔ باقی تینوں اقسام میں وہ

Marfat.com

کہتے ہیں کہ روایت بالمعنی جائز نہیں (۴) شاہ ولی اللہ کے خیال میں روایت بالمعنی نہ صرف جائز ہے بلکہ وہ احادیث کے بیشتر سرمایہ میں روایت بالمعنی کے دخل کو باقاعدہ مانتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کے اختلاف کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

"اعلم ان اختلاف الصحابہ فی حکایتھم لہ صنوف، الاول الاختلاف الروایہ بالمعنی وہو الاکثر" (۵)

روایت بالمعنی کے مفہوم کو سمجھنے اور شاہ ولی اللہ کے فکر پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان متعلقات حدیث پر غور کر لیا جائے، جنہیں روایت بالمعنی کے لئے جواز و عدم جواز بنایا گیا ہے۔ یعنی الفاظ، محکم و متشابہ، تاویل، دلالت اور امر و نہی وغیرہ۔

لفظ کی تقسیم

ظہور معنی اور خفاء معنی ہر دو اعتبار سے احناف لفظ کی چار، قسمیں بتاتے ہیں۔ "ظاہر، نص، مفسر اور محکم (۶) ظہور معنی کی رو سے اور خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ (۷) خفاء معنی کے لحاظ سے۔ لفظ کی مراد اگر نفس صیغہ سے واضح ہو تو اسے ظاہر، وضاحت بایں طور ہو کہ کلام کے اسی کے لئے وارد ہونے کا یقین سا ہونے لگے تو نص، مزید صراحت ہو کہ تاویل تخصیص کا احتمال جاتا رہے تو مفسر اور مکمل ترین وضاحت کہ نسخ کے احتمال کو بھی ختم کر دے، تو اسے محکم کہیں گے۔ (۸)

خفاء معنی کے اعتبار سے اقسام لفظ کی تشریح بھی مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔ خفی کی تعریف یہ ہے کہ لفظ میں خفاء کسی عارض کی وجہ سے ہو۔ خفاء کا سبب نفس صیغہ ہے اور اہل خرد کے نزدیک اس کا ادراک ممکن ہو، تو اسے مشکل، بصورت دیگر، فہم بذریعہ نقل کا امکان غالب رہے تو اسے مجمل اور اگر عقل اور نقل دونوں کے ذریعے سمجھ میں نہ آئے، تو اسے متشابہ کہتے ہیں۔ (۹)

معنی کے ظہور و خفاء کے اعتبار سے یہ تقسیمات شوافع کے ہاں نہیں ملتیں، وہ صرف محکم و متشابہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ جس کے معنی واضح ہوں، وہ ان کے نزدیک محکم اور جس کے معنی میں ابہام ہو، متشابہ ہے۔ (۱۰)

Marfat.com

محکم و متشابہ

کتب اصول میں محکم و متشابہ کی مختلف تعریفات ملتی ہیں۔ ان کے مطابق محکم وہ ہے جس کی ظاہراً یا تاویلاً مراد معلوم ہو اور متشابہ کہ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ واضح محکم ہے اور غیر واضح متشابہ۔ زرقانی کے بقول دلالت اس قدر واضح ہو کہ احتمال نسخ نہ رہے تو وہ محکم ہے اور اگر معنی اتنے مخفی ہوں کہ عقلاً اور نقلاً ھا معلوم نہ ہو سکیں تو وہ متشابہ ہے[۱۱] جصاص کے نزدیک جس کی تاویل میں ایک کے سوا کسی مزید احتمال کی گنجائش ہو تو محکم اور متعدد وجوہ کا احتمال ہو تو متشابہ ہے[۱۲] اسی قول کو سیوطی نے بھی نقل کیا ہے، لیکن یہ تصریح کر دی ہے کہ معنی معقول ہوں تو محکم، ورنہ متشابہ[۱۳] الاتقان میں اس سلسلے میں فرائض، وعد اور وعید کو محکم اور قصص و امثال کو متشابہ قرار دیا گیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ محکم بالعموم عمل سے اور متشابہ صرف ایمان سے متعلق ہے۔ گویا ناسخ محکم ہے اور منسوخ متشابہ۔[۱۴]

شاہ ولی اللہ محکم و متشابہ کی تعریف میں جصاص اور علامہ سیوطی کے ہمنوا ہیں۔ ان کا بیان ہے:

> "اقوال الظاہر ان المحکم، مالم یحتمل الا وجہا واحدا۔۔ والمتشابہ مایحتمل وجوھا انما المراد بعضھا"[۱۵]

مزید لکھتے ہیں:

> "باید دانست کہ محکم آنست کہ دانندہ لغت ازاں کلام بجز یک معنی ادراک نہ کند۔ و متشابہ آنست کہ محتمل دو معنی باشد"[۱۶]

محکم و متشابہ کی یہی تعریفات امام شافعی سے منقول ہیں۔ ابو البرکات عبداللہ نسفی نے المنار میں اس کی تصریح کی ہے۔ ابن ھمام کے نزدیک محکم کی دو صورتیں نص اور ظاہر ہیں[۱۷] اور قاضی عضد کے بقول:

> "المحکم المتضح المعنی سواء کان نصا او ظاہرا"[۱۸]

جس کی دلالت ظنی اور اس میں احتمال مرجوح بھی نہ ہو، شوافع کے نزدیک ظاہر ہے[۱۹]

موؤل ظاہر کا مقابل ہے اور اس میں ظاہر سے کسی دوسرے معنی کی طرف منتقل ہونا ناممکن نہیں۔(۲۰) متشابہ اور مجمل کو اصح قول کی بنا پر ایک مانتے ہیں اور مجمل ان کے نزدیک وہ ہے جس کی مراد مخفی ہو' خواہ خفاء کی وجہ نفس صیغہ ہو یا کوئی عارض۔(۲۱)

تاویل

یہ اَوّل سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی رجوع کے ہیں۔ علامہ سیوطی نے تاویل کی اصطلاحی تعریف کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ یہ ہیں:

"توجیہ لفظ متوجہ الی معان مختلفہ الی واحد منھا بما ظہر من الادلہ"

اور ابن ہمام اور شوکانی کے بقول

"حمل الظاہر علی المحتمل المرجوح"(۲۳)

پہلی تعریف میں مشترک کے چند معانی میں کسی ایک کی تعیین بھی تاویل ہے اور یہ احناف کا مسلک ہے۔ مشترک کے چند معانی میں سے کسی ایک کی جب تک ترجیح ظاہر نہ ہو وہ اسے مشترک ہی کہتے ہیں اور ترجیح کے ظہور کے بعد بعینہ اس مشترک کو ماول(۲۴) شوافع کے ہاں چونکہ مشترک کا اس کے کسی ایک معنی پر حمل تاویل نہیں کہلاتا' اس لئے وہ تاویل کی اس تعریف کو اختیار کرتے ہیں' جس کا ذکر ابن ہمام اور شوکانی نے کیا ہے۔

تاویل کی بالعموم تین اقسام گنوائی جاتی ہیں۔ تاویل قریب' تاویل بعید اور تاویل متعذر(۲۵) ادنیٰ مرجح سے راجح ہو تو وہ تاویل قریب ہے۔ قوی مرجح کے بغیر راجح نہ ہو تو بعید ہے اور متعذر وہ کہ لفظ میں اس تاویل کا احتمال نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ نے تاویل کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں۔ تاویل قریب اور تاویل بعید۔ حجتہ اللہ البالغہ کے "باب القضا فی الاحادیث المختلفہ" میں ایسی دو متعارض حدیثوں کے بارے میں جن میں قول رسول کا بیان ہو' انہوں نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس کے مطابق تاویل قریب ان کے نزدیک مطلقاً مقبول ہے اور تاویل بعید مشروط طور پر قابل قبول۔(۲۶)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ قبولیت تاویل بعید کی دو شرطیں ہیں اولاً کسی فقیہ صحابی سے منقول ہو' ثانیاً کوئی قوی قرینہ موجود ہو۔ مزید فرماتے ہیں کہ ایماء واضح مفہوم یا نص کے مورد کے خلاف تاویل قطعاً ناجائز ہے۔

Marfat.com

دلالت

اس کی ایک طرف تو یہ تعریف کی جاتی ہے الدلالہ کون الشئی متی فہم غیرہ[۲۷] دوسری طرف اس کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں دلالت عبارۃ دلالۃ اشارۃ' دلالت دلالۃ اور دلالت اقتضاء[۲۸] اِن ہی کو علی الترتیب عبارۃ النص' اشارۃ النص' دلالۃ النص اور اقتضاء النص کہتے ہیں۔(۲۹)

لفظ کی دلالت اگر معنی لازم پر ہو اور اُسے معنی مقصود سمجھا جائے تو وہ دلالت عبارۃ یا عبارۃ النص کہلاتی ہے اور معنی غیر مقصود پر ہو تو دلالت اشارۃ یا اشارۃ النص اسی کو دلالت التزامی بھی کہتے ہیں منطق کے حکم کی کوئی علت اجتہاد و قیاس کے بغیر سمجھ میں آجائے تو اسے دلالۃ یا دلالۃ النص اور لفظ کی دلالت ایسے مسکوت پر جس پر منطوق کا صدق یا اس کی صحت عقلاً یا شرعاً موقوف ہو' اسے دلالت اقتضاء یا اقتضاء النص کہا جاتا ہے۔(۳۰)

شوافع کے ہاں دلالت کی صرف دو قسمیں ہیں۔ دلالت منطوق اور دلالت مفہوم۔ اول الذکر محل نطق میں اور ثانی الذکر محل غیر نطق میں معنی پر لفظ کی دلالت کا نام ہے۔ اس طرح دلالت منطوق کی پھر دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ صریح اور غیر صریح اس کے بعد غیر صریح کی تین قسمیں دلالت اقتضاء' دلالت ایماء و تنبیہہ اور دلالت اشارۃ دلالت مفہوم کی بھی دو قسمیں: مفہوم موافق اور مفہوم مخالف۔

دلالت کی تقسیم میں احناف اور شوافع کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ دراصل تمام تر اصطلاحات کا اختلاف ہے جس کی تفصیل اصول حدیث و فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے کتب اصول میں مذکور دلالت کی ان اقسام سے اغماض برتا ہے لیکن ان کی تحریروں کے اثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شوافع کی اختیار کردہ تقسیمات و اصطلاحات کے حق میں ہیں۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں:

> "اما افضلیت شیخین بہ نسبت جمع کہ بعد فتح مکہ مسلمان شدند پس بمنطوق ایں آیت[۳۱] کریمہ و اما جمعے کثیر از انصار و مہاجرین کہ دراصل ایں صفات شریک اند پس بمفہوم ایں آیت زیرا کہ فحوائے آیت دلالت سی کند برانکہ ہر چند اعانت پیغمبر در قتال

Marfat.com

و انفاق سابق تر فضل زیادہ تر "(۳۳)

اس میں منطوق و مفہوم دونوں کا ذکر موجود ہے۔ منطوق میں سے منطوق صریح اور مفہوم میں سے مفہوم موافق کا۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیفات میں کئی مثالیں دے کر دلالت کی اقسام اور اس کے مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ "یسلونک عن المحیض قل ہو... من حیث امرکم اللہ"[۱۳۱] کی آیت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

" مترجم گوید رضی اللہ عنہ ازیں ایت بطریق منطوق حرمت وطی حالض در فرج معلوم شد و بطریق مفہوم حرمت وطی درد بر واللہ اعلم "(۳۴)

اس میں بھی گویا منطوق صریح اور مفہوم موافق سے استدلال ہے۔ علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ نے دلالۃ اقتضاء کی تعریف کو مثالیں دے کر واضح کیا ہے فرماتے ہیں۔

" والا قتضاء وھوان یفھما (ای یفھم الکلام المسکوت) بواسطۃ لزومہ للمستعمل فیہ عادۃ او عقلاً او شرعاً اعتقت وبعت یقتضیان سبق ملک ۔ مشی یقتضی سلامتہ الرجل ۔ صلی ۔ یقتضی انہ علی الطہارۃ "(۳۵)

اقتضاء کی یہی تعریف تعبیر کے معمولی فرق کے بغیر احناف و شوافع کے ہاں ملتی ہے ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

" یکے از انواع تبلیغ اقتضاء نص است حکمی را و مثال اقتضاء آنست کہ اگر گویند فلاں شخص آزاد کرد بلال را پس ایں کلمہ دلالت می کند بر انکہ بلال عبد او بود "(۳۶)

شاہ ولی اللہ نے اقتضاء سے متعدد مواقع پر استدلال بھی کیا ہے۔ مثلاً "لا یبال فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل بہ" کے متعلق کہتے ہیں:

" وایں حدیث دلالت میکند باقتضاء بر آنکہ ماء راکد نجس نیشود ببول "(۳۷)

دلالت ایماء شاہ ولی اللہ کے نزدیک دلالت مفہوم ہی کا دوسرا نام ہے۔ مفہوم موافق ہو خواہ مفہوم مخالف، فرماتے ہیں

"و ایماء دلالت مفہوم و استثناء و غایت وعدد و شرط و وصف است"(۳۸)

اور ایماء سے استدلال کے لئے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اصاب ثوب احدا کن الدم من المعصیہ فلتقرصہ ثم لتنصحہ بالماء ثم تصلی فیہ" کے متعلق لکھتے ہیں۔

و ایں حدیث بایماء خود دلالت می کند بر آنکہ پاکئی جامہ از مقدمہ نماز است"(۳۹)

دلالت اشارہ کے متعلق شاہ ولی اللہ کا بیان ہے:

" و ازیں طرق کثیرہ معلوم می شود کہ احادیث نہی از مفارقت جماعت و امر اتباع سواد اعظم، چوں در الفاظ آں تامل کنیم۔ ہر دو علت از بیان آنہا می تراود دھر دو مصلحت از اشارات آں می تراود، یکے اقامت خلافت کہ متبع چندیں فوائد است و دیگر حفظ ملت از اختلاف اہل آں "(۴۰)

اس موقع پر شاہ ولی اللہ نے فحوی کو مثالیں دے کر سمجھایا ہے فرماتے ہیں

" الفحوی وھو ان یفہم الکلام حال المسکوت عنہ بواسطتہ المعنی العامل علی الحکم مثل لا تقل لہما اف یفہم منہ حرمتہ الضرب بطریق الاولی و مثل ومن اکل فی نہار رمضان وجب علیہ القضاء یفہم منہ ان المراد تفض الصوم و انما خص الاکل لانہ صورۃ متبادرۃ الی الذہن "(۴۱)

فحوی کی یہ تعریف دلالت مفہوم موافق کی قسموں میں داخل ہے یعنی فحوی الخطاب اور لحن الخطاب بعض دلالت مفہوم موافق کو فحوی الخطاب کہتے ہیں اور لحن الخطاب بھی خواہ دلالت اولی پر ہو کہ مساوی پر لیکن تخصیص کے لئے اولی پر دلالت کو فحوی الخطاب اور مساوی پر دلالت کو لحن الخطاب کہہ دیا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے مذکورہ بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ فحوی الخطاب اور لحن الخطاب میں فرق کے روادار نہیں ہیں، لیکن انہوں نے ایک جگہ صراحت کردی ہے کہ لفظ ایما اور فحوی میں معنی پر جلی یا قرائن

Marfat.com

شامل ہونے کی صورت ہی میں دلالت کرتا ہے۔ نیز ایماء فحوی سے جو معنی مستنبط ہوں، ان کی صحت کا معیار یہ ہے کہ اہل زبان اسے سمجھتے ہوں فرماتے ہیں:

"تحقیق نزدیک فقیر در ایماء ات و فحاوی و غیر آں ہمیں است کہ دلالت لفظ فقط نیست، بلکہ لفظ مع القرائن و آں قرائن گاھے خفیہ می باشند و گاہے جلیہ۔ میزان در استنباط معانی از مثل ایں دلائل فہم اہل لسان است، در مثل ایں حالت، لہذا مفہوم وصف نزدیک شافعی کہ رائس و رئیس مستنبطان است موقوف آمد بر شروط چنداں کہ آنہا محقق قرائن معنی مقصود باشند" (۴۳۴)

Marfat.com

شرائط راوی

مذاہب اربعہ کی عام کتب اصول کے مطابق راوی کے لئے بالاتفاق چار شرائط ہیں: عقل، ضبط، اسلام اور عدالت ان میں سے عقل، اسلام اور عدالت، بوقت تحصیل ضروری نہیں، بوقت ادا لازم ہیں(۱) جب کہ ضبط کی شرط، اوقات اداء اور تحمل دونوں میں ضروری ہے(۲)

عقل

عقل کی بظاہر دو قسمیں ہیں قاصر اور کامل۔ پہلی نابالغ اور دوسری بالعموم بالغ سے ملزوم ہوتی ہے(۳) قاصر کی حد بعض کے نزدیک چار یا سات یا پندرہ سال ہے اور اکثریت کی رائے عمر کی قید کی مخالفت ہے(۴) اس کا کہنا ہے کہ جب بھی انسان میں قوت تمیز پیدا ہو جائے، تحمل روایت کی اہلیت خود بخود در آئے گی(۵) بحر العلوم نے تصریح کی ہے کہ تحمل روایت کے وقت متعدد صحابہ نابالغ تھے، مثلاً نعمانؓ بن بشیر چھ یا آٹھ سال اور بقول بعض ابن زبیرؓ سے جن کی عمر دس سال تھی، چھ ماہ بڑے تھے۔ ابن عباسؓ بہ اختلاف روایت بارہ، تیرہ یا پندرہ برس کے تھے اور انسؓ بن مالک کی عمر بیس سال تھی(۶) لیکن تحصیل کی شرط سے قطع نظر ادائے روایت کے لئے عقل کامل ضروری ہے بلوغت چونکہ عقل کے کمال اور اعتدال کا نقطہ آغاز ہے، اس لئے اصول بزدوی میں بلوغ کو عقل کا قائم مقام گردانا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کتب(۱) میں راوی کے شرائط میں عقل کی بجائے بلوغ یا تکلیف کے الفاظ ملتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے تحمل روایت کو اگرچہ نابالغ سے بھی درست قرار دیا ہے، لیکن اس کے

Marfat.com

لئے بقدر عقل قاصر کی شرط لگائی ہے کہ خیرو شر میں تمیز کر سکے۔ علاوہ ازیں وہ ادائے روایت کے لئے بلوغ اور عقل کامل کو ضروری گردانتے ہیں۔ نیز ان کے نزدیک تحمل روایت کی صحت کے لئے نابالغ کی عمر کا تعین لازمی نہیں "باب متی یصح سماع الصبی" میں رقمطراز ہیں:

"لا اختلاف فی ان اداء الحدیث و تبلیغہ لا یغنی الامن العاقل البالغ اما تحملہ فیجوز من الصبی بعد ان یناہز الاحتلام و اذا عقل ممیز بین الخیر و الشر" (۸)

ضبط

عقل کے بعد راوی کی دوسری اہم شرط ضبط ہے اور اس سلسلے میں ضروری ہے کہ مسموع کی بہ نسبت اس کا ذکر کرنا سہو پر راجح ہو۔ شاہ ولی اللہ نے مختلف ادوار کے اعتبار سے ضبط حدیث کے مختلف طریقے بتائے ہیں ان کا بیان ہے کہ صحت حدیث میں جس ضبط کا لحاظ رکھا جاتا ہے امت مرحومہ میں اس کی تین حالتیں گزری ہیں اول یہ کہ دور صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث کو ترجیح دی جاتی تھی اور اس وقت کا ضبط یہی تھا۔ دوسرے تبع تابعین اور اوائل محدثین کے زمانہ سے ساتویں اور آٹھویں طبقہ تک لوگ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ یہ بھی ضبط تھا کہ خط واضح ہو، نقاط، حرکات و سکنات اور تصحیح حروف میں احتیاط برتی جائے اور پیش آمدہ حوادث سے انہیں محفوظ رکھا جائے۔ تیسری حالت وہ تھی جب حفاظ حدیث نے اسماء الرجال، غریب اور مشکل الفاظ حدیث کے ضبط میں کتابیں تصنیف کیں اور تفصیلی شروح لکھیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

'آج کل ضبط یہ ہے کہ ان تصانیف اور شروح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے مطابق روایت کی جائے' (۱۰)

شاہ ولی اللہ کی یہ بھی تحقیق ہے کہ معاملہ ضبط میں قدماء جس بات میں تشدد برتتے تھے، اہل حدیث اب اس میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور یہ صورت حال ایسی ہی ہے جیسے متوسطین حفظ میں تساہل اور فقط حفظ پر اکتفا کرتے تھے۔ اسی لئے ان میں سابقہ طبقات کے برخلاف اجازت مجردہ جیسے طریقے مروج ہو گئے۔(۱۱)

اسلام

راوی کے لئے تیسری اہم شرط اسلام ہے اور "کافر کی روایت بالاتفاق مقبول نہیں۔ البتہ مبتدع کی روایت کے رد و قبول میں مختلف اقوال ہیں، مبتدع کذب کو جائز سمجھتا ہو تو اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا[۲] اور اگر اس کی بدعت متضمن تکفیر ہے تو قاضی ابو بکر باقلانی اور عبد الجبار معتزلی اسے کافر کہتے ہیں اور اس کی روایت کو نہیں مانتے بعض کے نزدیک وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ اس کی حیثیت ایسے مبتدع کی سی ہو گی جس کی بدعت واضح ہو"[۳] شرح عضد اور فواتح الرحموت میں صراحت کر دی گئی ہے کہ مبتدع کی بدعت متضمن تکفیر اور واضح و جلی کی بجائے قوی شبہ پر مبنی ہو اور مخالف کی قاطع اور واضح دلیل شرعی سے محروم ہو تو اس کی روایت بالاتفاق مقبول ہو گی، بدعت واضح ہو جیسے بدعت خوارج کہ مسلمانوں کی جان، مال اور ان کے بچوں کو غلام بنانا جائز ہے تو بعض کے نزدیک ان کی روایت مقبول اور بعض کہتے ہیں مردود ہو گی[۴] مقبول ماننے والوں میں شافعی ان کے متبعین امام غزالی اور بہت سے اصولیین شامل ہیں۔ دوسروں میں امام مالک وغیرہ کا شمار ہوتا ہے[۵]

شاہ ولی اللہ نے صراحت کے ساتھ بوقت ادا کافر کی روایت کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کے متعلق کچھ نہیں بتایا، کیونکہ وہ اسے اغلباً اجماعی مسئلہ سمجھتے ہیں اور امام بخاری نے ابو سہل کی روایت سے جس مسئلہ پر استدلال کرنا چاہا شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ اس لئے محل نظر ہے کہ ابو سہل روایت کے تحمل کے وقت کافر تھے[۶] اور اس قسم کی اخذ روایت میں علماء کا اختلاف رہا ہے احناف کا مسلک واضح ہے وہ راوی کے لئے بوقت ادا "اسلام" کو ایک لازمی شرط مانتے ہیں، تحمل روایت کے وقت نہیں[۷] ابن السبکی کا بیان ہے کہ شوافع کا صحیح مذہب بھی یہی ہے[۸] شاہ ولی اللہ نے "باب اذا القی علی ظهره" میں "وفی الاستدلال بتعليق الباب نظر"[۹] کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

ان کے سیاق و سباق سے ایک تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ راوی کے لئے بوقت تحمل روایت اسلام ضروری ہے، دوسرے ان کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ وہ اختلاف سے ماوراء استدلال کے حق میں ہیں

Marfat.com

عدالت

راوی کے لئے چوتھی شرط عدالت ہے، جس کے لغوی معنی افراط و تفریط[۲۰] کے بغیر امور میں توسط کے ہیں اصطلاحاً اس سے مراد شہادت اور روایت کی اہلیت لی جاتی ہے ابن حاجب کے بقول عدالت:

"ھی محافظۃ دینیہ تحمل علی ملازمۃ التقوی والمروۃ لیس معہا بدعۃ"[۲۱]

عدالت کی یہ صفت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کبائر سے صغائر پر اصرار کرنے اور بعض ان صغائر اور مباحات سے مجتنب رہے، جو مروت میں مخل ہوتے ہیں[۲۲] فسق چونکہ عدالت کی ضد ہے، اس لئے امام بزدوی کی رائے میں فاسق کی شہادت بالاتفاق مقبول نہیں[۲۳] شاہ ولی اللہ نے راوی کے لئے عدالت کی شرط کو ضروری قرار دیا ہے وہ اس کے لئے مترادف ثقات استعمال کرتے ہیں اور عبدالعزیز بخاری کے نزدیک ثقات سے مراد عدول ہی ہے۔[۲۴] شاہ ولی اللہ کے الفاظ ہیں:

"و چیزے کہ ما آنرا بگوش خود از مخبر صادق نشنیدہ باشیم و در خارج بچشم خود ندیدہ باشیم، طریق علم آں بجز ترجیح روایات ثقات نمی تواند بود"[۲۵]

مجہول کی روایت

عام طور پر مجہول سے مراد وہ راوی ہے جو روایت حدیث میں مجہول ہو اور اس سے ایک دو سے زیادہ احادیث مروی نہ ہوں[۲۶] امام شافعی احمد بن حنبل اور بعض دیگر فقہاء محدثین کے نزدیک جب تک مجہول الحال کی باطنی حالت اور احوال معلوم نہ ہوں اور کوئی معروف العدالت معروف طور پر اس کا ذکر نہ کر دے، اس کی روایت مقبول نہیں[۲۷] امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین مجہول کی روایت کو مقبول الروایہ مانتے ہیں اور قبولیت کے لئے صرف ظہور اسلام اور فسق سے ظاہری سلامتی کو کافی سمجھتے ہیں[۲۸] قاضی عضد کی تحقیق کے مطابق:

"مجہول الحال کے مقبول الروایہ ہونے میں احناف و شوافع میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ احناف عدالت کو اصل مانتے ہیں اور شوافع

Marfat.com

کثرت وقوع کے سبب فسق کو" (۲۹)

احناف کے ہاں یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ قرون میں عدالت غالب تھی بعد میں فسق کے بکثرت پھیل جانے سے مجہول راویوں کی روایت مقبول نہیں رہی[۳۰] شاہ ولی اللہ مجہول کی روایت کو مطلقاً مقبول نہیں مانتے:

" اما ما کان ضعیفا او موضوعا او منقطعا او مقلوبا فی سنده او متنه او من روایته الجاھیل او مخالفا لما اجمع علیه السلف طبقه بعد طبقته فلا سبیل الی القول به "(۳۱)

البتہ وہ مجہول کی روایت کی قبولیت کے لئے دو شرطیں عائد کرتے ہیں ایک موافقت قیاس اور دوسرے علم کی اکثریت کا موافقت عمل:

" الحدیث الذی یرویه قاصر الضبط غیر منهم او مجهول الحال المختار انه یقبل ان اقترن بقرینه مثل موافقته القیاس او عمل اکثر اہل العلم "(۳۲)

شاہ ولی اللہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مجہول کی روایت کے عدم قبول کی وجہ کثرت فسق و کذب ہے۔ فرماتے ہیں کہ فتنہ عثمان کے بعد لوگوں میں کذب اور خصوصاً روایت حدیث میں کذب عام ہو گیا تھا' اسی لئے شافعی اور امام احمد بن جنبل نے متہم اور مبہم رواۃ کی روایتوں کو قبول کرنے سے گریز کیا۔(۳۳)

مرسل کی حجیت

اسناد کا ذکر کئے بغیر اگر کوئی راوی "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ دے تو اسے "ارسال" کہتے ہیں[۳۴] اس اعتبار سے مرسل وہ روایت ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل نہ ہو اور یہ تعریف اصولیین کی اصطلاح کے مطابق ہے۔ محدثین مرسل اسے مانتے ہیں کہ کوئی تابعی' صحابی کا ذکر کئے بغیر "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ دھرا دے[۳۵] اور صحابی کا مرسل یہ ہے کہ اس نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی نہ ہو' بلکہ اسکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کسی اور

صحابی کا واسطہ ہو(۳۶) مراسیل ابن عباس اس کی بین مثال ہیں(۳۷) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرسل کی تعریف میں مراسیل صحابہ بھی شامل ہیں۔

مراسیل صحابہ کی قبولیت و حجیت کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں اور سب انہیں اتفاق رائے سے قبول کرتے ہیں(۳۸) مگر تابعین اور تبع تابعین کے مراسیل کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔امام ابو حنیفہ امام مالک اور ایک مشہور روایت کے ساتھ امام احمد بن حنبل اور اکثر متکلمین انہیں مطلقاً قبول نہیں کرتے(۳۹)۔ان کے برخلاف امام شافعی کو غیر صحابی کی مرسل کے علی الاطلاق قبول کرنے میں تامل ہے۔وہ قبولیت کے لئے جن آٹھ شرائط کا ذکر کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کو بھی ان سے اتفاق ہے۔

امام شافعی کے نزدیک مرسل کی کسی آیت سے تائید ہوتی ہو' مشہور سنت اس کی موئید ہو'کسی صحابی کا قول یا قیاس اس کی تائید کرے' امت کی طرف سے اسے تلقی بالقبول حاصل ہو' ارسال کرنے والے کے بارے میں واضح ہو کہ وہ صرف عدول سے روایت کرتا ہے'کسی دوسرے شیخ کے راوی نے بھی اسے مرسل کیا ہو یا دوسرے راوی نے اس مرسل کو مسند کیا ہو' اگر ان میں سے ایک شرط بھی مل جائے تو روایت قابل قبول ہو گی۔(۴۰)

شاہ ولی اللہ ان ہی شرائط کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں

"والمرسل ان اقترن بقرینتہ مثل ان تعتضو بموقوف صحابی او مسندہ الضعیف او مرسل غیرہ و شیوخ متغائرۃ او قول اکثر اہل علم او قیاس صحیح او ایما من لغرا عرف انہ لا یرسل الا عن عدل' صح الاحتجاج بہ و کان نازلا من المسند"(۴۱)

شاہ ولی اللہ کی عائد کردہ یہ شرائط غیر صحابی کے مرسل کے لئے ہیں اور جہاں تک صحابی کے مرسل کا تعلق ہے اس کی قبولیت میں شاہ ولی اللہ سب کے ساتھ متفق ہیں۔(۴۲) مرسل کی ترجیح کے بارے میں شاہ ولی اللہ شوافع کے ساتھ ہیں کہ مسند مرسل پر فائق ہے(۴۳) ۔احناف کے نزدیک مرسل مسند سے بلند ہے اور امام بزدوی نے تصریح کی ہے کہ مرسل کا درجہ مسند واحد سے بلند اور مسند مشہور کے برابر ہے۔(۴۴)

Marfat.com

معیارِ حدیث اور کتب حدیث پر تنقید

مرد مومن کے فہم کی بات یہ ہے کہ اسے حدیث میں بصیرت حاصل ہو۔ اس مفہوم کے حامل امام باقر کے ایک مقولہ کو حاکم نے اپنی سند سے یوں نقل کیا ہے:

"من فقه الرجل بصره بالحديث" (۱)

اور اسی قسم کا ایک قول محمد بن علی بن الحسینؒ کا ہے:

"من فقه الرجل بصير بالحديث اوفطنته للحديث" (۲)

یہ دونوں ارشادات ایک قسم کی خبریں ہیں اور خبر میں چونکہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لئے شاہ عبد العزیز کے خیال میں علم حدیث کے حصول میں معنی حدیث سمجھنے کے ساتھ ساتھ راویان حدیث کے حالات کی چھان پھٹک بہت ضروری ہے۔ صدر اول یعنی تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دورے سے لے کر شیخین (بخاری و مسلم) کے زمانے تک ہر شہر اور ہر عہد میں اس احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا گیا، چنانچہ معیار حدیث کی پہچان کے لئے ضخیم و مبسوط کتابیں لکھی جاتی رہیں۔ اس کے بعد کے زمانے کا رنگ ہی کچھ اور ہوا:

"و دریں زمان رنگ دیگر دارد حالا کتبے کہ مجرد برائے صحاح اند بعد ازاں کتابہائیے کہ عقل اعتبار اند جدا باید دانست بعد ازاں کتابہائیے کہ واجب الرد و الترک اند علیحدہ باید داشت تا در ورطہ تخلیط واقع نشوند" (۳)

مقصود بیان یہ ہے کہ صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص کتابوں اور پھر وہ کتب جو قابل اعتبار ہیں، انھیں جدا جدا جاننا چاہیے۔ نظر انداز کرنے کے لائق مصنفات کو الگ ہی رکھا

Marfat.com

جائے تو بہتر ہے "تاکہ باہم خلط ملط نہ ہوں۔ شاید اسی نقطہ نظر سے شاہ ولی اللہ نے احادیث کے تین معیار مقرر کئے ہیں: صحت، شہرت، اور قبولیت۔

صحت و شہرت

صحت سے شاہ ولی اللہ کی مراد صرف اور صرف صحیح یا حسن احادیث ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مولف کتاب کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح یا حسن احادیث درج کرنے کی پابندی کرے، اور اگر ان کے سوا کسی حدیث کا اندراج اس کے ضعف، غرابت، علت اور شذوذ وغیرہ کے التزام کے ساتھ کر دے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ ضعیف، غریب اور معلول حدیث کو اس کی خرابی کی وضاحت کے ساتھ درج کرنا، معیار حدیث کے لئے ضروری ہے:

"فالصحتہ ان یشتوط مولف الکتاب علی نفسہ ایراد ماصح او حسن۔ غیر مقلوب ولا شاذ ولا ضعیف الامع بیان حالہ فان ایراد الضعیف مع بیان حالہ لا یقدح فی الکتاب"(۴)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک شہرت کا مفہوم یہ ہے کہ محدثین کی جماعتیں یکے بعد دیگرے، ہر دور میں اس کتاب کے ساتھ بطریق روایت، ضبط مشکل اور تخریج احادیث میں مشغول رہی ہوں، تا آنکہ اس کا کوئی پہلو بیان ہوئے بغیر رہ نہ گیا ہو۔ حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ:

> 'شہرت حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو احادیث کتب میں مذکور ہیں، وہ تدوین سے پہلے اور بعد میں محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں اور آئمہ حدیث نے مولف سے قبل ہی ان حدیثوں کو مختلف طرق سے روایت کیا ہو، مسانید و مجامیع میں یہ بیان کی گئی ہوں اور مولف کے بعد کے لوگوں نے بھی انہیں روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی شرح اعراب اور طرق بیان کر دیئے ہوں۔ مسئلہ فقہی ان میں سے کسی سے مستنبط کیا ہو اور ہر درجے اور ہر مرتبے میں اپنے زمانے تک اس کے رواۃ کے احوال کا سراغ لگالیا ہو'(۵)

قبولیت کی درجہ بندی

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ شہرت کتاب ہی اس کی قبولیت کا سبب بنتی ہے اور قبولیت

سے مراد یہ ہے کہ ناقدین حدیث اس کتاب کو تسلیم کریں اور اس پر معترض نہ ہوں۔ نیز اس کتاب کی حدیثوں کے متعلق مولف کتاب کا حکم اور فیصلہ درست سمجھیں اور فقہاء کسی اختلاف و انکار کے بغیر اس سے استدلال کریں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب کسی کتاب میں یہ دونوں اوصاف یعنی صحت و شہرت جمع ہوں' تو وہ شرف قبولیت حاصل کر کے طبقہ اولی میں شمار کی جائے گی:

"فاذا اجتمعت ھاتان الخصلتان کملا فی کتاب کان من الطبقتہ الاولی"(۶)

اور اسے اپنے اوصاف کے اعلیٰ درجہ کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ جو کتاب طبقہ اولی میں اعلیٰ درجہ کی ہو' تو وہ تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہے اور اس سے کم درجہ کی مستفیض کے مرتبہ تک۔ پھر وہ جو قطعی صحت کے قریب ہو' اور قطعی ہونے کے معنی وہ یقین ہے' جو علم حدیث میں معتبر اور مفید علم ہے:

"وما کان اعلی حد فی الطبقۃ الاولی فانہ یصل الی حد التواتر و مادون ذلک یصل ا الاستفاضتہ ثم الی الصحتہ القطعیتہ اعنی القطع الماخوذ فی علم الحدیث المفید للحمل"(۷)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے طبقہ کی احادیث وہ ہیں' جو مستفیض یا صحت قطعیہ یا ظنیہ کے قریب ہوں اور اسی طرح ان احادیث کا درجہ کم ہوتا جاتا ہے:

"والطبقتہ الثانیہ الیٰ الاستفاضتہ اوالصحتہ القطعیتہ اوالظنیتہ و ھکذا ینزل الامر"(۸)

صحیح وغیر صحیح احادیث کتب

شیخ عبدالحق محدث دھلوی پچاس کے قریب حدیث کی ایسی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں' جن میں صحیح اور غیر صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ان سب کو انہوں نے ایک ہی معیار پر رکھا ہے' وہ صحاح ستہ میں بھی غلط روایات کا اختلاط باقی کتب کی طرح مانتے ہیں(۹) لیکن مولانا عبیداللہ سندھی کے بقول:

'جن محدثین نے غیر صحیح احادیث جمع کر کے' ان کی عدم صحت کی

Marfat.com

تصریح کردی، پھران کا فیصلہ اہل علم کے نزدیک مسلم ہے اور ان کی کتابیں بھی اہل علم میں رواج پذیر ہیں، ان تین خصوصیات کی حامل کتابوں کو شاہ ولی اللہ ان کتب کے درجے پر نہیں لانے دیتے، جو خصوصیات مذکورہ بالا سے یکسر عاری ہوں، (۱۰)

ولی اللّٰہی نظریہ کتب کی عقلی تشریح

مولانا محمد قاسم کے نزدیک شاہ ولی اللہ کی قائم کردہ علم حدیث کی تنقید قابل استفادہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ افراد میں صادق و کاذب معتبر و غیر معتبر اور فہمیدہ و غیر فہمیدہ سبھی طرح کے ہوتے ہیں اور کتابیں چونکہ ان کی تصنیف ہوتی ہیں، لہذا یہ بعید نہیں کہ ملحد ان بے دین نے اپنی بہت سی کتب میں سینکڑوں واہیات بھر کے اچھے اچھے بزرگوں کے نام کر دی ہوں۔ علاوہ ازیں جو کتابیں کبرائے اہل سنت کی ہیں، ان میں سے بھی اکثر لوگوں کی فیض رسانی کے لئے تصنیف نہیں ہوئیں، بلکہ بطور بیاض جمع کی گئیں تاکہ ان پر نظر ثانی کر کے صحیح روایات کا علم ہو سکے۔ لیکن اتفاقاً ایسا نہ ہوا اور یہ بیاض لوگوں کے ہاتھ لگ گئیں مبتدعین اور ملحدین نے ان سے مزید فائدہ اٹھایا اور اپنی گھڑی ہوئی روایتوں کو ان میں شامل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔(۱۱)

مولف موصوف کے نزدیک ہر کتاب کی تحقیق ضروری ہے اول یہ دیکھا جائے کہ مصنف فقط تفریح طبائع محزونہ کے لئے قصہ گوئی اور افسانہ خوانی سے کام لے رہا ہے یا واقعات واقعی کے مشتاقوں کی تسکین کی خاطر کتاب کو تصنیف کر رہا ہے دوسرے ضروری ہے کہ مصنف کسی سے رو رعایت اور بغض و عداوت نہ رکھتا ہو، بلکہ اس کا حفظ اخبار اور صدق گفتار اس درجہ مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت دل میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ تیسرے یہ لازم ہے کہ مصنف کتاب باوجود صدق و دیانت اور حفظ و عدالت کے اس فن میں، جس کی وہ کتاب ہے، دستگاہ کامل رکھتا ہو اور ملکہ کماینبغی نہ کہ دین میں مثلاً نیم ملّا ہو۔ روایت کی کتاب میں تو یہ بھی ضروری ہے کہ مصنف نے اول سے اس بات کا التزام و عہد کیا ہو کہ وہ بجز صحیح روایتوں اور تحقیق شدہ حکایتوں کے اور کوئی بات اپنی کتاب میں درج نہیں کرے گا، جیسے صحاح ستہ کہ ان کے مصنفین نے اپنے اوپر یہ شرط لازم کر لی تھی۔(۱۲)

بعض مصنف ہر قسم کی رطب ویابس روائتیں اور صحیح وغلط حکایتیں اپنی کتابوں میں اس غرض سے ابتدا میں جمع کر لیتے ہیں کہ بعد میں نظر ثانی کر کے صحیح کو قائم رکھ کر باقی تمام کو حذف کر دیں گے، جیسا کہ شیخین نے کیا یا صحیح کو صحیح بتا کر موضوع روایات کی نشاندھی کر دی، جس طرح کہ امام ترمذی نے کیا، تو بھی مضائقہ نہیں ہے[۱۳] بلکہ خود شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے تقریباً دس ہزار احادیث میں سے موطا کا انتخاب کیا:

"امام مالک در موطا قریب دہ ہزار حدیث جمع کردہ بود۔ بعد ازاں روز بروز نظر میکرد ازاں کم مے ساخت تا ایں قدر باقی ماند"

امام بخاری سے بہت سے سندوں سے منقول ہے کہ انہوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر صحیح بخاری کی حدیثیں نکالیں اور عبدالرزاق بخاری نے تو یہاں تک روایت کی ہے کہ تین دفعہ حدیثوں کی بیاض اکٹھی کی، تب کہیں صحیح بخاری کا مسودہ تیار ہوا۔

طبقات کتب حدیث کا جواز

کتب حدیث میں چونکہ ہر معیار کی حدیثیں داخل ہیں، اس لئے شاہ ولی اللہ کے نزدیک ان کے طبقات کا قیام ضروری ہے، تاکہ صحیح اور غیر صحیح احادیث کا کماحقہ علم ہو سکے۔ وہ صحیح احادیث کے انتخاب کو طبقہ اولیٰ میں جگہ دیتے ہیں اور اس کے بعد مزید چار طبقات مقرر کرتے ہیں تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقے میں انہوں نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے میں:

"ان کے مصنف ملتزم الصحتہ نہیں یا ان کی روایت منقطع ہو گئی یعنی کاتبوں کی بلا تصحیح نقل پر نسخوں کا انتشار تو ہوتا رہا، مگر محدثین نے اپنے مشائخ سے پڑھ کر اس نسخہ کو صحیح کیا ہے، پھر اس طرح تسلسل قائم رہا ہے کہ ہمارے زمانے تک صحیح شدہ نسخے محفوظ طور پر مل سکیں۔ ان کے سوا ایسے محدثوں نے کتابیں تصنیف کیں، جن کی علمی لیاقت بھی مسلم نہیں"(۱۵)

متاخرین محدثین جن کی ابتدا ابن السبکی سے ہوئی اور حافظ عراقی ابوالحسن الہیثمی اور ابن حجر عسقلانی کے توسط سے جن کا خاتمہ سیوطی پر

Marfat.com

ہوا' ان غیر معتمد کتابوں کی روائتیں زواید کے نام سے جمع کیں' حالانکہ ان میں کافی سے زیادہ اقرب الی اولیٰ ہیں اور یہ طبقات میں پہنچ کر متاخرین کے نزدیک احادیث متواترہ بن جاتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ معیار حدیث کی روشنی میں شاہ ولی اللہ کتب حدیث کے طبقات مقرر کرنے میں حق بجانب ہیں۔ وہ کتب حدیث کے پانچ طبقات بتاتے ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں انہوں نے موطا امام مالک' صحیح' بخاری' صحیح مسلم کو رکھا ہے' اور طبقہ ثانیہ میں سنن ابی داؤد' جامع ترمذی اور سنن نسائی کو شامل کیا ہے ان چھ کتابوں کے ماسوا باقی طبقات میں کئی دہائیاں اور سینکڑے کتب ملتی ہیں یہ سب کی سب کتابیں شاہ ولی اللہ کے نزدیک قابل احتجاج نہیں۔ کتب حدیث پر اس تنقید نے دراصل علم حدیث میں ایک نئی روح پھونکی جو ابن حجر اور سیوطی کے زمانے سے رواج پذیر محققانہ طریقہ اہل علم پر غالب آگئی۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۳

[illegible]

آئینہ

Marfat.com

طبقہ اولیٰ

صحت شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ نے حدیث کی صرف تین کتابوں کو طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔

☆ موطا امام مالک

☆ صحیح بخاری

☆ صحیح مسلم

کتب حدیث در حقیقت دو طرح سے مرتب و مدوّن کی گئیں اولاً وہ جن میں فقط صحیح احادیث درج ہیں اور ثانیاً وہ جن میں صحیح روایات کے ساتھ ساتھ غیر صحیح روایات بھی لے لی گئیں مگر تصریح کر دی گئی کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں:

"فان ایراد الضعیف مع بیان حالہ لا یقدح فی الکتاب "(۱)

یہ سلسلہ بہ حسن و خوبی زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکا۔ بعض صحاح تواتر کے قریب پہنچ گئیں اور بعض مشہور و مستفیض کے درجے پر فائز ہوئیں۔ شاہ ولی اللہ نے اسی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتب حدیث کے طبقات مقرر کئے تو موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو طبقہ اولیٰ میں شامل کیا اور صاف صاف فرما دیا:

"فالطبقۃ الاولیٰ منحصرۃ بالاستقراء فی ثلاثۃ کتب "(۲)

پس استقراء سے طبقہ اولیٰ کی (یہی) تین کتابیں ہیں۔

Marfat.com

موطا امام مالک

طبقہ اولیٰ کی اولین اور سرفہرست کتاب، جس کے بارے میں امام شافعی کا قول مشہور ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب موطا امام مالک ہے' شاہ ولی اللہ نے اس قول کو ترجیحاً نقل کیا ہے اور اس کی تائید میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں مثلاً اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ موطا میں شامل تمام کی تمام احادیث امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق صحیح ہیں اور ان سے اختلاف رکھنے والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ موطا میں کوئی ایسی مرسل اور منقطع حدیث نہیں، جس کی دوسرے طرق سے متصل اسناد نہ ہوں پس اس وجہ سے موطا امام مالک کی ساری احادیث صحیح ہیں:

" واتفق اهل الحديث على ان جميع مافيه صحيح على راى مالك ومن وافقه اما على راى غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه "(۳)

امام مالک کے زمانے میں بہت سی موطا تصنیف کی گئیں جن میں ان کی اس کتاب کی نسبت کی تخریج کی گئی اور اس میں مروی منقطع حدیثوں کو متصل اور مرفوع ثابت کیا گیا۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ نے کتب ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر وغیرہم کی مثالیں دی ہیں اور صراحت کردی ہے کہ ان کے اور امام مالک کے شیوخ ایک ہی ہیں نیز امام مالک سے ایک ہزار سے زائد افراد نے ان کی اس کتاب کو بلاواسطہ روایت کیا:

" وقد رواه عن مالک بغیر واسطة اکثر من الف رجل "(۴)

اور یہ دور دراز ملکوں سے سفر کرکے سماع موطا کے لئے امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اس زمانے کے ممتاز فقہا میں امام شافعی، محمد بن الحسن، ابن وہب اور ابن قاسم متبحر محدثین میں یحیٰ بن سعید القطان، عبدالرحمن بن مہدی اور عبدالرزاق اور ملوک و امراء میں ہارون الرشید اور اس کے دو بیٹوں امین اور مامون کا بہت شہرہ تھا۔ ان تمام نے موطا امام مالک" سے استفادہ کیا یوں موطا کی شہرت امام مالک کی زندگی ہی میں تمام اسلامی ملکوں میں

Marfat.com

پھیل گئی اور پھر رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا' تاآنکہ فقہاء نے اپنے مذاہب فقہ کی بنیاد موطا پر رکھی اہل عراق کے فقہا نے بھی بعض امور میں اسی کو اساس بنایا ان کے علاوہ علماء پیہم موطا کی حدیثوں کی تخریج' اس کی متابعات و توابع بیان اور اس کے نامانوس و غریب الفاظ کی تشریح اور مشکل الفاظ کو منضبط کرتے رہے۔

موطا امام مالک ؒ کے فقہی امور پر بحث مباحثہ اور اس میں مندرج احادیث کے راویوں کی جس حد تک تحقیق کی گئی' اس سے زیادہ ممکن نہ تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے بقول یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی عدالت و ضبط رجال پر سب کا اجماع ہے اور ریہ مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' عراق' شام' یمن' مصر اور دیار مغرب میں مشہور ہے اور بکثرت شہروں کے فقہاء کا مدار اس کتاب پر ہے امام مالک کے زمانے میں اور آپ کے بعد بھی علماء نے موطا کی حدیثوں کی تخریج اور اس کے متابعات اور شواہد جمع کرنے کی بڑی کوششیں کیں اور اس کے الفاظ غریبہ کی شرح' ضبط مشکلات اور ان کی وضاحت فقیہانہ مسائل کا بیان حدیثوں کی سندیں اور طرق روایت کے بیان میں اتنا اہتمام کیا کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا:

"و عدالت و ضبط رجال ایں کتاب مجمع علیہ است و در مدینہ و مکہ و عراق و شام و یمن و مصر و مغرب مشہور شدہ و بناء فقہاء امصار بر آنست و در زمان امام مالک و بعد از زمان ایشان نیز علماء در تخریج بر موطا و ذکر متابعات و شواہد احادیث آں سعی بلیغ نمودند و در شرح غریب و ضبط مشکلات و بیان فقہ سائر وجوہ بیان آنقدر اہتمام نمودہ اند کہ زیادہ بر آں متصور نیست"(۵)

شاہ ولی اللہ ؒ نے اسے صریح حق پر محمول کیا ہے کہ موطا امام مالک کا موازنہ امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار(۶) اور امام ابو یوسف کی الامالی(۷) سے کیا جائے تو ان میں بعد المشرقین نظر آتا ہے کیونکہ فقہاء و محدثین میں سے کسی نے بھی موطا کے مقابلے میں کتاب الآثار اور الامالی کی طرف توجہ دی نہ ان دونوں کو قابل اہتمام تصور کیا:

"و ان شئت الحق الصراح فقس کتاب الموطا بکتاب الآثار

لمحمد و الا مالی لا بی یوسف تجد بینه و بینهما بعد المشرقین فهل سمعت احدا من المحدثین والفقہاء تعرض لہما و اعتنی بہما"(۸)

صحیح بخاری

موطا امام مالک کے بعد حدیث کی جن دوسری دو تصانیف کو شاہ ولی اللہ نے کتب اولیٰ میں داخل کیا ہے ان میں اول "الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ و ایامہ" المختصر بہ صحیح بخاری ہے۔

صحیح بخاری کے طویل و مفصل نام کی وجہ تسمیہ اس کے اجزا سے ثابت ہے' اس کتاب میں چونکہ فن حدیث کے ابواب ثمانیہ 'سیر' آداب' تفسیر' عقائد' فتن' احکام' اشراط اور مناقب شامل ہیں' اس لئے یہ "الجامع" ہے "الصحیح" اسے کہتے ہیں جس کی تمام حدیثیں صحیح ہوں اور اگر اس میں معلل یا شاذ روایت ہو تو ضمناً "المسند" بطور تاکید ہے اور سننہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال ہیں "ایامہ" کا اضافہ اس لئے ہے کہ امام بخاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات طیبہ سے متعلق دور جاہلیت کے بعض واقعات کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے صحیح بخاری اسم با مسمی ہے اور شاہ ولی اللہ نے اسے جو طبقہ اولی کی کتب حدیث میں شامل کیا ہے' اس کے پس منظر میں ان حقائق کو بہت دخل ہے' جو صحیح بخاری کے تصنیفی مراحل کا حصہ ہیں اور جن کی ابتدا امام بخاری کے حالات سے ہوتی ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بخارا میں پیدا ہوئے بردزبہ کا مجوسیت پر انتقال ہوا تھا اور مغیرہ امام بخاری کے خاندان کے اولین فرد ہیں' جنھوں نے امیر بخارا یمان بن اخنس جعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اسی نسبت سے وہ جعفی مشہور ہوئے' اس کے علاوہ جعفی خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا(۹) ان کے والد اسماعیل بن ابراہیم علم و تقویٰ میں خصوصی شہرت کے حامل اور بلند پایہ محدث تھے' طبقہ رابعہ کے(۱۰) مشہور محدثین میں ان کا شمار ہوا ان کے شیوخ میں امام مالک' حماد بن زید اور عبد اللہ بن مبارک شامل ہیں۔

Marfat.com

امام بخاریؒ کے والد ماجد کا ان کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ تب آپ نابینا تھے۔ آپ کی والدہ کو خواب میں حضرت ابراہیم نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کثرت دعا کی برکت سے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹا دی ہے وہ صبح بیدار ہوئی تو امام بخاریؒ کی آنکھیں روشن ہو چکی تھیں (۱۱)

سولہ سال کی عمر میں امام بخاری نے عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو حفظ کیا۔ پھر اپنے بڑے بھائی اور والدہ کے ہمراہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ دو سال مکہ معظمہ میں قیام کیا اس کے بعد مدینہ منورہ آئے اور روضہ رسول کے قریب بیٹھ کر چاندنی راتوں میں قضایا الصحابہ و التابعین اور التاریخ الکبیر تصنیف کیں(۱۲) لیلتہ الفطر ۲۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا(۱۳) اس وقت تک آپ کئی اہم کتب و رسائل تصنیف کر چکے تھے ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

'الادب المفرد' التاریخ الاوسط' التاریخ الصغیر' خلق افعال العباد' جزء رفع الیدین' قراۃ خلف الامام' برالوالدین' کتاب الضعفاء' الجامع الکبیر' التفسیر الکبیر' کتاب الاشربتہ' کتاب الہبتہ' کتاب المبسوط' کتاب الکنی' کتاب العلل' کتاب الفوائد' اسامی الصحابہ' کتاب المناقب' سنن الفقہاء اور کتاب الوحدان'

لیکن سب سے زیادہ شہرت ان کی الجامع الصحیح کو ملی' جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے اسے انہوں نے سولہ سال کی صحرا نوردی اور عرق ریزی کے بعد مکمل کیا۔ ان کا اپنا بیان ہے: "صنفت کتاب الصحیح فی ست عشرہ سنتہ(۱۴) اس کے بعد آپ نے یہ کتاب امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) ابن المدنی (م ۲۳۴) اور ابن معین (م ۲۳۳ھ) کی خدمت میں پیش کی۔ موخر الذکر کے سنہ رحلت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری ۲۳۳ھ سے قبل مکمل ہو چکی تھی۔ ملا علی قاری نے تصریح کی ہے کہ خود امام بخاری نے اس کتاب کی تین بار تنقیح و تہذیب فرمائی۔(۱۵)

ابن طاہر کے بقول صحیح بخاری بخارا' ابن حجر کے خیال میں مکہ معظمہ بعض کی رائے میں بصرہ اور کچھ کے بیان کے مطابق مدینہ منورہ میں تصنیف ہوئی(۱۶) مگر امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ انہوں نے صحیح بخاری کو مسجد حرام میں تصنیف کیا(۱۷) آپ ہر حدیث درج

کرنے سے پہلے استخارہ کرتے' دو رکعت نماز ادا فرماتے اور پھر اس حدیث کی صحت کے کامل انشراح پر اسے اپنی کتاب میں جگہ دیتے[۱۸] چنانچہ ابن حجر نے صحیح بخاری کے تدوینی مراحل کو اس طرح سے تطبیق دی ہے کہ اس کا ابتدائی خاکہ اور ترتیب و ابواب بندی مسجد حرام میں کی گئی اس کے بعد امام بخاری مختلف مقامات پر احادیث کی تخریج کا فریضہ انجام دیتے رہتے تا آنکہ تراجم ابواب کے مسودے کو روضہ رسول اور منبر شریف کے درمیان مبیضہ میں منتقل کیا اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعت نماز بھی ادا کی۔[۱۹]

صحیح بخاری کی تصنیف کی خاطر امام بخاری نے دور دراز ملکوں کا سفر کیا سماع حدیث کے لئے وہ کئی بار شام مصر حجاز مقدس کوفہ بصرہ اور بغداد تشریف لے گئے۔ چھ سال حجاز میں مقیم رہے' آٹھ بار بغداد اور کم از کم چار مرتبہ بصرہ آئے۔ شام مصر کوفہ اور نیشاپور میں بھی دو سے زائد دفعہ جانے کی ضرورت محسوس کی[۲۰] علامہ ذھبی کی تصریح کے مطابق امام بخاری نے سب سے پہلے ۲۰۵ھ میں سماع حدیث کیا اور اپنے شہر کے شیوخ سے استفادہ کے بعد ۲۱۰ھ میں باقاعدہ سفر کی ابتدا کی[۲۱] فرماتے ہیں کہ اس دوران میں نے ایک ہزار اسی افراد سے حدیثیں لکھیں' جو سب کے سب محدث تھے:

"کتبت عن الف و ثمانین نفسا لیس فیھم الاصاحب حدیث"[۲۲]

امام بخاری سب سے زیادہ اسحاق بن راھویہ اور علی بن المدینی سے فیضیاب ہوئے ابن حجر نے ان کے شیوخ کے پانچ طبقات قائم کئے ہیں۔ اول طبقے میں محمد بن عبداللہ الانصاری اور ابو عاصم البنبل ایسے تابعین ہیں دوسرے میں آدم بن ایاس جیسے تابعین کے وہ معاصرین جنہوں نے کسی ثقہ تابعی سے روایت نہیں کی' تیسرے امام بخاری کے اساتذہ کا درمیانی طبقہ' جسے کبار تبع تابعین سے اخذ حدیث کا موقع ملا۔ مثلاً قتیبہ بن سعید' احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ وغیرہم چوتھے طبقے میں محمد بن یحیی الذہلی اور ابو حاتم رازی وغیرھما معاصرین اور ہم عصر رفقاء اور پانچویں یعنی آخری طبقہ میں امام بخاری کے تلامذہ[۲۳] امام بخاری نے گویا اپنے معاصرین اور تلامذہ سے بھی روایت کی اور امام وکیع کے اس قول کو سچ ثابت کر دکھایا کہ اپنے سے بڑوں' معاصرین اور کم عمر لوگوں سے استفادہ کے بغیر کوئی شخص محدث نہیں ہوتا۔[۲۴]

Marfat.com

امام بخاریؒ کے تلامذہ اور متسفیدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ مشہور ہے کہ نوے ہزار افراد نے امام صاحب سے براہ راست صحیح بخاری کا سماع کیلدنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے طالبان حدیث آکران کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ مجلس درس کبھی مسجد میں اور کبھی امام بخاری کے گھر میں منعقد ہوتی تھی۔ علامہ نووی کا بیان ہے کہ امام بخاری کے تلامذہ میں بلند پایہ علماء و محدثین کچھ کم نہ تھے مثلاً ابو عیسی الترمذی' ابو عبدالرحمن النسائی' اور مسلم بن حجاج کہ حدیث کے جلیل القدر ارکان ستہ میں سے ہیں[۲۵] اور ان کے علاوہ ابو زرعہ ابو حاتم' ابن خزیمہ' محمد بن نصر المروزی اور ابو عبداللہ' الفربری وغیرہم لیکن ان میں سے صرف چار ایسے ہیں' جنھوں نے صحیح بخاری کو روایت کیا۔

☆ ابراھیم بن معقل بن حجاج النسفی ☆ ابو محمد حماد بن شاکر الوراق النسفی[۲۶]
☆ ابو طلحہ منصور بن محمد بن علی البزدوی ☆ ابو عبداللہ محمد یوسف الفربری

ابراہیم بن معقل النسفی (م بہ اختلاف روایت ۲۴۰ھ) صحیح بخاری کے چند اوراق کا سماع نہ کر سکے' لیکن ان احادیث کو انہوں نے امام صاحب سے اجازۃً لے لیا[۲۷] الفربری نے صحیح بخاری کا دو مرتبہ' ۲۴۸ھ اور ۲۵۲ھ میں سماع کیا۔ علامہ نووی نے المنہاج کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فربری کی روایت نہایت مشہور اور متواتر ہے' اور ان سے بے شمار لوگوں نے صحیح بخاری کا سماع کیا' جن کی روایت محفوظ نسخوں سے مروی ہے' شارحین نے ان کی تعداد بارہ بتاتے ہوئے ان کے رواۃ کے اسما ذکر کئے ہیں ان کے واسطوں سے شارحین کی سند صحیح بخاری کے مولف تک پہنچتی ہے۔ ان کے رواۃ کا ذکر قطف الثمر اور الیانع الجنی میں ہے اور شاہ ولی اللہؒ کی السلسلات میں ان کے اسانید کا ذکر ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے ایک اور رسالے الارشاد الی مہمات الاسناد میں بھی بعض اسناد پیش کئے ہیں الفربری کے تلامذہ جن سے سلسلہ سند امام بخاری تک پہنچتا ہے یہ ہیں

ـــ ابن السکن ابو علی سعید بن عثمان (م ۳۵۲ھ) المستملی ابو اسحاق ابراھیم بن محمد (م ۳۷۶ھ) الاخسیکثی ابو نصر احمد بن محمد (م ۳۷۶ھ) ابو زید المروزی الفقیہ محمد بن احمد (م ۳۷۱ھ) الشافعی ابو علی محمد عبداللہ بن احمد بن حمویہ السرخسی الحموی (م ۳۸۱ھ) ابوالہیثم محمد بن مکی

Marfat.com

الکشمیھنی، اسماعیل بن ابی نصر محمد بن احمد الکشانی (م ۳۹۱ھ) ابو سعید احمد بن محمد، محمد بن احمد بن صامت اور ابو لقمان یحیی بن عمار الختلانی،

الاخسیکثی سے صحیح بخاری کو اسمٰعیل بن اسحق الصفار الزاہد نے روایت کیا بغداد میں حافظ ابوالحسن الدار قطنی اور محمد بن احمد، ابو زید المروزی الشافعی سے سماع کرنے والوں میں شامل تھے[۲۸] ان سے صحیح بخاری کی روایت تین مشہور آئمہ ابوالحسن علی بن محمد القابسی المعافری المالکی (م ۴۰۳ھ) حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبھانی الشافعی (م ۴۲۰ھ) صاحب حلیتہ الاولیاء اور ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم الاصیلی المالکی (م ۳۹۲ھ) نے کیا (۲۹) ابو محمد عبداللہ بن احمد السرخسی الحموی کا سماع علامہ نووی نے ۳۱۰ھ میں فربر میں بتایا ہے[۳۰] اور ابوالھیثم محمد بن مکی کے بارے میں النواب کی التاج الکلل میں ہے کہ یہ مرو کے قصبہ کشمیھنہ کے رہنے والے تھے ان سے ابو سہل محمد بن محمد (م ۴۴۶ھ) ام الکرام کریمہ بنت احمد المروزیہ اور ابو زرعہ عبدالرحیم بن احمد الھروی نے صحیح بخاری کا سماع کیا، موخر الذکر الختلانی سے صحیح بخاری کی روایت الشیخ المعمر محمد بن شاذ بخت الفرغانی نے کی۔

"اور یہ سلسلہ سند بواسطہ احمد بن عبداللہ الطاوسی شاہ ولی اللہ تک دس واسطوں سے پہنچتا ہے، جس کا ذکر شاہ ولی اللہ کی اپنی تالیف المسلسلات میں ہے۔

السبکی اور نواب صدیق حسن خان نے امام بخاری" کا مسلک بیان کرتے ہوئے انہیں شافعی" لکھا ہے[۳۱] ابن حجر نے بتایا ہے کہ امام بخاری" کے فقہی مباحث کا غالب حصہ امام شافعی" کے مسلک سے ماخوذ ہے[۳۲] ابن قیم کی نظر میں امام بخاری" حنبلی تھے[۳۳] اور علامہ طاہر الجزائری" کے نزدیک مجتہد مطلق[۳۴] مولانا انور شاہ کشمیری نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ امام بخاری" مسلک کے اعتبار سے شافعی" تھے اور انہوں نے مسائل مشہورہ میں امام شافعی" کی پیروی کی۔ وہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کی طرف سے امام ابو حنیفہ کی موافقت بھی امام شافعی سے کم نہیں اور وہ بلاشبہ مجتہد مطلق تھے۔(۳۵)

امام صاحب کی غیر معمولی قوت حافظہ، ان کے خلوص نیت اور حدیث سے والہانہ شغف کی بدولت ان کی صحیح بخاری کو جو عظمت و وقعت حاصل ہوئی، اس کا اعتراف اکثریت نے کیا ہے۔ صحت و شہرت کے اعتبار سے یہ کتاب ہر دور میں مقبول رہی۔ شاہ ولی اللہ نے

Marfat.com

محدثین کی اس رائے کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ صحیح بخاری کی تمام کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو' وہ مبتدع اور مسلمانوں کی رائے کے خلاف چلتا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ولعمری انہ نال من الشھرۃ والقبول درجۃ لا یرام فوقھا"(۳۶)

مجھے اپنی زندگی کی قسم' اس (کتاب یعنی صحیح بخاری) کو ایسی شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

شاہ ولی اللہ کے اس بیان کی تائید ان بے شمار محاسن و فضائل سے ہوتی ہے' جو صحیح بخاری کے بارے میں مختلف علماء و فقہا کے ہیں۔ حافظ ابن صلاح کا کہنا ہے کہ کتاب اللہ البخاری صحت اور کثرت فوائد کے لحاظ سے ممتاز و مقدم ہے(۳۷) امام نسائی کے الفاظ "اجود ہذہ الکتب کتاب البخاری"(۳۸) ہیں اور ابو زید مروزی فرماتے ہیں کہ ایک رات جب وہ حجر اسود اور مقام ابراھیم کے درمیان استراحت فرماتھے' خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ اے ابو زید! امام شافعی کی کتاب ہی کا درس دیتے رہو گے' میری کتاب کا درس نہیں دوگے؟ ابو زید مروزی نے عرض کی: حضور آپ کی کونسی کتاب؟ جواب ملا: محمد بن اسماعیل کی صحیح بخاری(۳۹) شاہ ولی اللہ نے بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے' لیکن ابو زید مروزی کا نام نہیں لکھا۔ فرماتے ہیں:

"وبلغنا ان رجلا من الصالحین رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی منامہ وھو یقول مالک اشتغلت بفقہ محمد بن ادریس و ترکت کتابی' قال یا رسول اللہ وما کتابک؟ قال صحیح البخاری"(۴۰)

مولفین و ناقدین کی اکثریت اس خیال سے متفق ہے کہ صحیح بخاری کو صحاح اور تمام کتب حدیث پر ترجیح حاصل ہے۔ علامہ نووی علماء اسلام کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ کتاب صحت اور دیگر فوائد کے لحاظ سے صحیح مسلم پر فائق ہے(۴۱) ابن کثیر کا بیان ہے کہ صحیح بخاری کا صحیح مسلم یا کوئی اور کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی "یوازیہ فیہ غیرہ لا صحیح مسلم ولا غیرہ"(۴۲) امام شافعی" فرماتے ہیں کہ روئے زمین میں ایک امام مالک" کی کتاب سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی

Marfat.com

اور کتاب نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اللہ کے بعد موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں، لیکن امام شافعی کی اس رائے "ما اعلم فی الارض کتابا اکثر صوابا من کتاب مالک وفی لفظ عنہ مابعد کتاب اللہ اصح من موطا مالک" کے متعلق نووی کی تصریح ہے کہ امام شافعی کا یہ فیصلہ ان دونوں کتابوں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وجود میں آنے سے پہلے کا تھا۔(۴۳)

مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحقیق ہے کہ:

"حاکم کے شیخ ابو علی نیشا پوری اور بعض مغاربہ نے صحیح بخاری کے مقابلے میں صحیح مسلم کو "اصح لکتب بعد کتاب اللہ العزیز" کہا ہے لیکن ابن حجر نے اس قول کی توجیہ میں اس امکان کو رد نہیں کیا کہ ان لوگوں نے حسن ترتیب کے لحاظ سے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہو، کیونکہ امام دارقطنی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ بخاری نہ ہوتے تو مسلم کا وجود کہاں سے آتا؟ لولا البخاری لما جاء مسلم"(۴۴)

اور فی الحقیقت صحیح بخاری ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر اس پر فنی نقطہ نگاہ سے بھی بحث کی جائے اور اس کے تمام محتویات کا احاطہ کیا جائے تو طبقات کتب حدیث کے طبقہ اولیٰ کی سرفہرست کتابوں میں اس کے مقام و مرتبہ سے انحراف کی کوئی صورت بظاہر نظر نہیں آتی۔ محدثین میں امام بخاری"، مسلم"، ابوداود"، عبد بن حمید"، دارمی"، ابن ماجہ"، ابو یعلی"، ترمذی"، نسائی"، دار قطنی"، حاکم"، بیہقی"، خطیب"، دیلمی" اور ابن عبدالبر اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے امام بخاری سرفہرست ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ میرے نزدیک سب سے وسیع العلم سب سے زیادہ نافع مصنف اور مشہور ترین چار شخص ہیں جن کا زمانہ قریب قریب ہے اور:

"اولہم ابو عبداللہ البخاری و کان غرضہ تجرید الا حادیث الصحاح المستفیضتہ المتصلتہ من غیرھا و استنباط الفقہ والسیرۃ والتفسیر منہا، فضف جامعتہ الصحیح و و فی بما شرط"(۴۵)

سب سے اول ابو عبداللہ بخاری ہیں، ان کی غرض یہ تھی کہ جس قدر احادیث صحیح، مستیفض اور متصل ہیں دوسری حدیثوں سے جدا کر دی

جائیں۔ اور ان سے فقہ، سیرت اور تفسیر کو مستنبط کیا جائے اس لئے انہوں نے اپنی الجامع الصحیح کو تصنیف کیا اور جو شرط مقرر کی اسے پورا کیا۔

صحیح بخاری حقیقی معنوں میں اپنی جملہ خوبیوں میں ممتاز ہے جن میں سے ایک خوبی اس کا فنی حیثیت سے مزین ہونا ہے۔ اصول فقہ و حدیث پر سب سے پہلے امام شافعیؒ نے الرسالہ تصنیف کیا امام بخاریؒ نے اپنی اس تالیف کی احادیث سے ان ہی اصول کو مستحکم کیا مثلاً محدثین اور بالخصوص اہل کوفہ کا نابالغ کے سماع کے معتبر ہونے میں اختلاف کا حل "باب متی یصلح سماع الصغیر" میں ہے کہ محمود بن الربیع اور ابن عباسؓ نے صغر سنی میں دیگر صحابہؓ اور آنحضرتؐ سے روایت کی جس سے بالغ ہونے کی قید درست نہیں بنا بریں "باب الفھم فی العلم" میں اشارہ فرمادیا کہ صغر سنی میں فہم بھی شرط ہے اور اس کے بغیر سماع قابل اعتبار نہ ہوگا۔

محدثین خصوصاً متاخرین روایت بیان کرتے وقت حدثنا و اخبرنا وغیرہ کے صیغوں کے استعمال کے وقت یہ احتیاط برتتے ہیں کہ راوی اگر شیخ سے اکیلا سنے تو حدثنی کہے اور زیادہ شاگرد ہوں تو اخبرنا، لیکن امام بخاری کے نزدیک یہ تفریق سلف میں رائج نہ تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری کے "باب قول المحدث حدثنا و اخبرنا و انبانا" میں پہلے تو صحابہ اور تابعین و تبع تابعین سے ثابت کرتے ہیں اور پھر حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت لاتے ہیں مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین حدثنا اخبرنا اور انبانا کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔

قیاس جلی سے خبرواحد کو رد کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ محدثین، فقہاء اور اہل الرائے اس بارے میں کسی ایک فیصلے پر متفق نہیں ہوسکے۔ اہل الرائے اس کے جواز کے قائل ہیں، بلکہ وہ تو خبرواحد سے قرآن مجید میں مطلق آیت کی تقیید کو زیادہ علی القرآن سے تعبیر کرتے ہیں۔ برعکس محدثین کے، وہ خبرواحد کو حجت مانتے ہیں اور اس کے مقابلے میں قیاس جلی یا خفی کو مردود قرار دیتے ہیں اور اس سے قرآن کی مطلق تقیید کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں اس نزاع کو دور کیا گیا ہے اور محدثین کی تائید کی گئی ہے۔(۱۲)

صحیح بخاری فقہ و اجتہاد کا ایک معیاری اور اعلیٰ نمونہ ہونے کے سبب بھی طبقہ اولیٰ کی

Marfat.com

کتاب ہے مثلاً باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ" کے تحت حضرت ابن ابی وقاص سے روایت لاکر امام بخاری نے ایک حدیث سے نو مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اسی طرح "باب عظة النساء" میں ایک روایت جو ابن عباسؓ کے واسطے سے نقل کی ہے' اس سے کم و بیش چودہ مقامات پر علیحدہ علیحدہ مسائل کا استنباط کیا ہے۔(۴۷)

ابن حجر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صحیح بخاری میں امام صاحب نے کامل طور پر صحت کا التزام رکھا ہے اور اس میں صرف احادیث صحیحہ لائے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے فقہی مسائل اور حکیمانہ نکات کو نظرانداز نہیں کیا۔ متون حدیث سے انہوں نے بہت سے معانی استنباط فرمائے' جو مناسب طریقوں سے پوری صحیح بخاری میں موجود ہیں' اس طرح انہوں نے آیات احکام کی طرف بھی مکمل توجہ مرکوز رکھی اور جیسا کہ شاہ ولی اللہ کی رائے لکھی گئی کہ:

"امام بخاریؒ کی اصل غرض احادیث کے ذخیرہ میں سے صحیح و مستفیض و متصل کا انتخاب ہے اور فقہ و سیرت اور تفسیر کا استنباط بھی۔ انہوں نے اخذ شریعت کے لئے اپنی ہی مقرر کردہ شرائط کو بدرجہ کمال پورا کیا"(۴۸)

شاہ ولی اللہ نے صحیح بخاری کے ایک اہم پہلو تراجم البخاری کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری نے تراجم ابواب قائم کر کے فقہ اسلامی اور استنباط مسائل کے اصول قائم کئے اور اپنی اس الجامع الصحیح کو اس حد تک صحیح اور مکمل کر دیا کہ اس کا شمار کتب حدیث کی صف اول میں نمایاں ترین انداز میں کیا جانے لگا۔

ابن خلدونؒ کے نزدیک امام بخاری کہیں تو حدیث سے استنباط میں عبارۃ النص سے کام لیتے ہیں کہیں اشارۃ النص سے اور کہیں دلالت النص سے' مصالح عباد کو بھی انہوں نے نظرانداز نہیں کیا۔ مثلاً ایک حدیث عام کا ذکر کرتے ہیں اور اس پر خاص باب مرتب کرتے ہیں۔ "باب التسمیۃ علیٰ کل حال و عند الوقاع" اس کی مثال ہے، کبھی باب میں حدیث کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ اول الذکر میں ابن عباس کی

روایت لاتے ہیں اور ثانی الذکر میں ابن مسعود کی۔ کہیں صرف لفظ باب پر اکتفا کرتے ہیں، جو عموماً دو طریق پر محمول کیا جاتا ہے۔ بمنزلہ ح ای، بھذالاسناد ہوتا ہے یا تشحیذ اذھان کے قبیل سے کہ اس کا تعلق ماقبل حدیث سے بھی ہے، لیکن طالب علموں میں قوت اجتہاد کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے صرف باب پر اس لئے اکتفا کرتے ہیں کہ وہ خود ترجمہ قائم کریں کہ اس سے کیا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

'اور کبھی حدیث کے ایک حصے کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے متعلقہ مسئلے پر باب کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً باب ماجاء ان الاعمال بالنیتہ میں ابن مسعود کی روایت (اجمالاً) نقل کی ہے۔ پھر ایک اور جگہ اس روایت کو تفصیل سے پیش کیا ہے اور اس پر باب رثاء النبی سعد بن خولہ قائم کیا ہے'(۴۹)

اگر ایک حدیث سے متعدد مسائل ثابت ہوں تو ابن خلدون کے نقد و تبصرہ کے مطابق امام بخاری اس پر علیحدہ علیحدہ باب ذکر کرتے ہیں۔ کبھی باب استفہام کے طریق پر، جس میں اختلاف کی نوعیت کا بیان ہوتا ہے اور کبھی دوسری طرز پر۔(۵۰) الغرض امام بخاری کے پیش نظر جس طرح احادیث صحیح کی تخریج ہے، اسی طرح انہوں نے بہت سے مسائل کا استنباط و استخراج فرمایا۔ چنانچہ ایک ایک روایت کو متعدد جگہوں پر نقل کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی۔

صحیح بخاری کا سارا کمال اس کے تراجم میں ہے۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے تراجم ابواب میں جس دقت نظر کا مظاہرہ کیا، اس کو سمجھنے کے لئے بڑے بڑے اہل علم قاصر رہے۔ اس کی اسی اہمیت کی بناپر متقدمین اور متاخرین نے تراجم ابواب پر مستقل رسالے لکھے۔ الامع الدراری(۵۱) میں اس قسم کے چھ رسائل کا ذکر ہے، جن میں سے ایک اہم رسالہ شاہ ولی اللہ کا شرح تراجم البخاری ہے۔

شاہ ولی اللہ نے شرح تراجم البخاری میں چودہ اصول بیان کیے ہیں۔ ابن حجر اور علامہ عینی نے بھی اپنے اپنے دور میں تراجم ابواب کی طرف توجہ کی تھی۔ اول الذکر نے تو بعض اصولوں کی نشاندھی بھی کر دی اور یہاں تک کہہ دیا کہ امام بخاری نے بہت سے فقہی فوائد

Marfat.com

اور حکیمانہ نکات اپنی کتاب میں بکھیر دیئے ہیں اور غور و فکر کرنے والوں کو اس میں بہت سی نادر چیزیں ملتی ہیں[۵۲] من جدوجد اور شاہ ولی اللہ ' امام بخاری کے مقصود کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

واراد ایضاً ان یفرغ جهده فی الاستنباط من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویستنبط من کل حدیث مسائل کثیرہ وهذا امر لم لیبقہ الیہ غیرہ "(۵۳)

محمد بن طاہر المقدسی لکھتے ہیں کہ آئمہ کرام یعنی بخاری ' مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین میں سے کسی سے بھی تخریج روایات میں ان کے شرائط منقول نہیں ' بلکہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے[۵۴] بخاری کی شرط یہ کہ وہ ایسی روایت کی تخریج کرتے ہیں ' جس کے سارے رواۃ صحابی مشہورہ تک ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر کبار محدثین کا اتفاق ہو۔ اس روایت کی سند متصل ہو ' منقطع نہ ہو۔ جس روایت کے صحابی سے دو یا اس سے زیادہ راوی ہوں ' وہ نہایت ہی اعلیٰ و ارفع ہو گی اور ایک ہی راوی ہو اور اس کی سند صحیح ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ امام نووی کہتے ہیں کہ:

"امام مسلمؒ نے ایسے لوگوں سے بھی حدیث کی تخریج کی ' جن کی حدیث کو کس شبہ کی بنا پر امام بخاری نے ترک کر دیا تھا۔ اس کی مثال امام زہری کے تلامذہ ہیں ' جو اوصاف کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے ۵ طبقوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ امام بخاری نے طبقہ اولیٰ سے اصلتاً اور طبقہ ثانیہ سے جن کی احادیث پر ان کو اعتماد ہے صحیح بخاری میں روایت تو کیا ہے ' لیکن بالاستیعاب نہیں ' جب کہ امام مسلم نے دونوں طبقوں کی حدیثوں کو بالاستیعاب لیا ہے۔ اس طرح طبقہ ثالثہ کی روایات کو امام بخاری نے بالکل قبول نہیں کیا ' لیکن امام مسلم ان سے بھی کبھی کبھی روایت کرتے ہیں"(۵۵)

اسی طرح ابو عبداللہ حاکم نے حدیث صحیح کی یہ تعریف کی ہے کہ اس میں کوئی مشہور صحابی نبی کریمؐ سے روایت کرے ' پھر اس صحابی سے دو ثقہ راوی روایت کرتے ہوں۔ مگر صحیحین سے ان کا دعوی ٹوٹ جاتا ہے ' کیونکہ شیخین نے بہت سے ایسے صحابہؓ کی

روائتیں نقل کی ہیں، جنہیں صرف ایک ایک راوی نے روایت کیا ہے۔(۵۶)

صحیح بخاری کی جملہ روایات کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ الجزائری اس کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صحیح بخاری ایک سو سے زائد کتب اور تین ہزار چار سو پچاس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ۹ ہزار ۸۲ روایات ہیں۔ اس تعداد میں صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال شامل نہیں۔ معلق روائتیں ایک ہزار ۳ سو ۴۱ احادیث سات ہزار ۳ سو ۹۷ اور وہ روایات جو متابعات یا تنبیہہ کے طور پر لائی گئیں، ۳ سو ۴۴ ہیں۔(۵۷) نووی کے نزدیک

"صحیح بخاری کی روایات بالتکرار تعداد میں سات ہزار ۲ سو ۷۵ ہیں اور عدم تکرار کے ساتھ ۴ ہزار"(۵۸)

حافظ ابن حجر نے کامل احتیاط سے روایات مرفوعہ کی تعداد سات ہزار ۳ سو ۹۷ اور تکرار کے ساتھ متابعات و تعلیقات کی تعداد ایک ہزار ۳ سو ۴۱ شمار کی ہے، جن میں اکثر کو امام بخاری نے سنداً بیان کر دیا ہے۔ موقوفات صحابہ و مقطوعات تابعین کی تعداد ۳ سو ۴۱ ہے۔ مجموعی تعداد ۹ ہزار ۴ سو سات، غیر مکرر روایات مرفوعہ ۲ ہزار ۵ سو ۱۳ احادیث پر مشتمل ہے۔(۵۹) شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری سے متعلق یہ صحیح ہے کہ انہوں نے ۶ ہزار احادیث سے صحیح بخاری کو مختصر کیا:

"..... صح عن البخاری انہ اختصر صحیحہ عن ستہ الاف حدیث"(۶۰)

صحیح مسلم

صحیح بخاری کو مجموعی طور پر صحت و شہرت وغیرہ بہت سے امور میں تمام مجامع احادیث پر فوقیت حاصل ہے، لیکن صحیح مسلم بھی بعض حیثیات میں اس سے اور دیگر ذخیرہ احادیث میں ممیز و ممتاز ہے۔ بہ نظر غائر تحقیق کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ حدیث میں سب سے پہلے امام بخاری نے احادیث صحیحہ مرفوعہ کو الگ منتخب فرمایا اور اپنی الجامع الصحیح تیار کی۔ اسے دیکھ کر امام مسلم کو اس عنوان سے ایک دوسرے انداز میں احادیث صحیحہ جمع کرنے کا شوق ہوا۔ جس کے نتیجے میں صحیح مسلم

Marfat.com

منصہ شہود پر آئی، شاہ ولی اللہ نے اسے طبقہ اولی کی کتب میں موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے بعد تیسرے درجے پر رکھا ہے۔

صحیح مسلم اپنے مولف کے احوال و واقعات اور اپنی گوناگوں صفات کے لحاظ سے طبقہ اولیٰ سے شمار کی جانے ہی کی مستحق ہے۔ امام مسلم کی ابوالحسین اور لقب عساکر الدین تھا۔ مختصر سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے: مسلم بن حجاج بن ورد بن کرشاد القشری نیشا پوری، عرب کے مشہور قبیلہ بنی قشیر سے منسوب تھے اور خراسان کے شہر نیشا پور میں پیدا ہوئے (۱)۔ نووی اور ابن خلقان نے سنہ پیدائش ۲۰۶ھ (۲) اور شاہ عبدالعزیز نے ۲۰۲ھ (۳) بتایا ہے۔ ابن کثیر اور ذہبی نے ۲۰۴ھ کو ترجیح دی ہے (۴) اور اس قبول کو ابن الاثیر نے جامع الاصول کے مقدمہ میں راجح قرار دیا ہے۔ (۱) ۲۵ رجب ۲۶۱ھ (۲) کو انتقال ہوا اور نیشا پور کے باہر نصیر آباد میں دفن کئے گئے۔ (۳)

امام مسلم کا زمانہ علم حدیث سے مامور تھا۔ بغداد کے بعد نیشا پور کی علمی حیثیت و مرکزیت مسلمہ تھی اور بقول تاج الدین السبکی: "قد کانت نیشا پوری اجل البلاد و اعظمها لم یکن بد بغداد مثلها (۶۸) یہیں سے مسلمؒ نے ۱۴ سال کی عمر میں سماع حدیث کے لئے سفر کا آغاز کیا۔ خراسان و نیشا پوری میں اسحٰق بن راھویہ اور امام ذھلی سے مستفیض ہوئے۔ پھر عراق، حجاز اور شام و مصر تشریف لائے۔ "بغداد جانے کا بھی مقدر بار موقع ملا اور وہاں محمد بن مہران اور ابوغسانؒ ایسے ممتاز محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔" (۶۹) عراق میں امام احمد بن حنبلؒ اور عبداللہ بن سلمہ قطنبیؒ، حجاز میں سعید بنؒ منصور اور ابو مصعب، مصر میں عمرو بنؒ سواد اور حرملہ بن یحیی سے استفادہ کیا (۷۰)۔ بلخ و بصرہ کے سفر میں احمد بن سلمہ کی رفاقت شامل حال تھی (۷۱)۔ نیشا پور میں امام بخاری سے فیض پاتے رہے (۷۲)۔ ان بزرگوں کے علاوہ احمد بن یونس یربوعی، اسماعیل بن ابن اویس اور عون بن سلام وغیرھم سے علم حاصل کیا۔

صحیح مسلم کے ابواب چونکہ مصنف نے خود قائم نہیں کئے، اس لئے مولانا انور

Marfat.com

شاہ کشمیری کے نزدیک امام صاحب کے مسلک کا اندازہ لگانا مشکل ہے (۷۳)۔ لیکن نواب صدیق حسن خان نے انہیں شوافع میں شمار کیا ہے (۷۴) اور بعض دوسرے مولفین بھی انہیں امام شافعی کا مقلد مانتے ہیں' جب کہ ایک رائے یہ ہے کہ وہ مجتہد تھے۔ ابن حجر نے ان کے اجتہاد کی طرف اشارات کئے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امام مسلم مالکی المذہب تھے' تاہم طبقات المالکیہ میں ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ حاجی خلیفہ نے ان کی صحیح مسلم کے لئے "جامع الصحیح الامام المسل الشافعی (۷۵) کے الفاظ لکھ کر ان کے شافعی المذہب ہونے کی تائید کی ہے۔ بنا بریں "صاحب البانع الجنی نے صراحتا" بتا دیا ہے کہ امام مسلم اصولی طور پر شافعی تھے اور اس کی اغلبا" وجہ یہ ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے بہت کم اختلاف کیا (۷۶)۔ انہوں نے متعدد کتب تالیف کیں' جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:

> "المسند الکبیر' کتاب الاسماء والکنی' کتاب العلل' کتاب المیز' کتاب المنفردات والواحدان' کتاب الاقران' سوالات لاحمد بن حنبل' مشائخ الثوری' کتاب حدیث عمرو بن شعب' کتاب الانتفاع باھب السباع' من لیس لہ الارا و واحد' مشائخ شعبہ' کتاب المحفرمین' کتاب اولاد الصحابہ' ادہام المحدثین' کتاب الطبقات' مشائخ مالک' کتاب افراد الشامیین' رواۃ الاعتبار' کتاب الاخوۃ' اورالجامع الصحیح"

الجامع الصحیح' صحیح مسلم کے نام سے مشہور ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز نے اسے "الجامع" نہیں مانا' کیونکہ ان کے نزدیک "جامع" اور حدیث کے ابواب ثانیہ لازم و ملزوم ہیں۔ صحیح مسلم میں چونکہ فن تفسیر و قراۃ سے متعلق احادیث بہت کم ہیں' اس لئے اس کو "الجامع" کہنا درست نہیں (۷۷) لیکن یہ رائے اس اعتبار سے محل نظر ہے کہ صحیح مسلم میں فن تفسیر کی احادیث کو خواہ تعداد میں کم سہی' تسلیم تو کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اکثر محدثین کا امام مسلم کی تصنیف کو الجامع الصحیح قرار دینا غلط نہیں۔ جیسا کہ صاحب کشف الظنون نے صحیح مسلم پر "الجامع" کا اطلاق کیا ہے

(۷۸)۔ متاخرین نے بھی امام مسلم کی اس تصنیف کو "الجامع الصحیح" کہا ہے اور متقدمین نے "الصحیح" (۷۹)۔ نووی نے امام مسلم کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ انہوں نے تین لاکھ احادیث سے ایک مسند صحیح کا انتخاب کیا:

"صنفت هذا المسند الصحیح فی ثلث ماة الف حدیث مسموعة" (۸۰)

اس میں مکررات بھی شامل ہیں: "اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو صحیح مسلم کی روایات کی تعداد چار ہزار رہ جاتی ہے اور ابن صلاح کی تحقیق میں یہی بنیادی حدیثیں ہیں (۸۱)۔ جب کہ مکررات کی شمولیت سے صحیح مسلم کثرت طرق میں صحیح بخاری سے بڑھ جاتی ہے۔

امام مسلم نے امام بخاری سے کافی استفادہ کیا۔ "اکثر شیوخ میں وہ دونوں شریک رہے (۸۲)۔ اس کے باوصف ان کی صحیح مسلم، صحیح بخاری سے فقرے مختلف ہے۔ شاہ ولی اللہ کے بقول امام مسلم کا یہی قصد تھا کہ ان احادیث صحیحہ کو جمع کریں، جو محدثین کے نزدیک متفق علیہ، متصل اور موضوع ہوں اور ان سے احکام مستنبط ہو سکیں:

"و ..... مسلم النیسا پوری توخی تجرید الصحاح المجع علیها بین المحدثین المتصلة المرفوعة مما یستنبطه منه السنة" (۸۳)

امام بخاری کے پیش نظر احادیث صحیحہ مرفوعہ کی تخریج اور فقہ و سیرت و تفسیر وغیرہ کا استنباط تھا اس لئے انہوں نے موقوف و معلق صحابہ و تابعین کے فتاویٰ وغیرہ سب نقل کر دیئے اور اس مقصد کے پیش نظر احادیث کے متون و طرق کے ٹکڑوں کو اپنی کتاب میں بکھیر دیا مگر "امام مسلم کا متصور فقط احادیث صحیحہ کو منتخب کرنا تھا، اس لئے انہوں نے استنباط وغیرہ سے تعرض نہیں کیا، بلکہ ہر حدیث کے مختلف طرق کو حسن ترتیب سے یکجا بیان کر دیا، جس سے مستون کے اختلاف اور مختلف اسانید سے واقفیت میں کوئی مشکل نہ رہی" (۸۴)۔ اس لحاظ سے صحیح مسلم میں احادیث منقطع وغیرہ کی تعداد کم بلکہ شاذ و نادر ہے۔ شاہ ولی اللہ کے خیال مین امام مسلم نے یہ قصد

Marfat.com

کیا کہ احادیث کو قریب الفہم کر دیں اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا سہل ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے صحیح مسلم کو نہایت عمدہ ترتیب دی:

"واراد تقریبها الی الاذهان و تسهیل الاستنباط منها فرتب ترتیبا جیلا (۸۵)

امام مسلم نے جمع حدیث میں نہ صرف اپنی ذاتی تحقیق پر اکتفا کیا' بلکہ مزید حزم و احتیاط سے کام لیتے ہوئے صرف وہی احادیث احاطہ تحریر میں لاتے رہے' جن کی صحت پر مشائخ وقت کو کسی قسم کا شک نہ تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی' اس کو میں نے درج نہیں کیا' میں نے تو صرف ان احادیث کو درج کیا ہے' جن کی صحت پر شیوخ وقت کا اجماع ہے:

"لیس کل شی عندی صحیح وضعته ههنا انما وضعت ههنا ما اجمعوا علیه (۸۶)

علامہ بلقینی کے بقول: یہ اجماع' اجماع عام نہیں' بلکہ اس سے مراد چاروں آئمہ' احمد بن حنبل' یحی بن معین' عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور خراسانی کا اجماع ہے (۸۷)۔ سفیان بن ابراہیم (۸۸) کی ایک روایت کے مطابق ۲۵۷ھ (۸۹) میں امام مسلم' اس کتاب کی قرات سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد صحیح مسلم کو انہوں نے امام الجرح و التعدیل ابو زرعہؒ کے سامنے پیش کیا' وہ جس جس روایت میں کسی علت کی طرف اشارہ کرتے رہے' امام مسلم نے وہ خارج کر دیں۔ اس طرح ۱۵ برس کی محنت شاقہ کے نتیجے میں صحیح مسلم کا مجموعہ تیار ہوا۔ تب آپ نے فرمایا کہ محدثین اگر دو سو سال بھی حدیثیں لکھتے رہیں' جب بھی ان کا دار و مدار اس "المسند الصحیح" پر رہے گا:

لو ان اهل الحدیث یکتبون مائتی سنته الحدیث فمدارهم علی هذا المسند یعنی صحیحه (۹۰)"

صحیح مسلم اپنی بے شمار خوبیوں کے اعتبار سے طبقات کتب حدیث کی اولین کتابوں میں جگہ پانے کی حقدار ہے۔ کتاب کی طرز ادائیگی اور حسن ترتیب' علم

حدیث کی باریکیوں اور اسرار سے امام مسلم کی عمیق واقفیت اور اسے تصنیف کرتے وقت الفاظ کے سیاق و سباق میں غایت درجہ احتیاط و غور و فکر' نیز حدیث کے پورے متن کی یکجا ہی' تمام الفاظ کی نقل اور روایت بالمعنیٰ کے بجائے روایت باللفظ کے بیان کی روشنی میں صحیح مسلم سے استفادہ بہت آسان ہے کیونکہ:

"صحیح مسلم میں ہر حدیث کو اس کی مناسب جگہ پر بیان کیا گیا ہے ساتھ ہی اس کے طرق اور متعدد اسانید اور مختلف الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں' جس سے اس حدیث کے تصور طریق اور الفاظ سے بہ آسانی اور بہ حسن و خوبی واقفیت ہو جاتی ہے حدثنا و اخبرنا کے فرق کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ اگر دو یا اس سے زیادہ ایسی روایات بیان کی گئی ہیں' جن میں معنیٰ کے اتحاد کے علی الرغم الفاظ میں اختلاف ہو تو دونوں کو ایک اسناد میں جمع کر دیا گیا ہے۔ نیز تعین الفاظ راوی کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور روایتوں کے الفاظ کے اختلاف اچھی طرح ضبط کئے گئے ہیں تاکہ معانی میں تغیر کا امکان نہ رہے۔ رواۃ کے سلسلے میں غایت درجہ احتیاط کی گئی ہے کہ ایک راوی کا دوسرے سے التباس نہ ہو جائے۔" (۹۱)

مقدمہ شرح مسلم میں نووی نے مختلف طوق اور تحویل اسانید کو ایجاز کے ساتھ نہایت عمدگی سے پیش کرنے میں امام مسلم کی سبقت کو تسلیم کیا ہے اور شاہ ولی اللہ کا موقف بھی قریب قریب ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے ایک ہی موقع پر ہر حدیث کے تمام طوق کو جمع کر دیا' تاکہ نہایت صراحت کے ساتھ اختلاف ستون اور تفریق اسانید واضح ہو جائے۔ انہوں نے تمام مختلف احادیث کو یکجا کر دیا' تاکہ عربی زبان کے واقف کو حدیث سے افراض کرکے دوسری طرف متوجہ ہونے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے:

"..... وجمع طرق كل حديث فى موضع واحد ليتضح اختلاف المتون' وتشعب الاسانيد اصرح ما يكون و جمع بين المحث لغات

Marfat.com

فلم یدع لمن معرفتہ لسان العرب عذرا فی الاعراض عن السنتہ الی غیرھا (۹۲)۔

صحیح مسلم جس زمانے میں تصنیف کی گئی' موضوع و ضعیف اور صحیح و غلط ہر طرح کی احادیث موجود تھیں۔ چنانچہ امام مسلم نے اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں حدیث کی تین اقسام اور راویوں کے تین طبقات قرار دیئے۔ اول: بالکل صحیح احادیث جن کے راوۃ متقن' ضابط اور ثقہ ہوں۔ دوم: جن کے رواۃ ثقاہت اور حفظ و اتکان میں پہلی قسم کے راویوں سے کم ہوں اور سوم وہ احادیث کہ جن کے رواۃ کو عموماً" یا اکثر محدثین نے مردود قرار دیا ہو۔

ابو عبداللہ حاکم اور امام بیہقی کا خیال ہے کہ صحیح مسلم میں صرف طبقہ اولیٰ کی روایت ہیں' کیونکہ امام مسلم کی موت نے انہیں دوسرے طبقہ کی حدیثوں کی تخریج کی مہلت نہیں دی۔ قاضی عیاض نے اسے غلط تسلیم کیا ہے اور کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں دونوں طبقوں کی حدیثیں موجود ہیں' فرق صرف یہ ہے کہ طبقہ ثانیہ کلی روایت متابعت یا شواہد کے طور پر درج ہیں اور ان ابواب میں آگئی ہیں' جس میں طبقہ اولی کی حدیثیں دستیاب نہ ہو سکیں۔ اس طرح ان راویوں کی روایات سے بھی تعرض کیا گیا ہے' جن کو بعض محدثین نے معتبر اور بعض نے غیر معتبر قرار دیا ہے (۹۳)۔

امام مسلم کے نزدیک حدیث صحیح کی شرط یہ ہے کہ متصل الاسناد ہو اور اسے' ابتداء لغایت انتہا ثقہ راویوں نے روایت کیا ہو۔ شذ و ذوعلت سے مبرا ہونا بھی لازم ہے۔ شاہ ولی اللہ خود اس کے حق میں ہیں' جیسا کہ اقسام حدیث میں تشریح کر دی گئی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں کہ حدیث میں اختلاف اس وقت ہوتا ہے' جب مذکورہ شرط میں کوئی شق موجود نہ ہو یا باہم اس شرط کے اشتراط میں اختلاف ہو۔ مثلاً عکرمہ و عمر بن مرزوق کو روایت کے معاملے میں امام بخاری نے درست قرار دیا ہے' مگر امام مسلم نے انہیں قابل روایت نہیں سمجھا (۹۴)۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے امام بخاری کے ۴ سو ۳۴ راویوں سے اور امام بخاری نے امام مسلم کے ۶ سو ۳۵

Marfat.com

راویوں سے روایت نہیں کیا (۹۵)

یہ صراحت کہ "امام مسلم نے ایسے لوگوں سے بھی حدیث کی تخریج کی ہے' جن کی حدیث کو کسی شبہ کی بنا پر امام بخاری نے ترک دیا تھا (۹۶)۔" امام ذھری کے تلامذہ اس کی مثال ہیں' جو اوصاف میں کمی بیشی کے لحاظ سے ۵ طبقوں میں منقسم کیے گئے۔ "امام بخاری نے طبقہ اولی سے اصالتاً" اور طبقہ ثانیہ سے جن کی احادیث پر انہیں اعتماد تھا' استشہاداً" روایت کا التزام کیا' جبکہ امام مسلم نے دونوں طبقوں کی احادیث کو بالا ستیعاب قبول کر لیا۔ اس طرح طبقہ ثانیہ کی روایات امام بخاری نے قبول نہیں کی' مگر امام مسلم نے کہیں کہیں انہیں روایت کر دیا ہے (۹۷)۔"

ایک اہم سوال یہ ہے کہ طبقہ اولیٰ کی دو کتابوں یعنی صحیحین میں بہتر کونسی ہے؟ کئی علماء ناقدین نے اس کا تقابلی مطالعہ و جائزہ پیش کیا ہے۔ نووی نے تو فقط اتنا کہہ دیا ہے کہ کتاب اللہ العزیز کے بعد صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا رتبہ ہے اور امت نے ان دونوں کتابوں کی تلقی بالقبول کی ہے (۹۸)۔ علامہ جوزی کے خیال میں صحیح بخاری کا صحیح مسلم پر من حیث الصحتہ راجح و مقدم ہونا ایک ایسی حقیقت ہے' جس کا اعتراف بڑے بڑے ناقدین نے بحث و مباحث کے بعد کیا ہے:

"ورجعان کتاب البخاری علی کتاب مسلم امر ثابت ادی الیہ بحث جہابذۃ النقاد و اختیارہم (۹۹)

اس سے صحیح مسلم کا درجہ صحیح بخاری کے بعد آتا ہے۔ نواب صدیق حسن کی رائے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی جہت پر تلقی بالقبول اور تسلیم عام حاصل ہے' کیونکہ شیخین اپنے زمانے اور مابعد کے آئمہ پر احادیث کے علل اور اس کی باریکیوں کی معرفت و تمیز میں سب پر مقدم و فائق تھے:

"واقع است اجماع بر تلقی این ہر دو کتاب بالقبول و التسلیم زیراکلہ شیخین مقدم اند برائمہ عصر ما بعد در معرفت علل و فو غوامض این" (۱۰۰)

ابن حجر فرماتے ہیں کہ حسن ترتیب وغیرہ کے لحاظ سے صحیح مسلم کا مقام بلند

Marfat.com

ہے۔ اس لئے بعض لوگوں نے اسے صحیح بخاری پر اچھالا ہے (۱۰۱) اور شیخ ابو علی نیشا پوری کے قول: "ماتحت ادیم السماء کاب اصح من صحیح مسلم (۱۰۲) کی روشنی میں بعض مغاربہ نے بھی صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن علی الربیع یمنی شافعی کہتے ہیں کہ میرے سامنے کچھ لوگوں نے بخاری و مسلم کے بارے میں تنازعہ کیا اور پوچھا کہ ان میں سے مرتبہ میں کون مقدم ہے۔ میں نے کہا کہ صحت کے اعتبار سے بخاری فوقیت رکھتے ہیں جسے ترتیب ابواب میں مسلم بڑھے ہوئے ہیں۔

تنازع قوم فی البخاری و مسلم　　　لدی و قالو ای زین تقلم

فقلت لقد فاق البخاری صحتہ　　　کفافاق فی حسن الضاعتہ مسلم

(۱)

علماء کرام نے صحیحین کے اختلاف میں تطبیق کی راہ یوں نکالی ہے کہ صحیح مسلم کی روایت و رواۃ میں صحیح بخاری کے مقابلے میں زیادہ کلام ہے' اس لئے اعلیٰ مرتبہ صحت میں بخاری اور پھر صحیح مسلم ہے (۱۰۴) اور طبقہ اولی کی کتب میں یہی ترتیب تحقیق شاہ ولی اللہ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جہاں تک صحیحین کا تعلق ہے تمام محدثین متفق ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں جتنی متصل اور مرفوع حدیثیں ہیں' وہ قطعی صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچتی ہیں۔ ان کتابوں سے کوتاہی کرنے والا مبتدع ہے' جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے:

"اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع و انھما متواتر ان الی مضفیھا و انہ کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر مسبیل المومنین (۱۰۵)۔

شاہ ولی اللہ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص واضح اور صریح حق چاہتا ہے تو صحیحین کا موازنہ کتاب ابن ابی شیبہ' کتاب الطحاوی اور مسند الخوارزمی وغیرہ سے کر کے دیکھ لے۔ صحیحن اور ان کتابوں میں اسے بعد المشرقین نظر آئے گا۔

"و ان شئت حق الصراح فقسھما بکتاب بن ابی شیبہ و کتاب

Marfat.com

الطحاوی و تسند الخوارزمی و غیرھما تجد بینہا و بینہما بعد المشرقین (۱۰۶)۔

اور آخر میں طبقہ اولیٰ کی ان کتابوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہی تین کتابیں (موطا امام مالک' صحیح بخاری اور صحیح مسلم) ہیں جن کے مشکل مقامات کو ضبط کرنے اور ان کے رد و بدل و تصنیف کی تصحیح کا اہتمام قاضی عیاض نے اپنی مشارق الانوار (۱۰۷) میں کیا ہے:

"وھذہ الکتب الثلاثہ التی اعتنی القاضی عیاض فی المشارق بضبط مشکلھا ورد تصحیفھا (۱۰۸)۔

شاہ عبدالعزیز کے الفاظ میں:

" طبقہ اولی از کتب حدیث سہ کتاب اند موطا' صحیح بخاری' صحیح مسلم و قاضی عیاض کتاب مشارق الانوار برائے شرح ایں ہرسہ کتاب مخصوص نوشتہ وایں مشارق الانوار غیر مشاوق الانوار صنعانی(۱۰۹) است (۱۱۰)۔"

طبقہ ثانیہ

وہ کتب کہ جن کی احادیث صحت ' شہرت اور قبولیت میں موطا اور صحیحین کے درجہ تک نہ پہنچ سکیں ' مگر مذکورہ بالا صفات میں ان کے قریب رہیں ' طبقہ ثانیہ میں شامل ہیں۔

"کتب لم تبلغ مبلغ الموطا و الصحیحین و لکنھا تتلوھا۔" (۱)

شاہ ولی اللہ نے اس ضمن میں درج ذیل کتب حدیث کا ذکر کیا ہے۔

☆ سنن ابی داؤد

☆ جامع ترمذی

☆ سنن نسائی

مسند احمد بھی تقریباً اسی طبقے کی ہے۔ "وکاد مسند احمد یکون من جملتہ ہذہ الطبقتہ" (۲)

اور یہ تمام کتابیں اپنی علمی ' دینی اور فنی خوبیوں کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ کی رائے سے کس قدر مطابقت رکھتی ہیں ' اس کا فیصلہ طبقہ ثانیہ کے مصنفین کے مختلف احوال اور ان کی کتب کے نقد و نظر کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

سنن ابی داؤد

یہ سلیمان بن الاشعث الازدی السجستانی کی تصنیف ہے ' جن کا سلسلہ نسب اس

طرح ہے۔ سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران[۳] کنیت ابوداؤد ہے۔ اسی سے مشہور ہوئے۔ نسبی تعلق ازد سے تھا۔ مقامی نسبت "سجستان[۴]" سے تھی' جہاں "۲۰۲ھ[۵] میں پیدا ہوئے" انتقال بمقام بصرہ ۱۶ شوال ۲۷۵ھ[۶] کو ہوا۔ زندگی کے آخری چار سال بصرہ میں گذارے' لیکن زیادہ مدت بغداد میں کتاب السنن کی تالیف میں مصروف رہے۔

سماع حدیث کے لئے امام ابوداؤد نے عراق' خراسان' شام' الجزائر وغیرہ کا سفر کیا اور جن اکابر و شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے' ان کا استقصاء دشوار ہے' ابن حجر عسقلانی نے ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کی تعداد تین سے سے زائد بتائی ہے۔ ان میں امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راھویہ اور ابو ثور رحمتہ اللہ علیہم جیسے بلند پایہ فقہائے محدثین اور یحیٰی بن معین' ہشام بن عبدالملک طیالسی' ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ رحمتہ اللہ علیہم ایسے نامور ناقدین فن کے علاوہ مندرجہ ذیل آئمہ محدثین اور مشہور شیوخ شمار کئے ہیں۔

"حیوۃ بن شریح' خلف بن ہشام بغدادی' ربیع بن نافع حلبی' زہیر بن حرب' سعید بن سلیمان بزار واسطی' سعید بن منصور' سلیمان بن حرب' سلیمان بن عبدالرحمٰن دمشقی' شجاع بن مخلد' صفوان بن صالح دمشقی' عبداللہ بن رجاء بصری' عبداللہ بن محمد نفیلی دمشقی' عمرو بن عون بزار واسطی' ابو رجاء قتیبہ بن سعید' محمد بن بشار بندار بصری' محمد بن صباح بزار دولابی' محمد بن منہال' ہشام بن خالد ازرق دمشقی' ابوالولید طیالسی اور مسلم بن ابراہیم رحمتہ اللہ علیہم"[۷]

امام ابوداؤد کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ کتاب السنن کے رواۃ میں ابو عمرو احمد بن علی بن حسن بصری' ابوالطیب احمد بن ابراہیم اشنائی' ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لولوی' ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی' ابوبکر محمد بن عبد الرزاق' ابوالحسن علی بن حسن بن عبد الضاری' ابو عیسیٰ اسحاق بن موسیٰ بن سعید رملی اور ابو سالم محمد بن سعید الجلودی کے علاوہ نامور محدثین امام ترمذی اور امام نسائی رحمتہ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔

امام ابوداؤد کے مسلک کے بارے میں بھی کبار محدثین کی طرح اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ شافعی تھے اور بعض کے خیال میں حنبلی۔ نواب صدیق حسن خان نے انہیں

Marfat.com

شوافع شمار کیا ہے، لیکن مولانا انور شاہ کشمیری نے امام ابن تیمیہ کے حوالے سے ان کو حنبلی ثابت کیا ہے۔ کتاب السنن کے تراجم پر غور کیا جائے تو وہ حنبلی المسلک ہی ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ اکثر مقامات پر ثابت و معروف روایات کے مقابلے میں انہوں نے ان احادیث کو ترجیح دی ہے، جن سے امام احمد بن حنبل کے مسلک کی تائید ہو۔ (۸)

کتاب السنن ایسی معرکتہ الآرا تالیف کے علاوہ امام ابوداؤد نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ ان میں "کتاب الرد علی اہل القدر، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب المسائل، مسند مالک بن انس، کتاب المراسیل، کتاب المصابیح والمصاحف، کتاب التفسیر، نظم القرآن، فضائل القرآن، کتاب الشریعتہ التفسیر، فضائل الاعمال، کتاب الزہد، دلائل النبوۃ، کتاب الدعا، بدء الوحی، اخبار الخوارج، فضائل الانصار اور معرفۃ الاوقات والاخوۃ"(۹) قابل ذکر ہیں۔ لیکن السنن سب سے زیادہ مشہور ہے، جو ملا علی قاری کی تحقیق کے مطابق امام احمد بن حنبل کے سنہ وفات ۲۴۱ھ سے پہلے مکمل ہو چکی تھی۔ (۱۰)

شاہ ولی اللہ نے طبقہ ثانیہ کی کتب میں سنن ابی داؤد اور دوسری کتب کا ذکر کرتے ہوئے جہاں ان کتب حدیث کی حیثیت و عظمت کا اعتراف کیا ہے، وہاں ان کے مصنفین کے وثوق، عدالت اور حفظ کی بھی تعریف کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"کان مصنفوھا معروفین بالوثوق والعدالتہ والحفظ والتبحر فی فنون الحدیث"(۱۱)

گویا ان کے نزدیک امام ابوداؤد" سمیت تمام کتب طبقہ ثانیہ کے مصنفین، فنون حدیث میں تبحر تھے اور انہوں نے اپنی اس درجے کی تصانیف میں ان شروط میں کسی قسم کی کوتاہی کو پسند نہ کیا، جو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لی تھیں۔

"ولم یرضو فی کتبھم ہذہ بالتساھل فیما اشترطوا علی انفسھم"(۱۲)

اور جہاں تک سنن ابی داؤد کا تعلق ہے، اس کی شرائط شاہ ولی اللہ کے معیار کے عین مطابق ہیں۔ ان ہی سے سنن ابی داؤد کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ خصوصیات سنن ابی داؤد کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں، جس میں مصنف نے ایک ہی سند میں کہیں مختلف اسانید بیان کر دی ہیں اور کبھی ایک متن میں متعدد متون یکجا کرنے میں

Marfat.com

قباحت محسوس نہیں کی' بلکہ اسے ضروری خیال کیا ہے اِس التزام کے ساتھ کہ ہر حدیث کے الفاظ علیحدہ علیحدہ بیان ہوں اور ہر راوی کے الفاظ میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر کا احتمال نہ رہے۔ راوی کے کسی وصف کے اظہار کو ضروری سمجھا ہے تو اسے دوسری روایت سے الگ کرنے کو ترجیح دی ہے۔ نیز دو یا اس سے زائد حدیثیں ایک ہی باب میں مذکور ہوں تو اس کا مقصد کسی خاص نقطہ نظر کو واضح کرنا ہے جو پہلی روایات میں موجود نہیں یا اس میں مزید کلام کی گنجائش تھی۔

سنن ابی داؤد میں ایک ترجمہ کے تحت مختلف روایات ملتی ہیں اور کبھی ترجمۃ الباب اس طور سے قائم کیا گیا ہے کہ خود ترجمہ کے الفاظ کی طرف بلیغ اشارہ مل جائے گا کہ احادیث سے ثابت شدہ حکم کے اندر فلاں فلاں چیزیں بھی شامل ہیں۔

سنن ابی داؤد کا ایک نہایت اہم پہلو وہ احادیث ہیں جن پر امام موصوف نے سکوت اختیار فرمایا۔ ان کی حیثیت کے بارے میں خود ان کا دعویٰ ہے۔ "مالم یذکر فیہ شیاء فھو صالح" جس کے بارے میں وہ سکوت اختیار کریں وہ صالح ہے' یعنی قابل استدلال ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں صحت کے اعتبار سے تفاوت اور قابل استدلال ہونے میں حسن و صحیح دونوں کا ہی احتمال ہے۔ تاہم احتیاط اس میں ہے کہ انہیں حسن ہی قرار دیا جائے۔ علامہ نووی کہتے ہیں کہ اگر قابل اعتماد محدثین نے بھی سکوت فرمایا ہو' تو ان پر عمل کرنا جائز ہے البتہ کہیں صحت و حسن کے برخلاف ہو تو اسے ترک کر دیا جائے[۱۴] قاضی شوکانی کے نزدیک امام ابوداؤد نے جس سے سکوت فرمایا ہو' وہ حسن و صحیح دونوں کا احتمال رکھتی ہے[۱۵] دراصل امام احمد بن حنبل کا مسلک تھا کہ وہ نص نہ ملنے کی صورت میں قیاس کا راستہ تلاش کرتے تھے اور ان کے نزدیک بقول ابن قیم حدیث ضعف کے عزیز ہونے کا مطلب یہ تھا کہ روایت باطل و منکر نہ ہو[۱۶] چنانچہ امام ابوداؤد کو جب کوئی اور روایت نہ ملی تو انہوں نے بھی ضعیف حدیث کو لوگوں کی رائے سے زیادہ قوی جانا' جس کی طرف علامہ نووی نے بھی اشارہ کیا ہے اور یہی رائے شاہ ولی اللہ کی بھی ہے۔

سنن ابی داؤد کو بعض نے جن میں حاکم نیشاپوری شامل ہیں "الصحیح" کہا ہے' جو صحیح نہیں۔ اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ صرف احکام مسائل سے متعلق روایات پر

مشتمل ہے۔ امام ابوداؤد سے قبل اس قسم کی کتابیں لکھنے کا رواج نہ تھا۔ زیادہ تر کتب احکام ۔ تفسیر و قصص، اخبار و مواعظ اور ادب و زہد سے متعلق لکھی جاتی تھیں۔ یعنی وہ جوامع اور اسانید تھیں اور اس کی صراحت خود امام ابوداؤد نے رسالہ مکیہ میں کر دی ہے۔ امام نووی نے بھی اس کی تائید کی ہے[۱۷] اور اکثریت کی رائے یہ ہے کہ فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ سنن ابی داؤد میں موجود ہے، وہ صحاح کی کسی دوسری کتاب میں نہیں۔

ابن قیم کا بیان ہے کہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت ضبط و حفظ پر کامل دسترس رکھتی تھی، لیکن اسے مسائل کے استنباط کی طرف توجہ مبذول کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ اس کے برعکس ایک دوسری جماعت نے استنباط مسائل اور ان میں غور و فکر کو شعار بنایا[۱۸] امام ابوداؤد اسی جماعت کے ایک اہم فرد تھے۔ جن کی کتاب السنن کے اندر مالک، ثوری اور شافعی رحمتہ اللہ علیہم وغیرہ کے مذاہب کی بنیادیں موجود ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اس کی تائید میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤد کا مقصد ایسی احادیث کو یکجا کرنا تھا، جس سے فقہا استدلال کرتے ہیں اور وہ ان میں مروج ہیں۔ ان ہی کو علمائے بلاد نے احکام کی بنیاد قرار دیا اور اس مقصد کے لئے امام ابوداؤد نے اپنی سنن تصنیف کی اور اس میں صحیح، حسن اور اور قابل اعتماد احادیث کو جمع کر دیا۔

"وکان ہمتہ جمع الاحادیث التی استدل بہا الفقہاء ودارت فیہم وبنی علیہا الاحکام علماء الامصار فصنف سننہ وجمع فیہا الصحیح والحسن واللین والصالح للعمل" (۱۹)

سنن ابی داؤد میں ۴ ہزار ۸ سو حدیثیں ہیں، جنہیں امام ابوداؤد نے ۵ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا۔ ٦ سو مراسیل بھی ہیں(۲۰) اسے مرتب کرتے وقت امام صاحب نے صحیح الاسناد، قوی، متصل اور مرفوع احادیث کا خاص اہتمام فرمایا۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث بیان نہیں کی، جس کے ترک کرنے پر سب کا اتفاق ہو اور ان میں سے جو حدیث ضعیف تھی، میں نے اس کا ضعف بیان کر دیا اور جس حدیث میں کوئی علت تھی، اس کو اس وجہ کے ساتھ بتا دیا۔ شاہ ولی اللہ نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"قال ابوداؤد ما ذکرت فی کتابی حدیثا اجمع الناس علی ترکہ وما

کان فیہا ضعیفا صرحت بضعفہ و ما کان فیہ علتہ بینتہا بوجہ"(۲۱)

اس اعتبار سے سنن ابی داوٗد پر علامہ ابن جوزی نے جو تنقید کی ہے' اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہتی ہے۔ ابن جوزی نے امام داوٗد کی نو حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ سیوطی نے ان میں سے چار روایات کا جواب القول الحسن فی الذب عن السنن میں دیا ہے اور باقی نو کا دفاع التعقبات علی الموضوعات میں کیا ہے۔ آخر میں وہ ابن جوزی کو نقد روایات میں متشدد قرار دیتے ہیں۔ علامہ نووی کی تو یہاں تک تحقیق ہے کہ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں جن بہت سی حدیثوں کو موضوع کہا ہے' ان کو موضوع ہونے کی دلیل نہیں ملتی' بلکہ سب ضعیف ہیں(۲۳) اور شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوداوٗد نے خود ضعیف حدیثوں کا ضعف بیان کیا ہے' تاکہ علم حدیث میں غور و خوض کرنے والا انہیں بہ آسانی سمجھ لے(۲۴) علامہ احمد بن محمد ابو سلیمان الخطابی نے تو شاہ ولی اللہ سے بھی پہلے اس کی گویا تائید کردی تھی وہ کہتے ہیں کہ

'محدثین کے نزدیک حدیث کی تین اقسام ہیں۔ صحیح' حسن اور سقیم۔ امام ابوداوٗد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں کی جامع ہے اور سقیم کی مختلف بڑی اور اہم سمتوں مثلاً موضوع' مقلوب اور مجہول وغیرہ سے یکسر خالی ہے۔ اگر شاذ و نادر سقیم کی معمولی اور چھوٹی قسموں کی روائتیں درج ہیں تو امام صاحب ان کی حقیقت و نوعیت بیان کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو چکے ہیں(۲۵)'

سنن ابی داوٗد احادیث کا ایک ایسا بیش قیمت خزانہ ہے' جس کی تعریف متعدد اہل علم و فن اور مصنفین نے کی ہے۔ بیسیوں اقوال اس کے حق میں ہیں۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ امام ابوداوٗد نے سب سے پہلے اپنی یہ تالیف مکمل کرنے کے بعد اسے جب احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں پیش کیا تو وہ نہایت خوش ہوئے اور اسے پسند فرمایا

" و عرضہ علی احمد بن حنبل فاستجادہ و استحسنہ "(۲۶)

محدث زکریا الساجی کا قول ہے

" کتاب اللہ عز و جل اصل الاسلام و کتاب السنن لابی داوٗد عہد الاسلام "(۲۷)

اسی قسم کی متعدد آراء تہذیب التہذیب کے علاوہ سخاوی کی فتح المغیث ' الخطابی کی معالم السنن اور نووی کی تہذیب الاسماء واللغات وغیرہ میں درج ہیں اور شاہ ولی اللہ کے بقول غزالیؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ سنن ابی داوٗد مجتہد کے لئے کافی ہے:

" ولذلک صرح الغزالی وغیرہ بان کتابہ کاف للمجتهد "(۲۸)

جامع ترمذی

طبقات کتب حدیث کے سلسلے میں طبقہ ثانیہ کی کتاب جامع ترمذی ہے' یہ ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک السلمی الترمذی البوغی کی قابل قدر تصنیف ہے۔ السمعانی نے ان کے نسب نامہ میں بوغی کی بجائے شداد (۲۹) لکھا ہے۔ بوغی قریہ بوغ کی طرف منسوب ہے' جس کی مسافت یاقوت حموی نے ترمذ (۳۰) سے چھ فرسخ بتائی ہے۔ (۳۱) امام ابو عیسی محمد ترمذیا بوغ میں ۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷ رجب ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ عمر ستر سال تھی۰ (۳۲) محمد بن جعفر الکتانی نے سنہ انتقال "خمس سبعین و مائتین (۳۳) یعنی ۲۷۵ھ لکھا ہے۔ لیکن پہلی روایت مشہور ہے۔

امام ترمذی نے علم حدیث کی خاطر متعدد شہروں کی سیاحت کی۔ ان میں خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے قابل ذکر ہیں' جن کی علمی ؤ مرکزی حیثیت اس زمانے میں مسلمہ تھی۔ ان علاقوں کے علاوہ عراق اور حجاز کا سفر بھی کیا۔

" طاف البلاد وسمع خلقا من الخراسانین والعراقین والحجازین "(۳۴)

علامہ ذہبی نے امام بخاری' امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما کے علاوہ علی بن حجر مروزی' ہناد بن سری اور محمد بن بشار وغیرہ کا ذکر ان کے اساتذہ کی فہرست میں کیا ہے۔ امام ابوداوٗدؒ بھی ان کے شیوخ میں سے تھے۔ شیخ احمد شاکر نے کچھ نام اور گنوائے ہیں' مثلاً

" قتیبہ بن سعید الثقفی (م ۲۴۰ھ) سوید بن نصر المروزی (م ۲۴۰ھ) احمد بن ابی بکر الزہری المدنی (م ۲۴۲ھ) عبداللہ بن معاویہ الجمحی (م ۲۴۳ھ) علی

Marfat.com

بن حجر المروزی (م ۲۴۴ھ) محمد بن عبد الملک بن ابی الشواب (م ۲۴۴ھ) ابراہیم بن عبد اللہ بن حاتم الہروی (م ۲۴۴ھ) اور اسماعیل بن موسیٰ الفزاری (م ۲۴۵ھ)"(۳۵)

لیکن امام ترمذیؒ سب سے زیادہ امام بخاریؒ سے مستفیض ہوئے۔ "تفقہ فی الحدیث بالبخاری"(۳۶) پھر وہ وقت بھی آیا کہ موسیٰ بن علک کا یہ قول زبان زد عام وخاص ہو گیا۔

" مات البخاری فلم یخلف بخراسان مثل ابی عیسی فی العلم والحفظ والورع والزھد"(۳۷)

شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں؟

" ترمذی شاگرد رشید بخاری است و روش او را آموختہ داز مسلم وابی داؤد شیوخ ایشان نیز روایت دارد و در بصرہ و کوفہ و واسط ورے و خراسان و حجاز سالہا در علم حدیث بسر بردہ"(۳۸)

امام بخاریؒ کے انتقال کے بعد ان کے خلاء کو امام ترمذیؒ نے پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کی، یہاں تک کہ خراسان اور ترکستان کے علاوہ عالم اسلام کے مختلف خطوں سے شائقین حدیث ان کے درس میں شریک ہونے لگے۔ ممتاز تلامذہ میں ابو حامد احمدؒ بن عبد اللہ المروزی، ہشیم بن کلیب الشاشیؒ، محمد بن احمد بن محبوب، داؤد بن نصر المروزی، احمدؒ بن یوسف النسفی، محمد بن منذر الھروی، اسعدؒ بن حمدویہ، ابوذر محمد بن ابراہیم محمد بن سفیان اور ابو الحسن ازدی نے شہرت پائی۔

امام ترمذیؒ کے مسلک کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حنبلی و شافعی نہیں تھے؛ بلکہ امام بخاریؒ کی طرح ان پر مجتہدانہ رنگ غالب تھا۔ مولانا انور شاہ کشمیری نے انہیں واضح طور پر شافعی قرار دیا ہے(۳۹)؛ جب کہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین کا کثرت موافقت کی وجہ سے بالعموم اسی مذہب کی طرف انتساب کیا جاتا ہے۔

" وکان اہل الحدیث قد ینسب الی احد المذاہب لکثرۃ موافقتہ"(۴۰)

مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان کے اصول کے مطابق اجتہاد و استخراج مسائل کیا۔" اس میں جزوی اختلاف کی بھی گنجائش رہی ہے اور اس طرح کا اختلاف مسلک شافعی میں

Marfat.com

داخل ہونے کے لئے قادح نہیں(۴۱)" یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی بعض مسائل میں امام شافعی سے اختلاف کرتے ہیں اور "باب تاخیر الظهر فی شدة الحر" اس کی بین مثال ہے۔ اس کے برعکس وہ اکثر مسائل میں ان کے مقلد نظر آتے ہیں، لیکن بعض کے نزدیک امام ترمذیؒ کی خاص اصطلاح "عند اصحابنا" ان کے مجتہد مطلق ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مثلاً باب المحاقلہ" میں فرمایا "ھو قول الشافعی و صحابنا" اور کئی جگہ کہتے ہیں۔ "والعمل علی ہذا عند اصحابنا، عند الشافعی واحمد واسحق۔" بہ نظر غائر دیکھا جائے، تو اس سے مراد اگرچہ محدثین کی ایک جماعت ہے، تاہم امام شافعی کی بیشتر مقامات پر تائید شاہ ولی اللہ کے اس قول کو تقویت دیتی ہے کہ محدثین کسی نہ کسی امام کی طرف منتسب تھے۔ اس اعتبار سے امام ترمذی کا شافعی ہونا بہت حد تک درست ہے۔

امام ترمذیؒ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں "کتاب العلل، کتاب التاریخ، کتاب الزہد، کتاب الشمائل(۴۲)، کتاب الاسماء والکنی اور کتاب الجرح والتعدیل(۴۳)" کے علاوہ سب سے مشہور جامع ترمذی ہے۔

جامع ترمذی کے نام میں اختلاف ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

قد اشتهر بالنسبته الی مولفه فیقال جامع الترمذی و یقال السنن ایضاً والاول اکثر "(۴۴)

خطیب بغدادی اور حاکم نے اسے "الصحیح" قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا تغلیباً کہا ہو، کیونکہ حدیث کی جس کتاب میں ابواب ثمانیہ پائے جائیں اسے "جامعہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے چونکہ اپنی اس کتاب میں یہ تمام مضامین جمع کر دیئے ہیں، اس لئے یہ "جامع" ہے۔ بنابریں فقہی اعتبار سے احکام سے متعلق وہ بکثرت احادیث لائے ہیں، اس لئے بعض نے اس پر "سنن" کا اطلاق کیا ہے۔

محاسن و فضائل کے اعتبار سے جامع ترمذی کی اہمیت و افادیت کتب احادیث سے کچھ کم نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاہ ولی اللہ اسے ہرگز طبقہ ثانیہ میں شمار نہ کرتے۔ خود جامع ترمذی کی خصوصیات اس کی گواہی دیتی ہیں۔

Marfat.com

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے اور اسکی مختلف وجوہ ہیں۔ اول۔ اس کی عمدہ ترتیب اور عدم تکرار، دوم۔ مذاہب فقہاء کا ذکر اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال سوم۔ انواع حدیث مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل بہ علل وغیرہ کا بیان اور چہارم راویوں کے اسماء والقاب اور انکی کنیات سے متعلق بحث و گفتگو، جس کا تعلق علم الرجال سے ہے[۴۵] شیخ ابن صلاح نے اسی لئے کہا ہے "کتاب ابی عیسیٰ اصل فی معرفۃ الحسن[۴۶]" اور ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی کا بیان ہے کہ ہرات میں امام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاری (م ۴۸۱ھ) کے سامنے ترمذی کا ذکر آیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ صحیحین سے انفع ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے تو صرف متبحر عالم ہی مستفید ہو سکتے ہیں، جب کہ ابو عیسیٰ کی یہ کتاب ہر شخص کے لئے ہے[۴۷]

جامع ترمذی کے محاسن و فضائل کو مد نظر رکھتے ہوئے جہاں متعدد علماء و فقہاء نے اس کی تعریف کی، وہاں بعض نے قصائد بھی لکھے۔ سب سے بہترین قصیدہ علمائے اندلس کی طرف سے تھا، جسے حافظ ابوبکر ابن نقطہ بغدادی (م ۶۲۹ھ) نے اپنی کتاب "التقیید فی رواۃ الکتاب والمسانید" میں نقل کیا۔ اور اسی حوالے سے اسکا ذکر بستان المحدثین میں ہے۔ محاسن و فضائل کے اس ذخیرے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع الحدیث کی تحریک کے دوران ہر محدث کے پیش نظر کچھ نہ کچھ مقاصد تھے اور امام ترمذی کا مقصود "بیان مذاہب مع استدلال" تھا۔ شاہ ولی اللہ نے صراحتاً لکھا ہے۔

"...... وھو ابو عیسی الترمذی و کانہ استحسن طریقۃ الشیخین حیث بینا و ما ابھما، و طریقۃ ابی داود حیث جمع کل ما ذھب الیہ ذاھب، فجمع کلتا الطریقتین و زاد علیھما بیان مذاہب الصحابۃ والتابعین و فقھاء الامصار، فجمع کتابا جامعا واختصر طرق الحدیث اختصاراہ لطیفافذکرو احدا واوما الی ماعداہ، وبین امر کل حدیث من انہ صحیح او حسن او ضعیف او منکر و بین وجہ الضعف لیکون الطالب علی بصیرۃ من امرہ، فیعرف

ما یصلح للاعتبار عما دونہ وذکر انہ مستفیض او غریب ' وذکر مذاہب الصحابۃ وفقہاء الامصار وسمی من یحتاج الی التسمیۃ وکنی من یحتاج الی الکنیۃ ولم یدع خفاء لمن ہو من رجال العلم -
(۴۸)

حجۃ البالغہ کی اس عبارت کا مفہوم واضح ہے کہ ابو عیسیٰ" ترمذی نے شیخین کے طریقے کے جو ابہام و تبیین کا راستہ تھا اور ابوداؤد کی راہ جو فقہاء کے مستدلات کا بیان تھا' اسے انہوں نے نہ صرف نہایت عمدگی کے ساتھ پیش کردیا' بلکہ دونوں کو جمع بھی کردیا۔ مزید براں انہوں نے اس میں صحابہ و تابعین اور فقہاء امصار کے مذاہب کے بیان کا اضافہ کیا اور اس طرح سے ایک جامع کتاب تصنیف کی۔ حدیث کے طرق کو بانداز لطیف مختصر کیا۔ ایک حدیث کا ذکر کرکے اس باب میں اس کے ماسوا کی طرف اشارہ کرتے چلے گئے اور ہر حدیث کی حیثیت بیان کردی کہ صحیح یا حسن' ضعیف ہے کہ منکر۔ طالب حدیث کی بصیرت کے لئے ضعف حدیث کو بھی نظرانداز نہ کیا' تاکہ قابل عمل اور ناقابل عمل کی تمیز ہو جائے۔ پھر حدیث کا مستفیض ہونا بیان کیا اور بعد ازاں مذاہب صحابہ و فقہائے بلاد نقل کردیئے۔ جس شخص کا نام معلوم کرنے کی ضرورت تھی' اس کا نام بتایا اور کنیت کی صورت میں کنیت گویا اہل علم کے لئے کسی چیز کو پردہ اخفا میں نہ رکھا۔

سنن نسائی

شاہ ولی اللہ کی نظر میں طبقہ ثانیہ کی یہ تیسری اہم کتاب ہے جسے ابوعبدالرحمٰن احمد" نسائی نے تالیف کیا' امام نسائی کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار[۴۹] ابن کثیر نے احمد بن علی بن شعیب' لکھا ہے[۵۰] اور یہی رائے ابن خلکان کی ہے[۵۱] لیکن اکثریت نے صاحب البدایہ والنہایہ اور وفیات الاعیان کے مولف کی رائے کو درست تسلیم نہیں کیا۔

اصحاب الطبقات اور مورخین امام نسائی کے سنہ ولادت سے بھی اختلاف کرتے ہیں ۔ بعض آراء ۲۱۴ھ اور ۲۱۵ھ کے حق میں ہیں[۵۲] ایک بیان یہ ہے کہ ۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے[۵۳]

Marfat.com

ابن العماد نے سنہ رحلت ۳۰۳ھ بتاتے ہوئے صراحت کردی ہے۔ "ولہ ثمان وثمانون سنۃ"(۵۴) اس لحاظ سے ۲۱۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ محدث مبارکپوری نے اس معاملے میں درست نقل کیا ہے۔ " یشبہ ان یکون مولدی فی سنہ ۲۱۵"(۵۵) یہی رائے اس ابن حجر کی ہے۔

امام نسائی نے اگرچہ مستقل سکونت مصر میں اختیار کی، تاہم ان کی نسبت نسائی کی طرف ہے، جو مرو کے قریب خراسان کا ایک شہر ہے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی پھر سماع حدیث کے لئے رخت سفر باندھا۔ سب سے پہلے ۲۳۰ھ میں قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضری دی اور دو سال ان کے ہم زکاب رہے۔

" رحل الی قتیبہ ولہ خمس عشرہ فقال اقمت عندہ سنتہ و شہرین "(۵۸)

پھر خراسان، عراق، حجاز، جزیرہ، شام اور مصر وغیرہ کا سفر کیا۔ ابن یونس کے بقول آخر میں "قدم مصر قدیما وکتب بہا وکتب عنہ"(۵۹) شاہ عبد الحق محدث دہلوی کے بیان کے مطابق

" در مصر مسکن داشت و تصانیف او درون دیار منتشرات و مردم بسیار از واخذ و تحمل حدیث کردہ اند پس از مصر بدمشق آمد "(۶۰)

مصر میں مستقل طور سے سکونت اختیار کی۔ ان کی تصانیف اس کے اطراف میں پھیلیں اور کئی افراد نے ان سے اخذ روایت حدیث کیا زندگی کے آخری ایام میں مصر سے دمشق چلے آئے۔

ابن حجر عسقلانی نے امام نسائی کی دمشق میں آمد کا سال ۳۰۲ھ اور ماہ ذی قعدہ لکھا ہے(۶۱) ان کے شیوخ میں امام بخاری" امام ابوداؤد" حارث بن مسکین" محمد بن عبد الاعلیٰ" ابراہم بن یعقوب الجوزجانی" احمد بن بکار" عمرو بن زرارہ" محمد بن بشار، اسحاق بن راھویہ" عمرو بن الفلاس" یعقوب بن ابراہیم الدورقی" عبد اللہ بن سعید الکندی" عباس بن عبد العظیم العنبری" محمد بن المثنی" ، زیاد بن یحیٰ الحسانی" علی بن مجد" ہشام بن عمار" اور جیسا کہ بیاں کیا گیا ہے۔ قتیبہ بن سعید کہ شیخ الحفاظ اور محدث خراسان تھے اور بلخ ان کا وطن تھا(۶۲) تلامذہ میں حسب ذیل ممتاز شخصیات کے نام ملتے ہیں۔

، محمد بن قاسم الاندلسی" ، ابو بکر" بن احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی ، ابو علی" کنانی ، ابو الحسن محمد" بن عبد اللہ بن زکریا بن حیویہ ، محمد بن معاویہ بن الاحمر ، علی بن

جعفر الطحاوی اور محمدؒ بن مندس، (۶۳)

کبار محدثین کی طرح امام نسائی کے مسلک کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ابن خلکان نے "کان یتشیع (۶۴)" اور ابن کثیرؒ نے وقد قیل عنہ انہ کان ینسب الی شئی من التشیع" (۶۵) کے الفاظ استعمال کئے ہیں، یعنی وہ شیعہ تھے یا شیعیت کا ان پر کچھ اثر تھا۔ ابن حجر عسقلانی اور ذہبی نے اس بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام نسائی پر تشیع کا شبہ درست نہیں ابن خلکان اور ابن کثیر نے محض ان کی تالیف خصائص علیؓ سے یہ اندازہ لگایا، حالانکہ شام میں خوارج کے زور اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بڑھتی ہوئی مخالفت کے دفاع کے لئے آپ نے یہ کتاب لکھی، اس کے علاوہ امام نسائیؒ جمہور اہل سنت کی خلفاء راشدین کی ترتیب کے قائل تھے۔ ان کی السنن کے ابواب اس کا ثبوت ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے مسلک شافعی کی جانب امام نسائیؒ کا انتساب مناسب خیال کیا ہے (۶۶)۔ شاہ عبد العزیزؒ نے ان کے بارے میں "شافعی المذہب بود فرماتے ہوئے مناسک او بر ان دلالت می کند (۶۷)" کہہ دیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے بھی ان ہی کی تائید کی ہے (۶۸) لیکن مولانا انور شاہ کشمیری مختلف الرائے ہیں۔ "امام ابوداؤد والنسائیؒ صرح بہ الحافظ ابن تیمیہ وزعم آخرون انہما شافعیان و لکن الحق انہما حنبلیان (۶۹)" اس سلسلے میں انہوں نے سنن نسائی کے "باب وقت الجمعہ، باب اغتسال الرجل والمراۃ من اناء واحد اور باب الرخصۃ فی ذلک کی مثالیں دی ہیں، جن میں صرف حنابلہ سے استدلال ہے۔

امام نسائی نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ان میں "السنن الکبریٰ، السنن الصغریٰ المسمی بہ المجتبی یا المجتنی، خصائص علی، مسند علی، مسند مالک، کتاب التمییز، کتاب الضعفا والمشرکین (فی رواۃ الحدیث) اسماء الروایہ والتمیز بینہم، مسند منصور ابن رازان، ما اغرب شعبہ علی سفیان وسفیان علی شعبہ، مناسک حج اور کتاب الجرح والتعدیل (۷۰) قابل ذکر ہیں۔

شاہ عبد العزیزؒ نے ان میں کتاب الجمعہ اور استاد خولی نے کتاب المدلسین کا اضافہ کیا ہے (۷۱) لیکن ان تمام میں کتاب السنن مشہور ہے۔

Marfat.com

تصریح کے مطابق امام نسائیؒ نے سنن کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔ سنن کبری اور سنن صغری، صحاح ستہ میں ثانی الذکر شامل ہے، جیسے المجتبی یا المجتنیٰ[۷۲] کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ امام نسائیؒ نے سنن کبری کی تکمیل کے بعد اسے امیر رملہ کو پیش کیا۔ اس نے دیکھ کر سوال کیا کہ یہ تمام تر صحیح ہے؟۔ امام صاحب نے جواب دیا نہیں، اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ تب امیر نے درخواست کی کہ میرے لئے فقط صحیح روایات کو ایک کتاب میں جمع کر دیجئے۔ اس پر آپؒ نے سنن صغری تالیف فرمائی[۷۳] جس میں ۵ ہزار ۷ سو ۱۶ احادیث ہیں۔ علامہ ذہبی نے سیر الاعلام النبلاء میں اس واقعہ کی تغلیط کی ہے اور اس کتاب کو امام نسائی کے شاگرد ابن السنی[۷۴] کی تصنیف قرار دیا ہے۔

" ان ہذہ الروایتہ لم تصح بل المجتبی اختصار ابن السنی تلمیذ النسائی "(۷۵)

اس اعتبار سے سنن صغری ابن السنی کا اختصار ہے اور ان ہی کا شاہکار۔ لیکن امام نسائی کے شاگرد ابن الاحمر[۷۶] نے اپنے استاد کے اس قول کو دہرایا ہے کہ پوری کتاب السنن (الکبری) کا بیشتر حصہ صحیح ہے۔ بعض احادیث معلول ہیں لیکن ان کی علت کا بیان ہمراہ ہے اور المجتبی اسی کا اختصار ہے۔ اس سے غالب گمان یہ ہے کہ ابن السنی نے یہ کام خود امام نسائیؒ کی زیر ہدایت مکمل کیا۔

یمکن حملها علی ان یکون ابن السنی باشر اختصارها بامر النسائی فلتحمل علیہ ہذہ الروایتہ ولا یجترا علی شق عصا الجماعتہ بقول محتمل "(۷۷)

شاہ ولی اللہ نے سنن نسائی کو کتب حدیث کے طبقات میں جو نمایاں مقام عطا کیا ہے، اس کی تائید و توثیق امام نسائی کی اس تالیف انیف کے حسن ترتیب اور خوبیوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار ہونے کے علاوہ نسائی "کان امام عصرہ فی الحدیث"[۷۸] ثقہ، معتبر اور حافظ تھے اور امام دارقطنی کے بقول شیخین کے بعد اپنے زمانے کے تمام محدثین سے عالی مرتبت:

Marfat.com

"ابو عبد الرحمان النسائی مقدم علی کل من یذکر بهذا العلم من اہل عصرہ"(۷۹)

ابوبکر حداد اور حافظ ابو علی نیشاپوری' وغیرہ کے جو اقوال ابن حجر' ذہبی اور ابن کثیر نے نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائی" علم حدیث' فن تنقید اور حزم و احتیاط میں اپنے معاصرین سے کہیں فائق تھے۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ نسائی" مسلم ترمذی اور ابو داؤد" سے حدیث' علل حدیث اور علم الرجال میں زیادہ ماہر تھے مگر امام بخاری" اور ابو زرعہ" کے ہمسر(۸۰) اس کا بین ثبوت ان کی کتاب السنن ہے۔

سنن نسائی بظاہر صحیحین کی طرز پر ہے' لیکن علل حدیث کا بیان اس پر مستزاد ہے۔ ابو عبد اللہ ابن رشد (م ۷۲۱ ھ) فرماتے ہیں کہ علم سنن میں جتنی کتب تالیف ہوئیں' ان سب میں منفرد اور حسن ترتیب کے لحاظ سے بہترین اور صحیحین کی جامع اور علل حدیث میں بڑھ کر امام نسائی کی تصنیف ہے۔

"انه ابدع الکتب المصنفة فی السنن تصنیفاً و امنها ترصیفاً و هو جامع بین طریقی البخاری و مسلم مع خط کثیر فی بیان العلل"(۸۱)

علامہ سخاوی کے بقول " صرح بعض المغاربة بتفضیل کتاب النسائی علی صحیح البخاری(۸۲) بعض مغاربہ نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی" کی کتاب صحیح بخاری سے افضل ہے۔ اس نقطہ نظر کو امام دارقطنی" اور حاکم" کے ہمعصر ابو الحسن معافری (م ۴۰۳ ھ) نے یوں بیان کیا ہے۔

"اذا نظرت الی ما یخرجه اہل الحدیث فما خرجه النسائی اقرب الی الصحة مما خرجه غیرہ"(۸۳)

لیکن امام نسائی کا اپنا قول ہے کہ حدیث کی تمام کتابوں میں صحیح بخاری سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔ ابن حجر نے ان کے الفاظ "مافی ہذہ الکتب کلها اجود من کتاب البخاری" کی تشریح میں لکھا ہے۔ "والنسائی لایعنی بالجودہ الا اجودہ الاسانید"(۸۴) نسائی کی مراد جودت اسانید ہے۔

سنن نسائی بہ اعتبار شرائط بھی کتب حدیث کے طبقہ ثانیہ میں شامل ہونے کے لائق ہے۔ مقدسی نے مکہ معظمہ کے امام ابو القاسم سعد بن علی زنجانی کا قول نقل کیا ہے' جس

میں وہ کہتے ہیں کہ رجال کے متعلق نسائی کی شرائط صحیحین سے زیادہ سخت ہیں(۸۵) اس لئے انہوں نے شیخین کے بعض رواۃ کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں جمع کردیا ہے، لیکن امام نسائی کے تفقہ، ذہانت اور دقت نظری کا اندازہ انکی سنن کے تراجم ابواب سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس مسئلے میں وہ امام بخاریؒ کے تقریباً موافق دکھائی دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اختلاف الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے احادیث کے طرق کی بھرپور وضاحتیں، علل حدیث کی صراحتیں، رواۃ کے اسماء والقاب اور کنیتوں کے ابہام کو دور کرنے کی کوششیں، راویوں کے تفرد و اختلاف، متابعت و عدم متابعت کا بیان، سماع و عدم سماع کا ذکر حدیث کے مرسل، متصل، ضعیف و منکر کی نشاندہی اور غریب الفاظ کی توجیہیں یہ سب سنن نسائی کی اہم خوبیاں ہیں، جن سے شاہ ولی اللہ کے معیار و انتخاب کی تصدیق ہوتی ہے۔

مسند احمد

کتب حدیث کے طبقہ ثانیہ کی آخری اہم کتاب جسے امام احمد بن حنبل نے خود، بقول شاہ ولی اللہ اصل قرار دیا ہے کہ اس سے صحیح اور غیر صحیح و سقیم حدیث کی پہچان ہوتی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ جو حدیث میری کتاب یعنی المسند میں نہیں اسے قبول نہ کرو۔

فان الامام احمد جعلہ اصلا یعرف بہ الصحیح والسقیم قال مالیس فیہ فلا تقبلوہ (۸۶)

طبقات کتب حدیث میں مسند احمد کے معیار و شمار کا اندازہ لگانے کے لئے امام احمد بن حنبل کے احوال سے آگاہی ضروری ہے۔ "ربیع الاوّل ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے ابھی عمر تین برس تھی کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ کنیت ابو عبداللہ تھی۔ خالص عربی النسل تھے اور قبیلہ شیبان سے تعلق تھا(۸۷) ذھبی کے بیان کے مطابق شرافت و نجابت اور تقویٰ و پرہیز گاری کے آثار بچپن سے نمایاں تھے۔ قرآن مجید بہت جلد حفظ کر گئے۔ ھشیم بن جمیل نے انہیں ایک بار دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ زندہ رہے تو اہل زمانہ پر حجت ہونگے(۸۸)۔ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو ۷۷ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

تحصیل علوم اور بالخصوص علم حدیث کی خاطر امام احمدؒ بن حنبل نے بغداد میں ایک عرصہ قیام کے علاوہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام، جزیرہ، کوفہ، اور بصرہ وغیرہ کا سفر کیا۔ ابن

جوزی کے بیان کے مطابق تحصیل حدیث کی ابتدا امام ابو یوسف ؒ کی خدمت میں رہ کر کی اور ان سے حدیثیں لکھیں ۔(۸۹) پھر پیہم چار سال بغداد میں ھشیم بن بشیر بن حازم الوسطی (م ۱۸۳ھ) سے مستفیض ہوئے ۔ امام شافعی سے ان کی پہلی ملاقات سفرِ حجاز کے دوران ۱۸۷ ھ میں ہوئی ۔ قاضی ابو یوسف ؒ ھشیم ؒ بن جمیل اور ھشیم ؒ بن بشیر کے علاوہ وکیع ؒ یحیی بن سعید ' قطان اور سفیان ؒ بن عینیہ ایسے شیوخ سے بھی سماع حدیث کا موقع ملا ۔ ابن جوزی ؒ نے مناقب الامام احمد میں ان کے شیوخ کی تعداد سو سے اوپر بیان کی ہے ۔ ذھبی کے بقول بخاری ؒ ' مسلم ؒ ' ابو داؤد ؒ ' ابو زرعہ ؒ ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل رہے ۔۔(۹۰)

ابو زھرہ ؒ نے امام احمد ؒ بن حنبل کے کمل اتباع سنت کی تعریف کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے عمر کے چالیسویں سال علوم نبوت کی اشاعت کا آغاز کیا (۹۱) ۔ ان کے درس میں سامعین و طالبین بکثرت شریک ہوتے تھے ۔ " مجلس درس کے شرکاء کی تعداد کبھی کبھی ۵ ہزار سے بھی تجاوز کر جاتی تھی ۔ ان میں پانچ سو تو لکھنے والے ہوتے تھے (۹۲) ۔ دس لاکھ حدیثیں انھیں ازبر تھیں ۔ اس وسعت علم اور کثرت حفظ کے باوجود امام شافعی کا بے حد احترام کرتے تھے ۔ امام شافعی سے انہوں نے اصول اجتہاد کا ملکہ حاصل کیا ۔ اور اس میں بھی نامور ہو گئے ۔ ایک موقع وہ بھی آیا جب امام شافعی کو کہنا پڑا :

" خرجت من بغداد و ما خلفت بها اتقی ولا افقه من احمد بن حنبل ؒ (۹۳) ۔

میں بغداد اس حالت میں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ یہاں احمد بن حنبل ؒ سے بڑھ کر کوئی متقی ہے نہ فقیہ ۔

احمد ؒ بن حنبل اپنے عہد میں محدثین کے امام اور سنت و شریعت کے امین تھے ۔ معتزلہ نے جب عقیدہ خلق قرآن کو کفر و ایمان کا معیار بنایا تو امام احمد بن حنبل نے اس کی شدید مخالفت کی ۔ اس کی پاداش میں انھیں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر بغداد لایا گیا ۔ تقریباً سات ماہ پابند سلاسل رہے اور ۳۴ کوڑوں کی سزا پائی ۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ ہر دو کوڑوں کے بعد دوسرا جلاد بلا لیا جاتا ۔ اس ظلم و تشدد کے باوجود آپ ہر کوڑے پر فرماتے کہ خلق قرآن کے مسئلے پر کتاب اللہ یا سنت رسول سے کوئی دلیل پیش کرو تو تسلیم کروں : اعطونی شیئا من کتاب او سنۃ رسولہ حتی اقول (۹۴) ۔ امام بخاری ؒ کے استاد علی ؒ بن مدینی کا جو اس فتنۂ عالم آشوب

Marfat.com

کے چشم دید راوی ہیں کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کے غلبہ و حفاظت کا کام دو اشخاص سے لیا جن کا کوئی تیسرا ھمسر نہیں۔ ارتداد کے موقع پر ابو بکر صدیقؓ اور فتنہ خلق قرآن کے سلسلے میں احمدؒ بن حنبل سے:

"ان اللہ احز ھذا الدین برجلین لیس لھما ثالث ابوبکر الصدیق یوم الردۃ و احمد بن حنبل یوم المحنتہ (۹۵)"

امام احمد بن حنبل نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ ان میں المسند کتاب الزھد کتاب المنسک الکبیر کتاب المنسک الصغیر کتاب الناسخ والمنسوخ حدیث شعبہ فضائل صحابہ کتاب الاشربتہ اور مناقب صدیق اکبر و حسنین (۹۶)" نے شہرت پائی۔ المسند سب سے زیادہ مشہور ہے۔

مسند احمد کی تصنیف کا آغاز ایک لحاظ سے ۱۸۰ھ میں ہوا۔ اس وقت امام احمدؒ بن حنبل کی عمر سولہ سال تھی۔ تحصیل علم حدیث کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ امام صاحب زندگی کے آخری ایام تک روایات کو متفرق اوراق کی صورت میں جمع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اسانید و طرق کے اعتبار سے ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث اکٹھی کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسند کو موجودہ شکل میں ان کے فرزند عبداللہ نے پیش کیا۔ بعد میں متعدد علماء نے اس کی ترتیب و تبویب کی۔

امام احمدؒ بن حنبل کی مسند میں تقریباً سات سو صحابہ کی تین ھزار کے لگ بھگ روائتیں ہیں۔ عبداللہؒ بن احمدؒ بن حنبل کی زوائد کو بھی شمار کر لیں تو یہ تعداد چالیس ھزار سے تجاوز کر جاتی ہے۔ عبداللہؒ سے روایت کرنے والوں میں ابو بکر قطیعی نے بھی اس میں اضافے کئے۔

امام احمد بن حنبل خود فرماتے ہیں کہ کسی حدیث میں اختلاف کی صورت میں اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر روایت اس میں موجود ہو تو فبہا' ورنہ حجت نہیں (۱۱) لیکن ابن کثیر نے نشاندہی کی ہے کہ ایسی دو سو کے قریب صحابہ کرام کی روایات جو صحیحین میں ھیں مسند احمد میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں۔

"قد قیل انہ لم یقع لہ جماعۃ من الصحابہ الذین فی الصحیحین قریبا من مائتین (۹۸)

شاہ عبدالعزیزؒ کے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذکورہ قول ممکن ہے ان احادیث کے بارے میں ہو جو تواتر یا شہرت تک نہ پہنچی ہوں ورنہ بہت سی احادیث صحیحہ مشہور ان کی مسند میں موجود نہیں ہیں۔ لکھا ہے:۔

"... مراد ایشاں همان است کہ بدرجہ تواتر یا شہرت نہ رسیدہ اند والا احادیث صحیحہ مشہورہ بسیار است کہ در مسند ایشاں نیست (۹۹)"

اس کے باوجود امام احمدؒ بن حنبل نے ایک طرف تو اپنی مسند میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کو شرط قرار دیا ہے "ذکروا ان احمدؒ بن حنبل شرط فیہ ان لایخرج الاحدیثا صحیحا (۱۰۰) اور حدیث مشہورہ کا قصد کیا، دوسری طرف اپنے فرزند سے اس کی تصریح کر دی کہ میں حدیث ضعیف کا مخالف نہیں، الا یہ کہ باب میں اس سے قوی روایت معارض ہو (۱۰۱)۔ ابن تیمیہ نے تو مسند احمد کی شرط کو سنن ابی داوٗدؒ کی شرط سے قوی قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام ابو داوٗدؒ نے ایسے لوگوں سے روایت کی ہے جن سے امام احمدؒ نے اعراض کیا ہے (۱۰۲)۔

ابن جوزیؒ نے مسند احمد پر اعتراضات کرتے ہوئے اس کی ۳۸ روایات کو موضوع گردانا ہے مگر جلال الدین سیوطی نے ان تمام کا مدلل جواب دیا ہے (۱۰۳) اور اعتراضات رد کر دئے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں دلائل کے ساتھ وضاحت کی ہے کہ مسند احمد اور عبداللہ کے زوائد میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہاں البتہ ابو بکر قطیعی کے زوائد میں چند موضوع احادیث شامل ہیں (۱۰۴)۔ شاہ عبدالعزیز نے مسند احمد کے اس پہلو کے بارے میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کا ایک بیان تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:۔

"در مسند امام احمد احادیث ضعاف بسیار اند کہ حال آنرا بیان نہ کردہ اما ضعیفے کہ در دست ازاں احادیث کہ متاخرین تصحیح آنہا می کنند بہتر می نماید و علماء حدیث و فقہ آنرا پیشوائے خود ساختہ اند و بحقیقت رکن اعظم است در فن حدیث (۱۰۵)۔

عجالہ نافعہ کی اس عبارت کا مفہوم بڑا واضح ہے کہ مسند احمد صحیح حدیث کے سقیم حدیث سے پہچاننے میں اصل اور مدار کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کی اصل ہے اور کس کی نہیں؟ پھر مسند کی ضعیف حدیثیں ان حدیثوں سے بہتر نظر آتی ہیں جن کی متاخرین نے تصحیح کی۔ علماء حدیث و فقہ نے ان کو اپنا پیشوا بنایا اور

Marfat.com

حقیقت میں مسند احمد فن حدیث میں ایک رکن اعظم ہے۔ اس لئے شاہ ولی اللہ نے اسے طبقہ ثانیہ کی کتب کے قریب قریب بتایا ہے اور اس انتخاب میں دراصل مسند احمد کی بعض نمایاں خصوصیات کا بھی دخل ہے۔ مثلاً یہ حدیث کا ضخیم ترین مجموعہ ہے۔ اس میں قریباً تین سو ثلاثی روایات ہیں اور یہ دیگر مسانید سے صحیح تر ہے۔

شاہ ولی اللہ طبقہ ثانیہ کی ان کتب پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر زمانے میں محدثین اور فقہاء نے انہیں قبول کیا' ان کتابوں کی طرف توجہ کی اور یہ لوگوں میں مشہور ہو گئیں۔ ان کتب حدیث کے غریب و نامانوس الفاظ کی شرح کی گئی اور ان کے راویوں کی تفتیش۔ ان کتابوں سے مسائل کا استنباط بھی کیا گیا۔ چنانچہ عام علوم کی بناء ان ہی کتابوں پر ہے (۱۰۶)۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"وھذہ الکتب مع الطبقۃ الاولی اعتنی باحادیثھا رزین فی تجرید الصحاح و ابن الاثیر فی جامع الاصول (۱۰۷)"

اس (دوسرے) طبقہ کی کتابوں اور ان کے ساتھ طبقہ اولیٰ کی احادیث سے رزین نے تجرید الصحاح (۱۰۸) اور ابن اثیر نے جامع الاصول (۱۰۹) میں بحث و اعتنا کیا ہے۔

Marfat.com

طبقہ ثالثہ

حدیث کی وہ کتابیں جن کی شہرت اور قبولیت طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کو نہ پہنچ سکی انہیں شاہ ولی اللہ نے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ اس طبقے میں وہ مسانید، جوامع اور مصنفات شامل ہیں جو صحیحین سے پہلے یا شیخین کے زمانے میں یا ان دونوں کے بعد تصنیف کی گئیں۔ ان کتابوں کے مولفین علوم حدیث میں ماہر اور ثقہ تھے اور ضبط و عدالت کی صفات سے متصف مگر حدیثوں کو روایت کرتے وقت وہ صحت کا التزام نہ کر سکے۔ نتیجۃً طبقہ ثالثہ کی کتب میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطا و ثواب اور ثابت و مقلوب ہر قسم کی احادیث داخل ہیں۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے۔

"والطبقۃ الثالثۃ مسانید و جوامع و مصنفات صنفت قبل البخاری و مسلم وفی زمانہما و بعد ھما جمعت بین الصحیح و الحسن و الضعیف و المعروف و الغریب و الشاذ و المنکر والخطا و الصواب والثابت والمقلوب (۱)"۔

طبقہ ثالثہ کی کتابوں میں بعض حدیثوں پر موضوع ہونے کا اتہام خارج از امکان نہیں۔ ان حدیثوں کے اکثر راوی عدالت کی صفت سے متصف سہی تاہم بعض مستور الحال ہیں اور کچھ مجہول۔

"......... دراں کتب یافتہ میشود و رجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند و بعضے مستور و بعضے مجہول" (۲)"

Marfat.com

لیکن ان کی اکثر حدیثیں فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں بلکہ اجماع کے خلاف ہیں ۔ اس لئے شاہ ولی اللہ نے انہیں تیسرے درجے کی کتب حدیث قرار دیا ہے ۔ اس میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل کی ہیں ۔

- ☆ مسند ابی علی
- ☆ مصنف عبد الرزاق
- ☆ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ
- ☆ مسند عبد بن حمید
- ☆ مسند ابی داؤد طیالسی
- ☆ کتب بیہقی
- ☆ کتب طحاوی
- ☆ کتب طبرانی

ان کتابوں کے باہمی فرق مراتب کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ بعض کتابیں بعض سے بہتر اور قوی تر ہیں، ان تمام کے مصنفین کی غرض و غایت محض احادیث جمع کرنا تھی ۔ احادیث کی تلخیص و تہذیب اور انہیں قابل عمل بنانا ان کا مقصود نہ تھا ۔ شاہ ولی اللہ کے الفاظ ہیں :۔

”وکان قصدھم جمع ما وجدوہ لا تلخیصہ، تہذیبہ و تقریبہ من العمل (۴) ۔

اس کی مزید وضاحت طبقہ ثالثہ کی کتب کے تعارف اور تنقید و تبصرہ اور ان کے مولفین کے بعض احوال سے ہو جاتی ہے ۔

مسند ابی علی

حدیث کی اس کتاب کے بارے میں شاہ ولی اللہ نے کہیں نہیں بتایا کہ اس سے مراد کس ابو علی کی مسند ہے ۔ ابو علی الحسین بن داؤد المصیصی کی یا ابو علی الحسین بن محمد بن زیاد العبدی النیسابوری القبانی کی ۔ اول الذکر کے بارے میں الکتانی کا بیان ہے کہ ان کی نسبت المصیصہ نامی شہر کی طرف ہے ۔ آپ کا لقب سنید ہے ۔ اھل نقاد حفاظ میں سے

Marfat.com

ہوئے مسند کے علاوہ ایک تفسیر بھی لکھی اور ۲۲۶ھ میں انتقال کیا۔

"و مسند ابی علی الحسین بن داؤد المصیصی بکسر المیم و شد الصاد الاولی و یقال بفتح المیم و تخفیف الصاد نسبتہ الی المصیصتہ مدینتہ و ہو المقلب (بسنید) کزبیر الحافظ المحتسب ' صاحب التفسیر ' المسند المشہور المتوفی سنتہ ست و عشرین و مائتین ۔ (۴)

دوسری مسند ابی علی کے مولف ابو علی الحسین بن محمد بن زیاد العبدی نیشاپوری القبانی کے متعلق اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

"و مسند ابی علی الحسین بن محمد بن زیاد العبدی النسابوری (القبانی) بفتح القاف و تشدید الباء الموحدۃ المتوفی سنتہ تسع و ثمانین و مائتین (۵)"

مصنف عبدالرزاق

حدیث کی اس کتاب کے مولف کا پورا نام عبدالرزاق بن ہمام بن نافع ہے اور کنیت ابوبکرؒ بنو حمیر کے موالی میں سے تھے۔ یمن کا دارالسلطنت صنعاء ان کا وطن تھا۔ اس لئے الحمیری الصنعانی بھی کہلاتے ہیں۔ ۲۱۱ھ میں فوت ہوئے (۶)۔ ابن جعفر الکتانی نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:۔

"ومصنف ابی بکر (عبدالرزاق) بن ہمام بن نافع الحمیری مولاہم ' الصنعانی ' المتوفی سنتہ احدی عشرۃ مائتین (۷)"

علم حدیث میں ابوبکر عبدالرزاق نے ابن جریج ؒ' اوزاعیؒ ' اور ثوریؒ ' سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ عبید اللہؒ بن عمر (بن حفص) عمری کو بھی انکے شیوخ میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل ' اسحاقؒ بن راہویہ اور یحیٰ بنؒ معین انکے حلقہ تلامذہ میں نامور ہوئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے ابوبکر عبدالرزاق کو معمر کے ممتاز اور عظیم شاگردوں میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ سات سال ان کی صحبت میں رہے اور انکی روایات کو زیادہ یاد رکھا۔ (۸)

Marfat.com

ابو بکرؒ عبد الرزاق نے اپنی مصنف فقہی ابواب پر مرتب کی "وھو اصغر من مصنف ابن ابی شیبہ (۹) " اور یہ تالیف مصنف ابن ابی شیبہ سے ضخامت میں چھوٹی ہے۔ اسکو انھوں نے شمائل پر ختم کیا اور شمائل میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے ذکر پر۔ بستان المحدثین میں ہے کہ مصنف عبد الرزاق کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ

ابن شیبہ کا پورا نام اور مختصر نسب نامہ اس طرح ہے حافظ ابو بکر عبد اللہؒ بن محمد بن ابی شیبہ ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی۔ آپ کا خاندان واسط کا رہنے والا تھا۔ بعد میں اس نے کوفہ میں سکونت اختیار کرلی، اس لئے ابن ابی شیبہ "الکوفی" مشہور ہوئے۔ بنی عبس کے موالی میں تھے۔ اس نسبت سے العبسی کہلائے۔ محرم ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (۱۰)

ابو بکر بن ابی شیبہ نے شریکؒ بن عبد اللہ، ابو الاحوصؒ، عبد اللہؒ بن المبارک، سفیانؒ بن عینیہ اور جریرؒ بن عبد الحمید کے علاوہ کئی اور شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور اس قدر شہرت پائی کہ "الحافظ عدیم النظیر الثبت التحریر (۱۱) " کے الفاظ ان کے نام کا حصہ بن گئے۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابو داؤدؒ اور ابنؒ ماجہ ان کے شاگرد خاص ہوئے۔ چنانچہ " صحیح بخاری اور مسلم میں علی الترتیب تیس اور ایک ھزار ۵ سو چالیس احادیث انکی سند سے مروی ہیں (۱۲) " سنن ابی داؤد میں بھی ان سے منقول حدیثوں کا ذخیرہ کم نہیں اور سنن ابن ماجہ میں سب سے زیادہ روایات ان ہی کی ہیں۔

ابو زرعہؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابن ابی شیبہؒ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں (۱۳) اور ابن خراش کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے خود ابو زرعہؒ کی زبان سے یہ الفاظ سنے "مارایت احفظ من ابن ابی شیبہ" (۱۴) ابو زرعہ رازیؒ کہتے ہیں کہ انکے زمانے میں چار شخصیات کو علم حدیث کا منتہا خیال کیا جاتا تھا۔ ابو بکرؒ بن ابی شیبہ تو بیان حدیث میں یکتا، احمدؒ بن حنبل فقہ و حدیث کے سمجھنے میں یحیی بن معین جمع و تکثیر حدیث میں ممتاز اور علی بن المدینی مخرج حدیث اور علل حدیث کے علم میں یگانہ و بے نظیر تھے۔ لیکن مذاکرہ کے وقت ابن ابی شیبہ کا

مرتبہ آپنے معاصرین میں بلند ہوتا تھا۔(۱۵)

ابو عبید قاسم بن سلام نے حدیث کے چار ربانی علماء میں ابن ابی شیبہ کو شامل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے احمد بن حنبل روانی و حسن سیاق میں تمام سے بہترین علی بن المدینی صحیح اور غیر صحیح احادیث کا بہت زیادہ علم رکھنے والے یحیی بن معین اور تصنیف میں نہایت خوش سلیقہ ابو بکر بن ابی شیبہ ہیں (۱۶) ان کی ان خوبیوں کے اعتراف کے طور پر شاہ ولی اللہ نے مصنف ابن ابی شیبہ کو کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں اہم عزو شرف بخشا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے چند کتابیں بھی لکھیں جن میں سے ایک مسند ہے اور دوسری مصنف۔ لیکن الکستانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی کتاب ہے"

"وهو مجلدين ضخمين' جمع فيه الاحاديث على طريقته المحدثين بالا سانيد وفتاوى التابعين واقوال الصحابته مرتبا على الكتب والا بواب على ترتيب الفقه۔ (۱۷)"

اور یہ تالیف دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ انہوں نے محدثین کے طریقے پر سند کے ساتھ احادیث' اقوال صحابہ اور فتاوی تابعین کو کتب فقہ کے ابواب کی ترتیب کے مطابق جمع کیا۔

شاہ ولی اللہ کی طرف سے مصنف ابن ابی شیبہ کے طبقات کتب حدیث میں شامل کئے جانے اور نمایاں جگہ پانے میں ان قیمتی آراء کا بھی بہت دخل ہے جو ابو بکر ابن ابی شیبہ کی اس تالیف کے بارے ہیں ہیں۔ ابن حزم اندلسی نے تو اس کتاب کو بہ اعتبار عظمت موطا امام مالک پر ترجیح دی ہے اور مقدم رکھا ہے (۱۸)۔ اسکی وجہ اغلباً یہ ہے کہ صحیح مسلم' سنن ابی داؤد اور سنن ابی ماجہ میں جس کثرت سے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایات منقول ہیں موطا امام مالک کی نہیں۔ ابن کثیر کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"وصاحب المصنف الذی لم یصنف احد مثلہ قط لا قبلہ ولا بعدہ (۱۹)۔

مصنف ابن ابی شیبہ کا خاص امتیاز یہ ہے کہ اس میں مصنف نے کسی فقہی مذہب

Marfat.com

کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک نہیں کیا بلکہ اہل حجاز اور اہل عراق دونوں کی جس قدر روایات مل سکیں ان سب کو نہایت غیر جانبداری کے ساتھ یکجا کر دیا۔ شاہ ولی اللہ کی طرف سے اس مصنف کو طبقہ ثالثہ میں داخل کرنے کی نمایاں ترین وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ احادیث احکام کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔ حاجی خلیفہ کے الفاظ سے بھی اسکی تائید ہو جاتی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں

"هو کتاب کبیرا جدا جمع فیه فتاوی التابعین و اقوال الصحابه واحادیث الرسول صلی الله علیه وسلم علی طریقته المحدثین بالاسانید مرتبا علی الکتب و الابواب علی ترتیب الفقه (۲۰)

مسانید و مراسیل اور فتاوی صحابہ و تابعین کی جامع کتب میں سے ایک فقیہ کو جس کتاب کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آ سکتی ہے وہ بقول محمد زاھد کوثری مصنف ابن ابی شیبہ ہے' اسے ابواب پر مرتب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مطالعہ کرنے والا اتفاق و اختلاف کے مواقع سے بہ آسانی آگاہ ہو جائے۔"وھو من اجمع الکتب لادلتہ الفقہاء خاصہ اھل العراق"

(۲۱) اور یہ کتاب فقہاء بالخصوص اہل عراق کے دلائل کی جامع ترین کتب میں سے ہے۔

زمانہ سلف میں اکثر ائمہ ایک دوسرے پر تنقید و اعتراض کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام میں اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش ہمیشہ سے رہی اور بعض حالات میں تو اسے ناگزیر بھی خیال کیا گیا۔ مصنف ابن ابی شیبہ اس کی ایک مثال ہے جس میں مصنف نے ایک مستقل باب امام ابو حنیفہ کے رد میں لکھا اور دعویٰ کیا ہے کہ اسکے ایک سو پچاس مسائل' احادیث و آثار سے تو ثابت ہیں' مگر امام ابو حنیفہ کا قول ان کے برخلاف ہے۔ اسکے باوجود احناف کی نظروں میں مصنف ابن ابی شیبہ کی وقعت اور قدر و قیمت میں کمی نہ آئی۔ بقی بن مخلد ابن ابی شیبہ کے نامور شاگرد تھے۔ وہ اس کتاب کو لے کر اندلس آئے۔ تو فقہاء کی ایک جماعت اپنے مسائل سے اختلاف کی تاب نہ لاتے ہوئے مخالفت پر کمربستہ ہو گئی۔ اموی فرمانروا محمد بن عبدالرحمٰن نے یورش کو فوری طور پر دبانے کے لئے ایک طرف تو مصنف ابن ابی شیبہ کی قرات کو موقوف کر دیا دوسری طرف شیخ الاسلام کی موجودگی میں اس

Marfat.com

کتاب کے ایک ایک جز کا وقت نظر سے جائزہ لیا اور یہ فیصلہ سنایا۔

"هذا الکتاب لا تستغنی خزانتنا عنه فانظرفی نسخه لنا (۲۲)"

یہ وہ کتاب ہے جس سے ہمارا کتب خانہ (بھی) مستغنی نہیں رہ سکتا۔ پس ہمارے لئے اسکی ایک نقل تیار کرلی جائے۔

اندلس میں فقہ مالکی کی حکمرانی تھی۔ ذھبی نے لکھا ہے کہ اھل اندلس زیادہ تر موطا اور احادیث اھل مدینہ ہی سے آشنا تھے۔ عراقیوں کے بارے میں انہوں نے مفروضہ قائم کر رکھا تھا کہ قلیل الحدیث ہیں' لیکن خلاف توقع جب یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی تو فقہاء مالکیہ نے اسکے خلاف شورش بپا کردی۔ اصبغ بن خلیل مخالف جماعت کے سرخیل تھے جنہوں نے تعصب اور تنگ نظری میں برہمی کا اظہار کرتے ہوئے یہاں تک کہ دیا ہے:

"لان یکون فی تابوتی راس خنزیر احب الی من ان یکون فیها مصنف ابن ابی شیبه (۲۳)"

اگر میری کتابوں میں خنزیر کا سر رکھا ہو تو مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اسکے کہ ان میں مصنف ابن ابی شیبہ ہو۔

اصبغ بن خلیل اگرچہ مالکی فقہاء میں ممتاز حیثیت و شہرت کے حامل تھے اور ابن ال

حافظ ابن الفرضی ـــــ "حافظا للرای علی مذهب مالک فقیها فی الشروط بصیرا بالعقود دارت علیه الفتیا ولم یکن له علم بالحدیث (۲۴)" مذھب مالک پر مسائل کے حافظ تھے۔ شروط میں فقیہ اور معاملات پر گہری بصیرت رکھنے والے فتوی کا بھی ان پر مدار تھا لیکن علم حدیث سے نا آشنا تھے۔ اس لحاظ سے انکی رائے کو اھمیت نہیں دی جاسکتی۔ علامہ ابن حجر' ابن کثیر' ذھبی اور حاجی خلیفہ وغیرہ کی آراء ان سے بہرحال بہتر ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا انتخاب بھی اس کی دلیل ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کو کتب حدیث کے طبقات میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مسند عبد بن حمید

طبقہ ثالثہ کی اس کتاب حدیث کو بعض نے مسند الکسی بھی لکھا ہے۔ کیونکہ اسکے مصنف ابو محمد عبدالحمید بن حمید بن نصر الکسی (۲۵) ہیں جو عبد بن حمید کے نام سے مشہور ہوئے۔ "نسبته الی کس مدینه تقارب سمرقند" (۲۶) سمرقند کی قریبی بستی کس (۲۷) سے نسبت

Marfat.com

تھی۔ دوسری صدی ہجری کے شروع میں یہاں سے ہجرت کر گئے۔ حدیث کا شوق ہوا تو سفر کو زندگی بنا لیا۔ سب سے زیادہ یزید بن ھارون، عبدالرزاق، محمد بن بشیر اور دیگر ائمہ فن حدیث سے مستفیض ہوئے۔

عبد بن حمید سے روایت کرنے والوں میں امام مسلم اور امام ترمذی کے اسمائے گرامی نمایاں ملتے ہیں۔ امام بخاری نے بھی دلائل النبوۃ میں بطریق تعلیق ان سے روایت کی ہے۔ اور ان کا نام عبدالحمید بتایا ہے۔ الکتانی کے الفاظ میں عبد بن حمید:

"الثقتہ الحافظ ' المتوفی سنۃ تسع و اربعین و مائتین ولہ مسندان کبیر و صغیر (۲۸)

"ثقہ حافظ تھے۔ ۲۴۹ھ میں وفات پائی۔ موصوف کی دو مسندیں ہیں۔ مسند کبیر اور مسند صغیر"۔

شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ عبد بن حمید نے ابتدا میں مسند کبیر تیار کی۔ اسی سے ایک اور مسند کا انتخاب کیا اور یہ مسند صغیر کہلائی (۲۹) ثانی الذکر کو المنتخب بھی کہتے ہیں۔ یہ خیال کسی حد تک درست ہے کہ مسند عبد بن حمید اکثر مشہور صحابہ کے مسانید اور ان کی روایت کردہ احادیث سے خالی ہے۔ "وھو خال عن مسانید کثیر من مشاھر الصحابہ" (۳۰) لیکن شاہ ولی اللہ کی طرف سے اسکو کتب حدیث کے تیسرے طبقے میں شامل کرنے کا ایک مقصد شاید یہ ہے کہ غیر معروف صحابہ کی روایات بھی یکجا مل جائیں۔

مسند ابی داؤد الطیالسی

طبقہ ثالثہ کی یہ کتاب مشہور محدث سلیمان بن داؤد بن جارود الطیالسی کی تالیف ہے جسے حاجی خلیفہ نے مسانید میں اولین مسند قرار دیا ہے۔ (۳۱) السنن کے ابو داؤد اور المسند کے اس ابو داؤد کے درمیان ستر سال سے کچھ اوپر کی مسافت ہے۔ یہ ابو داؤد "نسبہ الی الطیالسہ التی تجعل علی العمائم ' القرشی ' مولی آل الزبیر ' الفارسی الاصل ' البصری (۳۲) طیالسہ سے نسبت رکھتے ہیں آل زبیر کے موالی میں سے تھے۔ اسی بنا پر انہیں القرشی بھی کہا جاتا ہے۔ خود فارسی الاصل تھے اور البصری کہلائے۔

Marfat.com

ابو داؤد الطیالسی نے ۲۰۳ھ کے اواخر یا ۲۰۴ھ کے اوائل میں رحلت پائی۔ عمر بقول صاحب بستان المحدثین اسّی سال تھی۔ (۴۳) اس اعتبار سے دوسری صدی ھجری کے ربع اول میں ۱۲۴ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ سماع حدیث کی خاطر انہوں نے کئی سفر کئے۔ زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گزارے۔ سینکڑوں شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا۔ شعبہ' ھشام اور ابن عون وغیرہ سے کثرت کے ساتھ روایت کی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کو چالیس ھزار حدیثیں یاد تھیں۔ اس تعداد میں طرق حدیث' آثار اور موقوفات سبھی شامل ہیں۔ یحیی بن معین" ابن المدینی' فلاس" اور وکیع" وغیرہ کے علاوہ کئی علماء فن رجال نے ان کی تعدیل و توثیق فرمائی۔ عصر حاضر کے ایک محدث شیخ احمد بن عبدالرحمٰن البنا الساعاتی (۴۴) رقمطراز ہیں۔

"کان الغرض من ھذا الترتیب فی العصر الاول ھو جمع الاحادیث المتفرقۃ عند الصحابہ و التابعین و تابعیھم فیما اتفق خوفا من ضیاعھا و کان ھذا الترتیب مفیدا فی زمن السلف لانھم کانوا یعتمدون علی الحفظ و الاستظہار فکانوا یعلمون موضع الکتاب و مواقع الاحادیث المتشابہۃ (۴۵)

"پہلے زمانے میں اس ترتیب سے غرض صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں منتشر حدیثوں کو جمع کرنا تھا تاکہ وہ ضائع نہ ہو سکیں اور سلف کے زمانے میں یہ ترتیب مفید تھی۔ کیونکہ انہیں اپنے حافظے اور بیان پر بھروسہ تھا اور وہ کتاب کے مقام اور متشابہ احادیث کے مواقع سے بھی بخوبی واقف تھے۔

مسند ابی داؤد الطیالسی کی غرض و غایت اس دور میں یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ روایات محفوظ کر دی جائیں اسطرح بقول بعض یہ پہلی مسند تیار ہوئی۔ لیکن

"ہاں ھذا صحیح لو کان ھو الجامع لہ لتقدمتہ لکن الجامع لہ غیرہ وھو بعض حفاظ خراسان جمع فیہ مارواہ یونس بن

Marfat.com

حبیب عنہ خاصتہ ولہ من الاحادیث التی لم تدخل ھذا المسند قدرہ او اکثر (۳۶)"

یہ بات تب درست ہوتی کہ اس مسند کو ابو داؤد الطیالسی نے خود جمع کیا ہوتا۔ کیونکہ انہیں سبقت زمانی تو حاصل ہے مگر فی الواقع اس کو خراسان کے حفاظ میں سے بعض نے وہ روایات لے کر جو ابو داؤد سے خاص طور پر یونس بن حبیب نے روایت کیں، جمع کیا۔ اسی بنا پر اس کتاب کو مسند ابی داؤد الطیالسی کہا جاتا ہے۔ امام ابو داؤد کی اس مسند کے برابر یا اس سے بھی زیادہ روایات وہ ہیں جو اس میں داخل نہیں کی گئیں۔ تاہم اس توضیح کے باوجود مسند ابی داؤد الطیالسی کی وقعت و اہمیت کچھ کم نہیں اور یہ حقیقت میں کتب حدیث کے طبقاتی معیار کو جانچنے اور پرکھنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے اسی لئے شاہ ولی اللہ نے اسکا ذکر طبقہ ثالثہ کی کتب حدیث میں بطور خاص کیا ہے۔

کتب بیہقی

امام بیہقی کی کنیت ابو بکر اور نام احمد ہے۔ ان کا مختصر شجرہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ۔ بیہق سے نسبت تھی جو نیشاپور سے بیس میل کے فاصلے پر چند گاؤں کے مجموعے کا نام تھا۔ اسی لئے بیہقی مشہور ہوئے۔ شعبان ۳۸۴ھ (۳۷) میں کتم عدم سے عالم وجود میں آئے۔ اور دس جمادی الاول ۴۵۸ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔ شافعی المسلک تھے۔

حصول علم کی خاطر امام بیہقی نے متعدد بلاد و امصار کی سیاحت کی۔ ان میں بغداد خراسان کوفہ اور حجاز وغیرہ شامل ہیں۔ "اپنے تبحر علمی اور علو اسناد کے باوصف سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے محروم تھے اور ان تینوں کتابوں کی حدیثوں پر کماینبغی انہیں اطلاع بھی نہ تھی۔ (۳۸) پھر بھی اللہ رب العزت نے ان کو علم کی بے پناہ دولت اور فہم کی لازوال قوت سے نوازا تھا۔ ان کی ان گنت اور بے نظیر تصانیف اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ الرسالتہ المستطرفتہ کے مولف نے امام بیہقی کی چھوٹی بڑی تصنیفات کا اندازہ ایک

Marfat.com

هزار ظاہر کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ان کی بعض کتابوں یا کسی ایک کتاب کی بطور خاص نشاندہی نہیں کی۔ بلکہ طبقہ ثالثہ کی کتب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے بلیغ اشارہ فرمادیا ہے کہ اس میں بیہقی کی تصانیف بھی شامل کی جا سکتی ہیں (۳۹) جب کہ امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی کی ممتاز و مشہور تالیفات میں سے چند ایک یہ ہیں۔

"کتاب الاسماء والصفات، سنن کبری، سنن صغری، شعب الایمان، کتاب الزهد الکبیر، کتاب الزهد الصغیر، دلائل النبوة، کتاب الاعتقاد، الاربعون الکبری، الاربعون الصغری کتاب المدخل، کتاب الترغیب و الترهیب، کتاب الدعوات الکبیر مناقب الشافعی، کتاب الرؤیہ مناقب احمد بن حنبل، کتاب الاسری، کتاب الخلافیات، بیان خطا من اخطا علی الشافعی، اثبات عذاب القبر، کتاب الاداب ماورد فی حیاة الانبیاء بعد فاتهم (حیاة الانبیاء) جامع ابواب وجوه قراۃ القران، کتاب المبسوط فی الفروع، ترغیب الصلوۃ المصنف فی فضائل الصحابہ، ینابیع الاصول اور معرفة السنن و الاثار" (۴۰)۔

تاج الدین السبکی نے امام بیہقی کی تالیفات میں سے کتاب الاسماء والصفات دلائل النبوۃ، مناقب الشافعی اور کتاب الدعوات الکبیر کو تمام کتب میں بے مثل و بے نظیر گردانا ہے۔ اور کتاب الخلافیات کے بارے میں تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس نوعیت کی تالیف کرنے میں کسی کو سبقت حاصل ہے نہ ایسی کتاب موجود ہے۔ معرفتہ السنن والاثار کے بارے میں ان کا فیصلہ ہے کہ شافعی مسلک کا کوئی فقیہ اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ (۴۱)

شاہ ولی اللہ جب کتب حدیث کے طبقات کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں یقینی طور پر امام بیہقی کی تمام کتابیں ہونگی، لیکن سنن کبریٰ (کتاب سنن الکبیر) اور معرفتہ السنن والاثار ایسی تصانیف ہیں جن سے وہ کسی صورت بے تعلق نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ طبقہ ثالثہ میں تصانیف بیہقی میں ان دونوں کو سرفہرست شمار کرنا ہی بہتر ہوگا۔ سنن کبریٰ دس جلدوں میں ہے اور اسکے دو سو دو جزء ہیں۔(۴۲)

Marfat.com

سنن صغری کی دو جلدیں ہیں:

"وهما علی ترتیب المزنی لم یصنف فی الاسلام مثلها(۴۲)

اور ان دو کتابوں کی ترتیب المزنی کی المختصر کے انداز کے مطابق ہے۔ اسلام میں ان جیسی کتب شاید ہی لکھی گئی ہوں (۴۳)

سنن کبریٰ احکام شرع پر مشتمل وہ انتخاب ہے جس میں اکثر احادیث محفوظ شکل میں ملتی ہیں۔ علاوء الدین قاضی القضاۃ عزالدین علی بن فخرالدین عثمان بن ابراهیم بن مصطفیٰ بن سلیمان المارديني المعروف بہ ابن الترکمانی (م ۷۵۰ھ) نے اس پر الجواهر النقی فی الرد علی البیهقی کے نام سے حاشیہ لکھا' جس کا اکثر حصہ سنن بیہقی (کبریٰ) پر اعتراضات اور اسکے حق میں مناظرات اور مباحث پر مشتمل ہے۔ ترصیع الجواهر النقی اس حاشیہ کی زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی کی تلخیص ہے۔ انہوں نے سنن کبریٰ حروف معجمہ پر ترتیب دی اور اسے حروف میم تک پہنچا دیا۔

سنن کبریٰ کے علاوہ کتاب معرفۃ السنن والاثار بھی کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں داخل کئے جانے کے لائق ہے۔ اس کتاب کا پورا نام معرفۃ الشافعی بالسنن ہے۔ اکثر شوافع اس کتاب کے بغیر فقہ شافعی کو نامکمل تصور کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ امام بیہقی کا امام شافعی پر احسان ہے کہ انہوں نے اپنی تصانیف میں شافعی مسلک کی حمایت کی اور اسے زندہ رکھنے میں موثر کردار ادا کیا۔ وہ امام شافعی کے فقہ اور فن حدیث و علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں احادیث مختلفہ جمع کرنے کا ملکہ بھی عطا کیا تھا۔ معرفۃ السنن والاثار اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔

کتب طحاوی

شاہ ولی اللہ نے کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں امام طحاوی کی تالیفات بھی شامل کی ہیں۔ امام طحاوی مولفین صحاح ستہ کے ہمعصر تھے۔ "احمد نام ہے' ابو جعفر کنیت اور الازدی الحجری المصری الطحاوی نسبت" (۴۴) والد کا نام محمد بن سلامہ بن سلمہ تھا۔ یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی شاخ حجر سے تعلق تھا اسلئے الازدی الحجری کہلائے۔ آباؤ اجداد نے فتح اسلام

Marfat.com

کے بعد مصر میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اسلئے المصری مشہور ہو گئے۔ سب سے زیادہ شہرت مصر کی نواحی بستی "طحا" (۴۵) سے نسبت کی بدولت ملی اور یہ تمام نسبتوں پر غالب آگئی

امام طحاوی ۲۲۹ھ (۴۶) میں پیدا ہوئے اور ۳۲۱ھ میں انتقال کیا۔ بانوے سال کی طویل زندگی علم و تحقیق اور مجددانہ شان سے گزاری۔ حدیث اسکے محاسن و غوامض اور بحث و تحقیق کرنے والے شارحین و باحثین میں سرفہرست اور نمایاں مقام پایا اس لئے ابن اثیر الجزری نے ان کے لئے "امام مجتہد و مجدد" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امام طحاوی نے تحصیل علم کی خاطر کئی شہروں کا سفر کیا۔ ابتدا میں اپنے ماموں ابراھیم المزنی کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ المزنی شافعی المسلک تھے۔ پھر جب احمد بن ابی عمران حنفی قاضی مصر بن کر آئے تو طحاوی نے انکی خدمت میں حاضری کو شعار بنالیا۔ ثانی الذکر کے علم و فضل کا نتیجہ تھا کہ طحاوی فقہ شافعی کی بجائے فقہ حنفی کو ترجیح دینے لگے۔ محمد بن احمد شروطی کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے امام طحاوی سے ابراھیم المزنی سے اختلاف اور حنفی مذھب کی طرف ان کے میلان و تتبع کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ماموں خود امام ابو حنیفہ کی کتابوں کے مطالعہ میں مستغرق رہتے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔" (۴۷) علامہ کوثری کی تحقیق ہے کہ ان کتابوں نے انہیں حنفی مذھب کا گرویدہ بنا دیا۔ (۴۸)

مصر میں رہ کر ابراہیم" المزنی اور ابن ابی عمران" حنفی کے علاوہ طحاوی" نے یونس" بن علی' ہارون بن سعید ایلی' محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم' بحر بن نصر' اور عیسی بن شرود وغیرہ سے فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۶۸ھ میں شام چلے گئے۔ اور وہاں قاضی دمشق ابو حازم سے علم فقہ میں دسترس پائی۔ ان کے علاوہ یمن بصرہ کوفہ خراسان اور حجاز وغیرہ کے شیوخ سے استفادہ کیا اور اپنے دور کے ہر خرمن حدیث سے خوشہ چینی کی جن میں شیخین کے شیوخ بھی شامل ہیں۔ انکے تلامذہ میں محمد" بن بکر بن مطروح" احمد بن قاسم خشاب' قاضی صعید" ابوالحسن" محمد بن احمد اخمیمی" عبدالعزیز" بن محمد جوھری' یوسف" میانجی' ابو بکر" المقری' طبرانی" اور احمد" بن عبدالوارث زجاج وغیرہ کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔

امام طحاوی" کا فضل و کمال اور ثقاہت و دیانت کا اعتراف ہر دور کے محدثین و مورخین

Marfat.com

نے کیا۔ متقدمین میں طبرانیؒ ' ابو بکرؒ خطیب ' حمیدیؒ ابن عساکرؒ اور متاخرین میں ابی الحجاجؒ مزی ' ذہبی اور ابن کثیر وغیرہ ہیں۔ انہوں نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

" شرح معانی الاثار ' بیان مشکل الاثار ' اختلاف العلاء ' احکام القران ' الشروط الکبیر ' الشروط الاوسط ' مختصر الطحاوی ' النوادر الفقیہ ' کتاب النوادر و الحکایات ' رسالہ حکم ارض مکہ ' الرد علی کتاب المرسلین لابی علی الحسین بن علی الکرابیسی ' رسالہ فی قسم الفئی و الغنائم ' کتاب الاشربہ ' الرد علی عیسی بن ابان ' اختلاف الروایات علی مذہب الکوفین ' الرد علی ابی عبید فی النسب ' رسالہ فی الرزیہ ' شرح الجامع الکبیر ' شرح الجامع الصغیر ' کتاب المحاضر و السجلات ' کتاب الوصایا و الفرائض ' التاریخ الکبیر ' اخبار ابی حنفیہ و اصحابہ (مناقب ابی حنیفہ) کتاب فی النحل و احکامہا و صفاتہا و اجناسہا وماروی فیہا من خبر، عقیدہ الطحاوی رسالہ فی التسویہ بین حدثنا اخبرنا ' کتاب سنن الشافعی ' اختلاف العلماء ' کتاب الفرائض کتب العزل " (۴۹)

کتب طحاوی کی فہرست میں بعض مولفین نے کتاب صحیح الاثار اور کتاب المغنی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں (۵۰)۔ امام طحاوی کی مشہور کتابوں میں کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ صحیح اصل میں شرح معانی ہے۔ جس کو معانی بھی کہا جاتا ہے۔

امام طحاوی قرآن و حدیث سے استنباط و تفقہ میں اپنے معاصرین و مابعد کے علماء میں اہم مقام رکھتے ہیں اسی لئے شاہ ولی اللہ کی فکر کی روشنی میں ان کی تصنیفات کو کتب حدیث کے طبقات سے الگ نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ یہ قرآن و حدیث سے ان کے استنباط و تفقہ کا ثبوت ہیں۔

" کان الطحاوی من اعلم الناس بسیر الکوفیین و اخبارھم و فقہیھم مع مشارکتہ فی جمیع المذاھب (۵۱) "

امام طحاوی کوفہ کے سیر و اخبار وفقہ کے بڑے عالم تھے اور دیگر مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

ابن حماد حنبلی کے الفاظ میں امام طحاوی "شیخ الحنفیہ الثقہ الثبت برع فی الحدیث و الفقہ" (۵۲) اور ابن تغری کے نزدیک وہ احد الاعلام و شیخ الاسلام تھے اور فقہ و حدیث و اختلاف علماء احکام اور لغت و نحو پر انکی گہری نظر تھی (۵۳) علامہ جوزی نے ان کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں "فقیہا عاقلا" کہا ہے (۵۴)

اور یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے ان کے فضل و کمال کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے ان کی کتب یعنی کتب حدیث کو طبقات حدیث میں جگہ دی ہے۔

امام طحاوی کی کتب حدیث میں معانی الاثار اور مشکل الاثار کو کسی صورت بھی نظرانداز نہیں کیاجا سکتا کیونکہ یہ دونوں کتابیں اہم مشہور اور متداول ہیں۔ علامہ عینی برسوں اس کا درس دیتے رہے اور حافظ سخاوی نے معانی الاثار کے مطالعہ کا مشورہ خاص طور سے ان لوگوں کو دیا ہے جو کتب حدیث کے مطالعہ کے بہت شائق ہوں۔ اس لئے امیر القانی کو قول ہے:

"فانظر شرح معانی الاثار ہل تری لہ نظیرا فی سائر المذاہب فضلا عن مذہبنا ہذا (۵۵)"

لیکن امام طحاوی کے کچھ ناقدین بھی ہیں اور ان میں امام بیہقی" ابن جوزی" اور ابن تیمیہ" سر فہرست ہیں۔ اول الذکر کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ علم حدیث امام طحاوی کے بس کی بات نہ تھی انہوں نے اگرچہ تھوڑا بہت علم حدیث حاصل کر لیا مگر اس میں اتقان و رسوخ نہیں رکھتے تھے۔ معانی میں بہت سی ضعیف حدیثوں کو اپنی رائے سے صحیح اور صحیح کو ضعیف قرار دے دینا اس کا ثبوت ہے۔ ابن تیمیہ منہاج السنتہ میں حدیث رد شمس پر بحث کے دوران فرماتے ہیں کہ طحاوی اگرچہ کثیر الحدیث فقیہ اور عالم ہیں لیکن ان کا نقد حدیث کا معیار اہل علم سے مختلف تھا۔ انہوں نے معانی الاثار میں احادیث مختلفہ میں اسکو راجح قرار دیا ہے۔ جسکو از روئے قیاس حجت سمجھا ہے۔ لیکن علامہ سخاوی کا بیان ہے کہ انہیں جوزی سے شبہ ہوا ہے۔ جن کا تشدد اس باب میں مشہور ہے (۵۶) چنانچہ اس تنقید کے باوجود کتب حدیث میں معانی الاثار کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ "علامہ عینی نے

اسے سنن ابی داؤد جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ پر ترجیح دی ہے۔(۵۷) ابن حزم نے اپنے جمود و تشدد کے علی الرغم اسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے درجے پر رکھا ہے۔(۵۸) ابن خلدون نے امام دارقطنی "کی تائید میں لکھا ہے کہ طحاوی" نے مستور الحال وغیرہ سے بھی روایت کی ہے اور اسکے شرائط متفق علیہ نہیں، اس لئے اس کا مرتبہ صحیحین و سنن کے بعد ہے۔(۵۹) جب کہ انور شاہ کشمیری کے نزدیک معانی الاثار کے رواۃ بعض متکلم فیہ لیکن اکثر معروف ہیں۔ للذا یہ سنن ابی داؤد کے قریب ہے اور جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ اسکے بعد کے درجہ کی ہیں (۶۰) شیخ عبد القادر نے الجواھر المضیہ میں معانی الاثار پر کئے جانے والے اعتراضات کو نقل کر کے طحاوی" کی اسانید پر کام کیا ہے اور صحاح ستہ مصنف ابن ابی شیبہ اور دوسری کتب حدیث سے تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے ان کا مدلل جواب شرح معانی الاثار میں (۶۱) شامل کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے مقرر کردہ طبقات کتب حدیث میں معانی الاثار طبقہ ثالثہ میں اپنی خصوصیات کی بنا پر جگہ پانے کی مستحق ہے۔ بادی النظر میں اس کی بکثرت حدیثیں دیگر کتب حدیث میں نہیں ملتیں۔ ہر حدیث کی مختلف اسانید اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔ غیر منسوب رواۃ کی نسبت اور مبہم راوی کا نام، مشتبہ کی تمیز، مجمل کی تفسیر اور اضطراب و شک راوی ایسی وضاحتوں سے یہ تصنیف خالی نہیں۔ الکتانی نے لکھا ہے۔

"وھو کتاب جلیل مرتب علی الکتب و الابواب ذکر فیہ الماثورہ (الآثار) عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی احکام التی یتوھم ان بعضھا ینقض بعضاً و بین ناسخھا من منسوخھا و مقیدھا من مطلقھا، و ما یجب بہ العمل منھا و مالا (۶۲)"

"یہ روشن کتاب فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق ہے۔ اس میں احکام سے متعلق وہ احادیث جمع کر دی گئی ہیں جن کے بارے میں گمان ہے کہ بعض روایات بعض دوسری روایات کے خلاف ہیں۔ ناسخ کو منسوخ سے اور مقید کو مطلق سے جدا کر دیا گیا ہے اور وضاحت ہے کہ کس روایت پر عمل واجب ہے اور کس پر نہیں۔

Marfat.com

معانی الاثار کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں امام طحاویؒ نے ادلہ احناف کے ساتھ ساتھ دوسرے ائمہ کے دلائل بیان کرنے میں بھی بخل اور تنگ نظری سے کام نہیں لیا۔ زاھد کوثری کی تحقیق ہے کہ کتاب معانی الاثار مسائل خلافیہ کے دلائل میں محاکمہ کرنے کے لئے طحاوی اپنی سند سے ان حدیثوں کو نقل کرتے ہیں جن سے اہل الخلاف ان مسائل میں استدلال کرتے ہیں اور سند اور متن پر عقلاً اور نقلاً تنقید کرنے کے بعد ایسی باتیں پیش کرتے ہیں جو اندھی تقلید سے مبرا ہیں (۶۳)

معانی الاثار (۶۴) کے علاوہ امام طحاوی کی ایک اور کتاب بیان مشکل الاثار ہے (۶۵) اسے مشکل الآثار بھی کہتے ہیں۔ اس میں امام صاحب نے حدیثوں کے باھمی تعارض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور ان سے احکام دینیہ کا استنباط کیا ہے۔

کتب طبرانی

شاہ ولی اللہ نے طبرانیؒ کی کتب کو طبقہ ثالثہ میں داخل کیا ہے۔ طبرانیؒ کا نام سلیمان اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ مختصر شجرہ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی شافعی طبرانی (۶۶) "منسوب الی طبریہ الشام" (۶۷) ملک شام کے مقام طبریہ سے نسبت رکھتے تھے۔ اس لئے طبرانی مشہور ہوئے "صفر ۲۶۰ھ میں شام کے شہر مکہ میں ولادت ہوئی۔ تیرہ سال کی عمر میں حصول علم کے لئے رخت سفر باندھا اور شام کے شہروں کے علاوہ حجاز مقدس، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصفہان اور جزیرہ وغیرہ کی سیاحت کی (۶۸) علیؒ بن عبدالعزیز بغوی، بشرؒ بن موسیٰ، ادریسؒ عطاء اور ابوزرعہؒ دمشقی کے اسمائے گرامی ان کے شیوخ میں لئے جاتے ہیں ذی عقدہ ۳۶۰ھ میں سو سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

ابوالقاسم طبرانی نے بہت سی کتابیں اور رسالے تصنیف کئے۔ اس فہرست میں کتاب الدعاء، کتاب المناسک، کتاب عشرۃ النساء، کتاب الولات، کتاب النوادر، دلائل النبوۃ، کتاب الاوائل، کتاب الرمی، معرفۃ الصحابہ، فوائد معرفۃ الصحابہ، کتاب التفسیر، کتاب الرویہ، کتاب الجود، العلم الالویہ، فضل رمضان، کتاب الفرائض، الرد علی المعتزلہ، الرد علی الجہمیہ، مکارم اخلاق العزاء، الصلاۃ علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،

Marfat.com

کتاب المامومؐ کتاب الغسل ؐکتاب فضل العلم ؐکتاب ذم الرای کتاب تفسیر الحسن ؐ کتاب الزہری عن انس ؐکتاب ابن المنکدر عن جابر ؐکتاب ماروی الحسن عن انس ؐ کتاب النوح ؐ کتاب من اسمہ عطاء ؐکتاب من اسمہ شعبہ ؐ اخبار عمر بن عبدالعزیز ؐ اخبار عبدالعزیز بن رفیع ؐکتاب فضل عکرمہ ؐکتاب امہات النبی ؐکتاب غرائب مالک ؐ وصیتہ ابی ہریرہ ؐ جزء ابان بن تغلب ؐ جزء حریث بن ابی مطر ؐ فضائل الاربعہ الراشدین ؐکتاب الاشربہ ؐکتاب الطہارۃ ؐکتاب الامارۃ ؐکتاب من اسمہ عباد کے علاوہ احادیث اور مسانید پر درج ذیل کتب و رسائل شامل ہیں:

"مسند شعبہ ؐ مسند سفیان ؐ حدیث الشامیین ؐ مسند العشرہ ؐ مسند ابی ہریرہ ؐ مسند عائشہ ؐ حدیث الاعمش ؐ حدیث الاوزاعی ؐ حدیث شیبان ؐ حدیث ایوب ؐ مسند ابی ذر ؐ مسند ابی اسحاق السبیعی ؐ حدیث یحی بن ابی کثیر ؐ حدیث مالک بن دینار ؐ حدیث ربیعہ ؐ حدیث حمزہ الزیات ؐ حدیث مسعر ؐ حدیث ابی سعد البقال ؐ طرق حدیث منؐ کذب علی ؐ مسند ابن حجارہ ؐ مسند روح بن القاسم ؐ مسند عمارہ بن غزیہ ؐ مسند طلحہ بن مصرف ؐ احادیث ابی عمرو بن العلاء ؐ مسند ابن عجلان ؐ مسند ابی ایوب الافریقی ؐ اور مسند زافر" (۶۹)

طبرانی کو علم حدیث میں کافی وسعت حاصل تھی۔ کثرت روایت میں وہ مستثنٰی و ممتاز تھے۔ ابوالعباس احمد بن منصور شیرازی کا قول ہے کہ انہوں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں لکھیں۔ (۷۰) طبرانی کو نمایاں شہرت اپنی معاجم ثلاثہ کی بدولت ملی۔ یہ المعجم الکبیر ؐ المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر ہیں۔ اول الذکر صحابہ کی مرویات کی ترتیب پر مسند ہے۔ طبرانی ابو ہریرہ کے سندات کو الگ سے مرتب کرنے کے متمنی تھے۔ اس لئے انکی مرویات کو انہوں نے المعجم الکبیر میں جگہ نہ دی یا انہیں موقع نہیں مل سکا اور اگر ملا تو اسے شہرت نہ مل سکی:

"باید دانست کہ معجم کبیر او مسند است بترتیب مرویات صحابہ مگر ابوہریرہ کہ از مرویات او ہیچ نیا وردہ و منظور داشت کہ مسند ابو ہریرہ

Marfat.com

راجداگانہ تصنیف نماید اما میسرش نشدیا میسر شد و مشہور نگشت" (۷۱)

ابن دحیہ کی نظر میں المعجم الکبیر دنیا کی سب سے بڑی مسند ہے۔ ابن عابدین شامی نے اس قول کو نقل کرنے کے علاوہ لکھا ہے کہ المعجم الکبیر اسماء صحابہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار حدیثیں ہیں اور یہ بارہ جلدوں میں ہے:

" المعجم الکبیر۔ وھو مرتب علی حروف المعجم فی اسماء الصحابۃ قیل ان فیہ الف حدیث تجزتہ اثنی عشر مجلد اوفیہ قال ابن وحیۃ ھو اکبر مسانید الدنیا" (۷۲)

المعجم الاوسط کو طبرانی نے چھ ضخیم جلدوں میں مرتب کیا اور ھر جلد کی ترتیب کے وقت اسماء شیوخ کو مد نظر رکھا۔ اس سے ان کے شیوخ کی تعداد ایک ھزار معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے ھر شیخ سے عجائب و غرائب سنے اور انہیں المعجم الاوسط میں درج کر دیا۔

" و معجم اوسط اودر شش جلد است ھر جلد کتاب کلاں است و آں بترتیب شیوخ است واز ہر شیخ خود کہ قریب ہزار کس باشند انچہ از غرائب و عجائب (۷۳) شنیدہ است می آرد" (۷۴)

بستان المحدثین کے مولف نے المعجم الاوسط کو دار قطنی کی کتاب الافراد کے مثل قرار دیا ہے۔ نیز صراحت کردی ہے کہ طبرانی اس معجم کو اپنی جان کہا کرتے تھے اور فی الواقع علم حدیث میں ان کی فضیلت علمی اور وسعت روایت کا پتا اسی سے چلتا ہے لیکن محققین اہل حدیث کے نزدیک اس میں منکرات بہت ہیں۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ غرائب اسی کو مقتضی ہے اور تفرد ثقہ کا جسکو اصطلاح میں غریب صحیح بھی کہتے ہیں ایک باب ہے:

" وایں کتاب او نظیر کتاب الافراد از دار قطنی است..... وھمیں کتاب را یعنی معجم اوسط را می گفت کہ جان من است و فی الواقع فضیلت او در علم حدیث و وسعت روایت او ازیں معلوم می شود اما محققین اھل حدیث گفتہ اند کہ در وے منکرات بسیار است و منشائش نہ آنست کہ غرابت مقتضی ھمیں است و تفرد ثقہ کہ آں را غریب صحیح گویند یک باب است" (۷۵)۔

Marfat.com

معاجم ثلاثہ طبرانی کی آخری کڑی المعجم الصغیر ہے۔ اسے بھی ابوالقاسم طبرانی نے اسماء شیوخ کے اعتبار سے مرتب کیا۔ اس میں فقط وہ شیوخ بھی ہیں جن سے مولف نے فقط ایک ایک حدیث سنی:

"و معجم صغیر او نیز بر ترتیب شیوخ است اما در آں کتاب بیان شیوخ را ذکر کردہ کہ از آنہا یک یک حدیث استفادہ نمودہ" (۷۶)

معلوم ہوتا ہے کہ المعجم الکبیر محدثین میں زیادہ متداول نہیں رہی۔ شرح التقریب کے مولف حافظ عراقی کے خیال میں یہی وجہ ہے کہ نقل نویس اس میں بہت غلطیاں کرتے رہے اور اس میں بڑا تغیر و تبدل ہوتا رہا:

"وقد ذکر الحافظ العراقی فی شرح التقریب ان المعجم لقلته تداوله فی ایدی المحدثین کثر فیه الخطاء و القلب من النساخ" (۷۷)

اس کے برعکس المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر کا(۷۸) بہت زیادہ رواج رہا اور یہ دونوں مقبول رہیں۔ شاہ ولی اللہ نے مسند ابی علی سے لے کر معاجم طبرانی تک طبقہ ثالثہ کی کتب کا ذکر کرتے ہوئے متعدد تصنیفات احادیث کے نام گنوائے ہیں اور بعض کے بارے میں اشارات کر دیئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کتابیں ایسی ہیں کہ کسی اہل لغت نے ان کی غرابت دور کرنے میں کوئی خدمت نہیں کی، کسی فقیہ نے سلف کے مذاہب پر انکو منطبق نہیں کیا اور کسی محدث نے ان کی مشکلات بیان کیں نہ کسی مورخ نے ان کے اسماء الرجال کا ذکر کیا:

"ومنه مالم یخدمه لغوی لشرح غریب ولا فقیه بتطبیقه بمذاہب السلف ولا محدث ببیان مشکله ولا مورخ بذکر اسماء رجاله (۷۹)

شاہ ولی اللہ مزید فرماتے ہیں کہ میری مراد ان متاخرین سے نہیں جو خوامخواہ غلو و تعمق کرتے ہیں بلکہ ان کے بارے میں ہے جنکی نظر عمیق ہے اور میں اس معاملے میں اہل حدیث میں سے ائمہ متقدمین سے مخاطب ہوں اور میرے نزدیک ان کتب کے پردہ اخفاء گمنامی اور استتار میں رہنے کا سبب یہی ہے (۸۰)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کی طبقہ ثالثہ کی اس فہرست میں ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز نے چند اور کتب حدیث کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً مسند شافعی اور سنن ابن ماجہ (۸۱) مسند دارمی، مسند ابی یعلی موصلی، سنن دار قطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم۔ یہ اضافہ ہرگز بے معنی نہیں اس لئے ان کتب کا مختصر تعارف بھی ضروری ہے۔

مسند شافعی

یہ ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید القریشی الہاشمی المطلبی (م رجب ۲۰۴ھ) المعروف بہ امام شافعی کی مرتب کردہ مسند نہیں بلکہ کتاب الام وغیرہ کتب شافعی سے احادیث کا انتخاب ہے جسے نیشاپوری علماء میں سے کسی نے ان حدیثوں میں سے جن کے سماع میں ابوالعباس ا حم شیخ ربیع منفرد تھے یکجا کر دیا۔ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ ہیں۔

" ان الشافعی لم یعمل ھذا المسند و نسبا التقطہ بعض النیسابوریین من (الام) وغیرھا من مسموعات ابی العباس الاحم التی کان الفرد بروایتھا عن الربیع (۸۲)

مسند دارمی

ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد تمیمی دارمی سمرقندی (م ۲۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ اسے انہوں نے مسانید کی بجائے ابواب فقہ پر مرتب کیا۔ اس کا شمار سنن میں بھی ہوتا ہے۔ جس طرح صحیح بخاری کو المسند الجامع کہتے ہیں اسی طرح مسند دارمی، سنن دارمی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے والد کا یہ قول بتاتے ہیں کہ خراسان میں علم حدیث کے چار حفاظ نے شہرہ پایا۔ ابوزرعہ رازی، محمد بن اسمٰعیل بخاری، حسن بن شجاع البلخی اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی(۸۳)۔ بستان المحدثین کے مطابق۔

مسند دارمی کی ۳ ہزار ۵ سو ۵۷ حدیثوں کو ایک ہزار ۴ سو ۸ ابواب کی صورت میں

Marfat.com

متفرق طور پر جمع کیا گیا۔

مسند ابی یعلی

یہ ابو یعلی احمد بن علی بن المثنی بن یحیی بن عیسی بن ہلال تمیمی موصلی (م ۳۰۷ھ) کی تالیف ہے جو علی بن الجوز اور یحیی بن معین کے شاگرد اور ابن حبان ابو حاتم اور ابو بکر اسماعیلی کے استاد تھے۔ اس مسند کو ابواب اور اسماء صحابہ ہر دو پر مرتب کیا۔ اسکے علاوہ انہوں نے اپنے شیوخ کے اسماء پر ایک معجم ترتیب دی لیکن مسند ابی یعلی کو زیادہ شہرت ملی۔ اسکے بارے میں حافظ اسماعیل بن محمد بن الفضل التمیمی کہتے ہیں:

" قرات المسانید العدنی و مسند ابن منیع وھی کالانہار و مسند ابی یعلی کالبحر فیکون مجمع الانہار (۸۴)

" میں نے بہت سی مسانید پڑھیں مثلاً مسند عدنی اور مسند ابن منیع (لیکن) ان کی مثال نہروں کی سی ہے اور مسند ابی یعلی کی سمندر کی سی۔ پس یہ مجمع انہار ہے۔

سنن دارقطنی

ابوالحسن" علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبد اللہ دارقطنی بغدادی (م ۳۸۵ھ) کی تالیف، جس میں مولف نے نہ صرف غرائب سنن کو جمع اور کثرت سے ضعیف حدیثوں کو روایت کیا ہے، بلکہ منکر اور موضوع حدیثیں بھی نقل کر دی ہیں۔

" جمع فیھا غرائب السنن واکثر فیھا من روایتہ الاحادیث الضعیفتہ والمنکرۃ بل والموضوعتہ" (۸۵)

ابوالحسن علی دارقطنی" نے ابو القاسم بغوی" ابو بکر بن ابی داؤد" حسین" بن محاملی وغیرہ سے سماع حدیث کیا اور بغداد، کوفہ، بصرہ، شام، واسط اور مصر کی سیاحت کی۔ علم نحو و فن تجوید میں

کامل دسترس رکھتے تھے۔ فن معرفت علل حدیث اور اسماء الرجال پر بھی انکی گہری نظر تھی۔ حاکم" عبدالغنی" منذری صاحب ترغیب و ترتیب، تمام رازی" مولف فوائد مشہورہ اور حلیتہ الاولیاء کے مصنف ابو نعیم اصفہانی انکے حلقہ تلامذہ میں داخل تھے۔ سنن کی بدولت دارقطنی نے شہرت پائی۔(۸۶)

صحیح ابن حبان

ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی بستی[۸۷] (م ۲۲ شوال ۳۵۱ھ) (۸۸) کی مشہور تالیف، جس کی ترتیب ابواب فقہ پر ہے نہ مسانید پر، بلکہ مولف نے اسے اقسام و انواع پر مرتب کیا۔ اس لئے یہ کتاب التقاسیم والانواع کے نام سے بھی موسوم ہے۔

ابن حبان" امام نسائی کے شاگرد تھے۔ ابو یعلی" موصلی، حسن" بن سفیان اور ابو بکر" بن خزیمہ سے بھی فیض حاصل کیا۔ علم حدیث کے علاوہ فقہ، لغت، طب اور نجوم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ابن حبان کا اپنا بیان ہے "لعلنا کتبنا عن الفی شیخ"[۹۰] خیال ہے کہ ہم نے دو ہزار شیوخ سے علم حدیث سیکھا۔

مستدرک حاکم

اس کتاب کا پورا نام المستدرک علی الصحیحین ہے اور اسے صحیح حاکم بھی کہتے ہیں۔ حاکم کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ مختصر سلسلہ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں۔ محمد" بن عبداللہ بن محمد حمدویہ" بن نعیم الضبی الطہمانی" نیشاپوری۔ اجداد میں سے کسی کا نام طہمان تھا اس لئے طہمانی نسبت ٹھہری۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ لہٰذا نیشاپوری کہلائے۔ عہدہ قضاء پر مامور ہوئے تو حاکم ایسا لقب پڑا کہ اسی سے مشہور ہو کر رہ گئے۔ ربیع الثانی ۳۲۱ھ میں ولادت ہوئی اور صفر ۴۰۵ھ میں رحلت۔

حاکم نیشاپوری نے سماع حدیث کی خاطر خراسان اور ماوراء النہر کے علاوہ کئی شہروں کا سفر کیا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ دو ہزار شیوخ سے فیض یاب ہوئے، جن میں ابو العباس محمد" بن یعقوب اصم، ابو عبداللہ بن یعقوب بن الاخرم، ابو العباس" بن محبوب، ابو عمرو عثمان" بن سماک

Marfat.com

اور ابو علیؒ حافظ نیشاپوری شامل ہیں۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ ابن خلکان کے بقول ان کی تصانیف ایک ہزار ۵ سو جزو کے قریب ہیں[۹۱] لیکن مستدرک حاکم سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔

مستدرک حاکم' طبقہ اولیٰ و ثانیہ میں شامل نہیں' اس کے باوجود مولف نے زیادہ تران حدیثوں کو اس کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے' جو صحیحین کی شرائط پر پوری اترتی ہیں یا ان کے قریب قریب ہیں۔ لیکن خطیب بغدادی نے "کان الی کم ثقہ و کان یمیل الی التشیع"[۹۲] حاکم ثقہ تھے اور تشیع کی جانب میلان رکھتے تھے' کے الفاظ لکھ کر مستدرک حاکم کی طبقہ ثالثہ کی حیثیت و مرتبہ کو شاید اور کم کرنے کی سعی کی ہے۔ ذہبی[۹۳] بھی یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ [illegible]بات و تلحیقات کو دیکھے بغیر مستدرک حاکم پر فخر کرنا درست نہیں۔ ان کا بیان ہے کہ مستدرک کی متعدد احادیث شرط صحت پر پوری نہیں اترتیں بلکہ بعض تو احادیث موضوعہ ہیں۔ لیکن وہ ابو سعید مالینی کی رائے کی تردید کرتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مستدرک حاکم کی بہت سی حدیثیں شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں صحیحین کی شرائط پر ایسی احادیث کا اندراج کیا جن کا ذکر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی کتابوں میں نہیں کیا تھا۔ میں نے حاکم کی مستدرک کا خوب مطالعہ و تتبع کیا اور دیکھا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جن احادیث کا اضافہ و استدراک کیا ہے وہ بوجوہ صحیح ہے اور سقیم بھی۔ اس لئے کہ حاکم کو شیخین کے شیوخ و رجال سے مروی اور ان کے صحیح و متصل ہونے کی شرائط کے مطابق حدیثیں ملیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں احادیث کا یہ استدراک و اضافہ درحقیقت صحیحین کی طرف رجوع ہے۔

"وقد استدرک الحاکم علیہما احادیث ہی علی شرطہما ولم یذکراہا
وقد تتبعت ما استدرکہ فوجدتہ قد اصاب من وجہ ولم یصب
من وجہ ذلک لانہ وجد احادیث مرویتہ عن رجال الشیخین
بشرطہما فی الصحتہ والاتصال"[۹۴]

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے تو صرف وہی احادیث بیان کی ہیں' جن پر ان کے شیوخ

Marfat.com

نے خوب غور وفکر اور مباحث کر لئے تھے اور انہیں بیان کرنے اور انکی صحت پر اجماع ہو گیا تھا 'جیسا کہ بقول شاہ ولی اللہ" کے امام مسلم" نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں یہاں صرف وہی احادیث بیان کروں گا جن پر سب اساتذہ کا اتفاق ہے 'لیکن ایسی احادیث جنہیں روایت کرنے میں حاکم منفرد نظر آتے ہیں قریب قریب وہ ہیں 'جو شیخین کے زمانے میں مخفی تھیں اور بعد میں انکی شہرت ہو گئی یا وہ 'جن کے راویوں میں محدثین نے اختلاف کیا۔(۹۵) حجتہ اللہ البالغہ میں ہے۔

" فالشیخان کاساتذتہما کانا یعتنیان بالبحث عن نصوص الاحادیث فی الوصل والانقطاع وغیر ذلک حتی یتضح الحال و الحاکم یعتمد فی الاکثر علی قواعد مخرجتہ من ضائعہم کقولہ زیادۃ الثقات مقبولہ"(۹۶)

پس شیخین اپنے اساتذہ کی طرح حدیثوں کے موصول اور منقطع ہونے میں اتنا غور و خوض کرتے تھے کہ اصلی حالت کا انکشاف ہو جاتا تھا (یعنی اصل صورت حال واضح ہو جاتی تھی) اور حاکم نے زیادہ تر ان قواعد پر اعتماد کیا ہے' جو ان محدثین کے فنون سے مستنبط ہیں' جیسا کہ حاکم کا قول ہے کہ جتنے بھی ثقہ روای ہوں گے' اتنی ہی روایت قابل ہو گی۔

Marfat.com

طبقہ رابعہ

اس طبقے میں وہ حدیثیں داخل ہیں، جن کا قرون اولیٰ میں کہیں نام و نشان نہیں ملتا، مگر انہیں متاخرین نے اپنی کتابوں میں نقل کر دیا۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس قسم کی احادیث کے مجموعے طبقہ رابعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے مولفین نے کافی طویل زمانوں کے بعد احادیث کا وہ تمام تر سرمایہ جمع کرنے کا قصد کیا، جو پہلے دو طبقوں یعنی طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ میں تو موجود نہ تھا، البتہ اس نے غیر معروف اور مخفی مجامیع و مسانید میں جگہ پائی تھی

"والطبقہ الرابعہ کتب قصد مصنفوھا بعد قرون متطاولتہ جمع مالم یوجد فی الطبقتین الاولیین وکانت فی المجامیع والمسانید المختفیہ فنوھوا بامرھا" (۱)

طبقہ رابعہ کے مصنفین نے ایسی روایات کو اہمیت دی جو لوگوں کی زبان زد تھیں، اور اکثر مبالغہ آمیزی کرنے والے واعظ انہیں بیان کرتے تھے، لیکن محدثین نے انہیں اپنی کتب میں شامل کرنے سے بوجوہ گریز کیا۔ شاہ عبد العزیزؒ کے خیال میں اسکی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ اول یہ کہ سلف صالحین نے انکی چھان بین کی اور انکی کوئی اصل نہ ملنے پر انہیں تج دیا۔ دوم یہ کہ اصل تو پائی مگر علت اور قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کو ترجیح دی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں ان حدیثوں سے اعتماد اٹھ گیا اور یہ کسی عقیدہ یا عمل کے ثبوت کے طور پر دلیل بنانے کے قابل نہ رہیں:

"۔۔۔ پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند و آنہارا اصلی نیافتند تا مشغول بروایت آنہامی شدند یا یافتند و دراں قدحی و

Marfat.com

علتی دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہارا برترک روایات آنہا و علی کل تقدیر این احادیث قابل نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملی بانہا تمسک کردہ شود"
(۲)

شاہ ولی اللہؒ کے خیال میں طبقہ رابعہ کی زیادہ تر حدیثیں ارباب حرص و ھوی اور ضعیف راویوں سے مروی ہیں یا ان میں آثار صحابہ و تابعین ہیں اور بنی اسرائیل کے اخبار یا حکماء کے اقوال[۳] اس کے بعد شاہ ولی اللہ نے حجتہ البالغہ میں ان کتب کو طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے۔

☆ کتاب الضعفاء لابن حبان
☆ کتاب الکامل لابن عدی
☆ تصنیفات خطیب
☆ مولفات ابی نعیم
☆ کتب جوز قانی
☆ تصانیف ابن عساکر
☆ مولفات ابن نجار
☆ کتب دیلمی
☆ مسند خوارزمی

شاہ عبدالعزیز نے عجالہ نافعہ میں طبقہ رابعہ کی کتب میں جن اور ناموں کا اضافہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

☆ تصانیف حاکم
☆ کتاب الضعفا از عقیلی
☆ تصنیفات ابن شاہین
☆ کتب ابن مردویہ
☆ تفسیر ابن جریر
☆ تصانیف ابوالشیخ

Marfat.com

کتاب الضعفاء لابن حبان

حافظ ابو حاتم بن حبان (م ۳۵۴ھ) بستی نے احادیث کے بارے میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں کتاب الصحابہ، التابعین، اتباع التابعین، کتاب الفصل بین النقلہ، علل اوہام اصحاب التواریخ، تبع الاتباع، مناقب ابی حنیفہ و مثالبہ، کتاب علل ما استند الیہ ابو حنیفہ، ما خالف الثوری شعبہ، کتاب غرائب الاخبار، کتاب ما انفرد فیہ اہل المدینہ من السنن، ما انفرد بہ اہل مکہ من السنن، کتاب ما عند شعبہ عن قتادہ ولیس عند سعید عن قتادہ، ما اغرب الکوفیون عن البصریین، ما اغرب البصریون عن الکوفیین، کتاب اسامی من یعرف بالکنی، کتاب کنی من یعرف بالاسامی، الفصل والوصل، کتاب الفصل بین مکحول الشامی و مکحول الازدی، کتاب موقوف ما رفع، آداب الرجالہ، ما اسند جنادہ عن عبادۃ، کتاب ما جعل عبد اللہ بن عمر عبید اللہ بن عمر، ما جعل شیبان سفیان او سفیان شیبان، مناقب مالک بن انس، کتاب المقلین من الحجازیین، مناقب الشافعی، المعجم البدن، کتاب المقلین من العراقیین، کتاب الابواب المتفرقہ، کتاب الجمع بین الاخبار المتضادہ، کتاب وصف المعدّل ، وصف العلوم و انواعہاء کتاب الہدایہ الی علم السنن، کتاب الثقات، شعب الایمان، کتاب الجرح و التعدیل اور کتاب صفتہ الصلوٰۃ کے علاوہ درج ذیل قابل ذکر ہیں۔

"کتاب علل حدیث الزہری، علل حدیث مالک، کتاب التمییز بین حدیث النضر الحدانی والنضر الخزاز، کتاب الفصل بین حدیث اشعث بن مالک و اشعث بن سوار، الفصل بین حدیث منصور بن المعتمر و منصور بن زاذان، کتاب الفصل بین حدیث نور بن یزید و نور بن زید، کتاب الفصل بین حدثنا و اخبرنا، المسند الصحیح اور کتاب الضعفاء"(۴)

ان کتب میں سے موخر الذکر کو شاہ ولی اللہ نے طبقہ رابعہ کی کتب میں شمار کیا ہے۔ اس کتاب کی تفصیلات کا زیادہ علم نہیں ہوتا۔ حاجی خلیفہ نے علامہ بقاعی کے حواشی شرح الالفیہ سے نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے اس کتاب کے ابتداء میں ایک نہایت مبسوط مقدمہ

لکھا اور اس میں راویان حدیث کی تین اقسام گنوائی(۵) ایک عرصہ تک یہ کتاب علماء کے زیر نظر رہی اور محدثین اس سے استفادہ کرتے رہے۔

کتاب الضعفاء ہی کے عنوان سے حافظ ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی (م ۳۲۲ھ) نے بھی ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ ذہبی کا بیان ہے کہ کتاب الضعفاء للعقیلی ضعیف راویوں کی معرفت میں ایک مفید تالیف ہے۔

"والعقیلی ولہ مصنف مفید فی معرفۃ الضعفاء"(۶)

شاہ ولی اللہ نے کتاب الضعفاء للعقیلی کی بجائے کتاب الضعفاء لابن حبان کو ترجیح دی ہے۔

تصانیف حاکم

اس سے مراد حافظ محمد بن عبد اللہ المعروف بہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) کی کتابیں ہیں۔ اسماعیل بغدادی نے ان کتابوں میں الاربعین، الاکلیل، المدخل، اکالی المعشیات، فضائل العشرہ المبشرہ، تراجمہ الشیوخ، فوائد الشیوخ، تاریخ نیشاپور، فضائل فاطمہ الزہرا، المناقب الامام الشافعی، کتاب المبتداء من اللآلی الکبریٰ، مناقب الصدیق، کتاب الضعفاء، المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر اور معرفۃ علوم الحدیث کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔(۷)

شاہ ولی اللہ نے طبقہ اولیٰ کی کتب میں حاکم کی المستدرک علی الصحیحین کے حوالے سے صحیحین اور مستدرک کا تقابلی نقطہ نظر پیش کیا ہے اور پھر طبقہ رابعہ میں حاکم کی تمام تصانیف کو شامل کر دیا ہے۔ ان میں سے کتاب الاکلیل ایک بہتر کتاب ہے لیکن کتاب المدخل الی علم الصحیح بھی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں۔ اس کے مقدمہ میں حاکم نیشاپوری نے اصول حدیث سے بحث کی ہے۔

کتاب الکامل لابن عدی

طبقہ رابعہ کی اس کتاب کا پورا نام الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین من الروایۃ

Marfat.com

اور مولف کا مختصر سلسلہ نسب اس طرح سے ہے "حافظ ابو عبد اللہ (بن عدی) بن عبد اللہ بن محمد بن المبارک الجرجانی(۸) یہ اپنے موضوع کی نہایت جامع کتاب ہے۔ حمزہ" سہمی کا قول ہے کہ میں نے دارقطنی سے اس موضوع پر کتاب لکھنے کی درخواست کی تو انہوں نے سوال کیا کہ تمہارے پاس ابن عدی" کی کتاب نہیں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ ابن عدی" زائد بات کہتا ہے نہ اس کی کتاب میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

" وقال حمزه السهمی سالت الدار قطنی ان یصنف کتاب فی الضعفاء قال الیس عندک کتاب ابن عدی قلت نعم قال فیه کفایته لایزید ولا یزاد علیه "(۹)

حافظ سخاوی" کے نزدیک کتاب الکامل اپنے سے پہلے کی تصنیف میں سب سے کامل اور سب سے بڑی کتاب ہے۔ مگر ابن عدی" نے اس میں توسع اختیار کیا کہ ہر متکلم فیہ کا ذکر کر دیا ہے، خواہ وہ ثقہ ہو۔ لہٰذا اسکو ناقصین کے لئے کامل کہنا مستحسن نہیں۔

" هو اکمل الکتب المصنفته قبله واجلها ولکنه توسع لذکره کل من تکلم فیه وان کان ثقه ولذالا یحسن ان یقال الکامل للناقصین (۱۰)

ابن عساکر" کے قول کی روشنی میں ابن عدی" کی یہ کتاب لحن کے باوجود قابل اعتماد ہے" کتاب ابن عدی ثقہ علی لحن فیہ (۱۱) ذہبی کا بیان ہے کہ ابن عدی کی زبان میں گو عجمیت تھی، تاہم وہ عربیت سے واقفیت رکھتے تھے۔ علل و رجال کے حفاظ میں تو سرفہرست تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے جو کتاب لکھی " هو اکمل الکتب واجلها فی ذلک (۱۲) وہ اس موضوع پر سب سے کامل اور بڑی کتاب ہے۔ ابن عدی" نے اسے بارہ جلدوں میں لکھا اور اس کے ساٹھ جز بنائے۔ ابن جعفر الکستانی کی تحقیق ہے کہ یہ جرح کی کامل ترین کتاب ہے۔ جس پر سب کا اعتماد ہے۔ ابن عدی" نے اس میں صحیحین کے رجال میں سے ہر متکلم فیہ کا ذکر کیا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے وہی متقدمین اور متاخرین کا مرجع ہے۔ ہر ایک ترجمے میں اس نے ایک حدیث پیش کی ہے اور اکثر و بیشتر اسکی غریب اور منکر روایت کو نقل کیا ہے:

" وهو اکمل کتب الجرح وعلیه الاعتماد فیها والی ما یقول رجع المتقدمون والمتاخرون۔ وکتابه بذا هو المعروف بالکامل ذکر

فیہ کل من تکلم فیہ ولو کان من رجال الصحیحین وذکر فی ترجمہ کل واحد حدیثا فاکثر من غرائبہ ومناکیرہ"(۱۳)

تاج الدین السبکیؒ کے نزدیک کتاب الکامل اسم بامسمّی ہے۔ اس کے الفاظ مضمون کے مطابق ہیں اور اسکی صحت پر علماء متفق ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اس رائے کو نقل کرتے ہوئے خود "ھو اکمل کتب الجرح والتعدیل وعلیہ اعتماد الائمہ"(۱۴) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ گویا ان کی رائے ہے کہ کتاب الکامل جرح وتعدیل کی کامل ترین کتاب ہے اور اسی پر آئمہ فن کا اعتماد ہے۔

ابن عدیؒ نے یوں تو اور کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں علل الحدیث اور کتاب الانتصار علی مختصر المزنی فی الفروع کا ذکر نمایاں ملتا ہے لیکن انکی کتاب الکامل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ اس لئے شاہ ولی اللہؒ نے اس کو طبقات کتب حدیث میں رکھا ہے اور اسے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن طاہر نے اس کتاب کی حدیثوں کو حروف معجم پر مرتب کیا تھا اور ابن الرومیہ ابوالعباس احمدؒ بن محمد اندلسی (م ۶۳۷ھ) نے الحافل فی تکملۃ الکامل کے نام سے اس پر ذیل لکھ کر اس کی افادیت میں مزید اضافہ کیا۔

تصنیفات خطیب

شاہ ولی اللہ نے خطیب بغدادیؒ کی تصانیف کو کتب حدیث کے طبقہ رابعہ میں داخل کیا ہے۔ خطیب کی کنیت ابوبکر تھی۔ ۲۴ ذیقعدہ ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ نام و نسب کی تفصیل اجمالی اس طرح سے ہے۔ "احمد بن علیؒ بن ثابت بن احمد بن مہدی"(۱۵) طلب حدیث کے لئے بصرہ، کوفہ، نیشاپور، اصفہان، دینور، ہمدان، رے اور حجاز کا سفر کیا اور صاحب حلیہ الاولیاء حافظ ابو نعیمؒ ابو سعید مالینیؒ ابوالحسن بن بشران، ابو عبدالرحمٰن اسماعیلؒ بن احمد بن الغرالحیری وغیرہم سے مستفیض ہوئے۔ مشہور محدث ابن ماکولاؒ، خطیب بغدادی ہی کے شاگرد ہیں۔ سات ذی الحج ۴۶۳ھ کو انتقال کیا۔

خطیبؒ بغدادی نے سو کے لگ بھگ کتابیں لکھیں۔ ان میں تاریخ بغداد، شرف اصحاب الحدیث، جامع الاداب الراوی والسامع، الکفایہ فی آداب الروایۃ، المؤتلف و

Marfat.com

المختلف ' تلخیص المشابہ ' تمییز المتصل الاسانید ' روایہ الابناء عن الاباء اور غنیتہ المقتبس فی تمییز الملتبس کے علاوہ درج ذیل قابل ذکر ہیں۔

" ابطال النکاح ' اجازۃ المجہول و المعدوم ' الاحتجاج للشافعی ' اخبار من حدث ونسی ' ادب الفقیہ ' اسماء عن روی عن مالک ' الاسماء المبہمتہ ' الاسماء المتواطتہ ' اقتضاء العلم و العمل ' امالی الخطیب ' امالی الجوہری تخریج خطیب ' کتاب البخلاء ' کتاب البسملہ من الفاتحہ ' بیان حکم المزید ' کتاب بیان اہل الدرجات ' البتبین لاسماء المدلسین ' التطفیل (کتاب الطفیلین) الفصل لمبہم المراسیل ' التنبیہ و التو قیف علی فضائل الخریف ' حدیث الامام ' حدیث الستتہ ' حدیث عبد الرحمان ' حدیث محمد بن سوقہ ' حدیث النزول ' حدیث نضر اللّٰہ ' کتاب الحیل ' کتاب الخیل ' کتاب الدلائل والشواہد علی صحتہ العمل بالیمین والشاھد ' کتاب رافع الارتیاب ' کتاب الرحلہ ' الرواۃ عن شعبہ ' کتاب الرواۃ عن مالک ' روایات صحابہ والتابعین ' ریاض الانس ' کتاب السابق واللاحق ' شرف اصحاب الحدیث ' صلاۃ التسبیح ' طریق حدیث ' کتاب الغسل للجمعہ ' کتاب الفقیہ والمتفقہ ' کتاب القنوت ' القول فی علم النجوم ' کشف الاسرار اور کتاب الاکفایہ'

مزید کتب میں مجموع حدیث ' مختصر السنن ' کتاب المسلسلات ' کتاب المفتون ' کتاب مقلوب الاسماء ' المکمل فی بیان المہمل ' مناقب احمد بن حنبل ' کتاب مناقب الشافعی ' کتاب منتخب من الزھد ' کتاب منہج الصواب فی ان التسمیتہ من خاتمہ الکتاب ' موضح اوہام الجمع و التفریق ' الوفیات اور کتاب الوضوء من مس الذکر وغیرہ شامل ہیں۔

حصول حدیث کے سلسلے کی سیاحت کے علاوہ خطیب بغدادی نے زندگی کے آخری لمحات تک بغداد میں قیام کیا اور ساری عمر تصنیف و تالیف اور روایت حدیث میں مشغول رہے۔ شاہ ولی اللہ" نے انکی کسی خاص کتاب کی طرف اشارہ نہیں کیا' بلکہ تصنیفات خطیب"

Marfat.com

لکھ کر انکی ایسی بہت سے کتابوں کو طبقہ رابعہ میں شامل کر دیا ' جو حدیث کے مختلف موضوعات سے متعلق خطیب" بغدادی نے لکھیں ۔ ابو طاہر سلفی کے اشعار بھی اس کے حق میں ہیں ' جن کا مفہوم یہ ہے کہ خطیب بغدادی کی تصنیفات ترو تازہ میوے سے زیادہ لذیذ ہیں ۔ ان سے خوشبو مہکتی ہے اور ان کا حسن دل کو گرویدہ کرلیتا ہے ۔ زندگی کی کوئی نعمت اور راحت بلکہ خوشبو انکی ہمسری نہیں کر سکتی ۔

تصانیف ابن ثابت الخطیب   الذمن الجنی الغض الرطیب
و یاخذ حسن ماقد ضاع عنها   بقلب الحافظ الفطن الاریب
فایتہ راحتہ و نعیم عیش   یوازی عیشہا بل ای طیب(۱۶)

مولفات ابی نعیم

ابو نعیم احمد" بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن (وائل بن) مہران اصبہانی الصوفی ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے ۔ طلب علم اور سماع حدیث کا بچپن ہی سے شوق تھا ۔ طبرانی" ابوالشیخ" جعابی" ابو علی" بن صواف ' ابو بکر" اجری ' ابن خلاد" نصیبی اور فاروق" بن عبد الکریم الخطابی سے استفادہ کیا اور ابتدائی عمر میں ابو العباس اصم" خثیمہ" بن سلیمان طرابلسی" جعفر" خلدی اور شیخ عبد اللہ بن عمر شوذب سے روایت حدیث کی تبرکاً اجازت حاصل کی(۱۷) ابو سعید" مالینی ' ابوصالح" موذن ' ابو علی حسن" بن احمد حداد ' ابو منصور" محمد بن عبد اللہ شروطی اور ابو سعید محمد" بن المطرز انکے خاص الخاص تلامذہ میں سے تھے ۔ " صبح سے ظہر تک باقاعدگی سے درس حدیث دیتے تھے(۱۸) بیس محرم ۴۳۰ھ میں اس دار فانی سے رحلت پائی ۔ خطیب بغدادی نے بھی ان سے اپنے تلمذ کا اظہار کیا ہے ۔

ابو نعیم اصفہانی نے کئی کتابیں لکھیں ۔ ان میں " حلیتہ الاولیاء و بہجتہ الاصفیا ' دلائل النبوۃ ' تاریخ اصفہان ' کتاب صفتہ الجنتہ ' فضائل الصحابہ ' کتاب الطب ' کتاب المعتقد ' کتاب حرمتہ المساجد ' فضل العالم العفیف ' کتاب الریاضہ والادب ' کتاب الہدیٰ اور کتاب ریاض المتعلمین(۱۹) کے علاوہ علم حدیث سے متعلق مندرجہ ذیل کتب مشہور ہیں ۔

Marfat.com

"علوم الحدیث، کتاب المستخرج علی صحیح البخاری، کتاب المستخرج علی صحیح مسلم"(۲۰)

ابو نعیم نے کتاب معجم الشیوخ بھی مرتب کی، لیکن معاجم میں یہ مشہور نہ ہو سکی۔ ان کی جن کتابوں نے نمایاں شہرت پائی، ان میں علم حدیث کی مذکورہ تصانیف ہیں یا پھر حلیۃ الاولیاء۔ شاہ ولی اللہ نے طبقہ رابعہ کی کتب حدیث میں ان کی تصانیف کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ یقیناً علم حدیث ہی سے متعلق ہے۔

کتب جوزقانی

اس سے مراد حافظ ابو عبد اللہ حسین بن ابراہیم بن جعفر جوزقانی ہمدانی (م ۵۴۳ھ) کی تالیفات ہیں، جن میں سب سے مشہور کتاب الاباطیل اور کتاب التکلیف فی الفروع ہیں۔

تصانیف ابن عساکر

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن الدمشقی (م ۵۷۱ھ) کی تصانیف کی فہرست خاصی طویل ہے۔

اس میں سے اجابتہ السوال فی احادیث شعبہ، احادیث ابی الاشعث الصنعانی، احادیث جماعتہ من کفر سو سیہ، الاحادیث الخماسیات و اخبار ابن ابی الدنیا احادیث صنعا الشام، الاحادیث المتخیرہ فی فضائل العشرہ، اخبار ابن عمر والا وزاعی و فضائلہ، اربعون حدیثا عن اربعین شیخا من اربعین مدنیہ، الاربعون الطوال، الاربعون فی الجہاد، الشراف علی معرفتہ الاطراف، الانذار بحدوث الزلزال، التالی لحدیث مالک المعالی، تبیین کذب المفتری مانسب الی الامام ابی الحسن الاشعری تہذیب الستلس من عوالی مالک بن انس، الجواب المبسوط لمن ذکر حدیث الہبوط، کشف المغطاء فی فضل الموطا، المستفید فی الاحادیث السباعیہ الاسانید اور التاریخ قابل ذکر ہیں۔(۲۱)

Marfat.com

مولفات ابن نجارؒ

حافظ محب الدینؒ ابو عبد اللہ محمد بن محمود المعروف بابن النجار بغدادی شافعی' (م ۶۴۳ھ) کی تالیفات کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ انکی مولفات میں انساب المحدثین' جنتہ الناظرین فی معرفتہ التابعین' الکمال فی معرفتہ الرجال' نزھتہ الوریٰ فی اخبار ام القریٰ' الدرۃ الشمینتہ فی اخبار المدینہ' نہج الاصابہ فی معرفتہ الصحابتہ' القمر المنیر فی المسند الکبیر' کنز الانام فی معرفہ السنن والاحکام اور عیون الفوائد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۲۲)

کتب دیلمی

اس سے مراد حافظ ابو شجاع شیرویہؒ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو دیلمی شافعی ہمدانی (م ۵۰۹ھ) کی تصانیف تاریخ ہمدان' ریاض الانس لعقلاء الانس فی معرفتہ احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم' تاریخ الخلفاء اور حکایات المغامات کے علاوہ الفردوس ہیں۔ موخر الذکر سب سے زیادہ مقبول کتاب ہے۔ جس میں بقول الکتانی مولف نے دس ہزار چھوٹی چھوٹی حدیثوں کو جمع کیا' جو حروف معجم میں سے تقریباً بیس حروف پر مرتب ہیں(۲۳) اس میں اسناد نقل نہیں کی گئیں۔ اس کا نام فردوس الاخبار بماثور الخطاب المخرج علی کتاب الشھاب ہے۔ اسی کو انکے فرزند ابو منصور شہردار (م ۵۵۸ھ) نے اسماء صحابہ پر مرتب کر کے ہر حدیث کی سند بیان کی اور یہ مسند فردوس دیلمی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا پورا نام ابانتہ الشبہ فی معرفتہ کیفیتہ الوقوف علی مافی کتاب الفردوس من علامتہ الحروف ہے۔

مسند خوارزمی

شاہ ولی اللہ نے کتب طبقہ رابعہ میں مسند خوارزمی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے' لیکن یہ تصریح نہیں فرمائی کہ ان کی مراد کس "الخوارزمی(۲۴)" کی طرف ہے' ایک تو "الحافظ الکبیر ابو بکرؒ احمد بن محمد البرقانی الخوارزمی المتوفی ۴۲۵ھ ہیں(۲۵) اور دوسرے " ابو الموید محمد بن محمود بن محمد بن الحسن الخطیب الخوارزمی المتوفی ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء اول الذکر کے متعلق حاجی خلیفہ کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے ایک مسند تصنیف کی' جسکی تمام صحیح احادیث صحیحین میں آچکی

Marfat.com

ہیں ۔(۲۷)

ابوالموید محمدؒ بن محمود الخوارزمی کے بارے میں الکستانی کا بیان ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے پندرہ مسانید کو ایک کتاب میں جمع کیا اور فقہ کے ابواب پر اس کی ترتیب رکھی۔ دوبارہ کسی روایت کو ذکر کیا نہ ہی اسناد کو مکرر کیا:

" وقد جمع بین خمسته عشر منہا ---- فی کتاب سماہ جامع المسانید ' رتبہ علی ترتیب ابواب الفقہ بحذف المعاد وترک تکریر الاسناد "(۲۸)

شاہ ولی اللہ کتب حدیث کے اس طبقہ پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طبقہ میں سب سے زیادہ وہ احادیث ہیں جو ضعیف و متحمل ہیں اور سب سے بدتر وہ جو موضوع ہیں یا مقلوب و حد درجہ منکر' اور ابن جوزی کی کتاب کتاب الموضوعات اسی طبقہ میں داخل ہے۔

" یکون من ہذہ الطبقتہ واصلح ہذہ الطبقتہ ماکان ضعیفا محتملا واسوھا ماکان موضوعا او مغلوما شدید النکارۃ وہذہ الطبقتہ مادہ کتاب الموضوعات لابن جوزی "

Marfat.com

طبقہ خامسہ

شاہ ولی اللہ نے طبقات کتب حدیث میں ضمناً طبقہ خامسہ کا ذکر کیا ہے اور اس میں فقہاء اور مورخین وغیرہ کی زبان زدعام مشہور احادیث شمار کی ہیں۔ نیز صراحت کردی ہے کہ پہلے چاروں طبقات حدیث میں انکی کوئی اصل موجود نہیں۔ فرماتے ہیں۔

" ھہنا طبقہ خامستہ منہا ما اشتہر علی السنہ الفقہاء الصوفیہ والمورخین ونحوھم ولیس لہ فی ھذہ الطبقات الاربع (۱)"

سوال یہ ہے کہ اس طبقہ خامسہ سے متعلق احادیث کے واضعین کون لوگ ہیں؟ شاہ ولی اللہ کی رائے میں انہیں بے دین زبان دانوں نے اختراع کیا اور ان کی ایسی قوی اسناد مہیا کیں، جن میں جرح نہیں ہو سکتی۔ ان کے لئے ایسے کلام بلیغ سے کام لیا گیا کہ ان کا صدور رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے بعید معلوم نہیں ہوتا۔

" ومنہا مادسہ الماجن فی دینہ العالم بلسانہ فاتی باسناد قوی لایمکن الجرح فیہ وکلام بلوغ لایبعد صدورہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲)"

موضوع احادیث کی وادیاں

لیکن شاہ ولی ولی اللہ نے یہ تصریح نہیں فرمائی کہ وہ عنوانات کے اعتبار سے کن احادیث کو اس طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے ایک جگہ اشارۃ ذکر کر دیا ہے کہ اس میں مناقب و مثالب کے بیان میں اکثر گھڑی ہوئی حدیثیں، نیز تفسیر اور اسباب نزول کے بیان

میں تاریخ اور بنی اسرائیل کے واقعات اور انبیاء سابقین کے قصوں میں شہروں کے فضائل' کھانے پینے کی چیزوں اور حیوانات کے تذکرہ کی اکثر موضوع حدیثیں شامل ہیں۔ (۳)

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے اس بارے میں امام احمدؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ تین کتابیں مغازی' تفسیر اور ملاحم کی اصل نہیں ہے۔ پھر وہ ان میں فضائل کا اضافہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ سب ضعیف اور موضوع حدیث کی وادیاں ہیں:

فهذه اوديه الحاديث الضعيفته والموضوعته اذ كانت العمده فى المغازى على مثل الواقدى وفى التفسير على مثل مقاتل والكلبى وفى الملاحم على الاسرائيليات واما الفضائل فلا تحصى كم وضع الرافضته فى فضل اهل بيت وعارضهم جهلته اہل السنته بفضائل معاويه وبفضائل الشيخين وقد اغناهما اللّٰه واعلى مرتبتهما عنها (۴)"

مرسل احادیث کے مجموعے

شیخ محمدؒ بن طاہر پٹنی نے حافظ سیوطیؒ سے امام احمدؒ بن حنبل کے مذکورہ قول کی علت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان کے اصول نہیں ہیں' یعنی ان میں اکثر مرسل حدیثیں ہیں۔ امام احمد کے محقق شاگردوں کے بقول امام احمد کی اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر روائتوں کی سندیں صحیح نہیں ہیں۔ وگرنہ ان میں بہت سی باتیں صحیح سند سے ثابت ہیں' جیسے ظلم کی تفسیر شرک سے' حساب یسیر کی عرض سے اور قوت کی تفسیر رمی سے۔

" ليس لها اصول بان الغالب عليها المراسيل وقال محققو اصحاب احمد مراده ان الغالب ليس لها اسانيد صحاح متصلته والا فقد صح من ذلك كثير كتفسير الظلم بالشرك والحساب اليسير بالعرض والقوته بالرمى (۵)"

اس کے بعد کہتے ہیں کہ ان میں صحیح بہت ہی کم بلکہ مرفوع الاصل تو نہایت قلیل ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ بہت سے مبتدع گروہوں نے تفسیریں اپنے مسلک کے اعتبار سے

لکھیں۔ مثلاً عبد الرحمٰن بن کیسان، اصم، جبائی، رمانی اور زمخشری وغیرہ۔ ان میں بعض نے اپنے کلام میں بدعت آمیزش اس انداز میں کی کہ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ مزید لکھا ہے۔

"ورایت فی بعض الرسائل لابن تیمیتہ قدس سرہ کما ان للحدیث ادلتہ تقطع بصحتہ کذلک ادلتہ تقطع بکذبہ مثل ماروا ہ الوضاعون من اہل البدع والغلو فی الفضائل کحدیث یوم عاشورا، وصلاتہ فی التفسیر من ھذہ الموضوعات کثیر (۷)"

خود امام ابن تیمیہؒ نے شیخ عمرؒ موصلی کی تصنیف وسیلہ المبتعبدین اور البکری کی تالیف تنقل الانوار پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کثرت سے جھوٹی اور گھڑی ہوئی حدیثیں جمع ہیں اور یہ جھوٹ کسی سمجھ دار اور دانش مند سے مخفی نہیں رہ سکا۔ اسکے بعد رقم طراز ہیں۔

"ومثل القاضی عیاض بن موسی الیحصبی مع علمہ وفضلہ ودینہ انکر العلماء علیہ کثیرا مما ذکرہ فی شفاء من الاحادیث والتفاسیر التی اعلمونا انہا من الموضوعات والمناکیر واذا کان تفسیر الثعلبی وصاحبہ الواحدی ونحوہما فیہا من الغریب الموضوع فی الفضائل والتفسیر مالا یجوز الاعتماد وعلی مجرد عزوہ الیہا فکیف بغیرھا کتفسیر ابن القاسم القشیری وابی اللیث السمرقندی وتفسیر ابی عبد الرحمن المسلمی (۸)"

شہروں کی فضیلت میں باطل احادیث

بعض مورخین نے شہروں کی فضیلت میں باطل حدیثوں کے ذکر میں بہت توسع کیا اور بالخصوص اپنے شہروں کے متعلق تساہل سے کام لیا۔ انہوں نے موضوع حدیث بغیر کسی تنبیہہ کے ذکر کی:

"قد توسع المورخون فی ذکر الاحادیث الباطلتہ فی فضائل البلدان ولا سیما بلد انہم فانہم یتساھلون فی ذلک غایتہ التساہل

ویذکرون الموضوع ولا ینبھون علیہ (۹)"

اس کے بعد قاضی شوکانیؒ نے ربیع کی تاریخ قرۃ العیون باخبار الیمن المیمون اور بغیتہ المستفید باخبار مدنیہ زبید کے نام خاص طور پر لکھے ہیں اور تصریح کی ہے کہ مصنف باوجودیکہ محدث اور ان علماء میں سے تھا، جن پر ایسی موضوع احادیث کا بطلان مخفی نہ تھا لہٰذا متدین کو ایسی باتوں کی روایت اور اعتقاد سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس میں جھوٹ بہت ہے، بلکہ حد سے تجاوز ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ دلوں میں وطن کی محبت اور مقام تربیت کی الفت جبلی ہے۔(۱۰)

موضوع کتب حدیث پر تحقیق کی ضرورت

مناقب و مثالب، شہروں کے فضائل اور کھانے پینے کی اشیاء اور حیوانات کے تذکرے کے علاوہ طب، جھاڑ پھونک، ٹونکے عزیمتوں اور دعوات میں اور نوافل کے اجر و ثواب میں یہی صورت حال در پیش رہی:

"وضع احادیث در باب مناقب و مثالب و در تفسیر و بیان اسباب نزول و در باب تاریخ و ذکر احوال بنی اسرائیل و قصص انبیاء سابقین و ذکر بلدان واطعمہ و اشربہ و حیوانات واقع شدہ و در طب ورقی و عزائم و دعوات و ثواب نوافل (۱۱)"

ابن جوزیؒ نے کتاب الموضوعات میں اس قسم کی بیشتر حدیثوں پر جرح و قدح کی ہے اور ان کے موضوع ہونے کے دلائل پیش کئے ہیں۔ ابن عراق کی تنزیہ الشریعہ(۱۲) بھی ایسی حدیثوں کی نشاندہی کے لئے کافی ہے۔ اکثر شاذ و نادر مسائل مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مشرف بہ اسلام ہونا، حضرت عباس سے پیروں پر مسح کرنے کی روایتیں وغیرہ ایسی ہی کتابوں کی حدیثوں سے نکلے ہیں یعنی کتب حدیث کے طبقہ خامسہ سے۔ شاہ عبدالعزیز نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے جلال الدین سیوطیؒ کے رسائل و نوادر کا سرمایہ یہی کتابیں ہیں اور ان کتابوں کی حدیثوں میں مشغول رہنا اور ان سے احکام کا استنباط کرنا مفید کام نہیں ہے(۱۲)

(۲)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ کتب حدیث کے طبقہ خامسہ کے لوگوں نے اسلام میں ایک سخت مصیبت برپا کی' لیکن اہل حدیث کے فضلاء ایسی حدیثوں کو متابعات اور شواہد پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں' جس سے ان کی دسیسہ کاری کے پردے چاک ہو جاتے تھے، اور عیب ظاہر ہو جاتا تھا:

"--- فاثار فی الاسلام مصیبتہ عظیمہ لکن الجہا بذہ من اہل الحدیث یور دون مثل ذلک علی المتابعات و الشواہد فتہتک الاستار و یظہر العوار(۱۴)

طبقہ خامسہ کی کتب حدیث کی تحقیق اور ان میں شامل احادیث کے راویوں کا پتا چلانے کے لئے بھی بعض محقق محدثین نے کتابیں لکھیں - ان میں ذہبی کی میزان الاعتدال(۱۵) اور ابن حجر عسقلانیؒ کی لسان المیزان(۱۶) قابل ذکر ہیں - بنا بریں لفاظ غریبہ کی شرح' مادوں کی تحقیق اور حدیثوں کی توجیہات کے لئے مجمع البحار(۱۷) بھی کم اہمیت کی حامل نہیں - یہ اور ان جیسی دیگر کتب ملاحظہ کر لی جائیں تو طبقہ خامسہ کی کتب حدیث کو پہچاننا اور پرکھنا آسان ہو جاتا ہے -

---

Marfat.com

باب ۴

رجوع الی الموطا

Marfat.com

Marfat.com

موطا اور کتاب آلاثار

تقدیم و تفضیل کا مسئلہ اور بعض تسامحات کا ازالہ

موطا امام مالک، شاہ ولی اللہ کے نزدیک تمام کتب حدیث میں مقدم اور افضل ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے مصفّی شرح موطا کے مقدمہ میں بعض ترجیحی دلائل پیش کئے ہیں اور اس کے وجوہ کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، لیکن ان کی کچھ باتیں خلاف واقع اور محل نظر ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ امروز در دست مردمان ہیچ کتابے نیست کہ مصنف آں از تبع تابعین باشد غیر موطا"(۱)

جاننا چاہئے کہ آج لوگوں کے ہاتھ میں بجز موطا کے کوئی کتاب ایسی نہیں، جس کا مصنف تبع تابعین میں سے ہو۔

اسی طرح آئمہ اربعہ کا تقابل کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کی رائے یہ ہے کہ کل چار امام ہیں، جن کے علم نے دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد۔ موخر الذکر دونوں امام مالک کے شاگرد اور ان کے علم سے بہرہ مند تھے۔

"بالجملہ ایں چہار اماماں اند کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد۔ ایں دو امام متاخر شاگرد امام مالک بودند و مستفیدان از علم او"(۲)

اس کے بعد شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ تبع تابعین کے زمانے میں صرف ابو حنیفہ اور امام مالک ہوئے اور امام ابو حنیفہ ایک ایسے شخص ہیں کہ ان سے اصحاب ثقہ کے ذریعہ حدیث

Marfat.com

کی مسلسل روایت نہیں ہوئی، یہاں تک کہ احمد بن حنبلؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ اور دارمی ایسے سر آمد محدثین نے ان سے ایک بھی حدیث اپنی کتاب میں روایت نہیں کی۔ دوسرے یعنی امام مالک پر تمام اہل نقل کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی حدیث انکی روایت سے ثابت ہو جائے تو وہ صحت کے اعتبار سے سب سے بلند درجہ پر ہوگی۔

" و در عصر تبع تابعین بودند مگر ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ آں یک شخصے است کہ رؤیس محدثین مثل احمدؒ و بخاریؒ و مسلمؒ و ترمذیؒ و ابو داؤدؒ و ابن ماجہ، و دارمی یک حدیث ازوے در کتابہائے خود روایت نکردہ اند و رسم روایت حدیث از وے بطریق ثقات جاری نشد و آں دیگر شخصے است کہ اہل نقل دارند برانکہ چوں حدیث بروایت او ثابت شد بنداعلی صحت رسید" (۳)

امام احمدؒ، امام مالکؒ کے شاگرد نہیں

شاہ ولی اللہ کا یہ کہنا درست نہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ کے شاگرد ہیں۔ اس لئے کہ امام احمدؒ بن حنبل کے شیوخ اور نہ ہی امام مالکؒ کے تلامذہ کی فہرست میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اسکی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اور تو اور سیوطی نے اسعاف المبطا برجال الموطا کے مقدمہ میں امام مالکؒ کے لگ بھگ تیرہ سو تلامذہ کی جو فہرست بنائی ہے، اس میں بھی امام احمد بن حنبل کا نام شامل نہیں۔ خود امام احمدؒ بن حنبل کے شیوخ میں امام مالکؒ مفقود نظر آتے ہیں۔ ابن جوزی کے اخبار الحفاظ میں امام احمدؒ کے شیوخ کی تعداد سو سے اوپر ہے۔ ان میں قاضی ابو یوسف، ہشیم بن بشیرؒ بن حازم، وکیعؒ، یحییٰؒ بن سعید قطانؒ، سفیانؒ بن عیینہ اور امام شافعیؒ وغیرہم تو شریک ہیں، مگر امام مالکؒ نہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ امام مالکؒ کے زمانے میں امام احمد بن حنبلؒ موجود تھے۔ مگر ان کی عمر کسی صورت میں پندرہ سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ کیونکہ معتبر روایت کے مطابق امام مالکؒ کی وفات ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو ہوئی۔ امام احمدؒ بن حنبل کا سنہ ولادت ۱۶۴ء ہے اور امام مالک کا ۹۳ء

۔ گو امام مالک" ان سے اکہتر سال بڑے ہیں اور ممکن ہے کہ بچپن یا عنفوان شباب میں امام احمد بن حنبل" نے انہیں دیکھا ہو لیکن یہ کہیں تصریح نہیں ملتی کہ امام مالک" امام احمد" بن حنبل کے استاد ہیں۔

امام ابو حنیفہ" ۔ تابعی یا تبع تابعی؟

امام ابو حنیفہ" کے متعلق بھی شاہ ولی اللہ کا خیال کہ وہ تبع تابعین میں سے ہیں، سو فی صدی درست نہیں۔ امام ابو حنیفہ" کی تابعیت اور صحابہ کرام سے ان کی روایت کی بحث تو برسوں سے چلی آ رہی ہے اور زیادہ تر اہل علم اس بات کے حق میں ہیں کہ امام ابو حنیفہ" تابعی ہیں اور ان کا عہد صغار تابعین کا عہد تھا۔ اس بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے امام ابو حنیفہ" کے احوال پر ایک مختصر نظر ڈال لی جائے۔

امام ابو حنیفہ" کا پورا نام نعمان بن ثابت بن زوطی ہے، مگر وہ اپنی کنیت یعنی ابو حنیفہ" سے مشہور ہوئے اور لقب امام اعظم پایا۔ عجمی النسل تھے۔ خطیب" بغدادی اور ابن خلکان" نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل" کی زبانی نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے خاندان پر غلامی کا دور کبھی نہیں آیا۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ فارسی النسل ہیں اور ہمارے دادا ابو حنیفہ" ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ (۴) نعمان کے والد حضرت ثابت" نے بچپن کا کچھ عرصہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت میں گزارا۔ ابن کثیر کے بقول "حضرت علی ہی نے ان کے اور ان کے خاندان کے لئے دعا فرمائی، جو بے اثر نہ ہوئی (۵)" بعض کے نزدیک امام ابو حنیفہ" کا سنہ ولادت ۷۱ھ ہے (۶)۔

کوفہ کہ امام ابو حنیفہ" کا مولد و مسکن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم نبوت کے تین اہم مراکز میں شمار ہوا۔ ابن قیم کے بقول "یہ تین مراکز مکہ، مدینہ اور کوفہ تھے، جہاں علی الترتیب ابن عباس، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے مسانید علم بچھائیں۔ (۷) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا اور شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"کان اغلب قضایاہ لا بالکوفہ" (۸)

یہ شہر دراصل عہد فاروقی ہی میں قرآن و حدیث کا دارالعلوم بن چکا تھا۔ امام ابن تیمیہ

Marfat.com

کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آمد سے پیشتر اہل کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ، عمار رضی اللہ عنہم اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جنہیں حضرت عمر نے یہاں بھیجا تھا، دین حاصل کر چکے تھے۔

" ولما ذہب (علی رضی اللہ عنہ) الی الکوفتہ کان اہل الکوفتہ قبل ان یاتیہم قد اخذوا الدین عن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص و ابن مسعود و حذیفتہ و عمار و ابی موسی رضی اللہ تعالیٰ وغیرہم ممن ارسلہ عمر الی الکوفہ (۹)

سخاویؒ کے بیان کے مطابق ایک ہزار پچاس صحابہ نے کوفہ میں سکونت اختیار کی اور ان میں چوبیس اصحاب بدر شامل ہیں (۱۰)۔ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ عجلی (م ۲۶۱ھ) اس سے زیادہ تعداد بتاتے ہیں یعنی ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ (۱۱)۔ جب کہ نووی نے کوفہ کو دار الفضل والفضلاء (۱۲) کے لقب سے یاد کیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے مختلف شیوخ سے فقہ و حدیث کی تحصیل کی۔ بالخصوص فقیہ وقت حمادؒ بن ابی سلیمان (م ۱۲۰ھ) کے حلقہ درس میں شریک ہوتے رہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے حدیث و فقہ کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا، اس کا مدار حمادؒ ہی پر رہ گیا تھا۔ حمادؒ بن ابی سلیمان کے علاوہ آپ نے سینکڑوں شیوخ سے استفادہ کیا۔ اس ضمن میں سیوطی نے تبییض الصحیفہ اور کردری نے مناقب ابی حنیفہ میں ان کے متعدد اساتذہ کے نام گنوائے ہیں اور مولانا عبد الحیٔ نے التعلیق الممجد میں ان میں سے اکثر کا تعارف کرایا ہے۔ علامہ شعرانی کا بیان ہے کہ امام صاحب کے شیوخ فقہ و حدیث دونوں میں جامع تھے (۱۳)۔

ابو الحسنؒ مرغینانی نے بسند نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے پچپن مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت پائی (۱۴) اور شیوخ حرمین میں سے عطا بن رباحؒ سے مکہ معظمہ اور سالم بن عبد اللہؒ اور سلیمانؒ سے مدینہ منورہ میں سماع حدیث کیا۔ امام باقرؒ کی خدمت میں ایک مدت تک بغرض استفادہ حاضری دیتے رہے۔ ۱۳۰ھ سے لے کر منصور عباسی کے عہد خلافت تک چھ سال کا عرصہ مستقل طور پر مکہ معظمہ میں گزارا (۱۵) اور بیس سے زائد مرتبہ بصرہ کا سفر کیا۔ ان کے سرمایہ میں مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ غرضیکہ عرب و عجم دونوں خطوں کی روایات ملتی ہیں۔

شیخین کے علاوہ حافظ ابو نعیمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ اور طبرانیؒ اور احمد بن حنبل نے عبد اللہ مسعود سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو كان العلم بالثريا لتناوله اناس من ابناء فارس" (۱۶)

اگر علم ثریا کے پاس بھی ہو تو فارس کے کچھ لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔

علامہ سیوطی، ابن حجر مکی اور عام طور پر دوسرے علماء اس پیش گوئی کا اولین مصداق حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی کو قرار دیتے ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ تو اپنے مکتوبات میں واضح انداز میں کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اس حکم میں داخل ہیں۔

"فقیر گفت امام ابو حنیفہؒ دریں حکم داخل است (۱۷)"

امام ابو حنیفہ کے علم و فضل کے باوجود بعض علماء ان کی تابعیت اور صحابہ سے ان کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک چند صحابہ کرام بقید حیات تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے عنفوان شباب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک نے وفات پائی۔ ان کا سنہ وفات ۹۳ھ بیان کیا جاتا ہے۔ اسی زمانے میں عبد اللہ بن بسر المازنی اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ کا علی الترتیب ۹۶ھ اور ۱۰۲ھ میں انتقال ہوا۔ چنانچہ جمہور محدثین اور محققین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جو آنکھیں جمال مصطفیؐ سے منور ہوئی تھیں، امام ابو حنیفہؒ نے ان کے شرف دیدار سے اپنی عقیدت کی نگاہیں روشن کیں۔ صاحب اکمل الاکمال کے حوالے سے مولانا زکریا لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے چھبیس صحابہ کرامؓ کی زیارت کی اور محدثین کبار میں ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ ذہبیؒ، نوویؒ، ابن جوزیؒ اور امام دارقطنیؒ وغیرہم نے انکی تابعیت کو تسلیم کیا ہے (۱۸)۔

تابعیت کا اقرار اور روایت سے انکار

امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) اغلباً اولین شخصیت ہیں، جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ کو تابعی تو مانا ہے البتہ صحابہ سے انکی روایت کا انکار کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی۔ حضرت انسؓ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، مگر ان سے کوئی

Marfat.com

حدیث نہیں سنی۔

"لم یلق ابو حنیفہ احدا من الصحابہ الا انہ رای انسا بعینہ ولم یسمع منہ" (۱۹)

خطیب" بغدادی نے بھی یہی بات دہرائی ہے اور سعید" بن ابی سعید نیشاپوری کے ترجمہ میں امام ابو حنیفہ" کی ایک حدیث کو امام ابو یوسف" سے بالاسناد نقل کرنے کے بعد کہ جس میں حضرت انس سے امام ابو حنیفہ" کے سماع کی تصریح موجود ہے' رقم طراز ہیں۔

"لا یصح لابی حنیفہ سماع من انس بن مالک" (۲۰)

اور امام ابو حنیفہ" کے ترجمہ میں لکھا ہے "رای ابو حنیفہ انس بن مالک" (۲۱)۔ بعد کو شوافع میں سے اکثر علماء حتیٰ کہ زین الدین" عراقی اور جیسا کہ لکھا گیا ہے ابن حجر" عسقلانی تک نے امام ابو حنیفہ" کی تابعیت کو تسلیم کر لیا' لیکن معلوم نہیں کہ دارقطنی" نے یہ بات کن شواہد کی بناپر کہہ دی اور پھر خطیب بغدادی" نے ان ہی کی تقلید کی' حالانکہ حافظ ابو نعیم اصفہانی" (م ۴۳۰ھ) جن کے سامنے فن حدیث میں خطیب بغدادی نے زانوئے تلمذ طے کیا' خود تصریح کر دی ہے کہ امام ابو حنیفہ" نے صحابہ میں انس بن مالک' عبداللہ بن الحارث الزبیدی اور عبداللہ بن ابی اوفیٰ اسلمی رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور ان سے حدیثیں سنیں (۲۲)۔ خطیب بغدادی کے معاصر حافظ ابن عبد البر اندلسی ' عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم نے امام ابو حنیفہ" کی ایک حدیث بواسطہ امام ابو یوسف" بالاسناد روایت کر کے لکھا ہے۔

"ذکر ابن سعد کاتب الواقدی ان ابا حنیفہ" رای انس بن مالک و عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہما بن جزء۔" (۲۳)

حضرت عبداللہ بن الحارث کی حدیث مذکور حافظ ابو بکر جعابی (م ۳۵۵ھ) کی تصنیف کے حوالے سے صدر الائمہ مکی نے نقل کر کے تصریح کی ہے کہ عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی نے ۹۷ھ میں وفات پائی۔

"ومات عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی سنہ سبع و تسعین۔" (۲۴)

حافظ جعابی" علل حدیث اور تاریخ رجال کے بہت بڑے امام تھے۔ دارقطنی" نے بھی

فن حدیث میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جعابیؒ سے کہیں زیادہ جرح و تعدیل اور علم حدیث کے مسلم الثبوت امام یحییٰؒ بن معین تھے۔ ابن حجرؒ نے ان کے قول کی روشنی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عائشہؓ بنت عجرد سے روایت کی ہے۔

" ان ابا حنیفہ صاحب الرای سمع عائشہ بنت عجرد تقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جند اللہ فی الارض الجراد لا اکلہ ولا احرمہ(۲۵)"

بے شک ابو حنیفہؒ صاحب الرائے نے حضرت عائشہؓ بنت عجرد سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے کثیر التعداد لشکر ٹڈیاں ہیں جن کو میں کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔

زین الدین عراقی اور ابن حجر عسقلانیؒ کے معاصر میں حافظ عبد القادر قرشی شارح طحاوی اور حافظ بدر الدین عینی شارح بخاری بھی متعدد روایات کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ کے متعدد صحابہ سے حدیثوں کی سماعت کو تسلیم کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ کی شرط یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے معاصر سے بطریق عنعنہ روایت کرے تو روایت متصل سمجھی جائے گی اور امام بخاریؒ کے نزدیک صرف ایک مرتبہ ملاقات ہو جانا بھی اتصال کے لئے کافی ہے۔ اس اعتبار سے دونوں کی شرط کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کا صحابہ سے روایت کرنا اتصال پر معمول ہے۔ چنانچہ قرشی اور عینی کے علاوہ ملا علی قاری نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

سماع حدیث، امام ابو حنیفہؒ سے شاہ ولیؒ اللہ تک

شاہ ولی اللہ کے خیال میں سرآمد محدثین میں سے کسی نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت نہیں کی۔

جب کہ حقائق کے مطابق امام ابو حنیفہ کی روایت جامع ترمذی اور سنن نسائی دونوں میں موجود ہے۔ محدث محمد طاہرؒ پٹنی نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے ترمذیؒ اور نسائی نے تخریج کی:

" اخرج لہ الترمذی والنسائی(۲۶)"

Marfat.com

اور مسند احمد میں بھی امام ابو حنیفہ" کی روایت مسند بریدہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے (۲۷)۔ علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ کا یہ بیان کہ امام ابو حنیفہ سے بطریق ثقات روایت حدیث کا سلسلہ جاری نہیں ہوا' خود انکی اپنی فکر سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ تضاد ان کے محدث عیسیٰ بن جعفری مغربی کے تذکرہ میں لکھے گئے الفاظ سے ظاہر ہے' جس میں فرماتے ہیں:

"مسندے برائے امام ابو حنیفہ" تالیف کردہ در آں جا عنعنہ متصلہ ذکر کردہ در حدیث ازاں جا بطلان زعم کسا یکہ گویند سلسلہ حدیث امروز متصل نماندہ واضح ترمی شود (۲۸)"

انہوں (محدث عیسیٰ جعفری مغربی) نے امام ابو حنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی' جس میں اپنے سے لے کر امام موصوف تک عنعنہ متصلہ کو ذکر کیا ہے اور اسی سے ان لوگوں کے دعویٰ کا بطلان ہو جاتا ہے' جو کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آجکل متصل نہیں رہا۔

محدث عیسیٰ" جعفری مغربی کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ کے استاذ الاساتذہ ہیں۔ ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ شاہ ولی اللہ نے انہیں "وے استاذ جمہور اہل حرمین است (۲۹)" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ" سے روایت حدیث کا سلسلہ جاری نہیں ہوا تو پھر امام صاحب" سے لے کر شاہ ولی" اللہ کے دور تک سماع حدیث کیونکر ثابت ہو گیا؟ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں محدث عیسیٰ جعفری کی مذکورہ عبارت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ" کی احادیث کی روایت کا سلسلہ بسند متصل اس عہد تک جاری رہا' یہاں تک کہ جو لوگ اس زمانے میں سلسلہ اسناد کو متصل ماننے سے انکار کرتے تھے' ان کے خلاف شاہ ولی" اللہ نے اس چیز کو روشن دلیل بنایا۔ حافظ شمس الدین ذہبی کی بھی اس بارے میں تصریح ہے کہ امام ابو حنیفہ" سے محدثین و فقہاء کی اتنی بڑی تعداد نے حدیث کی روایت کی کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

"روی عنہ من المحدثین و الفقهاء عدة لا یحصون (۳۰)"

علوء اسناد اور امام ابو حنیفہ"

فقہاء اور محدثین کے نزدیک علوء اسناد کی اہمیت مسلمہ ہے' کیونکہ روایت میں جس

Marfat.com

قدر واسطے کم ہوں' اتنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر سمجھی جائے گی۔ قلت رواۃ کی بناپر ایسی روایات کی چھان بھی زیادہ نہیں کرناپڑتی اور خطاو نسیاں کا احتمال بہت تھوڑا رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل فن 'صحت اور علوء اسناد کو خاطر خواہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس کا بطور خاص اہتمام کرتے ہیں اور محدثین کے تذکرے میں اس کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

آئمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ کو یہ خصوصی شرف حاصل ہے کہ انہیں بارگاہ رسالتؐ سے بیک وقت واسطہ تلمذ حاصل ہوا۔ انہوں نے متعدد صحابہ کو دیکھا اور ان میں سے بعض سے حدیث بھی روایت کی۔ ان کی روایات میں سب سے اعلیٰ درجہ وحدانیات کا ہے 'یعنی وہ روایات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک واسطہ سے منقول ہیں۔ وحدانیات کے بعد امام ابوحنیفہؒ کی مرویات میں سے ثنائیات کا درجہ ہے اور اس میں وہ حدیثیں بھی شامل ہیں 'جنہیں تابعین نے صحابہ کرام سے سنا اور جو آپؒ نے تابعینؒ سے سنیں۔ کتاب میں ایسی روایات تیرہ ہیں اور یہ حسب ذیل اسانید سے مروی ہیں۔

ابو حنیفہؒ حدثنا:

ابو الزبیر عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ وسلم

عبد اللہ بن ابی عبید قال سمعت ابا الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نافع عن ابن عمر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبد الرحمن بن زاذان عن ابی سعید الخدری قال دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عطا بن ابی رباح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم

ابو حنیفہ عنؒ

" عطیہ العوفی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شداد بن عبد الرحمن عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم

عاصم بن کلیب عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عون بن عبد اللہ عن رجل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارہ عن ابی امامتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عطاء بن ابی رباح عن الفضل بن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مسلم الاعور عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد بن قیس عن ابی عامر الثقفی انہ کان یھدی للنبی کل عام

امام مالک چونکہ تابعی نہیں ' بلکہ تبع تابعی ہیں ' اس لئے انکی مرویات میں سب سے اعلیٰ روایات یہی ہیں ' قدماء میں بہت سے علماء نے امام ابو حنیفہ کی وحدانیات پر مستقل جزء بھی تالیف کئے ' جن میں فن حدیث میں دار قطنی کے استاد ابو حامد محمد بن ہارون الحضرمی ' ابو الحسن علی بن احمد بن عیسیٰ النہفقی ' ابومعشر عبد الکریم بن عبد الصمد الطبری المقری الشافعی (م ۴۷۸ھ) امام ابوبکر عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد السرخسی الحنفی (م ۴۳۹ھ) کے اجزاء خاص طور پر مشہور ہیں اور حفاظت حدیث کی مرویات میں داخل ہیں۔ چنانچہ اول الذکر تین کے اجزاء ابن حجر عسقلانی کی المعجم الفہرس اور حافظ ابن طولون کی الفہرست الاوسط کی مرویات میں شامل ہیں (۳۱)۔ ابو معشر طبری کے جزء کو حافظ سیوطی نے نقل کیا (۳۲) ہے۔ اسی طرح ابوالحسین النہفقی کے جز محدث خوارزمی کی جامع مسانید (۳۳) میں اور امام السرخسی کے جزء صدر الائمہ (۳۴) اور محدث سبط ابن الجوزی (۳۵) نے نقل کئے ہیں۔ جبکہ علامہ نوح قونوی نے الدر المنظم میں ان سب کے متون کی تخریج کی ہے (۳۶)۔

کتب احادیث ' موطا سے پہلے

شاہ ولی اللہ نے یہ بات بھی محض تخمین وظن کی بنا کر کہہ دی ہے کہ بجز موطا کے کوئی

Marfat.com

ایسی کتاب نہیں، جس کا مصنف تبع تابعین میں سے ہو۔ اس لئے کہ کتب تاریخ و تذکرہ اور مصنفات حدیث و فقہ میں یہ تصریح کئی جگہ موجود ہے کہ امام ابو یوسف‌ؒ اور امام محمدؒ تبع تابعین میں سے ہیں اور ان کی کتب حدیث و فقہ عرصہ دراز تک ارباب علم و فضل کے زیر نظر رہیں اور بعض تو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آج بھی لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اغلباً دیگر امصار و ممالک کی بہ نسبت چونکہ علم حدیث کا شہرہ کم رہا، اس لئے یہاں بھی بعض مصنفین کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کی کوئی کتاب موجود نہیں۔ چنانچہ ملا جیونؒ رقم طراز ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے حدیث میں کوئی کتاب مدون نہیں فرمائی:

"لم یجمع ابو حنیفہ کتابا فی الحدیث (۳۷)"

اور شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آج آئمہ فقہ کی کوئی کتاب جسے خود انہوں نے تصنیف کیا ہو، سوائے موطا کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے:

"واز ائمہ امروز ہیچ کتابے کہ خود ایشان تصنیف کردہ باشند بدست مردمان نیست الا موطا (۳۸)"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اپنے والد ماجد کی پیروی میں ان ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اسے ہی قبول کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ از تصانیف ائمہ اربعہ رحمہم اللہ در علم حدیث غیر از موطا موجود نیست (۳۹)"

مولانا شبلی نعمانیؒ کے نزدیک شاہ ولی اللہ کا فیصلہ کافی اور درست ہے۔ لکھتے ہیں:

"بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحبؒ (ابو حنیفہ) کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔ (۴۰)"

اور مولانا شبلی نعمانیؒ کے جانشین علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔

"امام مالکؒ کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی (۴۱)"

ملا جیونؒ تو محدث نہ تھے، اس لئے ان کا انکار محل تعجب نہیں، لیکن شاہ ولی اللہ کی

Marfat.com

طرف سے یہ اصرار کہ آئمہ فقہ کی کوئی کتاب' موطا کے سوا لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ' محض تسامح ہے یا ان کا فکری تضاد 'کیونکہ موطا سے پہلے کتاب الآثار کا وجود تاریخی طور پر ثابت ہے اور خود شاہ ولی اللہ کی بعض تحریریں بھی اس حقیقت کا ثبوت فراہم کر دیتی ہیں۔

امام ابو حنیفہ سے پہلے جامعین و مولفین 'احادیث نبوی' کے جس قدر مجامیع و صحائف احاطہ تحریر میں لائے 'ان کی ترتیب فنی نہ تھی۔ کیف ما اتفقی جو حدیثیں انہیں ازبر تھیں' ان ہی کو وہ قلمبند کرتے چلے گئے۔ امام شعبی" امام زھری (۱۲۴) اور امام مکحول دمشقی (۱۱۲) کی تصانیف حدیث کا بیشتر حصہ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے قبل مکمل ہو چکا تھا۔ دوسری صدی ہجری میں کبار ائمہ تابعین" کی جمع و تدوین حدیث کی کوششیں مزید باآور ثابت ہوئیں اور احادیث مرفوعہ 'صحابہ کے آثار اور تابعین کے تمام فتاویٰ اور اقوال ایک ایک کر کے اس عہد کی تصنیفات میں مرتب و مدون ہوتے چلے گئے۔ امام شعبی" (۱۱۴) نے اگرچہ بعض مضامین کی حدیثیں ایک ہی باب کے تحت لکھیں' لیکن ان کی یہ اولین کوشش چند ابواب سے آگے نہ بڑھ سکی' تا آنکہ امام ابو حنیفہ کی کتاب الاثار نے احادیث نبوی کو کتب و ابواب پر مرتب کرنے کے اس کام کو نہ صرف بہ حسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچا دیا' بلکہ آنے والے آئمہ کے لئے ترتیب و تبویب کی ایک روشن اور عمدہ مثال بھی قائم کر دی۔

کتاب الآثار۔ احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ

کتاب الآثار دراصل احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ ہے۔ بعض لوگ صحیح بخاری سے پہلے احادیث صحیح کی کسی کتاب کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ محض غلط فہمی ہے۔ علامہ جلال الدین" سیوطی نے اس کا ازالہ کرنے کی حتی المقدور سعی کی ہے۔ ان کے بقول حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس نے صحیح تصنیف کی' وہ مالک" ہیں اور ابن حجر" کا کہنا ہے کہ امام مالک کی کتاب خود ان کے اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے' کیونکہ ان کی نظر مرسل اور منقطع وغیرہ سے استدلال کی مقتضی ہے۔

" وقال الحافظ مغلطائی اول من صنف الصحیح مالک وقال الحافظ ابن حجر کتاب مالک صحیح عنده وعند من یقلده علی ما اقتضاه

Marfat.com

نظرہ من الاحتجاج بالمرسل و المنقطع و غیر ھما (۴۵)"

امام بخاری" کی کتاب کو اولین صحیح قرار دینے والوں میں ابن صلاح" سرفہرست اور پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ابن حجر" کا بیان ہے کہ انہیں پر شیخ مغلطائی معترض ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں ان کی تحریر ملاحظہ کی ہے' جس میں مغلطائی فرماتے ہیں کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی' وہ مالک" ہیں' پھر احمد بن حنبل اور ان کے بعد دارمی"۔ لہذا کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں' کیونکہ ابن صلاح" کی صحیح سے مراد غالباً صحیح مجرد ہے اور امام مالک" کی کتاب اس فہرست میں پیش نہیں کی جاسکتی' اس لئے کہ اس میں بلاغ' موقوف' منقطع اور فقہ وغیرہ بھی موجود ہے اور یہ سارے لوازمات تو کتاب البخاری میں بھی پائے جاتے ہیں:

" اول من صنف فی جمع الصحیح البخاری ھذا کلام ابن الصلاح قال الحافظ ابن حجر انہ اعترض علیہ الشیخ مغلطائی فیما قراۃ بخطہ فان مالکا اول من صنف الصحیح و تلاہ احمد بن حنبل و تلاہ الدارمی قال و لیس لقائل ان یقول لعلہ اراد الصحیح المجرد فلا یرد کتاب مالک لان فیہ البلاغ والموقوف والمنقطع والفقہ و غیر ذالک لوجود ذالک فی کتاب البخاری (۴۶)"

سیوطی" نے تصریح کی ہے کہ موطا میں جو مراسیل ہیں علاوہ اس امر کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک" اور ان کے آئمہ کے نزدیک جو مرسل کو انکی طرح سند مانتے ہیں' حجت ہیں' ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں' کیونکہ مرسل کا اگر کوئی موید ہو' تو وہ ہمارے خیال میں حجت ہے' جب کہ موطا کی ہر مرسل روایت کا ایک یا ایک سے زائد موید موجود ہے:

" ما فیہ من المراسیل فانہا مع کونہا حجتہ عندہ بلا شرط و عندہ من و افقہ من الائمتہ علی الاحتجاج بالمرسل فہی حجتہ ایضا عندنا لان المرسل عند نا حجتہ اذا اعتضد و ما من مرسل فی الموطا الا ولہ عاضدا و عواضد (۴۷)"

موطا میں کتاب الآثار کا تتبع

ان آراء کی روشنی میں اولیت کا شرف اگرچہ موطا امام مالک کو حاصل ہے' لیکن امام

Marfat.com

ابو حنیفہ" کی کتاب الآثار کے اس سے پہلے کی تصنیف ہونے سے انکار ممکن نہیں۔ خود موطا کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک" نے یہ کتاب تصنیف کرتے وقت کتاب الآثار سے استفادہ کیا چنانچہ کتاب الآثار کی طرح موطا امام مالک" میں بھی احادیث صحیحہ بنائے اول اور آثار صحابہ و تابعین بنائے ثانی قرار پاتے ہیں۔ موطا کی اس ترتیب کا شاہ ولی اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ" کہ اپنے خصوصی مناقب میں منفرد ہیں' ان ہی کو سب سے اول علم شریعت کو مدون کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ انہوں نے اس کی ابواب بندی کی۔ پھر مالک" بن انس نے موطا کی ترتیب میں اس کا تتبع کیا۔ اس اعتبار سے امام ابو حنیفہ" پر کسی کو سبقت حاصل نہیں:

"من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بہا انہ اول من دون علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک بن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق ابا حنیفۃ احد (۴۸)"

امام مالک" کا ابو حنیفہ سے استفادہ

امام مالک" کے مراسیل و بلاغات نہایت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت علامہ ابن عبد البر" مالکی کی کتاب ہے جو انہوں نے اس موضوع پر بطور خاص لکھی اور جس کا ذکر شاہ ولی" اللہ نے مصفی کے مقدمہ میں کیا ہے۔ اس کتاب میں موطا امام مالک کی مرسل' منقطع اور مفصل روایات کا اتصال بیان ہوا ہے۔ ابن عبد البر" کی زبانی شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ موطا میں جہاں کہیں "بلغنی یا عن الثقۃ عندی" آیا ہے اور اس کی سند نہیں بتائی گئی' اس کے اکسٹھ مقامات ہیں۔ ان سب روایات کو امام مالک" کے علاوہ دوسرے حضرات مسنداً روایت کرتے ہیں۔ یہ تمام احادیث امام مالک" تک ایسے لوگوں کے ذریعے پہنچیں' جو ان کے نزدیک ثقہ تھے (۴۹)۔

جمال الدین مزی" کے خیال میں "بیان کیا جاتا ہے کہ بلاغات کو امام مالک" نے ابن ادریس سے سنا تھا (۵۰)۔ اور صاحب تہذیب الکمال نے یہ بات عبد اللہ بن ادریس کوفی

المتوفی ۱۹۲ھ کے ترجمہ میں لکھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موطا کی بلغنی سے مذکور تمام روایات عبد اللہ بن ادریس سے سنی ہوئی ہیں اور یہ درحقیقت وہ بلاغات ہیں' جو موطا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبد اللہ بن مسعود سے منقول ہیں۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے یعقوب بن شیبہ سے نقل کیا ہے کہ تمام وہ روایات جن کو امام مالک" موطا میں بلغنی عن علی کہہ کر روایت کرتے ہیں' وہ سب انہوں نے ابن ادریس سے سنیں۔

"ان جمیع مایرویہ مالک فی الموطا (بلغنی عن علی) انہ سمعہ من ابن ادریس (۸۸)"

قاضی عیاض" مدارک میں احمد بن عبد اللہ کوفی کی تاریخ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ امام مالک" نے حضرت عبد اللہ بن مسعود" سے جس قدر روایات مرسلاً ذکر کی ہیں' وہ سب انہوں نے عبد اللہ بن ادریس اودی سے روایت کی ہیں (۸۹)۔ اس طرح موطا کے باب الوفا بالامان' میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر عن رجل من اہل الکوفہ منقول ہے' جس کی تعیین میں زرقانی نے سفیان ثوری" کا نام لیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی عبد اللہ بن ادریس ہی کی روایت ہو۔

ان تمام بلاغات سے بھی موطا امام مالک میں حضرت امام ابو حنیفہ" سے استفادہ کی تائید و توثیق ہوتی ہے' کیونکہ عبد اللہ بن ادریس" امام ابو حنیفہ" کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ذہبی نے ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے اور اسکی ابتداء "عبد اللہ بن ادریس بن یزید عبد الرحمٰن الامام القدوۃ ابو محمد الاودی الکوفی احد الاعلام" کے الفاظ سے کی ہے۔ لکھا ہے کہ بڑے عابد اور زاہد تھے جاہ و منصب سے ہمیشہ متنفر رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے عہدہ قضا پیش کیا مگر انہوں نے مسترد کر دیا۔ اس پر خلیفہ اور ان کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے (۹۰)۔ عبد القادر قرشی نے ان کے ان مسائل فقہ کا ذکر کیا ہے' جنہیں وہ امام ابو حنیفہ" سے روایت کرتے ہیں (۹۱)۔

امام ابو حنیفہ" اور مالک" میں علمی روابط

امام ابو حنیفہ" کی تصانیف سے امام مالک" کے استفادہ کا ذکر بعض کتب میں صراحت سے موجود ہے۔ قاضی ابو العباس احمد" بن محمد بن عبد اللہ بن ابی العوام نے اخبار ابی حنیفہ میں بسند

Marfat.com

متصل عبد العزیزؒ بن محمد دراوردی سے روایت کی ہے کہ امام مالکؒ ابو حنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے مستفید ہوتے تھے۔ اقوام المسالک فی بحث روایتہ مالک عن ابی حنفیہ و روایتہ ابی حنیفہ عن مالک کے چھ صفحات پر مشتمل رسالہ (۵۵) میں ایسے بہت سے حقائق جمع کردیئے گئے ہیں جن سے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان تعلقات کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے۔ بعض علماء امام مالکؒ کے رواۃ میں زہریؒ ربیعہؒ الرای اور یحییٰؒ بن سعید انصاری وغیرھم کے اسمائے گرامی کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کا نام بھی لیتے ہیں۔ اشہب کا قول ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو امام مالکؒ کے سامنے اس طرح دیکھا جیسے بچہ اپنے باپ کے سامنے ہو۔

" رایت ابا حنفیہ بین یدی مالک کالصبی بین یدی ابیہ (۵۶) "

لیکن اس روایت کو محققین نے درست تسلیم نہیں کیا۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حمادؒ بن ابی حنیفہؒ سے متعلق تو ایسا کہا جا سکتا ہے کیونکہ اشہب کا سنہ ولادت اس صورت میں کہ انہیں امام شافعیؒ کے ہمسن تسلیم نہ کیا جائے' بحسب بیان ابن یونس ۱۴۵ھ ہے اور اتنی کم عمر کے بچے کے لئے مصر سے سفر کر کے مدینہ جانا اور وہاں امام ابو حنیفہؒ کو امام مالکؒ کے سامنے بیٹھے دیکھنا ناممکن ہے:

" فما یرویہ الذہبی فی ترجمتہ مالک فی طبقات الحفاظ عن اشہب لا یصح الا اذا کان فی حق حماد بن ابی حنیفہ دون ابیہ لان میلاد اشہب (۱۴۰ھ) کما یقول ابن یونس ان لم یکن لدۃ الشافعی و مثلہ لا یمکن ان یرحل من مصر الی المدینتہ المنورۃ و یروی ابا حنیفہ عندہ مالک اصلا (۵۷) "

عہد حاضر کے مولفین میں سے بعض نے تو یہاں تک ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کو باقاعدہ فن حدیث میں امام مالکؒ سے تلمذ تھا اور وہ ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ شبلیؒ نعمانی کی تحقیق ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالکؒ عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے' ان کے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں (۵۸)۔ سیرۃ النعمان میں عبد اللہ بن المبارک سے منقول ہے کہ ان کی موجودگی میں امام مالکؒ کی خدمت میں ایک بزرگ آئے۔ امام مالکؒ نے انکی نہایت تعظیم کی

Marfat.com

اور انہیں اپنے برابر بٹھایا۔ ان کے جانے کے بعد فرمایا۔ جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟ یہ ابو حنیفہؒ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے۔ امام مالکؒ نے انکی بھی تعظیم کی' لیکن اس قدر نہیں' جتنی ابو حنیفہؒ کی تھی ۔وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے(۵۹)۔ اور مولانا شبلی نعمانی کے جانشین سید سلیمان ندوی نے امام مالکؒ کی مجلس کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے:

"تمام لوگ سرنگوں خاموش مودب بیٹھے تھے' یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی ۔جب امام کی مجلس درس میں آکر شریک ہوئے تو وہ بھی اس طرح مودب ہو کر بیٹھے (۶۰)۔

اور ان الفاظ کے بعد امام ابو حنیفہؒ کو امام مالکؒ کے تلامذہ و مستفیدین میں شامل کرتے ہوئے رواۃ مالک للخطیب البغدادی' ابن عساکر' مسند امام ابی حنیفہ لابن خسرو' کتاب الذبائح دارقطنی' فی النکت علی ابن الصلاح از بدر الدین زرکشی' مسند ابی حنیفہ لابی الضیاء اکمال الاکمال قلمی نسخہ کتب خانہ بانکی پور (فن حدیث نمبر ۲۴۷) شرح زرقانی (ج ا ص ۳) تزئیین الممالک از سیوطی اور محلی شرح موطا مولانا عبد السلام حنفی (قلمی نسخے کا مقدمہ) کے نام لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ ان تمام کتب میں امام مالکؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے استفادہ کا ذکر ہے۔ لیکن یہ فہرست خود تحقیق طلب ہے۔ جہاں تک ابن عساکر' دارقطنی اور مسند ابن خسرو کا تعلق ہے' ان کی سند میں عمران بن عبد الرحیم کا نام ملتا ہے اور اس کے بارے میں حافظ سلیمانی کی تصریح ہے کہ ابو حنیفہ عن مالک والی روایت اسی نے وضع کی ہے۔

"ھو الذی وضع حدیث ابی حنیفۃ عن مالک (۶۱)"

یہ روایت دارقطنی کی جس کتاب میں ہے' اس کا نام کتاب الذبائح کی بجائے "کتاب المدبج" ہے اور اس کا موضوع روایات اقرآن ہے (۶۲)۔ "تزئیین الممالک میں غلطی سے کتاب المدبج کی جگہ کتاب الذبائح لکھا گیا۔ تب سے یہ غلطی چلی آرہی ہے۔ محدث ابن خسرو نے بھی اپنی مسند میں اسے روایت کیا' مگر اس تصریح کے التزام کے ساتھ کہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن مخلد العطار نے اس روایت کو اپنی کتاب ماروا ہ الاکبر عن مالک میں بواسطہ حمادؒ بن ابی حنیفہؒ عن مالک نقل کیا ہے اور اس سند میں امام ابو حنیفہؒ کا ذکر نہیں (۶۳)۔ ابن عساکر کا

Marfat.com

حوالہ محلی میں موجود ہے لیکن صاحب محلی نے "کتاب النکاح" میں خود جلال الدین سیوطیؒ کے حوالے سے اس حدیث کے متعلق تصریح کر دی ہے کہ صحیح نہیں۔

ابن الضیاء کی مسند ابی حنیفہ کا حوالہ تزئیین الممالک میں مذکور ہے، جب کہ صاحب تزئیین الممالک نے مسند مذکور سے جو حدیث نقل کی ہے، وہ کتاب الاثار امام محمد کی ہے اور اسے امام محمدؒ نے براہ راست امام مالکؒ سے روایت کیا ہے۔ صاحب مسند نے امام ابو حنیفہ کا نام اسکی اسناد میں کہیں غلطی سے درج کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسند ابی حنیفہ لابن الضیاء، جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی کا ملخص ہے اور جامع مسانید میں یہ روایت کتاب الآثار ہی کے حوالے سے درج ہے۔

امام مالکؒ سے ابو حنیفہؒ کی روایت کا مسئلہ

طبقات محدثین میں امام ابو حنیفہؒ کو امام مالک سے بڑے ہیں تاہم محدثین کا قول " ایک محدث اس وقت تک کامل نہیں ہوتا، جب تک کہ اپنے سے بڑے، برابر اور چھوٹے یعنی تینوں طبقوں سے روایت نہ کرے(۶۴)" کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کا امام مالکؒ کی صحبت میں بیٹھنا یا ان کے درس میں شریک ہونا کوئی معیوب بات نہیں۔ امام مالکؒ تو بہرحال امام ابو حنیفہؒ کے اقران میں سے ہیں۔ اول تو روایت اقران کے لئے حلقہ درس میں شمولیت ضروری نہیں، مذاکرہ کے ضمن میں بھی روایت بیان ہو سکتی ہے۔ ثانیاً امام ابو حنیفہؒ کا امام مالکؒ سے حدیث کی روایت کرنا خود محتاج ثبوت ہے۔

ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا امام مالکؒ سے روایت کرنا بلاشبہ ثابت نہیں۔ دارقطنیؒ اور ان کے بعد خطیبؒ نے رواۃ مالکؒ میں اس کو محض بیان کیا ہے کہ انہیں ایسی دو روائتیں مل گئی تھیں۔ یہ دونوں دو مختلف اسناد سے ہیں اور ان کی صحت میں کلام ہے۔ خود دارقطنیؒ اور خطیبؒ نے اپنی دونوں کتابوں میں صحت کے التزام کو ملحوظ نہیں رکھا:

"ان ابا حنیفہ لم تثبت روایتہ عن مالک وانما اوردہ الدار قطنی ثم الخطیب فی الرواۃ عنہ لروایتین وقعتا لہما باسنادین فیہما مقال

وھمالم یلتزما فی کتابیھما الصحتہ(۴۵)"

محلی شرح موطا کے مصنف شیخ سلام اللہ ہیں ' نہ کہ سید سلیمان ندوی کے بقول مولانا عبد السلام ' جیسا کہ انہوں نے حیات امام مالک کے ایک حاشیہ میں لکھا ہے۔ شیخ سلام اللہ نے مواھب کے حوالے سے یہ بات کہی ہے کہ امام ابو حنیفہ" امام مالک" کے حلقہ مستفیدین و تلامذہ میں شامل تھے ' لیکن انہوں نے ساتھ ہی حاشیہ میں وضاحت کر دی ہے کہ مواھب کی نقل عقل سے بعید ہے اور ذہن اسے قبول نہیں کرتا ' کیونکہ امام مالک" نے جس وقت امام ابو حنیفہ" کو دیکھا ' اس وقت امام ابو حنیفہ کی عمر بیس سال کی تھی اور مجتہد اور عالم ہو چکے تھے۔ نیز دار قطنی کے سوا کسی اور کے نزدیک یہ ثابت بھی نہیں۔ ہاں البتہ اگر صاحب مواھب یہ کہیں کہ امام مالک" نے امام ابو حنیفہ" سے روایت کی ہے تو ممکن تھا۔

" اما نقل المواھب مستبعد عن العضل ولا بعقل الذھن لان ابا حنیفتہ کان ابن عشرین ستتہ مجتھدا عالما حین راہ مالک ولم یثبت ھذا عند احد غیر الدار قطنی وان قال ان مالکا روی عن ابی حنیفتہ فجائز(۴۶)"

"کتاب الآثار" کا معیار اور موطا سے نسبت

امام ابو حنیفہ" ' صحت اور شہرت اور قبولیت حدیث کے معیار میں غایت درجہ محتاط تھے۔ اس کا بین ثبوت کتاب الآثار کی وہ تمام احادیث ہیں جو موطا امام مالک کی روایات سے کم نہیں۔ کتاب الآثار کے ایک ایک راوی اور اس کی روایت کو پرکھا جا سکتا ہے۔ جس طرح موطا کے مراسیل کے موید موجود ہیں ' اسی طرح کتاب الآثار کے موید کا حال ہے۔ اس لئے صحت ' شہرت اور قبولیت کے جس پیمانے پر مغلطائی ' سیوطی ' بلکہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک بھی موطا صحیح قرار پاتی ہے ' اسی پر کتاب الآثار صحیح ترین ہے۔ موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے ' جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے۔ صحیح بخاری کی طرح کتاب الآثار کی تقدیم مسلمہ ہے۔

کتاب الآثار کی مرویات کے درجے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ" نے چالیس ہزار احادیث سے اس کا انتخاب کیا:

Marfat.com

" وانتخب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ الاثار من اربعین الف حدیث(۶۷)

چالیس ہزار احادیث سے یہاں مراد متون نہیں' بلکہ اسانید ہیں اور اس تعداد میں صحابہ کے اقوال اور تابعین کے فتاویٰ بھی شامل ہیں' کیونکہ اصطلاح میں ان سب کے لئے حدیث اور اثر کا لفظ استعمال ہوتا رہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں احادیث کے طرق و اسانید کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز نہ تھی جو بعد میں شیخین کے عہد میں ایک ایک حدیث کے دس دس شاگردوں کے بیان کی وجہ سے لاکھوں تک پہنچ گئی اور جہاں تک متون احادیث صحیحہ کی اصل تعداد کا تعلق ہے' ابو جعفر محمد بن الحسین بغدادی نے کتاب التمییز میں امام سفیان ثوریؒ' شعبہؒ' یحییٰ بن سعید القطان' عبد الرحمٰنؒ بن مہدی اور احمدؒ بن حنبل ایسے اکابر آئمہ حدیث کا متفقہ بیان نقل کیا ہے تمام احادیث صحیحہ غیر مکررہ کی تعداد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنداً مروی ہیں' چار ہزار چار سو ہے۔

" ان جملہ الاحادیث المسندہ عنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ الاتکریر اربعۃ الاف و اربع مائتہ حدیث(۶۸)"

ان میں احکام حلال و حرام یعنی فقہی احادیث بقول یحییٰؒ بن سعید القطان اور عبدالرحمٰنؒ بن مہدی (۶۹) آٹھ سو' عبداللہؒ بن المبارک کے نزدیک نو سو اور امام ابو یوسفؒ کے تخمینے کے مطابق ایک ہزار ایک سو ہیں (۷۰)۔ امام ابو حنیفہ نے ان سب میں سے کتاب الاثار کا انتخاب کیا۔ حافظ ابو یحییٰ بن زکریا بن یحییٰ نیشاپوری (م ۲۹۸ھ) نے اپنی تالیف مناقب ابی حنیفہ میں بسند نقل کیا ہے' جس میں امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے ہیں' مگر میں نے ان میں بہت تھوڑی حدیثیں نکالی ہیں' جن سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

" عندی صنادیق من الحدیث ما اخرجت منہا الا الیسیر الذی ینتفع بہ (۷۱)

امام ابو حنیفہؒ' بحیثیت محدث

صدر الائمہ موفق بن احمد مکی نے مناقب الامام الاعظم میں ابو محمد عبد اللہؒ حارثی کا قول

Marfat.com

بسند وکیع نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث کے انتخاب میں جس قدر محتاط تھے، کوئی دوسرا نہ تھا(۷۲)۔ امام بخاریؒ اور ابوداؤدؒ کے استاد حافظ علی بن الجعد جوھری کہتے ہیں۔ "ابو حنیفہ اذا جاء بالحدیث جاء بہ مثل الدر۔" (۷۳) امام ابو حنیفہؒ جو حدیث بیان کرتے ہیں، وہ موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔ یحییٰؒ بن معین کا کہنا ہے کہ ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں اور صرف وہی حدیث بیان کرتے، جو انہیں اچھی طرح حفظ ہوتی۔ کان ابو حنیفہ ثقہ لا یحدث الا ما یحفظ والا یحدث بمالا یحفظ (۷۴) "اور عبد اللہ بن مبارک، امام ابو حنیفہ کی جلالت شان میں اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں کہ عراق میں انکی کوئی نظیر تھی نہ مشرق و مغرب اور کوفہ میں:

ولم یک بالعراق لہ نظیر   ولا بالمشرقین ولا بکوفۃ (۷۵)

امام ابو حنیفہؒ برسوں حجاز، کوفہ اور بصرہ میں تحصیل حدیث میں مصروف رہے۔ ابو سعد السمانی کے الفاظ میں "اشتغل بطلب العلم وبالغ فیہ حتی حصل لہ مالم یحصل لغیرہ (۷۶) "وہ اس درجہ کامل انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول ہوئے کہ جس قدر علم انہیں حاصل ہوا دوسروں کو نہ مل سکا۔ امام مسعرؒ بن کدام کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی تو وہ ہم پر غالب رہے، زہد میں مصروف ہوئے تو اس پر سبقت لے گئے اور ہمارے ساتھ فقہ شروع کی تو عجب کمال ان سے ظاہر ہوا:

"طلبت مع ابی حنیفہ الحدیث فغلبنا واخذ نافی الزھد نبرع علینا وطلبنا معہ الفقہ فجاء منہ ماترون (۷۷)"

فن حدیث میں امام احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ بن راھویہ اور امام بخاریؒ کے استاد حافظ ابو عبد الرحمٰنؒ مقری جب امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے تو ان کے نام کے ساتھ اخبرنا شاہنشاہ (۷۸) کے الفاظ دھراتے۔ صدر الائمہ نے حافظ ابو احمدؒ عسکری کے حوالے سے امام مکیؒ بن ابراہیم کا ایک قول نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ زاہد، عالم، آخرت کی طرف راغب، بڑے راست باز اور اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

"کل ابو حنیفہ زاہدا عالما راغبا فی الاخرۃ صدوق اللسان احفظ اہل زمانہ (۷۹)"

Marfat.com

عمل حدیث کی شرط

آئمہ فن کی یہ چند تصریحات امام ابو حنیفہؒ کی جلالت و عظمت اور علمیت کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں۔ ان ہی سے کتاب الاثار کی اہمیت و افادیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ ناقدین کے نزدیک کتاب الاثار کی مرویات کو صحیحین کی مرویات پر جو ترجیح حاصل ہے' وہ امام ابو حنیفہؒ کے ثقہ ہونے کا ثبوت ہے۔ شعرانیؒ کے بقول امام ابو حنیفہؒ عمل بالحدیث کی شرط کے قائل ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول حدیث کی بابت عمل سے پہلے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی رہی ہو:

" وقد کان الامام ابو حنیفہ یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل العمل بہ ان یرویہ عن ذالک الصحابی جمع اتقیاء عن مثلھم وھکذا (۸۰)"۔

یحییٰؒ بن معین کی سند سے امام ابو حنیفہؒ کا اپنا بیان ہے کہ میں کسی مسئلہ کو پہلے کتاب اللہ سے تلاش کرتا ہوں' نہ ملے تو سنت رسولؐ سے اور آپؐ کی ان احادیث صحیحہ سے جو ثقات کے ہاتھوں ثقات ہی کے توسل سے منصہ شہود پر آتی رہیں اور اگر یہاں بھی میسر نہ آسکے تو آپؐ کے اصحاب میں سے کسی کے قول کو اختیار کر لیتا ہوں' لیکن معاملہ ابراہیم نخعیؒ' شعبی' حسن بصری' اور عطاء ابن ابی رباح تک پہنچ جائے تو ان حضرات کی طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

" اخذ بکتاب اللہ فما لم اجد فبسنتہ رسول اللہ والاثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابہ اخذبقول من اشئت واما اذا انتھی الامر الی ابراہیم والشعبی والحسن و عطاء فاجتھد کما اجتھدوا (۸۱)"

کتاب الاثار اور موطا کا تقابل

عمل بالحدیث کے بعد انتخاب حدیث کی یہی وہ شرط ہے۔ جس کے تحت کتاب الاثار مرتب

Marfat.com

ہوئی ۔ اس کا زمانہ تالیف دوسری صدی ہجری کا ربع ثانی ہے اور موضوع صرف احادیث احکام یعنی سنن ہیں جن سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے ۔ چنانچہ کئی مختلف ابواب صحیحین اور جامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث کے برعکس کتاب الاثار میں نہیں ملتے' کیونکہ یہ فقہ سے متعلق ہے ۔ بنابریں کتاب الاثار کا نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اسکی مرویات' اس عہد کی دیگر تصانیف کی طرح اپنے ہی شہر اور اقلیم کی روایات تک محدود و منحصر نہیں' بلکہ اسمیں مکہ مدینہ' کوفہ' بصرہ' غرضیکہ حجاز و عراق دونوں جگہ کا علم' تحریر و تدوین میں یکجا ہے ۔

کتاب الاثار کے برعکس موطا امام مالک کی تالیف مدینہ منورہ میں ہوئی اور اس میں مدنی شیوخ کے علاوہ دیگر لوگوں کی برائے نام روایات ہیں ۔ کتاب الاثار کے رواۃ میں کوفی یا عراقی کی تخصیص نہیں' بلکہ اس میں حجاز' عراق' شام اور جملہ بلاد اسلامیہ کے رواۃ سے روایتیں ہیں ۔ کتاب الاثار بروایت امام محمدؒ' امام ابو حنیفہؒ' کے شیوخ کی تعداد ایک سو پانچ ہے' جس میں تیس کے قریب کوفی ہیں ۔ صحابہ میں جن بزرگوں سے مسائل فقہ و فتاویٰ منقول ہیں' ان کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر ہے ۔ حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ کے خاتمہ اور ابن القیم نے اعلام الموقعین عن رب العالمین کے مقدمہ میں ان سب کا نام بنام ذکر کیا ہے' ان میں مرد و خواتین دونوں شامل ہیں ۔ فتاویٰ کے بارے میں بعض صحابہ مکثر تھے' بعض متوسط اور بعض مقل ۔ کثیر الفتویٰ میں عمر بن خطاب' علی مرتضیٰؓ' عبد اللہؓ بن مسعود' عبد اللہ بن عباس' ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہؓ' زید بن ثابت اور عبد اللہؓ بن عمر ہوئے ۔ ان میں سے چار ممتاز ترین تھے ۔ بقول شاہ ولی اللہ

"واکابر هذا الوجه عمر و علی و ابن مسعود و ابن عباس (۸۲)"۔

موطا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے بہت کم روایات ہیں ۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہارون الرشید نے امام مالک سے اسکی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دونوں بزرگ میرے شہر کے نہیں تھے اور میری ان کے احباب سے ملاقات نہ ہو سکی :

"و امام ملک از حضرت مرتضیٰؓ و عبد اللہؓ بن عباس کم روایت کرده است و ہارون الرشید از سبب آں استفسار کرد فرمودلم یکونا .بلدی و لم

الق رجالهما یعنی نہ بودند در شہر من و ملاقات نہ کردم بایاران ایشاں (۸۳)

با یاران ایشاں (۸۳)"

لیکن موطا امام مالکؒ میں عبد اللہ بن مسعود کی روائتیں تو حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی کم ہیں۔ اس کے برعکس کتاب الاثار میں جتنی روائتیں حضرت علیؓ اور عبدؓ بن مسعود کی ہیں، قریب قریب اتنی ہی حضرت عمرؓ، ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ کی ہیں۔ ان خوبیوں کے اعتبار سے بھی کتاب الاثار، موطا امام مالک سے مقدم اور افضل ہے۔ خود شاہ ولی اللہؒ نے اس تصنیف کو حنفاء کی امہات الکتب میں شمار کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے۔

" مسند ابی حنیفہ و اثار محمد بنائے فقہ حنفیہ است (۸۴)"

کتاب الاثار سے قطع نظر جہاں تک موطا امام مالک کی مقبولیت کا سوال ہے تو اس سے بھی شاہ ولی اللہ انکار نہیں کرتے، ان کے بقول مالکیوں کا تو اُس پر عمل ہے ہی، مذہب شافعی کی اصل اور اسکی اساس اجتہاد بھی موطا ہے۔ بعض مواضع میں گو امام شافعیؒ نے اعتراضات کئے ہیں اور بعض روایات کو ترجیح دینے میں اختلاف کیا ہے۔ اس طرح امام محمدؒ (بن الحسن شیبانی) کی فقہ جو المبسوط وغیرہ میں ہے، اس کا سرمایہ اور راس المال بھی موطا ہی ہے۔ کیونکہ آثار ابو حنیفہ کہ امام محمدؒ اپنے استاد سے روایت کرتے ہیں، فقہ کے تمام مسائل کے لئے کافی نہ تھے۔ چنانچہ امام محمدؒ اپنی موطا میں جو انہوں نے امام مالک سے روایت کی ہے، اکثر یہ جملہ لکھتے ہیں کہ یہ قول میرا ہے اور ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے (۸۵)۔

شاہ ولی اللہ کی طرف سے کتاب الآثار کے سماع کا اعتراف

اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کتاب الاثار سے بخوبی واقف تھے، لیکن خلاف امر یہ ہے کہ انہوں نے موطا امام مالک کو مقدم و افضل ثابت کرنے کے لئے شاید یہاں تک کہہ دیا کہ فقہ کی کوئی کتاب، جس کو خود آئمہ نے تصنیف کیا ہو، سوائے موطا کے، لوگوں کے ہاتھ میں نہیں، جب کہ انہوں نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی سے مکہ

Marfat.com

مکرمہ میں کتاب الاثار کے سماع کا اعتراف بھی کیا فرماتے ہیں :

"واطراف.... کتاب الاثار امام محمد و موطائے او از وے سماع نمود (۸۶)

شاہ ولی اللہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام محمد نے کتاب الاثار کو امام ابو حنیفہ سے روایت کیا۔ موطا کی فارسی شرح کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

"آثار یک از امام ابو حنیفہؒ روایت کردہ است (۸۷)"

کتاب الاثار کے مختلف نسخے

لیکن اغلباً انہوں نے کتاب الاثار کو امام ابو حنیفہ کی بجائے امام محمد کی تصنیف سمجھا ہے۔ کیونکہ کتاب الاثار کے راویوں میں امام زفر بن الہذیل، امام ابو یوسفؒ، امام حسن بن زیاد لولوئی اور حمادؒ بن ابی حنیفہ کے علاوہ امام محمدؒ بن حسن شیبانی شامل ہیں۔ زفر بن الہذیل کے نسخے کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا (م ۴۷۵ھ) نے الاکمال میں احمد بنؒ بکر کے تذکرہ میں کیا ہے کہ وہ فقہاء حنفیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے کتاب الاثار کو بواسطہ زفرؒ بن الہذیل ان کے شاگرد ابو وھبؒ سے روایت کرتے ہیں۔ یہی مضمون السمعانی نے کتاب الانساب اور حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ میں احمد بن بکر کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زفرؒ سے کتاب الاثار کی روایت ابو وھب محمد بن مزاحم المروزی کے علاوہ شداد بن حکیم بلخی، اور حکم بن ایوبؒ نے کی۔ ابن حکیم بلخی سے خوارزمی کی جامع مسانید الامام الاعظم اور مسند ابی خسرو میں بکثرت روایات منقول ہیں۔ ابو وھب اور شداد کے نسخوں کا ذکر حاکم نیشا پوری نے بھی کیا ہے (۸۸)۔ موخر الذکر نسخہ کا ذکر ابو الشیخ بن حیان کی کتاب طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا میں ترجمہ "احمد بن رستہ میں" ہے۔

امام ابو یوسفؒ بھی کتاب الاثار کو روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ عبد القادر قرشی کا بیان ہے کہ ابو یوسفؒ اپنے والد کی سند سے ابو حنیفہ سے کتاب الاثار کی روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے :

"روی کتاب الاثار عن ابیہ عن ابی حنیفہ و ھو مجلد ضخم" (۸۹)

Marfat.com

ابو یوسف" سے کتاب الاثار کے اس نسخہ (۹۰) کو ان کے فرزند کے علاوہ عمرو" بن ابی عمرو نے روایت کیا۔ ثانی الذکر کی روایت کو محدث خوارزمی نے جامع مسانید میں نسخہ ابی یوسف کے نام سے موسوم کیا اور اس کی اسناد بھی امام ابو یوسف" تک نقل کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک اور نسخے کا ذکر مسند ابی حنیفہ للحسن بن زیاد لولوئی کے نام سے کیا ہے۔ اور اس کی بھی اس طرح تمام اسناد مربوط کر دی ہیں۔ ابن حجر" نے محمد" بن ابراہیم بن جیش بغوی کے ترجمہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

" محمد بن ابراہیم بن جیش البغوی روی عن محمد بن شجاع الثلجی عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفہ " کتاب الاثار "(۹۱)

کتاب الاثار کے نسخوں میں ابن زیاد لولوئی کا یہ نسخہ غالباً سب سے بڑا ہے' اس کے راوی نے امام ابو حنیفہ" کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے۔ چنانچہ امام ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشا پوری نے اپنی اسناد کے ساتھ امام لولوئی سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے چار ہزار احادیث روایت کیں۔ دو ہزار حماد" سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے:

" کان ابو حنیفہ یروی اربعہ الاف حدیث الفین لحماد والفین لسائر المشیختہ " (۹۲)

امام ابو حنیفہ" کتاب الآثار اور امام محمد"

کتاب الاثار کے ان تمام نسخوں میں متداول و مشہور' بلکہ سب سے زیادہ مقبول امام محمد بن حسن شیبانی کا نسخہ ہے۔ ابن حجر عسقلانی" کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مستقل طور پر جو کتاب موجود ہے وہ کتاب الاثار ہے' جسے امام محمد بن الحسن نے ان سے روایت کیا:

" والموجود من حدیث ابی حنیفہ مفردا انما ھو کتاب الاثار التی رواھا محمد بن الحسن عنہ " (۹۳)

امام محمد" سے ان کے کئی تلامذہ نے کتاب الاثار کی روایت کی۔ ان میں ابو حفص کبیر' ابو سلیمان جوزجانی اور عمرو" بن ابی عمرو قابل ذکر ہیں۔ موخرالذکر کے نسخے ہی کو خوارزمی نے جامع

Marfat.com

مسانید میں نسخہ امام محمد سے موسوم کیا ہے۔

ابن حجرؒ عسقلانی اور حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس کے رجال پر مستقل کتب تصنیف کیں۔ اول الذکر کی کتاب کا نام الایثار بمعرفتہ رواۃ الاثار ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الاثار کی متعدد شروح قلمبند کی گئیں۔ ان میں امام طحاوی اور شیخ ابوالفضل نور الدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی (م ۱۱۴۷ھ) کی شروح قابل ذکر ہیں۔ پہلی کا ذکر حاجی خلیفہ کی کشف الظنون میں ہے اور دوسری کا علامہ مرادی کی سلک الدرفی اعیان القرن الثانی عشر میں۔

شبلی اور سلیمان ندوی کی تصریحات

شاہ ولیؒ اللہ ہی کے تتبع میں سید سلیمان ندوی نے موطا امام مالک کو قرآن کے بعد اسلام کی پہلی کتاب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے کشف الظنون کا حوالہ دیا ہے، جس میں "اول کتاب وضع فی الاسلام موطا مالک بن انس" کے الفاظ مذکور ہوئے ہیں۔ پھر قاضی ابوبکرؒ بن العربی (م ۵۴۳ھ) کی شرح موطا سے "ھذا اول کتاب الف فی شرائع الاسلام" کی عبارت نقل کی ہے اور اس کے بعد حضرت سفیانؒ کا یہ قول "اول من صنف الصحیح مالک والفضل للمتقدم" یعنی سب سے پہلے مالکؒ نے صحیح تصنیف کی۔(۹۴)

تحقیقی نقطہ نظر سے حیات امام مالک کے مولف کی ان تصریحات میں ابہام ہے، اولاً کشف الظنون میں مذکورہ الفاظ نہیں ملتے۔ ثانیاً سفیانؒ کا جو قول نقل کیا گیا ہے، وہ مغلطائی کا ہے۔ بنا بریں قاضی، ابوبکر بن العربی کی تصریح کشف الظنون میں موجود ہے، جنہیں شاید کتاب الاثار کا علم نہ تھا اور یہ کوئی محل تعجب نہیں، کیونکہ بہت سی مشہور کتابوں کے بارے میں بعض اکابر اہل علم سرے سے ناواقف رہے۔ مثلاً ابو سعید علائی کے خیال میں جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، حافظ ابو علی نیشاپوری کہ علل حدیث کے مشہور امام خیال کئے جاتے ہیں، صحیح بخاری سے آگاہ نہ تھے۔ اسی طرح علامہ ابن حزم کو جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کا علم نہ تھا۔ لیکن شاہ ولی اللہ نہ صرف کتاب الاثار سے واقفیت رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس کا سماع بھی کیا۔ اس کے باوجود انہیں موطا اور کتاب الاثار کی تقدیم اور افضلیت کے سوال پر تسامح کیونکر

Marfat.com

ہوا؟ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام محمدؒ نے ان دونوں کتابوں یعنی موطا امام مالک اور کتاب الآثار کو ان کے مصنفین سے جس طرز پر روایت کیا، اس سے اس قسم کا تشکک پیدا ہونا یقینی امر تھا۔ امام محمدؒ کا طرز عمل یہ ہے کہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روائتیں نقل کرتے ہیں۔ پھر ان روایات کے متعلق ان کا اور ان کے استاد امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کا بیان ہوتا ہے اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اسے نقل کر کے اس پر بے عملی کے وجوہ و دلائل شرح و بسط سے لکھتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب الآثار اور موطا میں بہت سی احادیث اور آثار امام ابو حنیفہ اور امام مالکؒ کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی منقول ہوئے ہیں۔ اس سے بعض کو شبہ ہوا کہ یہ دونوں کتابیں امام محمد ہی کی تصنیف کردہ ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ۔کتاب الآثار امام ابو حنیفہؒ کی تصنیف ہے اور موطا امام مالک کی۔ اس کی مزید تصریح مولانا شبلی کے ان الفاظ سے بھی ہو جاتی ہے:

> "خوارزمی نے آثار امام محمدؒ کو امام محمدؒ کی مسانید میں داخل کیا ہے۔ بے شبہ اس کتاب میں اکثر روائتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اس لئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابو حنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں۔ لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں ۔ اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے" (۹۵)

کتاب الآثار کا انتساب

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ میں نے استاد مرحوم شیخ عبد اللہ سندھی کے قلم سے اس کتاب کی پشت پر یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ موطا مالک بن انس بروایت محمد بن الحسن ہے، کیونکہ امام محمد اس کتاب میں امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے امثال ہیں، روایت کرتے ہیں اور شاید استاذ مرحوم کا یہ فرمانا اس کی اغلب روایات کے اعتبار سے ہو:

Marfat.com

"وقد وجدت بخط استاذی المرحوم الشیخ عبد اللّٰہ السندی فی ظہر ھذا الکتاب انہ موطا مالک بن انس روایۃ محمد بن الحسن وہو مشکل اذ یروی الامام محمد فیہ من غیر الامام مالک ایضا کالامام ابی حنیفۃ و امثالہ و لعلہ نظر الی الاغلب (۹۶)"

الغرض مولانا شبلی نعمانی کو جو اشکال کتاب الاثار امام محمد کے امام ابو حنیفہ کی طرف انتساب میں ہے، وہی ملا علی قاری کو موطا امام محمد کے امام مالک کی طرف منسوب کرنے میں ہے شاہ ولی اللہ نے کتاب الاثار سے جو پہلو تہی کی ہے اور موطا امام مالک کو ترجیح دی ہے اس میں بھی اس اشکال کا کافی دخل ہو سکتا ہے، کیونکہ امام محمدؒ نے مذکورہ دونوں کتابوں کا اس حد تک التزام و اہتمام کیا کہ ان کی افادیت غایت درجہ بڑھ گئی اور ان کا تداول اس قدر عام ہو گیا کہ اصل مصنفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے بجائے ان کی کتابوں کا انتساب امام محمدؒ کی طرف ہونے لگا۔ شاہ ولیؒ اللہ نے اس فکر میں فقط یہ تبدیلی کی کہ موطا کو امام مالک کی تصنیف قرار دے دیا، البتہ کتاب الاثار کو امام محمد کی تالیف سمجھ لیا۔

کتب تلامذہ امام ابو حنیفہؒ

دوسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے تلامذہ عالم اسلام کے گوشے گوشے میں پھیل کر اسلامی علوم کی اشاعت میں مصروف ہو چکے تھے۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے علامہ مسعود بن شیبہ سندھی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ لگ بھگ چار ہزار افراد نے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث کی روایت کی اور ان کے مذہب کو نقل کیا (۹۷)۔ امام ابو حنیفہؒ کا حلقہ تلامذہ خلیفہ وقت کے حدود سلطنت سے کم وسیع نہ تھا۔ علامہ حافظ الدین ابن البزاز کردری نے مناقب الامام الاعظم میں

Marfat.com

مکہ' مدینہ' کوفہ' بصرہ' واسط' موصل' جزیرہ' رقہ' دمشق' نصیبین' رملہ' مصر' یمن' یمامہ' بحرین' بغداد' اھواز' کرمان' اصفہان' استرباد' حمدان' نہاوند' رے' وامغان' قومس' طبرستان' جرجان' نیشا پور' سرخس' نسا' مرو' بخارا' سمرقند' کش' صغانیان' ترمذ' بلخ' ہرات' قہستان' سجستان' رم اور خوارزم کہ ۴۳ امصار و ممالک ہیں۔ جن کے سات سو تیس مشاہیر علماء اسلام کے اسمائے گرامی معہ انساب لکھے ہیں اور مشرق و مغرب کے یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث و فقہ کی روایت کی۔

امام طحاویؒ نے بہ سند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے چالیس تلامذہ نے کتابوں کی تدوین کی۔ ان میں ابو یوسف' داؤد طائی' اسد بن عمرو' یوسف بن خالد' اور یحیٰ زکریا بن ابی زائدہ تیس برس تک کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے:

"کان اصحاب ابی حنیفۃ الذین دونوا الکتب اربعین رجلا و کان فی العشرۃ المتقدمین ابو یوسف وزفر وداؤد طائی واسد بن عمرو ویوسف بن خالد السمتی ویحیی بن زکریا بن ابی زائدہ' وھو الذی کان یکتبھا لھم ثلاثین سنۃ(۹۸)"

اس فہرست میں عبداللہ بن مبارک (م۱۸۱ھ) امام حفصؒ بن غیاثؒ (م ۱۹۴ء) اور وکیعؒ بن الجراح (م ۱۹۸ء) ایسے مشہور آئمہ حدیث کے نام شامل نہیں ہیں۔ حالانکہ اس زمانے میں ان حضرات کی تصانیف کو یہ قبول عام حاصل تھا کہ امام بخاریؒ نے سولہ سال کی عمر میں ابن المبارک اور وکیعؒ کی تصانیف از بر کرلی تھیں۔ اسی دور میں امام زفرؒ (م ۱۵۸ھ) امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) امام محمدؒ (۱۸۹ھ) اور امام حسنؒ بن زیاد (۲۰۴ھ) جن کے اجتہادی مسائل کا مجموعہ فقہ حنفی کے نام سے امام ابو حنیفہؒ سے منتسب ہوا۔ امام محمد اور ابو یوسفؒ کی متعدد تصانیف آج بھی موجود ہیں اور امام ابو یوسف کی کتاب الامالی کا ذکر تو شاہ ولیؒ اللہ نے بھی کیا ہے:(۹۹)

جامع سفیان ثوری اور موطا کا زمانہ تصنیف

موطا امام مالک ہی کے زمانے میں ایک اور اہم کتاب کا وجود بھی ملتا ہے

Marfat.com

اور یہ جامع سفیان ثوری ہے۔ ابوطالب مکی نے اس کا سنہ تصنیف ۱۶۰ھ بتایا ہے (۱۰۰) لیکن یہ اس اعتبار سے محل نظر ہے کہ امام زفرؒ جب بصرہ تشریف لائے تو جامع سفیان ثوری ان کے سامنے لائی گئی۔ اسے دیکھ کر امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ ہمارا کلام غیروں سے نقل کر رہے ہیں۔

"ھذا کلامنا ینسب الی غیرنا (۱۰۱) "

امام زفرؒ کا انتقال شعبان ۱۵۸ھ میں ہوا تھا۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جامع سفیان ثوری ان کی وفات سے پہلے کی تصنیف ہے۔ موطا کی تکمیل چونکہ منصور عباسی کی رحلت ۶ ذی الحج ۱۵۸ھ کے بعد محمد المہدی کے عہد خلافت کے ابتدائی زمانے میں ہوئی اس لحاظ سے ان دونوں کتابوں کا زمانہ تصنیف ایک ہی ہے اور ممکن ہے' موطا امام مالک سے پہلے یہ پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہو۔ لہٰذا شاہ ولی اللہ کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ موطا امام مالک کے سوا تبع تابعینؒ میں سے کسی امام کی کتاب موجود ہی نہ تھی۔

جامع سفیان ثوری کے جہاں تک معیار تالیف و تحقیق کا تعلق ہے' اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ امام زفرؒ کی مذکورہ رائے کی روشنی میں جامع کا فقہی مسائل سے تعلق ہے۔ سفیان ثوریؒ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ فقہ میں ان کا اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب عموماً ایک ہی رہا۔ جامع ترمذی میں بھی سفیان ثوریؒ اور ابو حنیفہؒ کے مذہبی موافقت کے اشارے ملتے ہیں اور امام ابویوسفؒ نے تو واشگاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ سفیان ثوریؒ مجھ سے بھی زیادہ ابو حنیفہؒ کے متبع ہیں۔

"سفیان الثوری اکثر متابعۃ لابی حنیفۃ منی (۱۰۲) "

امام ثوری اگرچہ خود امام ابو حنیفہؒ کے درس میں شریک ہوتے رہے اور ان سے انہوں نے حدیثیں بھی روایت کیں' تاہم انہوں نے امام صاحب کی فقہ کو ان کے ایک خاص تلمیذ علی بن مسہر سے اخذ کیا۔ ان کی جامع ایک عرصہ تک مقبول رہی۔ یہاں تک کہ امام بخاریؒ نے علم حدیث کی تحصیل شروع کی تو سب سے پہلے جن کتب حدیث کی طرف توجہ دی' ان میں جامع سفیان ثوری شامل تھی۔ جامع سفیان ثوری کا سماع انہوں نے اپنے ہی وطن میں امام ابو حفص کبیرؒ (م ۲۱۷ھ) سے کیا (۱۰۳)۔ جامع کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا

Marfat.com

ہے کہ ایک بار اسحاق بن راھویہ سے کسی نے سوال کیا کہ دونوں کتابوں (جامع اور موطا) میں سے کونسی کتاب زیادہ اچھی ہے۔ ای الکتابین احسن کتاب مالک اوکتاب سفیان؟ آپ نے جواب فرمایا۔ کتاب مالک (۱۰۴)۔ لیکن امام ابوداؤد السجستانی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی ہیں' سفیان ثوری کی جامع ان سب میں اچھی ہے۔

" جامع سفیان الثوری ' فانہ احسن ما وضع الناس فی الجوامع "(۱۰۵)

موطا اپنے عہد کی تنہا کتاب نہیں

جامع سفیان ثوری اور اس دور کی بعض دیگر کتب کے تذکرہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ موطا امام مالک اپنے عہد کی تنہا کتاب نہیں' جسے تبع تابعین میں سے کسی امام نے مرتب کیا ہو' بلکہ اس دور میں متعدد کتب منصۂ شہود پر آئیں۔ یہ الگ بات ہے کہ موطا امام مالک کو منفرد شہرت و اہمیت حاصل ہوئی اور بقول شاہ ولی اللہ اس پر اہل حدیث کا اتفاق ہو گیا (۱۰۶)۔ لیکن متعدد تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے کہ موطا کی ترتیب و تدوین میں امام مالک نے امام ابو حنیفہ کا تتبع کیا۔ بنا بریں امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے اور ان سے مستفید بھی ہوتے رہے۔ اس لحاظ سے کتاب الاثار کا موطا امام مالک پر مقدم و افضل ہونا شاہ ولی اللہ کے نتائج فکر کے خلاف سہی مگر تحقیق طلب ضرور ہے۔ شاہ ولی اللہ نے امام ابو حنیفہ کے عظیم فقیہ ہونے کو تو تسلیم کیا ہے' مگر ان کے عظیم محدث ہونے کا شاید کھلے دل سے اعتراف نہیں کیا۔ چنانچہ کتاب الاثار سے اغماض برتتے ہوئے امام مالک کی تالیف موطا کو ترجیح دی ہے اور صحیحین کے ساتھ اس کا جو موازنہ کیا ہے' وہ اپنی جگہ بحث و تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھول دیتا ہے۔

Marfat.com

موطا امام مالک

وجہ تسمیہ ☆ تدوین و تکمیل ☆ شروح وتعلیقات

شاہ ولی اللہ کے زمانے میں مذاہب فقہاء میں اختلاف اس قدر بڑھ چکا تھا کہ اس کی وجہ سے علماء کرام کے متعدد گروہ بن گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کھچا ہوا تھا۔ یہ صورت حال شاہ ولی اللہ کے لئے بڑی تشویشناک تھی۔ وہ اسے ایک بار گراں سمجھتے تھے۔ ان کا دل متمنی تھا کہ عمل کے لئے ایک طریقے کا تعین ہو لیکن ترجیح دینے والی دلیل کو ملحوظ رکھے بغیر چونکہ کسی امر کا تعین کرنا شاہ ولی اللہ کے نزدیک منطقی مغالطہ ہے اور ترجیح کی بہت سے وجوہ ہیں اس لئے انہوں نے اپنے دلی اضطراب کو سکون میں تبدیل کرنے کی خاطر گردو نواح متعدد کوششیں کیں، ہر ایک سے مدد چاہی اور بالاخر بے نیل و مرام ہو کر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور بارگاہ ایزدی میں عرض کی:

"لئن لم یهدنی ربی لا کونن من القوم الضالین (۱)"

"انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا و ما انا من المشر کین (۲)"

اس کے بعد شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ مجھے بذریعہ الہام امام عظیم حجتہ الاسلام مالک بن انس کی کتاب الموطا کی طرف اشارہ کیا گیا۔ رفتہ رفتہ میرے ذہن کو اس خیال سے تقویت ملی اور پھر مجھے یقین ہو گیا کہ اس وقت علم فقہ میں کوئی کتاب بھی امام مالک کی موطا سے قوی تر نہیں ہے (۳)۔

مستند مجموعہ احادیث

تدوین حدیث کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ موطا سے پہلے اور امام مالک کے زمانے

Marfat.com

میں احادیث کے متعدد مجامع مدون ہو چکے تھے مگر ان میں ترتیب و تدوین کے اعتبار سے موطا امام مالک کو قابل قدر شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ عالم اسلام کے دور دراز گوشوں سے تشنہ کامان حدیث سماع موطا کے لئے امام مالکؒ کی خدمت میں دن رات جوق در جوق حاضر رہتے تھے۔ اس لئے شاہ ولی اللہ نے یہ بات اپنی تحریروں میں دعویٰ سے کہی ہے کہ قرآن حکیم کے بعد سب سے پہلے باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب سے مبوب و مرتب ہو کر منصہ شہود پر آنے والی یہی موطا امام مالک ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ کتابیں ایک دوسری پر فضیلت رکھتی ہیں بعض کی فضیلت مصنف کی وجہ سے ہوتی ہے یا شہرت حدیث کے سبب۔ صحت کا خاص التزام بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے اور عامتہ المسلمین میں بعض کتابوں کی مقبولیت یا انکی ترتیب وغیرہ کہ ان میں تمام اہم امور آگئے ہیں:

"وتمققت انه لا يوجد الان كتاب مافي الفقه اقوى من موطا الامام مالک لان الكتب تتفاضل فيما بينها اما من جهته فضل المصنف او من جهته التزام اصحته او من جهته شهره احاديثها او من جهته القبول لها من عامته المسلمين او من جهته حسن الترتيب و استيعاب المقاصد المهمه ونحوها' وهذه الامور كلها موجوده في الموطا على وجه الكمال بالنسبته الى جميع الكتب الموجودة على وجه الارض الان (۴)"

موطا سے قبل یا اس کے زمانے میں مرتب و مدون ہونے والی کتب احادیث میں مولفین و مرتبین نے صحت' شہرت اور قبولیت کے التزام کا خیال نہیں کیا تھا۔ امام مالک نے اس بارے میں بطور خاص توجہ فرمائی اور موطا کی شکل میں حدیث کا ایک مستند مجموعہ مرتب کر دیا۔

موطا کی وجہ تسمیہ

موطا۔ توطیہ کا مفعول ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں: روندا ہوا' تیار کیا ہوا' نرم اور

Marfat.com

سہل بنایا ہوا۔ ابو حاتم رازیؒ کا بیان ہے کہ امام مالک نے اس مجموعہ کو مرتب کر کے لوگوں کے لئے دین کو سہل اور آسان بنا دیا۔ چنانچہ یہ موطا کے نام سے موسوم ہوا۔ شاہ ولی اللہ نے بھی اس وجہ تسمیہ کی تائید کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"قیل لابی حاتم الرازی لم سمی هذا الکتاب الموطا فقال شی قد صنفه ووطاه للناس حتی قیل موطا مالک بن انس (۵)"

راجح قول کے مطابق موطا کے معنی چونکہ روندے ہوئے یا چلے ہوئے کے ہیں، اس لئے معنوی مفہوم یہ ہے کہ آئمہ و علماء اور اکابر سب چلے ہوں، انہوں نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو اور اس سے اتفاق کیا ہو۔ امام مالکؒ کے اپنے بیان سے بھی اسکی توثیق ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حدیثوں کی یہ کتاب لکھ کر مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے رائے کے لئے پیش کی تو تمام نے اس سے اتفاق کیا، لہٰذا میں نے اس کا نام موطا رکھا۔

موطا کی ترتیب و تدوین کے دوران دس ہزار احادیث امام مالک کے پیش نظر تھیں۔ عتیق زھری کا قول ہے کہ امام مالک اتنی بڑی تعداد سے آہستہ آہستہ انتخاب فرماتے رہے اور زندگی کے آخری لمحات تک مسودے کی تدوین جاری رکھی (۶)۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ امام مالک نے پہلے موطا میں دس ہزار حدیثیں جمع کی تھیں۔ پھر آپ برابر انکی چھان پھٹک کرتے رہے اور انہیں بتدریج کم کیا، یہاں تک کہ انکی تعداد موجودہ موطا کے برابر رہ گئی:

"کان مالک جمع اولا فی الموطا عشره الاف حدیث ثم صار ینظر فیها کل یوم وینقص منها الیٰ ان بقی هذا العدد (۷)"

تدوین کے مختلف مراحل

شاہ ولی اللہ نے موطا کے تدوینی پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں علم فقہ الحدیث کی کتابی شکل میں تدوین نہیں ہوئی تھی۔ عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے اپنے عہد کے فقہاء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن اور عمر کے آثار جمع کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ابن شہابؒ زھری نے اس کام کی ابتدا کی، لیکن اس ضمن میں انہوں نے کسی ترتیب یا تہذیب کو ملحوظ نہ

Marfat.com

رکھا۔ انکے بعد طبقہ ثالثہ کے محدثین و فقہاء نے تصنیف و تالیف کا کام اپنے ذمے لیا۔ ربیع بن ؒ صبیح اور سعید ؒ بن ابی عروبہ نے اس کے بعض پہلو مدون کر کے کافی پیش رفت کی۔ تاآنکہ امام مالک ؒ نے احکام سے متعلق تمام امور کو مدون کر دیا۔ (۸)۔۔۔ موطا اس کی بہترین اور عمدہ مثال ہے۔

حافظ ابن حبان کا بیان ہے کہ امام مالک ؒ فقہاء مدینہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے رواۃ کے بارے میں تحقیق کو عملی جامہ پہنایا اور غیر ثقہ راویوں سے اعراض کیا۔ وہ صحیح روایات کے علاوہ کوئی چیز نقل کرتے نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے:

" کان مالک اول من انتقی الرجال من الفقہاء بالمدینۃ و اعرض عن لیس بثقۃ فی الحدیث ولم یکن یروی الا ما صح ولا یحدث الا عن ثقۃ (۹) "

ابن حجر ؒ نے موطا کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ امام مالک ؒ نے اپنی اس تصنیف میں اہل حجاز کی قوی روایات کا قصد فرمایا اور ساتھ ہی اقوال صحابہ اور تابعین ؒ و علماء مابعد کے فتاویٰ بھی درج کر دیئے۔

" فصنف الامام مالک الموطا و توخی فیہ القوی من حدیث اہل الحجاز و مزجہ باقوال الصحابۃ و فتاوی التابعین و من بعدھم (۱۰) "

اس طرح موطا کی شکل میں امام مالک نے اپنے مسلک کی بنیاد پر ایک طرف تو احادیث صحیحہ پر اور دوسری طرف آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین پر رکھی۔ بانکے اپنے الفاظ ہیں:

" باید دانست کہ استدلال بحدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چہ مسند و چہ مرسل و موقوف حضرت عمر و عمل عبداللہ بن عمر و اخذ بفتاوی صحابہ و تابعین مدینہ خصوصاً کہ جمع مجتمع شدہ باشند اصل مذہب مالک است (۱۱) "

" جاننا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے خواہ وہ مسند ہو یا مرسل نیز حضرت عمر ؓ کے اثر اور عبداللہ ؓ بن عمر کے عمل سے استدلال کرنا اور

Marfat.com

صحابہ اور تابعین مدینہ کے فتاوی سے اخذ کرنا خصوصاً جب کہ ان تابعین کی ایک جماعت کسی ایک مسئلہ پر متفق ہو' امام مالک" کے مذہب کا اصول ہے۔"

شاہ ولی اللہ' ابن حجر عسقلانی کی اس رائے سے متفق ہیں کہ امام مالک نے موطا کی تدوین کے وقت فقہ کے تمام ابواب پر بحث کی۔ اہل حجاز کی قوی روایات کو یکجا کیا اور انکی مرسل روایات' بلاغات' اقوال صحابہ اور تابعین" کے فتاویٰ سے شرح کی:

"وبعدهم دون الامام مالک ما يتعلق بالاحكام و تكلم على جميع ابواب الفقه وجمع من احاديث اهل الحجاز ما كان قويا ثم شرحها بمراسيل و بلاغات او اقوال الصحابه و فتوى التابعين (۱۲)"

مصفی کے مقدمہ میں شاہ ولی اللہ نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ اسی نہج اور طریقے پر مکہ میں ابن جریج" شام میں الاوزاعی" کوفہ میں الثوری" بصرہ میں حماد بن سلمہ' واسط بن ہشیم' یمن میں معمر"' خراسان میں ابن المبارک اور رے میں جریر" بن عبد الحمید نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ دوسری صدی ہجری کے گزرنے کے بعد مسانید کی تصنیف ہونے لگی اور آثار وغیرہ سے احادیث نبوی' کو علیحدہ کیا جانے لگا (۱۳)۔ لیکن موطا امام مالک' صحت' شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے منفرد اہمیت کی حامل رہی۔

صحت شہرت اور قبولیت عامہ

موطا کو شہرت اور قبولیت عامہ دراصل امام مالک" کی زندگی ہی میں حاصل ہو گئی تھی۔ سعدون کے اشعار اسی کی غمازی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص حدیث کی روایات اور کتابت کرتا ہے اور فقہ کے راستوں کا رہبر اور طالب اجتہاد ہے' اسے اگر خدا کے نزدیک عالم بن کر پکارا جانا محبوب ہو' تو چاہئے کہ مدینہ کے جمع شدہ علم حدیث سے تجاوز نہ کرے:

اقول لمن يروى الحديث ويكتب ويسلك سبل الفقه فيه ويطلب
ان اجبت ان تدعى لدى الحق عالما فلا تعد ماتحوى من العلم يثرب

اس کے بعد سعدون کہتا ہے کہ اے نادان شخص تو اس دار الهجرت کو چھوڑتا ہے' جس کے گھروں میں صبح شام جبرئیل مقرب آتے تھے' جہاں رسول اللہ نے وفات پائی اور ان

Marfat.com

کے بعد آپ ؐ کی سنت سے آپ ؐ کے اصحاب ادب پذیر ہوئے:

اترک دارا کان بین بیوتہا　　یروح و یغدو جبرئیل المقرب
و مات رسول اللّٰہ فیہا و بعدہ　　بسنتہ اصحابہ قد تادبوا

لہٰذا شاعر کے نزدیک ضروری ہدایت یہ ہے کہ امام مالک کے فوت ہونے سے پہلے موطا کو حاصل کر لیا جائے، ممکن ہے کہ بعد میں ٹھیک مطلب اخذ نہ ہو سکے۔

فبادر موطا مالک قبل فوتہ　　فما بعدہ ان فات للحق مطلوب

موطا امام مالک کے بارے میں سعدون کی رائے ہے کہ یہ مانند آفتاب ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرے علم ستارے ہیں۔ پس چاہیئے کہ ہر علم کو تج کر موطا میں مشغول ہوں۔ نیز جس شخص نے اپنے گھر میں موطا کو نہیں لکھا، اس کا گھر توفیق سے خالی ہے:

ودع للموطا کل علم تریدہ　　فان الموطا شمس العلم و الغیر کوکب
و من لم یکن کتب الموطا بیتہ　　فذاک من التوفیق بیت مخیب(۱۴)

قاضی عیاض ؒ نے بھی موطا امام مالک کی شان اور تعریف میں ایک طویل قصیدہ نظم کیا تھا۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ موطا حدیثوں کے اعتبار سے صحیح تر اور بلحاظ دلیل قوی تر ہے۔ فقہ حاصل کرنے والوں کے لئے اس سے زیادہ کوئی واضح راستہ نہیں اور خالص علم دینیات اور شریعت نبوی کو اسی طرح سے حاصل کیا جا سکتا ہے:

علم دینیات اور شریعت نبوی کو اس سے حاصل کیا جا سکتا

اصح احادیثاً و اثبت حجتہ　　و اوضحہا فی الفقہ نہجاً لسالک
فعنہ فخذ علم الدینتہ خالصاً　　و منہ اکتسب شرع البنی المبارک(۱۵)

موطا امام مالک ؒ کی صحت، شہرت اور قبولیت کے بارے میں سعدون اور قاضی عیاض کے اشعار کے علاوہ امام شافعی ؒ، ابوبکر بن العربی، ابن حجر اور علامہ سیوطی ؒ کے اقوال بھی ہیں۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ بے شک نفوس و قلوب میں موطا کی وہ تاثیر و ہیبت ہے۔ جس کا کوئی شے مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ان للموطاو قعا فی النفوس و مهابتہ فی القلوب لا یوازیھاشی (۱۶)

امام ابو زرعہ رازی کے بقول اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ موطا میں امام مالکؒ کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہو گا:

" لو حلف رجل بالطلاق علی احادیث مالکؒ فی الموطا انہا صحاح لم یحنث(۱۷)

اسی قول کو نقل کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان نے "وایں وثوق واعتماد بر کتب دیگر نیست "(۱۸) کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ گویا مہر توثیق ثبت کر دی ہے کہ موطا پر وثوق و اعتماد ہی اسے دوسری کتابوں سے ممیز و ممتاز کرتا ہے۔

زمانہ تالیف

ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ نے موطا کی تالیف یقینی طور سے یحیی بن سعید انصاری کی وفات کے بعد کی اور یحییٰ کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی (۱۹) محدث قاضی عیاض مدارک میں امام مالکؒ کے تلمیذ خاص ابو مصعب سے نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالکؒ سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی جس پر تمام مسلمانوں کو عمل کرایا جاسکے۔ (۲۰) ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے امام مالکؒ کی زبانی بتایا ہے کہ منصور کا ارادہ تھا کہ کتاب کی نقول تیار کر کے اسلامی سلطنت کے تمام شہروں میں بھیج دی جائیں اور فرمان جاری کر دیا جائے کہ صرف اہل مدینہ کی روایت پر عمل کیا جائے اور کوئی مسلمان اس سے تجاوز نہ کرے۔ اس پر امام مالکؒ نے اختلاف کیا اور فرمایا کہ لوگوں کے پاس پہلے سے اقوال پہنچ چکے ہیں۔ انہوں نے بھی حدیثیں سنی ہیں اور انہیں روایت کیا ہے۔ نیز ہر قوم نے صحابہ اور دیگر علماء کے اختلاف کی صورت میں اسی کو اختیار کیا جو ان کے ہاں قبل ازیں مروج ہو چکا ہے لہذا لوگوں کو اسی کے مطابق عمل کرنے اور دینی زندگی گزارنے دی جائے (۲۱) حافظ ابن عبدالبر نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور تبصرہ کے طور پر اپنی رائے دی ہے کہ فروعی اختلافی مسائل میں شدت برتنے والوں اور ہر ذی فہم کے نزدیک یہ انتہائی انصاف کی بات ہے

Marfat.com

"وهذا غایتہ فی الانصاف لمن فهم (۲۲)"

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام مالک" نے موطا کی تصنیف شروع کی لیکن کتاب کی تکمیل سے قبل منصور عباسی کی وفات ہو گئی (۲۳) ۶ ذی الحج ۱۵۸ھ کو منصور کے انتقال پر اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد المہدی سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں موطا کی تصنیف کا کام پایہ اختتام کو پہنچا۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک" سے ہر گروہ میں سے ایک جم غفیر نے موطا کو روایت کیا۔ ہارون الرشید' امین مامون الرشید اور ایک روایت کے مطابق المہدی اور الہادی بھی اس میں شامل ہیں۔ مجتہدین میں سے امام شافعی" اور محمد" بن الحسن نے بلاواسطہ اور احمد" نے عبدالرحمن بن المہدی کے توسل سے اسکی روایت کی:

"و اما شهرة الموطا فقد رواه عن مولفه الامام مالک" جم غفیر من کل طائفته فمن خلفاالاسلام الرشید و الامین و المامون و قیل المهدی و الهادی ایضاو من المجتهدین الشافعی و محمد بن الحسن بلاواسطته و احمد عن عبدالرحمن بن مهدی (۲۴)

تعداد مرویات

موطا کی ابتدائی تدوین کے وقت جیسا کہ لکھا گیا ہے امام مالک" کے پیش نظر دس ہزار حدیثیں تھیں۔ ان میں سے انہوں نے ایک ہزار سات سو ۲۵ حدیثوں کا انتخاب کیا۔ اس میں مسند و مرفوع ۶ سو' مرسل ۳ سو ۲۷' موقوف ۶ سو ۱۳ اور تابعین کے ۲ سو ۸۵ اقوال و فتاوی ہیں۔ امام مالک" تادم آخر احادیث کا انتخاب فرماتے رہے اس لئے بقول عتیق زہری "موطا میں نسخ بہت ہوا اور ہر نسخہ کی ترتیب دوسرے سے مختلف اور علیحدہ ہو گئی۔ اسکے بعد امام صاحب کے شاگردوں نے اپنی اپنی استعداد کے لائق ترتیب دے کر اسے رائج کیا: (۲۵)

رواۃ موطا

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین کی بڑی جماعتوں نے جن کا حصر ممکن نہیں موطا کو روایت کیا۔ اصحاب مالک" میں سے انہوں نے یحیی" بن یحیی" المصمودی ابن قاسم" اور اصبغ"

Marfat.com

کے نام گنوائے ہیں۔ صوفیاء میں سے بقول شاہ ولی اللہ ذوالنون مصری وغیرہ نے موطا امام مالک" کی روایت کی اور اس طرح اھل مصر و شام و عراق و یمن و خراسان میں سے بکثرت لوگوں نے اسے روایت کیا

" ومن المحدثين جماعات كثيرة لا يمكن حصرها و من اصحاب مالك" يحيى بن يحيى المصمودى و ابن القاسم و اصبغ و من الصوفيه ذوالنون المصرى وغيره و من اهل مصر و الشام والعراق و اليمن و خراسان كثيرون(۲۶)

قاضی عیاض کا قول ہے کہ جس قدر موطا امام مالک" کا اہتمام کیا گیا کسی اور کتاب کا نہیں کیا گیا۔

قال القاضى عياض لم يعتن بكتاب مثل ما اعتنى بالموطا (۲۷)

سولہ اہم نسخے

شاہ ولی اللہ نے اس قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موطا کے کوئی تیس سے زائد نسخے ہیں اور ابن عبدالبر نے کتاب التمہید ان ہی میں سے بارہ نسخوں سے مرتب کی۔ شاہ ولی اللہ نے موطا کے سولہ اہم نسخوں کی نشاندھی کی ہے۔ (۲۸) ان میں یحیٰی" بن یحیٰی" المصمودی، عبداللہ" بن وھب، عبداللہ" بن مسلمہ" الحارثی، عبدالرحمٰن بن القاسم، معن" بن عیسی، عبداللہ" بن یوسف تینسی، یحیٰی" بن بکیر، سعید" بن عفیر، ابو مصعب زہری، مصعب" بن عبداللہ الزبیری، محمد" بن مبارک الصوری، سلمان" بن برد، یحیٰی" بن یحیٰی التمیمی، ابو حذامہ" السہمی سوید بن سعید الہروی اور محمد بن الحسن شیبانی کے نسخے شامل ہیں۔

اول الذکر نسخہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے مصمودی نے روایت کیا جن کا مختصر سلسلہ نسب ابو محمد یحیٰی بن یحیٰی بن کثیر بن وسلاس(۲۹) بن شملل بن منقایا(۳۰) اور نسبت بسوئے صاد ہے جو مصمودہ بربر کا ایک قبیلہ تھا۔ اسی لئے صادی اور اس سے زیادہ مصمودی مشہور ہوئے۔ ان کے اجداد میں سے سب سے اول منقایا نے یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا چنانچہ بعض انہیں ابو محمد یحیٰی لیثی بھی لکھتے ہیں انہوں نے امام مالک" سے افادہ کی سعادت سے

Marfat.com

قبل زیاد (۲۱) بن عبدالرحمٰن سے قرطبہ میں سند موطا حاصل کی۔ بیس برس کی عمر میں مشرق کا سفر کیا اور ۱۷۹ھ میں امام مالکؒ کی وفات تک چند ماہ ان کی صحبت میں رہے۔ ان سے موطا کا سماع کیا۔ صرف کتاب الاعتکاف کے آخری ابواب میں سے بعض کی براہ راست سماعت نہ کر سکے۔ بعد میں انہیں زیاد بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا۔ رجب المرجب ۲۳۴ھ میں ۸۲ سال کی عمر میں انہوں نے انتقال کیا۔ اندلس میں امام مالکؒ کا مسلک یحییٰ بن یحییٰ مصمودی ہی کی کوششوں سے فروغ پذیر ہوا۔

موطا کا دوسرا نسخہ وہ ہے جسے عبداللہ بن وہب بن مسلم الفہری (م ۲۵ شعبان ۱۹۷ھ) نے روایت کیا۔ ابن وہب ذی قعدہ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابو محمد تھی اور مولد و مسکن مصر۔ بنو فہر کے موالی میں سے تھے۔ مکہ' مدینہ اور مصر میں علم حدیث کے حصول میں کوشاں رہے۔ چار سو ائمہ حدیث سے روایت کی۔ ان میں امام مالکؒ لیث بن سعد' محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب اور ابن جریج وغیرہ شامل ہیں۔ اپنے زمانے میں حجت تھے اور تمام لوگوں کو انکی مرویات پر کمال وثوق اور اعتماد تھا۔ کسی کی تقلید نہ کی البتہ اجتہاد اور تفقہ کا طریقہ امام مالکؒ اور لیث بن سعد سے سیکھا۔ ابن شہاب زہری کے تلامذہ میں بیس سے اخذ علم کیا۔ بیس برس کے قریب امام مالکؒ کی صحبت میں رہے۔ تفسیر الموطا' کتاب المناسک' کتاب المغازی اور کتاب القدر کے علاوہ دو موطا جمع کیں۔ موطاء کبیر اور موطاء صغیر۔

موطا کا تیسرا نسخہ عبداللہؒ بن مسلمہ بن قعنب الحارثی المعروف بہ عبداللہ قعبنی مدنی کا ہے۔ انکی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶ محرم ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔ محدث افلحؒ بن حمیدؒ ابن ابی ذئبؒ لیثؒ بن سعدؒ سلمہؒ بن وردانؒ اور امام مالکؒ ایسے یکتائے زمانہ محدثین سے احادیث کیں۔ حفاظ حدیث میں سے تھے۔ حافظ ابو زرعہؒ امام بخاریؒ اور مسلم بن الحجاج وغیرہم نے ان سے روایت کی۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے:۔ مارأینا من یحدث للہ الا وکیعا والقعنبی یعنی ہم نے رضائے الٰہی کیلئے وکیع اور قعبنی ہی کو حدیث بیان کرتے دیکھا۔ علیؒ بن عبداللہ المدینی کا قول ہے کہ امام مالکؒ کے شاگردوں میں اول قعبنیؒ ہیں اور پھر معن۔ نصرؒ بن مرزوق فرماتے ہیں کہ موطا کی روایت میں قعنبی سب سے زیادہ معتبر ہیں اور

محدث زرقانی نے تصریح کی ہے کہ نصف موطا امام مالک" نے انہیں سنائی اور نصف انہوں نے امام مالک" کو (۴۲)۔

شاہ ولی اللہ نے یحیٰی بن یحیٰی مصمودی کے بعد ابن القاسم کے نسخہ موطا کا ذکر کیا ہے۔ (۴۳) جو مشہور ترین فقیہ اور مذھب مالکیہ کے مدون اول ہیں۔ انکی کنیت ابو عبداللہ تھی اور نام و نسب عبدالرحمٰن بن القاسم بن خالد بن جنادہ العتقی زبید بن الحارث العتقی کے غلاموں میں سے تھے اسی لئے العتقی نسبت ٹھری (۴۴) ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کی طلب میں کافی مال صرف کیا اور صحت حدیث اور حسن روایت میں نام پایا۔ سال کے چار مہینے اسکندریہ میں روم بربر اور زنگ کے کفار سے جہاد تین ماہ سفرج و زیارات مقدسہ اور باقی پانچ ماہ امام مالک" کی صحبت میں گزارتے۔ امام مالک" نے ایک بار انہیں مشک کی بھری تھیلی سے تعبیر فرمایا۔ مالکی مذھب کے محققین کی رائے میں مسائل خراج و دیات میں اشھب اور خرید و فروخت اور مسائل معاملات میں ابن القاسم اور حج و مناسک کے مسئلوں میں ابن وھب کو فوقیت حاصل تھی۔

موطا کا پانچواں نسخہ معن" بن عیسی بن دینار المدنی القزاز (۴۵) کا روایت کردہ ہے۔ جن کی کنیت ابو یحیٰی تھی اور وہ اشجع کے غلاموں میں سے ہونے کی وجہ سے اشجعی مشہور تھے۔ امام مالک" کے نامور تلامذہ میں ان کا شمار ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جس وقت ھارون الرشید موطا سننے کے اشتیاق میں اپنے صاحبزادوں امین اور مامون کے ساتھ امام مالک" کی خدمت میں حاضر ہوا اسوقت معن" بن عیسیٰ موجود تھے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ معن" ہمیشہ امام مالک" کے دروازے سے لگے رہتے اور جو کچھ امام صاحب کی زبان فیض ترجمان سے نکلتا اسے سن کر فوراً لکھ لیتے۔ چنانچہ انہوں نے امام مالک" سے چالیس ھزار مسائل کا سماع کیا۔ صحیحین اور جامع ترمذی کے علاوہ متعدد معتبر کتب میں انکی روائتیں موجود ہیں۔ شوال ۱۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

عبداللہ" بن یوسف الکلاعی الدمشقی ثم التھنسی (۴۶) کنیت ابو محمد نے بھی موطا کو روایت کیا ہے اسی طرح جیسے مصعب" بن عبداللہ الزبیری اور محمد" بن مبارک الصوری نے موطا کی روایت کی اور ان سے موطا کے مختلف نسخے مشہور ہوئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان

نسخوں کو زیادہ پذیرائی نہ مل سکی۔ انکے برعکس موطا کا نسخہ بروایت سعید بن غفیر بن مسلم انصاری متداول رہا۔ سعید بن غفیر کی کنیت ابو عثمان تھی اور وہ امام مالک اور لیث بن سعد کے شاگرد رشید تھے۔ علم حدیث کے علاوہ انہیں دیگر علوم میں بھی کمال حاصل تھا۔ اسی سال کی عمر میں ۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ بخاری اور دوسرے معتبر محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔

موطا کے اہم نسخوں میں ایک وہ ہے جسے یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا۔ ان کا پورا نام یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر قرشی مخزومی ہے اور کنیت ابو زکریا۔ ۱۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امام مالک لیث بن سعد اور اس دور کے دیگر نامور محدثین سے حدیث کا سماع کیا لیکن زیادہ تر روایت امام مالک اور ابن سعد سے کی۔ بقی بن مخلد کا بیان ہے کہ یحییٰ بن بکیر نے امام مالک سے سترہ مرتبہ موطا سنی۔ خود فرماتے ہیں کہ موطا کی چالیس احادیث ایسی ہیں جن میں امام مالک اور جناب رسالت مآب ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے (۴۷) ہیں۔ دیار مغرب میں یحییٰ بن بکیر نے چالیس حدیثوں پر مشتمل ایک الگ رسالہ بھی لکھا۔ احادیث موطا کے اجازہ کے وقت یہی چالیس حدیثیں استاد کو سنائی جاتی تھیں۔ ان کا انتقال صفر ۲۳۱ھ میں ہوا۔ ذہبی کے الفاظ میں یحییٰ بن بکیر راست گو اور امانت کے ساتھ بحر العلوم تھے:

"کان اوعیتہ العلم مع الصدق والامانتہ" (۴۸)

موطا کا ایک اور اہم نسخہ بروایت ابو مصعب زہری ہے۔ انکی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی اور رحلت ۲۴۲ھ میں۔ نام و نسب اس طرح سے ہے احمد بن ابی بکر قاسم بن الحارث بن زرارہ بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری مدنی (۴۹) آپ عوفی بھی مشہور تھے۔ مدینہ منورہ کا عہدہ مفتی و قاضی ان کے پاس رہا۔ ایک عرصہ تک امام مالک کی صحبت اختیار کئے رکھی تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تفقہ تام عطا فرمایا۔ موصوف نے امام مالک کے علاوہ ابراھیم بن سعد سے بھی روایت کی ہے۔ ارباب صحاح ستہ ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ نسائی نے ان سے بالواسطہ روایت کی۔ محدث دار قطنی ابو مصعب کی موطا کو یحییٰ بن یحییٰ کی موطا پر ترجیح دیتے ہیں۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ امام مالک سے موطا کے آخری راوی ابو مصعب زہری اور ابو حذافہ السہمی ہیں۔ ان دونوں کی موطا میں امام مالک کے دوسرے شاگردوں کی موطا کے مقابلے میں سو حدیثیں زیادہ ہیں۔ (۵۰)

سلمان" بن برد اور محمد" بن مبارک الصوری کے نام بھی موطا روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے تصریح کی ہے کہ وہ انکے دونوں نسخوں کی احادیث تک رسائی نہیں پا سکے۔ البتہ ابو القاسم" عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن محمد المعروف بہ غافقی الجوھری (م رمضان ۳۸۱ھ) نے مسند احادیث الموطا من اثنۃ عشرہ میں اپنے سے لے کر امام مالک" تک جو صحیح رجال کے ساتھ بیان کی ہے اسے انہوں نے ملاحظہ کیا ہے۔ غافقی کو اغلباً ان نسخوں کے اصحاب تک دو واسطے اور امام مالک" تک تین واسطے ملے ہیں۔ آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

"موطا کے ان بارہ نسخوں میں کل ۶ سو ۶۶ حدیثیں ہیں۔ ان میں ۹۷ حدیثیں مختلف فیہ ہیں کہ انہیں بعض اہل نسخہ رکھتے ہیں اور بعض نہیں اور باقی متفق علیہ ہیں کہ تمام نسخوں میں موجود ہیں۔ منجملہ انکے ۲۷ حدیثیں مرسل ہیں اور ۱۵ موقوف" (۴۱)

صاحب بستان المحدثین کے بقول امام مالک کے شیوخ جن کے نام مسند غافقی میں مذکور ہیں تعداد میں ۷۵ ہیں۔ جملہ رجال صحابہ کی تعداد ۸۵ صحابیات کی ۲۳ اور تابعین کی ۴۸ (۴۴) غافقی نے دو کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ایک مسند موطا اور دوسری مالیس فی الموطا۔

موطا امام مالک" کو یحییٰ بن یحییٰ تمیمی نے بھی روایت کیا، جن کا نسب نامہ اس طرح سے ہے: "یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر بن عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن حماد تمیمی حنظلی نیشاپوری (۴۲)" کنیت ابو زکریا تھی۔ ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور امام مالک" اور ان کے ہمعصر محدثین سے سماع حدیث کیا۔ موطا امام مالک" سے دوبار سماعت کی اور تیسری مرتبہ خود سنائی۔ ابو داؤد" نے امام" احمد سے نقل کیا ہے کہ خراسان میں دو ہی عالم پیدا ہوئے: عبداللہ" بن مبارک اور یحییٰ" بن یحییٰ" نیشاپوری۔ ذھبی" کہتے ہیں کہ یحییٰ بن یحییٰ کو اپنے زمانے میں عبداللہ بن مبارک سے تشبیہ دی جاتی تھی اور اسحق بن راھویہ کا قول ہے کہ میں نے یحییٰ" بن یحییٰ" کا مثل نہیں دیکھا اور میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے اپنا مثل بھی دیکھا ہو:

"کان یشبہ بابن المبارک فی وقتہ قال ابن راھویہ ما رایت مثل یحییٰ بن یحییٰ ولا احسبہ رأی مثل نفسہ (۴۴)

محدث شہاب الدین محمود" خفاجی محدث برھان" الدین حلبی سے نقل کرتے ہیں کہ ارباب صحاح ستہ میں سے بخاری"، مسلم"، ترمذی" اور نسائی" نے امام مالک" سے روایت یحییٰ بن

Marfat.com

یحییٰ ہی کی سند سے نقل کی ہے (۴۵) اور یحییٰؒ بن یحییٰؒ مصمودی جن کو موطا کی روایت میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے ان سے کوئی روایت صحاح میں نہیں۔ صفر ۲۲۶ھ میں یحییٰؒ بن یحییٰؒ تمیمی کا انتقال ہوا (۴۶)

ابو حذافہ السہمی اور سوید بن سعید الہروی بھی موطا روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ اول الذکر کا نام احمدؒ بن اسماعیل ہے اور وہ بہ اعتبار وفات امام مالکؒ کے آخری شاگرد ہیں۔ یکم شوال ۲۵۹ھ کو انتقال کیا۔ قریش کے قبیلہ بنی سہم سے تعلق تھا۔ اول زمانہ مدینہ میں گزارا آخر میں بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کی روائتیں شرائط کے لحاظ سے معتبر نہیں چنانچہ دار قطنی ان کی تضعیف کر کے کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ابو حذافہ کو موطا سے خارج احادیث سنائیں تو وہ ان پر بھی صاد کر بیٹھے۔ خطیبؒ کے بقول یہ سب کچھ غفلت اور سادگی کی بنا پر ہوا۔ (۴۷)

سویدؒ بن سعید الہروی کی کنیت ابو محمد تھی۔ امام مسلمؒ اور ابن ماجہؒ نے ان سے روایت کی اور معتبر تسلیم کیا۔ ابو القاسمؒ بغوی نے انہیں حفاظ حدیث میں شمار کیا' لیکن احمدؒ بن حنبل نے بعض امور میں ان پر گرفت کی۔ انکی احادیث میں اگرچہ بہت سے منکرات ہیں لیکن امام مسلمؒ نے ان منکرات کو اصول معتبرہ سے دور کر کے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ شوال ۲۴۰ھ میں موطا امام مالکؒ کے اس راوی کی رحلت ہوئی۔

مصمودی و شیبانی کے نسخوں کا تقابل

موطا امام مالکؒ کا ایک نسخہ امام محمد بن الحسن شیبانی (م ۱۸۹ھ) سے روایت ہے لیکن ان تمام نسخوں میں مشہور و متداول نسخہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی (م ۲۰۴ھ) کا ہے' جس کی متعدد شروح قلمبند کی گئیں۔ زرقانیؒ' سیوطیؒ اور شاہ ولیؒ اللہ نے مصمودی ہی کے نسخہ کی شرحیں لکھیں۔ شاہ ولی اللہ کے انتخاب سے قطع نظر دیکھا جائے تو امام شیبانی کے نسخہ کو سبقت حاصل رہی ہے۔

یحییٰؒ بن یحییٰؒ مصمودی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگردوں میں عبد اللہؒ بن وہب سے بھی موطا کو روایت کیا۔ ایک سفر میں امام مالکؒ عبد اللہؒ

بن وہب ' لیث'' بن سعد بصری ' سفیان'' بن عیینہ اور نافع بن نعیم کے ساتھ رہے اور ایک اور سفر میں ابن القاسم کی خدمت و صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ اس دوران انہوں نے فقہ و روایت کو درجہ کمال تک پہنچایا اور جامع روایت و درایت ہو کر لوٹے۔ شاہ ولی اللہ نے ان کے نسخہ کی شرح لکھنے کو شاید اسی لئے ترجیح دی ہے کہ مصمودی نے امام مالک'' کے علاوہ انکے بعض عظیم شاگردوں سے بھی موطا کا سماع کیا۔ لیکن بہ نظر غائر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصمودی صرف چند ماہ امام مالک'' کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور پھر امام صاحب کے دیگر تلامذہ سے انہوں نے فیض پایا۔ جب کہ شیبانی'' نے متواتر تین سال امام مالک'' کی خدمت و صحبت میں گزارے اور ان سے بہ نفس نفیس سات سو سے زائد احادیث کا سماع کیا۔

شیبانی'' کے نسخہ موطا کی فوقیت اور مقبولیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یحیٰی بن یحیٰی مصمودی کی مرویات میں کثرت سے فقہی و اجتہادی مسائل شامل نہیں اور اکثر تراجم ابواب وہ ہیں ' جنکے تحت کوئی حدیث بھی نہیں۔ مگر امام محمد بن الحسن شیبانی نے ایسا نہیں کیا۔ بنابریں مصمودی کے نسخہ میں امام مالک'' کے علاوہ دیگر شیوخ کی روائتیں قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہیں۔ امام شیبانی'' نے اس کمی کا بھی احساس نہیں ہونے دیا اور موطا میں بہت سے آثار و روایات اور مسائل کو امام مالک'' کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی نقل کیا۔ چنانچہ مجازاً اس کا انتساب امام محمد کی طرف کیا جانے لگا۔ یعنی موطا امام محمد۔

امام شیبانی'' کے نسخہ موطا میں احادیث مرفوعہ اور موقوفات صحابہ مسند و مرسل روایت کی مجموعی تعداد ایک ہزار ایک سو پچاس ہے۔ اس میں ایک ہزار پانچ امام مالک'' کی روائتیں اور باقی ایک سو پچھتر دوسروں کی ہیں۔ ان ایک سو پچھتر میں تیرہ امام ابو حنیفہ'' اور چار امام ابو یوسف'' کی ہیں۔ امام شیبانی'' نے ہر عنوان کی ابتدا باب یا کتاب سے اور کہیں کہیں لفظ "ابواب" سے کی ہے۔ نسخوں کا اختلاف انہوں نے لفظ "فصل" سے ظاہر کیا ہے۔ اس پر مستزاد طریق بیان سادہ اور نہایت دلنشین ہے۔ پہلے ترجمۃ الباب یعنی مضمون کی سرخی لاتے ہیں اور اسکے بعد اسی سے متعلق امام مالک'' کی کوئی مرفوع یا موقوف روایت لکھتے ہیں۔ حدیث کی بجائے انہوں نے لفظ "اثر" استعمال کیا ہے اور اس سے مرفوع و موقوف دونوں طرح کی روایات مراد لی ہے۔ ہر مضمون کی حدیث یا حدیثیں بیان ہونے پر مسلک کی طرف اشارہ ملتا ہے اور مسلک کے

Marfat.com

منافی حدیثوں کی نشاندہی بھی علی الرغم کر دیتے ہیں۔ انہوں نے اخبرنا اور حدثنا میں اگرچہ کوئی امتیاز نہیں برتا تاہم اپنے شیوخ سے روائتیں بیان کرتے وقت "اخبرنا" کا لفظ زیادہ استعمال کیا ہے۔ غیر مستند احادیث کو انہوں نے "بلغنا" کے لفظ سے متمیز کیا ہے۔ یہ تمام خوبیاں مصمودی کے نسخہ میں نہیں ملتیں۔

موطا کی شروح و تعلیقات

ابن فرحون کا بیان ہے کہ امام مالکؒ کے رجال و حدیث پر اعتنا کرنے والے علماء کی تعداد کا شمار مشکل ہے۔ ان شارحین و معلقین و محشین میں مالکی علماء کے علاوہ دیگر مکاتب فکر کے لوگ بھی شامل ہیں اور قاضی عیاضؒ نے ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کی تعداد ۹۹ لکھی ہے (۴۸) یہ تخمینہ انکے اپنے زمانے تک کا ہے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ کی مشارق الانوار، الموطا اور صحیحین دونوں کی شرح ہے اور ابو الولید بن الصفار نے اپنی کتاب المرغب میں موطا کے بہت سے شارحین کے نام گنوائے ہیں۔

"و ذکر ابو الولید ابن الصفار فی کتابہ المرغب اسماء کثیر من شراحہ و کتاب القاضی عیاض مشارق الانوار فی بیان غریب الموطا و الصحیحین و اوھام العلماء فیہ کتاب عجیب (۴۹)"

موطا کے شارحین میں جن علماء کے اسماء گرامی نمایاں طور سے ملتے ہیں ان میں علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) ابو الولید الباجی (م ۴۷۴ھ) قاضی ابو بکر محمدؒ بن عبد اللہ بن احمد المعروف بہ ابن العربی المعافری (م ۵۴۳ھ ـ ۵۴۶ھ) جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) محمد بن عبد اللہ زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) سلام اللہؒ حنفی (م ۱۲۲۹ھ) ابو محمد ابراهیمؒ بن حسین المعروف بہ شیخ پیری زادہ حنفی محمد شفیع اور مولانا اشفاق الرحمٰن کے علاوہ خود شاہ ولی اللہ محدث دھلوی شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تصریح کی ہے کہ بعض علماء نے موطا کی مسند تالیف کیں۔ بعض نے اسکے اسماء الرجال سے بحث کی اور اسکی منقطع احادیث کا اتصال کیا ہے:

"وصنف بعض العلماء مسندا للموطا و بعضھم فی اسماء رجالہ ووصل منقطعہ (۵۰)"

دراصل موطا کے متعلقات میں دو کتابیں نہایت اہم ہیں اور یہ دونوں علامہ ابن عبد البرؒ

نے لکھیں۔ ایک التقصی لمافی الموطا من الاحادیث ہے، جس میں موطا کی حدیثوں کو بہ تمام و کمال درج کیا گیا ہے۔ تقصی کے معنی دور جانے کے ہیں۔ مولف کا گویا دعویٰ ہے کہ وہ موطا کی حدیثوں کو اسکے تمام نسخوں سے جمع کرنے میں بہت دور تک نکل گیا۔ دوسری کتاب الاستذکار لمذاھب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من معانی الرائے والآثار ہے۔ شاہ ولی اللہ کا کہنا ہے کہ متقدمین میں ابن عبدالبرؒ نے التمہید و الاستذکار کے نام سے موطا کی شرح لکھی۔

"فقد شرحہ من المقدمین ابن عبدالبرفی التمہید والاستذکار" (۵۱)

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ ابن عبدالبر نے ابتدا میں کتاب التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید کے نام سے موطا کی شرح لکھی اور اس میں موطا کے معانی کی تشریح اور اسکے اساتذہ کی تحقیق، نیز اسکے ذیل میں فقہ و حدیث کی بے شمار معلومات رواۃ کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے درج کر دیں۔ کشف الظنون میں ہے کہ اسی کا اختصار ابو الولید الباجی نے کیا (۵۲) جسے بعض ارباب تذکرہ نے المنقی کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب التمہید کی خود ہی الاستذکار کے نام سے تلخیص کر دی ابن العربی المعافری کی شرح کو المقتبس فی شرح موطا مالک" بن انس کے نام سے یاد کیا گیا۔ سیوطی نے پہلے تو کشف الغطا عن الموطا کے نام سے اسکی شرح لکھی اور پھر خود ہی اسکا اختصار تنویر الحوالک علی موطا مالک" کی شکل میں پیش کیا۔ نیز تجرید احادیث موطا اور اسعاف الموطا برجال الموطا تصنیف کیں۔ زرقانیؒ نے بھی موطا کی ایک شرح لکھی، جو بہت حد تک فتح الباری سے ماخوذ ہے۔ شیخ بیری زادہ کی شرح موطا ایک عرصہ تک الفتح الرحمانی کے نام سے موسوم رہی۔ جب کہ سلام" اللہ شیخ کی شرح و تعلیق المحلی، مولانا عبدالحئی کی التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد اور مولانا محمد زکریا کی شرح اوجز المسالک الی موطا مالکؒ کے نام سے موسوم ہیں۔ موخر الذکر چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

شاہ ولی اللہ نے بجا فرمایا ہے کہ اب تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ جس میں موطا کی شرح و توضیح کرنے والے اور اسکی روایت اور اسناد سے بحث کرنے والے نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اس فقیر نے بعض اہل مکہ سے جملہ قراتوں کے ساتھ اسکی مسلسل روایت کی ہے اور

Marfat.com

جیسا کہ اسے امام مالکؒ سے سنا گیا تھا، اس کو بلا انقطاع سنا ہے۔ الغرض آج نہ صرف یہ کہ امام مالکؒ کے اہل عصر کی کوئی کتاب موجود نہیں، بلکہ اس پر ستزادیہ کہ موطا ایسی کتاب ہے، جسکی سماعت مسلسل چلی آتی ہے۔

"ولم یخل بعد ذلک زمان المعترضین لشرحہ وبیانہ ومن المشتغلین بروایتہ واسنادہ الی زماننا ھذا حتی ان الفقیر رواۃ عن بعض اہل مکہ مسلسلاہ بقراۃ الجمیع او سماعہ الی مالک بغیر انقطاع ولا یوجد الیوم کتاب من کتب اہل عصر مالک فضلا عن تسلسل سماعہ (۵۳)

.. موطا کی شروح اور تعلیقات لکھنے والوں میں آج شاہ ولی اللہ کا نام روشن حروف میں نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں مصفیٰ فی احادیث الموطا اور المسوی من الاحادیث الموطا ان کی شہرہ آفاق تالیفات ہیں۔

مصفیٰ فی احادیث الموطاء

شاہ ولی اللہ نے موطا امام مالکؒ کی اس نادر روزگار فارسی شرح کے بارے میں واضح طور پر تو نہیں بتایا کہ کب تالیف فرمائی، البتہ اسکے مقدمہ کی ایک عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ حرمین سے واپسی پر آپ نے یہ شرح لکھنا شروع کی۔ مصفی کے مقدمہ میں حمد اور درود کے بعد فرماتے ہیں۔

"میگوند فقیر رحمت اللہ الکریم ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری نسبا الدھلوی وطنا ایں فقیر را مدتی بسبب اختلاف مذاہب فقہاء و کثرت احزاب علماء و کشیدن ہر کسی بجانبی تشویش روی داد زیرا کہ تعیین طریق برائے عمل ضروریست و تعیین تغیر ترجیح سفط و وجوہ ترجیح بسیارد اقوام رادر تقریر وجوہ ترجیح اجمالا و تفصیلا اختلاف فاحش پس ہر جانب دست و پا زد و فائدہ نہ دید واز ہر کسی استعانتی حاصل بدست نیامد بعد ازاں تبضرع تمام بحضرت باری جل مجدہ متوجہ شد لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم

Marfat.com

الضالین انی و جہت و جہی للذی فطر السموات و الارض حنیفا و ما انا من المشرکین پس اشارہ بکتاب موطا کہ تالیف امام ہمام حجتہ الاسلام مالک بن انس است (۵۴)"

مصفی کے مقدمہ میں شاہ ولی اللہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ امام مالکؒ کے فضائل کو دیکھ کر ان کے دل میں پہلے موطا کی روایت حاصل کرنے اور پھر اسکی شرح لکھنے کا شوق پیدا ہوا:

"بالجملہ ملاحظہ ایں امور شوق روایتہ موطا اولاً و شرح آں ثانیاً پیدا کرد" (۵۵)

مقدمہ کے آخر میں شاہ ولی اللہ نے حرمین کے ان مختلف اساتذہ حدیث کے نام گنوائے ہیں، جن سے انہوں نے موطا کی روایت حاصل کی۔ پھر وہ موطا کی روایت کی اسناد پر اکتفا کر کے اسکا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں، کیونکہ بقول ان کے یہ اسناد سب کے سماع سے مسلسل ہے یعنی اسناد کے راویوں نے اپنے شیخ سے اس کتاب کو سنا اور ان کے روبرو اسے پڑھا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے موطا کی روایت کی، شیخ ابو طاہر مدنی، شیخ تاج الدین قلعی، اور سید عمرؒ بن احمد عقیل سے جو شیخ عبد اللہؒ بن سالم بصری مکی کے نواسے ہیں۔ کتاب کے بعض حصوں کو سنا اور باقی کی اجازت پائی۔ اسکے بعد پوری کتاب کو شیخ وفدؒ اللہ المغربی المکی کے روبرو پڑھا۔ یہاں اسی اسناد پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کہ جمیع راویوں کے سماع سے مسلسل ہے۔

"باید دانست کہ ایں فقیر کتاب موطا روایت کردہ است از شیخ ابو طاہرؒ مدنی و شیخ تاج الدین قلعی و سید عمر بن احمد عقیل بن بنت شیخ عبد اللہ بن سالم البصری ثم المکی بسماع بعض و اجازہ باقی بعد ازاں بر شیخ وفد اللہ المغربی المکی المولد و المنشا و ہمہ آں خواند و الحال برہمیں اسناد اکتفا می کند کہ مسلسل است بسماع جمیع" (۵۶)

ایک روایت کے مطابق شاہ ولی اللہ نے مصفی کے مسودے کو اختتام تک تو پہنچایا لیکن بوجوہ اس کی ترتیب و تہذیب کی طرف توجہ نہ دے سکے اور یہ کتاب ایسے ہی غیر مرتب

Marfat.com

پڑی رہی۔ آپ کی وفات کے پانچ چھ ماہ بعد ایک صالح نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ شاہ ولی اللہ نے اسے مصفی میں اپنا شغف ظاہر فرمایا اس صالح دوست نے شاہ محمد عاشق پھلتی کو یہ خوشخبری سنائی۔ شاہ ولی اللہ کے تلمیذ خاص اور سفرو حضرمیں آپ کے رفیق شاہ محمد عاشق کا بیان ہے کہ تب سے مصفی کی ترتیب و تبیض کی طرف دل میں ایک پریشان کن اضطراب کی سی کیفیت رہی۔ تا آنکہ اسکا اظہار شاہ ولی اللہ کے محرم خاص اور حافظ قرآن خواجہ محمد امین ولی اللّٰہی سے کیا' جو المسوی کو سامنے رکھ کر فوراً مصفی کی ترتیب و تبیض میں لگ گئے اور سعی بلیغ کے بعد ۱۸ شوال ۱۱۷۹ھ کو اسے مدون کر دیا:

"خواجہ محمد امین ولی اللہی کہ تلمیذ خاص و محرم با اختصاص جناب حضرت ایشاں بود شغف خود را اظہار نمودم ایشاں را مسودات را بیرون آوردہ کتاب مسوی راپیش روی نہادہ ترتیب و تبیض گرفتند و مدتی جہد بلیغ نمود و تاحسن انتظام یافت و ثامن عشرہ شوال یوم الاحد عند رابعہ النھار ۱۱۷۹ھ تسع و سبعین بعد الالف و المائۃ مرتب و مھذب گردید (۵۷)"

مصفی فی احادیث الموطا سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے علم حدیث کے میدان میں تحقیق کی نئی جہتیں اختیار کیں اور موطا کے اصل نسخے کی مناسبت سے کئی اہم اضافے بھی کئے۔ مصفی کی متعدد خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اسے نہ صرف فقہی مسائل کے اعتبار سے کتب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا ہے بلکہ ہر باب میں اسکے مناسب جو آیات شریفہ تھیں انکا اضافہ بھی کر دیا۔ نامانوس الفاظ کی تشریح اور حدیث کے ترجمہ کو مصفی میں نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ہر مسئلہ میں اجتہاد کا جو اختلاف ہے' اسکا بیان بھی مصفی میں شامل ہے۔ بالخصوص شاہ ولی اللہ نے نصوص میں آئے ہوئے الفاظ کی حدود متعین کی ہیں اور ان کی تعریفات کو پیش کیا ہے۔ ہر حکم کی علت کا جس طرح استخراج کیا گیا' اس طرح اس کی کیفیت مصفی میں ملتی ہے اور اسے جامع و مانع قواعد تک پہنچایا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے امام مالک" پر امام شافعی" کے تعقبات کو بیان کرنے میں کسی قسم کے بخل

Marfat.com

سے کام نہیں کیا۔ ساتھ ہی مصفی میں اجتہاد کے غوامض اور پوشیدہ اسرار کی نشاندہی کر دی ہے۔ اگر کوئی مرسل حدیث ہے تو اس کے اتصال کا ذکر ہے۔ اسی طرح صحابہ اور تابعین کے اقوال کا ماخذ بیان کر دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے مقدمہ مصفی میں اس رائے کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ اگر اس دور کے لوگ ان غوامض کے فہم کو نہ پہنچ سکیں اور ان کو نعمت خیال نہ کریں تو ان سے کوئی شکوہ نہیں، کیونکہ وہ مجتہدین اور محدثین دونوں کے پوشیدہ اسرار سے غافل ہیں۔

موطا کی یہ شرح فارسی میں اور دقیق اور مجتہدانہ ہے اور کئی بار چھپ چکی ہے (۵۸)۔ ارباب علم اس سے اب تک مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اور یہ علم الحدیث کے میدان میں شاہ ولی اللہ کی خدمات کا ایک نمایاں ثبوت ہے۔

المسوّیٰ من احادیث الموطا

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی ہی کے نسخہ موطا کی ایک اور شرح، جو شاہ ولی اللہ نے عربی زبان میں لکھی اسکی تدوین تو مصفی فی احادیث الموطا کے ساتھ ہوئی۔ لیکن ترتیب و تکمیل میں یہ اس سے مقدم رہی۔ فارسی شرح سے یہ اس لحاظ سے ممیز و ممتاز ہے کہ اسکی تدوین مولف نے خود فرمائی اور اسکا درس بھی جاری رکھا۔ جن بزرگ تلامذہ نے اسے شاہ ولی اللہ سے پڑھا اور سنا ان میں تین جید اور نامور علماء شاہ عبدالعزیزؒ محدث دھلوی، مولانا عبدالرحمٰنؒ سندھی اور شیخ جار اللہؒ بن عبدالرحیم شامل تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دھلوی کہ شاہ ولی اللہ کے فرزند دلبند ہیں، ان کا بیان ہے کہ مصفی فی احادیث الموطا کچھ دقیق اور مجتہدانہ فارسی زبان میں ہے، لیکن عربی شرح المسوی من احادیث الموطا مختصر مگر جامع ہے۔ جس میں صرف فقہاء حنفیہ و شافعیہ کے مذاھب بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور میں نے اس شرح کو والد گرامی سے ضبط و اتقان کے ساتھ سنا ہے (۵۹)۔

مولینا عبدالرحمٰنؒ بن نظام الدین ٹھٹوی کے بارے میں تذکروں یا کتب تاریخی سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عنفوان شباب میں سندھ سے کہیں چلے گئے تھے۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ سے قرآن مجید اور کتب حدیث کے علاوہ شاہ صاحب کی تالیفات مثلاً فتح

Marfat.com

الرحمٰن' حجتہ اللہ البالغہ' المسوی اور دوسرے رسائل پڑھے۔ شاہ ولی اللہ نے انہیں اشغال صوفیہ کی تلقین فرمائی اور اپنی جمیع مرویات کی اجازت بخشی۔ اپنے ۲۹ رمضان ۱۱۶۰ھ کے مرقومہ اجازت نامہ میں جو انہوں نے مولینا ٹھٹوی کو مرحمت فرمایا کہتے ہیں:

" حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ نظام الدین ٹھٹوی ہماری اقامت گاہ دہلی کے نزیل ہیں۔ اللہ تعالٰی دنیا و آخرت میں ان پر احسان فرمائے اور دارین میں انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے۔ اللہ تعالٰی نے انہیں مجھ سے تحصیل علم کی توفیق عطا کی۔ انہوں نے مجھ سے قرآن عظیم اول سے آخر تک حفص بن عاصم کی روایت سے پڑھا اور یہ سلسلہ پیغمبرؐ تک مسلسل ہے حدیث میں صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا محمد بن حسن (ایک مختصر حصہ) کے علاوہ شرح السنہ سنن نسائی کا نصف پڑھیں اور دوسرے شاگرد کی قرات سے دوسری مرتبہ صحیح بخاری کو مجھ سے سنا۔ جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' مسند دارمی' مشکوۃ المصابیح' حصن جزوی اور نسائی کا کچھ حصہ بھی سنا۔ مجھ سے میری بعض تالیفات کو بھی سنا' جیسے فتح الرحمٰن حجتہ اللہ البالغہ المسوی اور دوسرے بہت سے رسائل جن کا شمار عیسر ہے(۶۰)

المسوی کے نامور اور جید سامع جار اللہؒ بن عبدالرحیم کا تعلق پنجاب سے تھا۔ ۱۱۷۳ھ میں انہوں نے شاہ ولی اللہ سے سند فراغت و روایت حاصل کی اپنے ۲۱ محرم ۱۱۷۳ھ کے اجازت نامہ میں جو جار اللہ کے نام جاری ہوا' شاہ صاحب فرماتے ہیں:

" موصوف نے مجھ سے میری کتابیں اور رسالے پڑھے' جو میں نے مختلف علوم کے متعلق تالیف کئے ہیں۔ ان میں سے ایک احادیث الموطا پر مشتمل المسوی ہے' جو انہوں نے اول تا آخر مجھ سے پڑھا اور آثار الموطا اور اسکی احادیث کے متعلق امام مالکؒ تک اپنا سلسلہ اسناد ملایا اور اسکے ساتھ ساتھ اکثر فقہی مباحث سے واقفیت حاصل کی۔ نیز مجھ سے حجتہ اللہ البالغہ' الانصاف فی بیان سبب الاختلاف' عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید اور القول الجمیل

Marfat.com

پڑھیں" (۶۱)

مولانا عبدالرحمٰنؒ ڈھٹوی بیس برس تک اور شیخ جار اللہؒ متواتر چھ سال تک شاہ ولی اللہ کی علمی صحبت میں رہے۔ یہ مدت ان کے اجازت ناموں میں بھی مذکور ہے۔ شیخ جار اللہ کی اصل سند عربی میں ہے اور المسوی کے مکہ معظمہ کے مطبوعہ نسخہ میں مولانا عبیداللہ سندھی نے بتایا ہے کہ اس اجازہ کا یہ نسخہ الصدر الحمید مولانا محمد اسحق الدهلوی کے وارثوں سے الشیخ عبدالستار الکتبی الهندی کے ہاتھ لگا۔

المسوی من الاحادیث الموطا کی اہمیت کا اندازہ ان بزرگ علماء سے ہو جاتا ہے جنہوں نے شاہ ولی اللہ سے خود اسکی سماعت کی۔ محلی شرح موطا کے مولف شیخ سلام اللہ رامپوری کا یہ دعوی درست نہیں کہ ان سے پہلے موطا امام مالکؒ کی شرح کسی ہندوستانی نے نہیں لکھی شاہ ولی اللہ کی المسوی ان کی تالیف محلی سے تیس برس قبل لکھی جا چکی تھی۔ محلی شرح موطا اگرچہ المسوی سے زیادہ جامع ہے، لیکن ترتیب و تدوین میں المسوی اس سے بہتر ہے۔

علم حدیث میں شاہ ولی اللہ کی خدمات کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے المسوی من الاحادیث الموطا میں ہر حدیث کی نہایت عالمانہ تشریح و توضیح کی ہے اور اس دوران مختلف علماء کی تشریحات بھی بیان کردی ہیں۔ ہر باب میں حنفی و شافعی مذہب کی کڑیوں کو بتایا اور ملایا ہے اور حدیث کی تائید میں اگر قرآنی آیات ملی ہیں تو انہیں نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ بہ نظر تنقید دیکھا جائے تو شاہ ولی اللہ درس حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے، المسوی اس کا بہترین نمونہ ہے اگر اس کے ساتھ حجتہ اللہ البالغہ کی جلد ثانی کے بعض ابواب کو بھی ملا دیا جائے تو شرح حدیث میں شاہ ولی اللہ کا حکیمانہ اور محققانہ نقطہ نظر واضح اور مربوط انداز میں سامنے آسکتا ہے

موطا امام مالکؒ کی شرح المسوی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ پاک و ہند کے علاوہ مکہ مکرمہ سے بھی متعدد بار چھپ چکی ہے (۶۲)

Marfat.com

امام مالک

شاہ ولی اللہ کی نظر میں

شاہ ولی اللہ کے نزدیک جہاں تک موطا کے مصنف امام مالک" بن انس کا تعلق ہے ان کی فضیلت کسی سے مخفی نہیں۔

"اما فضل المصنف فلا یخفی (۱)

امام مالک" صاحب حکومت نہ تھے، لیکن بڑے بڑے حکمران ان کے آستانے پر آکر سرنگوں ہوتے تھے۔ سارا عالم اسلام ان کی شہرت سے معمور ہوا۔ ایشیا، افریقہ، یورپ، ہر سہ براعظم سے مسافران علم فرداً فرداً اور کارواں در کارواں بلا انقطاع مدینہ کا رخ کرتے تھے اور امام مالک" کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیش گوئی شاید اسی موقع کے لئے فرمائی تھی کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب لوگ طلب علم کے لئے اونٹ ہنکائیں گے، مگر مدینہ کے عالم سے زیادہ انہیں کوئی نہ ملے گا۔

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینہ" (۲)

سفیان" بن عنیبہ اور عبدالرزاق" وغیرہ اس پیش گوئی کا مصداق حضرت امام مالک" کو قرار دیتے ہیں، جنہوں نے علم حدیث کی ایک دنیا منور کی۔ ان کی عظمت و فضیلت کی گواہی امام شافعی"، ابن عنیبہ اور عبدالرحمٰن" بن مہدی وغیرھم کے اقوال سے بھی ملتی ہے جو شاہ ولی اللہ نے مصفیٰ فی احادیث الموطا کے مقدمہ میں نقل کئے ہیں اور جنہیں مولینا عبیداللہ سندھی نے المسوىٰ عن الاحادیث الموطا میں معرب کیا ہے۔

نام ونسب اور لقب

امام مالکؒ کی کنیت ابو عبداللہ، لقب امام دارالہجرۃ اور والد ماجد کا نام انس تھا۔ سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

"مالکؒ بن انس بن مالکؒ بن ابی عامر بن عمر بن الحارث بن غیمان بن خثیل (۳) بن عمرو بن الحارث ذی اصبح (۴)"

امام مالکؒ خالص عرب خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس کا شہرہ جاہلیت اور اسلام ہر دو زمانے میں رہا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ حارث کی نسبت یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ "اصبح" سے تھی۔ چنانچہ امام مالکؒ اصبحی کہلائے(۵) انکے دادا کے والد ابو عامر نے سب سے پہلے آکر مدینۃ النبی میں سکونت اختیار کی۔ وہ مشرف بہ اسلام ہوئے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ قاضی ابو بکر بن علاء قشیری نے انہیں جلیل القدر صحابی بتایا ہے، لیکن بعض محدثین نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ ذہبی نے تجرید الصحاب میں تصریح کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں ضرور تھے۔ "لم ارا احداذکرہ فی الصحابہ" مگر ان کا ذکر صحابہ میں نہیں ملتا۔ ابن حجر نے یہی عبارت نقل کرکے گویا اسکی تائید کردی ہے(۶)

امام مالکؒ کے دادا مالکؒ جلیل القدر تابعی تھے جن کا ذکر صحاح ستہ کے رواۃ میں ملتا ہے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ انسؒ، ربیعؒ اور ابو سہیلؒ نافع۔ امام مالکؒ اول الذکر کے فرزند ہیں

ولادت اور وفات

امام مالکؒ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ کے بقول "۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ایک روایت ۹۰ھ کی ہے" (۷) بعض تذکرہ نویسوں نے سنہ پیدائش ۹۵ھ لکھا ہے، جو درست نہیں۔ "امام مالکؒ کے نامور شاگرد یحییٰ بن بکیر نے اول الذکر سنہ بیان کیا ہے (۸)" اس کی تائید امام مالکؒ کے شاگرد کے قول سے بھی ہو جاتی ہے، جسے شاہ ولی اللہ نے مصفی کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ اس قول کے مطابق امام مالکؒ نے ۸۷ سال کی عمر پائی:

Marfat.com

"کان عم الامام مالک" ۸۷ سنہ" (۹)

شاہ ولی اللہ کے بیان کی رو سے دس یا چودہ ربیع الاول ۱۷۹ھ (۱۰) کو امام مالک" کا انتقال ہوا ۔ اس اعتبار سے امام مالک" ۹۳ ھ کے قریب ہی پیدا ہوئے ۔

حلیہ مبارک

امام مالک" کا رنگ سفید مگر مائل بہ زردی' قد دراز' بدن فربہ چشم کشادہ اور ناک خوبصورت تھی ۔ حضرت عمر" اور علی" کی طرح اصلع تھے ۔ ڈاڑھی گنجان اور سینہ تک پھیلی ہوئی ۔ الواقدی کا قول ہے کہ انہوں نے ڈاڑھی کو کبھی خصاب نہ کیا ۔ (۱۱) شاہ ولی اللہ نے ان کے حلیہ مبارک میں بتایا ہے کہ طویل القامت اور بڑے سر والے تھے ۔ سر کے بال آگے سے اڑے ہوئے تھے ۔ رنگ سرخی مائل سفید تھا اور سر اور ڈاڑھی کے بال بھی سفید تھے ۔

"وکان طویل القامۃ کبیر الراس اصلع وکان ابیض مائلا الی الحمرۃ ابیض الراس واللحیۃ (۱۲) "

شاہ ولی" اللہ نے امام مالک" کے حلیہ مبارک میں ان کے لباس وغیرہ کا ذکر نہیں کیا' لیکن شاہ عبدالعزیز" نے بستان المحدثین میں مختلف روایات اور اقوال نقل کر کے بتایا ہے کہ خوش پوشاک تھے ۔ عدن کے بنے ہوئے مشہور زمانہ نفیس و بیش قیمت لباس پہنتے تھے ۔ مصر اور خراسان کے اعلیٰ کپڑے پہننے سے بھی شغف تھا ۔ ہمیشہ معطر رہتے ان کے شاگرد رشید اشہب کا بیان ہے کہ مالک" ممدوح عمامہ باندھتے تھے جس کا ایک پلہ ٹھوڑی کے نیچے تک چھوڑ دیتے ۔ سرمہ صرف بیماری کے دنوں میں یا بہ حالت مجبوری لگاتے اور ان دنوں میں گھر سے باہر نہ نکلتے ۔ انکے ہاتھ کی انگلی میں چاندی کی انگوٹھی ہوتی جس کے سیاہ رنگ کے نگینے میں کندہ تھا ۔ "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" (۱۳)

فضیلت مدینہ اور امام مالک"

امام مالک" کا جس طرح دینی و علمی لحاظ سے ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے اسی طرح آپ کا مولد و مسکن مدینۃ الرسول بھی علماء و فضلا کا مخزن تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد اگرچہ سینکڑوں صحابہ دور دراز مقامات کی طرف نکل گئے تاہم مدینہ کی

فضیلت اور عظمت و رفعت میں کوئی خاص فرق نہ آسکا۔ عہد نبویؐ سے حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی دور تک بالخصوص اسکی اہمیت مسلمہ رہی اور یہ ساری دنیائے اسلام کا مرکز و محور تھا۔ بعد ازاں دارالخلافہ کوفہ اور پھر دمشق منتقل ہونے کے بعد اس کی امتیازی حیثیت باقی نہ رہ سکی' البتہ امام مالکؒ کے عہد میں اس کا امتیاز مسلم تھا۔ شاہ ولی اللہ کے بقول:

"باید دانست کہ مدینہ مشرفہ در زمان او بیشتر از زمان متاخر بے شبہ مرجع فضلا محط رجال علماء بودہ است" (۱۴)

"جاننا چاہئے کہ مدینہ امام مالکؒ کے زمانے میں اخیر دور سے پہلے بلاشبہ فضلاء کا مرجع اور اہل علم کی فرودگاہ تھا۔"

امام مالکؒ نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ باغ و بہار تھا۔ انکے اپنے گھر میں علوم کی کرنیں بکھر رہی تھیں۔ امام مالکؒ نے قرآن حکیم کی قرات و سند مدینہ کے امام القرا نافعؒ بن عبدالرحمٰن (م۱۶۹ھ) سے حاصل کی۔ تحصیل حدیث کے وقت کم عمر تھے۔ خود فرماتے ہیں "کنت اتی نافعا وانا غلام حدیث السن" (۱۵) جن دنوں نافع کے پاس میرا آنا جانا تھا' میں کمسن تھا۔ نافع حضرت ابن عمرؓ کے غلام ہیں جو حدیث کے استاد و شیخ تھے۔ انہوں نے پورے تیس سال ابن عمر کی صحبت و خدمت میں گزارے اور انکے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی روایت کی۔ عمرؒ بن عبدالعزیز نے نافعؒ کو اھل مصر کی تعلیم پر مامور فرمایا اور ۱۱۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۶) وہ جب تک زندہ رہے' امام مالکؒ نے برابر ان کے حلقہ درس میں شرکت کی۔ اس لئے بقول ابن کثیر: محدثین روایت مالکؒ عن نافع عن ابن عمر" کو سلسلۃ الذہب (سونے کی زنجیر) قرار دیتے ہیں۔ (۱۷)

شیوخ اور تلامذہ

نافعؒ بن عبدالرحمٰن کے علاوہ امام مالکؒ نے کئی اور شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا۔ مگر مدینہ سے کبھی باہر نہ گئے۔ ان کے تمام شیوخ مدینہ ہی سے تعلق رکھتے تھے جو اس زمانے میں فی الحقیقت مدینۃ العلم تھا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عہد اول کے جلیل القدر اصحاب

Marfat.com

فتاویٰ کے عہد میں اور بعد بھی جو علم میں دنیا کے قبلہ مقصود تھے' مدینہ منورہ میں ایک زمانے تک ان کا سرچشمہ علم جاری رہا۔ امام مالکؒ ان ہی بزرگوں کے علمی وارث بنے اور آپ نے اس عظیم الشان کام کا بوجھ اٹھایا۔ آپ نے ان بزرگوں سے اس طرح رودررو علم حاصل کیا' جیسے ہم ایک دوسرے سے کوئی ٹھوس چیز کہ چھوئی جا سکتی ہے' لیتے ہیں کہ اس شے کے لینے دینے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

"ان المدینتہ المنورۃ کانت فی عنہد الامام مالکؒ ومن قبلہ مرجع الفضلاء و محط رجال العلماء ولھذا کان ینبغ فیھا زمانا بعد زمان المفتون الکبار الذین کانوا قبلتہ العالم فی الغلم فورثھم جمیعا الامام مالکؒ"(۱۸)

امام مالکؒ صرف ان ہی شیوخ سے مستفیض ہوئے جو صدق و طہارت میں معروف اور حفظ و فقہ میں ممتاز تھے۔ موطا کی روایات کی روشنی میں انکے شیوخ کی تعداد پچانوے ہے اور یہ سب کے سب مدنی ہیں۔ گویا مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں بکھرا ہوا تھا' وہ صرف ایک یعنی امام مالکؒ کے سینے میں مجتمع ہو کر رہ گیا۔ اسی لئے آپ امام دارالھجرۃ کے لقب سے یاد کئے گئے۔ ان کے شیوخ میں صرف چھ حضرات غیر مدنی ہیں اور ابھی یہ تعداد موطا کے شیوخ کی ہے' وگرنہ علامہ زرقانی اور مولانا محمد زکریا نے امام مالکؒ کے شیوخ کی تعداد زائد بیان کی ہے (۱۹) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ جس شیخ سے روایت کرتے ہیں' اسے ثقاہت و عدالت اور حفظ میں بے مثال تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس میں وہ اھل مدینہ کی قوی روایت کو ترجیح دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ نے اکثر روایتیں اہل مدینہ سے کیں۔ ان سے آپ نے سلسلہ وار علم حاصل کیا تھا:

"واکثر روایتہ للحدیث عن اھل المدینہ اخذ العلم عنھم سلسلا" (۲۰)

موطا امام مالکؒ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہؓ بن عباس کی بہت کم روایات ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ ھارون الرشید نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے "لم یکونا ببلدی ولم الق رجالھما" (۲۱) یعنی یہ دونوں بزرگ میرے شہر میں نہ تھے اور میری ان کے اصحاب سے ملاقات نہ ہو سکی' کے الفاظ استعمال کئے۔ عبداللہؓ بن مسعود کی روایات تو ان

سے بھی کم ہیں اور اسکی وجہ بھی یہی ہے۔
امام مالکؒ کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ ابن کثیر کے الفاظ میں "حدث عنہ خلق من الائمہ (۲۲)" اور علامہ ذہبی کہتے ہیں: وحدث امم لا یکاد من یحصون۔ (۲۳) یعنی امام مالکؒ سے اتنے لوگوں نے روایت کی کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ شاہ ولی اللہ رقم طراز ہیں کہ امام مالکؒ ساٹھ برس تک مدینہ منورہ میں اجتہاد و افتاء کے منصب پر فائز رہے۔ درس و تدریس جاری رکھی اور اس طویل مدت میں ہر طرف سے ان کے پاس مسائل آتے جن کا وہ جواب دیتے:

"و مکث فی المدینۃ المنورۃ فی منصب الاجتہاد و الافتاء ستین عاما ففی ھذہ المدۃ کانت المسائل ترد علیہ من الافاق و کان یجیب علیہا (۲۴)

سیوطی نے امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تیرہ سو سے زیادہ بتائی ہے (۲۵) اور مولانا محمد زکریا نے مدارک کے حوالے سے اس میں امام زہریؒ، ایوب سختیانی، ربیعہ الرائیؒ، یحییٰؒ بن سعید انصاری وغیرہم ایسے ائمہ و حفاظ حدیث کے اسمائے گرامی گنوائے ہیں۔ جو امام صاحب کے شیوخ میں شامل ہیں۔ (۲۶) امام محمد، امام شافعی اور امام یوسف کو بھی امام مالکؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

اساس مذہب مالکؒ

شاہ ولی اللہ کی رائے میں مذاہب اربعہ کے اصول و امہات سے کوئی شخص اس بارے میں شک و شبہ نہیں کر سکتا کہ ان مذاہب کی اصل حضرت عمر فاروقؓ کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ تمام مذاہب کے درمیان مشترک سی شے ہے۔ اسکے بعد اہل مدینہ میں سے ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ ایسے فقہاء صحابہ، کبار تابعین میں سے فقہاء سبعہ اور صغار تابعین مدینہ میں زہریؒ اور ان جیسے حضرات پر اعتماد امام مالکؒ کے مذہب کی بنیاد ہے (۲۷) فقہاء سبعہ میں سعیدؒ بن المسیب (م ۹۴ھ) عروہ (م ۹۴ھ) ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ھشام (م ۹۴ھ)

Marfat.com

عبید اللہ بن عتبہ بن مسعودؒ (م ۹۸ھ) قاسم بن محمد ابی بکر (م ۱۰۸ھ) سلیمان بن یسار (م ۱۰۹ھ) اور خارجہ بن زید (م ۱۰۹ھ) شمار ہوتے ہیں (۲۸) یہ حضرات اپنے زمانے میں مدینہ منورہ میں علم حدیث و فقہ کا مرجع تھے۔ شاہ ولی اللہ نے قرۃ العینین کے علاوہ مصفی کے مقدمہ میں اس بارے میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں علم فقہ و فتاوی امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب کے گرد گھومتا تھا اور وہ اس سلسلے کی درمیانی کڑی تھے۔ پھر اس علمی دائرہ کا مرکز فقہاو صحابہ ہوئے۔ مثلاً ابن عمرؓ عائشہؓ ابن عباسؓ انسؓ اور جابرؓ دور صحابہ کے گزرنے پر اس بار عظیم کو سات فقہاء تابعین نے اٹھایا جیسے کہ سعیدؒ بن المسیب ' عروہؒ ' سالمؒ اور قاسمؒ وغیرہم اور انکے بعد انکے تلامذہ زہریؒ ' یحییٰ بن سعیدؒ انصاری ' زیدؒ بن اسلمؒ ' ربیعہ ' ابو الزنادؒ اور نافعؒ آتے ہیں ' جو اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں۔

"و بیانہ ان علم الفقہ و الفتاوی فی عصر الخلفاء الراشدین کان یدور علی امیر المومنین عمر بن الخطاب و کان ہو واسطۃ العقد ثم علی فقہاء الصحابۃ مثل ابن عمر و عائشۃ و ابن عباس و ابی ہریرہ و انس و جابر و کانوا مرکزا للدائرۃ العلمیۃ و بعد عصر الصحابۃ اضطلع باعباء ہذہ العمل الجلیل فقہاء التابعین السبعۃ مثل سعید بن المسیب و عروہ و سالم و قاسم و بعد ہولا قام بہذا الامر تلامذتہم مثل الزہری و یحیی بن سعید الانصاری و زید بن اسلم و ربیعۃ و ابی الزناد و نافع (۲۹)

شاہ ولی اللہ کی نظر میں امام مالکؒ ان سب کے وارث ہوئے اور انہوں نے ان سب کی احادیث و آثار کی تدوین کی۔ نسلاً بعد نسل جو سرمایہ حدیث سینوں میں محفوظ چلا آتا تھا ' اسے انہوں نے کاغذ کے صفحات پر جمع و منتقل کر دیا ' جسکے نتیجے میں اب تمام علاقوں کے لوگ حدیث اور فتاوی کی روایت کے لئے انکی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

"و ورثہ ہولا کلہم الامام مالک و دون احادیثہم و اثارہم و اودع بطون القراطیس ما کان محفوظا فی الصدور جیلا بعد جیل و توجہ الیہ اہل الامصار کلہا فی روایۃ الحدیث و الفتاوی (۳۰)

Marfat.com

امیر المومنین فی الحدیث

علم حدیث میں یہ امام مالکؒ کی عظیم خدمات کا نتیجہ تھا کہ وہ بقول شاہ ولی اللہ اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار کہلائے اور انہیں اتنی شہرت ملی کہ کوئی شخص اس تک رسائی نہیں پا سکا:

"وصار رئیس اھل زمانہ ورزق شہرۃ اعظمۃ لایدانیہ فیہا احد (۴۱)

امام مالکؒ کے فضل و کمال کا اعتراف حدیث و رجال کے متعدد ناقدین نے کیا ہے یحیٰؒ بن معین نے ان کی شان میں امیر المومنین فی الحدیث (۴۲) کے الفاظ استعمال کئے ہیں جب کہ سفیانؒ بن عیینہ کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ مالکؒ کے سامنے کیا چیز ہیں؟ ہم تو فقط ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ابن عیینہ کا وہ قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اللہ مالک پر اپنا فضل و کرم کرے۔ وہ لوگوں پر انتقاد کرنے میں کتنے سخت تھے۔

یحیٰؒ بن سعید القطان اور یحیٰؒ بن معین کا قول ہے کہ روئے زمین پر امام مالکؒ سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں۔ شاہ ولی اللہ نے بھی اسی قول کو دہرایا ہے اور تصریح کر دی ہے کہ عبد الرحمٰنؒ بن مہدی کہتے ہیں:

"ما رایت اعقل من مالکؒ وقال یحیی بن سعید القطان و یحیی بن معین مالک امیر المومنین فی الحدیث وقال ابن معین کان مالک من حجج اللہ علی خلقہ (۴۳)

شاہ ولی اللہؒ نے امام مالکؒ کے فضل و کمال کے اعتراف میں عبد الرحمٰنؒ بن مہدی کے دو اور قول نقول کئے ہیں۔ پہلے کی تصریح یہ ہے کہ صحت حدیث کے معاملے میں مالکؒ پر کوئی شخص مقدم نہیں۔ دوسرے قول کے مطابق سفیان ثوری امام حدیث ہیں مگر امام سنت نہیں۔ اوزاعیؒ امام سنت ہیں' امام حدیث نہیں' البتہ مالکؒ بن انس حدیث و سنت دونوں میں امام ہیں۔

" وقال عبدالرحمٰن بن مہدی مابقی علی وجہ الارض احد امن علی حدیث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من مالک" بن انس وقال ایضا ما اقدم علی مالک فی صحتہ الحدیث احدا وقال ایضا: سفیان الثوری امام فی الحدیث و لیس بامام فی السنہ و الاوزاعی امام فی السنہ و لیس بامام فی الحدیث و مالک" بن انس امام فیہما جمیعا(۴۴)

ابن صلاح" سے اس قول کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں سنت سے مراد بدعت کی ضد ہے، ممکن ہے کوئی عالم حدیث ہو، لیکن سنت کا عالم نہ ہو۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ اس قول کی شرح تفصیل طلب ہے اور صورت حال یہ ہے کہ معانی و مطالب اور فتاوی کے استنباط کے معاملے میں سلف کے دو گروہ تھے۔ ایک نے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ جمع کئے اور ان سب سے استنباط کیا۔ دوسرے نے ان قواعد کو جنہیں آئمہ کی ایک جماعت نے تنقیح و تہذیب کے بعد مرتب کیا تھا۔ ان کے ماخذ کو ملتفت ہوئے بغیر لے لیا۔ چنانچہ جب بھی کوئی مسئلہ انکے سامنے پیش ہوا وہ ان ہی قواعد کی روشنی میں اس کا جواب تلاش کرتے رہے(۴۵)

شاہ ولی اللہ کی اس قول کے بارے میں تشریح یہ ہے کہ اول الذکر محدثین کا اصل طریقہ ہے اور ثانی الذکر فقہاء کا اصل طریقہ، محدثین کا طریقہ بعض سلف کے ہاں مروج و غالب رہا اور ان میں سے بعض دوسرے طریقے پر عامل تھے۔ مثلاً حماد بن ابی سلیمان، ابراھیم نخعی کے مسائل کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ ان مسائل سے مراد وہ کلیہ قواعد ہیں جن کا ابراھیم نخعی" نے اپنے فتاوی میں اثبات کیا اور ان کی تنقیح و تہذیب فرمائی۔ امام مالک" چونکہ سنت سے مراد وہ قواعد لیتے ہیں جو اہل مدینہ کے ہاں مقرر تھے اسلئے عبدالرحمٰن" بن مہدی اپنے قول میں پورے اترتے ہیں۔ چنانچہ سفیان ثوری" احادیث اور آثار صحابہ کو ان کی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کرنے، لفظ حدیث کی اقامت ابواب فقہ میں حدیث کی تقسیم اور ہر باب میں احادیث کی ترتیب میں کوفہ کے امام ہیں اور اوزاعی" ابواب فقہ میں سے ہر باب میں سلف کے جو قواعد ہیں ان کی معرفت کے امام ہیں، جب کہ امام مالک" ان دونوں امور میں امام

ہوئے۔ آخر میں شاہ ولی اللہ نے یہ بات دعویٰ سے کہی ہے کہ فن حدیث سے شغف و اشتغال رکھنے والوں کے ہاں یہ اسی طرح ثابت ہے جیسے نصف النہار کا سورج۔

"وھذا المعنی ثابت عند المشتغلین بفن الحدیث کالشمس فی رابعتہ النہار (۳۶)

امام مالکؒ بارگاہ رسالت میں

امام مالکؒ کے فضل و کمال میں ان ... و اداب کا بہت دخل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد ادب کرتے تھے۔ رسالت مآبؐ کا نام نامی اسم گرامی جب زبان پر آتا آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا۔ لوگ اسکی وجہ پوچھتے تو فرماتے کہ ہم نے جن ارواح طیبات کی زیارت کی ہے، انکی حالت تو مجھ سے بھی بڑھ کر ہوتی تھی (۳۷) ابن حبیبؒ امام مالکؒ کے مخصوص احباب میں سے ایک ہیں

حدیث رسولؐ سے پاس ادب کے بارے میں ان کا بیان ہے کہ امام مالکؒ حدیث رسولؐ کا نہایت ادب فرماتے تھے اور کمال ادب میں اس درجہ احتیاط برتتے تھے کہ بوقت افادہ حدیث مجلس میں کبھی زانو کو نہ بدلتے۔ ایک ہی حالت و ہیئت میں اول تا آخر ان کی نشست رہتی۔ (۳۸)

بستان المحدثین میں امام مالکؒ کے شاگرد رشید عبداللہ بن مبارک کی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ روایت حدیث کے دوران ایک بار بچھو نے امام مالکؒ کو نیش زنی کی اور ... بار کاٹا۔ ہر بار امام مالکؒ کا چہرہ کچھ تبدیل ہو تا رہا، مگر انہوں نے حدیث کو قطع فرمایا نہ کسی قسم کی لغزش آپ کے کلام میں ظاہر ہوئی۔ اختتام پر آپ نے فرمایا کہ میرا اس قدر صبر اپنی طاقت، شکیبائی کی بنا پر نہ تھا، بلکہ اسکی وجہ حدیث رسولؐ کی تعظیم تھی (۳۹)

حافظ ابو نعیمؒ اصفہانی نے بہ سند صحیح نقل کیا ہے کہ لیثین کے غلاموں میں ابو عبداللہ نامی ایک نہایت متقی، پرہیز گار اور خدا پرست بزرگ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ نبی کریمؐ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ ارد گرد ایک حلقہ بندھا ہے اور امام مالکؒ بھی آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضور کے سامنے تھوڑا سا مشکد رکھا ہوا ہے۔ جس میں سے لپ بھر بھر کر امام مالکؒ کو مرحمت فرماتے ہیں اور امام مالکؒ

Marfat.com

اسے بطریق نثار آدمیوں پر چھڑکتے ہیں (۴۰) شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ علم نبوی (حدیث) نے اول امام مالکؒ کے سینے میں ظہور فرمایا اور اسکے بعد ان کے توسل سے دوسروں تک پہنچا (۴۱)

امام مالکؒ کے بارے میں ایسے اقوال کی کمی نہیں جو انکی شخصیت کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ محمدؒ بن رمح تجیبی مصری جو مولف صحیح مسلم کے اساتذہ میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کی کہ ہم لوگ امام مالکؒ اور لیثؒ کی اسعیت پر ... ش کرتے ہیں۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ مالکؒ میرے تخت کے وارث ہیں (۴۲) اور اس سے مراد یہ ہے کہ امام مالکؒ علوم النبیؐ کے وارث ہوئے۔

موطا کے بارے میں انشراح صدر

شاہ ولی اللہ نے امام مالکؒ کی علمی و دینی فضیلت کو اجاگر کرنے کے لئے عبدالرحمنؒ بن مہدی اور ابن عیینہؒ وغیرھما کے علاوہ بطور استشہاد امام شافعیؒ کے اقوال کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے علوئے مرتبت اور ان سے علم حدیث کی ضیاء کے ظہور کی وجہ سے انہیں اسطرح سے تشبیہ دیتے ہیں کہ علماء کے ذکر میں مالکؒ کی حیثیت نجم کی ہے۔ ان کا ایک اور قول ہے کہ مجھ پر اللہ کے دین کے معاملے میں مالکؒ سے زیادہ کسی شخص کا احسان نہیں:

"قال الشافعی اذا ذکر العلماء فمالک النجم (هذا التشبیه من جهته علو المنزلته وظهور النور) وقال ما احد امن علی فی دین الله من مالک"(۴۳)

امام شافعی کا ایک اور قول شاہ ولی اللہ نے نقل کیا ہے کہ علم کا انحصار ان تین پر ہے مالکؒ بن انسؒ، سفیانؒ بن عیینہ اور لیثؒ بن سعد۔ اور ایک دوسرے قول سے اسکی تصریح ہوتی ہے کہ مالکؒ اور ابن عیینہؒ دونوں ہم عہد ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ضائع ہو جاتا۔

"العلم ... ور علی ثلاثة، مالکؓ بن انس و سفیان بن عیینه واللیث بن سعد و مالک و ابن عیینه

Marfat.com

القرینان لولا ھما لذھب علم الحجاز (۴۴)

اور یہ امام مالکؒ کے فضل و کمال کا ایک واضح ثبوت ہے کہ بقول شاہ ولی اللہ انہوں نے بزرگوں سے جو کچھ اخذ کیا اسے اپنی کتاب میں جمع کر دیا۔ یہ کتاب محدثین اور فقہاء کا مرجع بنی ۔ چنانچہ اسکے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر پر انشراح صدر اور یقین ہو گیا ہے کہ روئے زمین پر اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب موطا ہے:

"لقد نشرح صدری و حصل لی الیقین بان الموطا اصح کتاب یوجد علی وجہ الارض بعد کتاب اللہ (۴۵)

Marfat.com

صحاح ستہ کی چھٹی کتاب

سنن ابن ماجہ، سنن دارمی یا موطا

محدثین میں عام طور سے مشہور ہے کہ صحاح چھ کتابیں ہیں۔ ان میں سے جن پانچ کے بارے میں اکثریت کا متفقہ فیصلہ ہے وہ یہ ہیں۔

صحیح بخاری صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، اور سنن نسائی۔

اور حافظ زین الدین العراقی رقمطراز ہیں۔

" و معنی الاصل ماجمع بین الصحتہ والاستغاضتہ والقبول فرتی علیا درجا تہا فما دونہا بسیرا (۱) "

اس معنی میں حدیث کی چھ کتابوں پر جو طبقہ اولیٰ اور ثانیہ سے تعلق رکھتی ہیں، علماء نے "اصول" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان ہی کو "امہات" اور "صحاح ستہ" بھی کہا جاتا ہے اور یہ صحیحین اور سنن اربعہ ہیں۔

صحیحین اور سنن اربعہ میں سے پانچ کے "اصول" ہونے پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے۔ علمائے فن نے انکے لئے "کتب معتمدہ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں جب کہ ابو طاہر سلفی (م ۵۷۶ ھ) کے نزدیک ان پر "صحاح" کا اطلاق مبنی پر تساہل ہے۔

" و ذکر الحافظ ابو طاہر السلفی الکتب الخمستہ و قال: اتفق علی صحتہا علماء الشرق ولغرب وھذا تساہل (۲)

اور ابن صلاح نے اسکی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ان میں ضعیف اور منکر روایات بھی ہیں۔ اسی بنا پر نواب صدیق حسن نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اشعتہ اللمعات کے ایک

قول کے حوالے سے اسکی یوں تصریح کردی ہے۔

" و تسمیہ آں بصحاح بطریق تغلیب است" (۴)

الغرض مذکورہ پانچ کتابوں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم سنن ابی داؤد جامع ترمذی اور سنن نسائی کے اصول ستہ یا صحاح ستہ میں شمار ہونے میں تو اکثریت متفق ہے البتہ چھٹی کتاب میں اختلاف ہے۔ بعض سنن ابن ماجہ کچھ سنن دارمی کو اس میں شامل کرتے ہیں اور ایک بڑی جماعت جس میں شاہ ولی اللہ بھی شریک ہیں موطا امام مالک کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب مانتی ہے۔

ابن ماجہ مختصر احوال

صحاح ستہ کی اس متنازعہ فیہ کتاب کی نسبت اپنے مولف ابو عبداللہ محمد بن یزید الربعی (۴) القزوینی(۵) سے ہے جو ابن ماجہ (۶) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا عجمی النسل ہونا قطعی ہے۔ اور "ماجہ" چونکہ فارسی نام ہے، اسلئے قیاس اغلب ہے کہ ان کا نسبی تعلق فارس سے تھا۔ احادیث میں فارس کی فضیلت کا ذکر (۷) کئی جگہ پر آیا ہے۔ اور امام احمدؒ بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا کے پاس بھی ہوا تو نسل فارس کے کچھ لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔

" لو کان العلم باثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس (۸)

رسالت مابؐ کی اس پیش گوئی کا مصداق علامہ سیوطیؒ، ابن حجر مکی اور دیگر علماء کرام بالعموم امام ابو حنیفہؒ کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے:

" فقیر گفت امام ابو حنیفہ دریں حکم داخل است" (۹)

لیکن نواب صدیق حسن خان کے خیال میں اسکا مصداق مصنفین صحاح ستہ اور دیگر محدثین ہیں نیز وہ جو ان کے نقش قدم پر چلتے رہے:

" وھوء لاءالرجال ہم امثال البخاری و مسلم و الترمذی و ابی داؤد والنسائی و ابن ماجہ و من نحا نحوھم و حذا حذوھم (۱۰) "

اپنی ایک دوسری تالیف میں بھی فرماتے ہیں۔

"جہابذہ محدثین مثل بخاری و مسلم آں ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و امثال ایشاں' اولیے ترواحق تراند بمصداق بودن آں' زیرا کہ ہمہ ایشاں از عجم و سر زمین فرس بودہ ماند"(۱۱)

شاہ ولی اللہ نے اس بشارت کو ابن ماجہؒ وغیرہ محدثین تک محدود نہیں رکھا' بلکہ اس میں فقہاء بھی شامل کر دیئے ہیں۔ لکھا ہے۔

"خبر دادند کہ از فارس رجال علماء پیداخواہندشد' کبار محدثین بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی و دار قطنی و حاکم و بیہقی و غیرایشاں ہمہ از فارس پیدا شدند' و از فقہاء ابو طیب و شیخ ابو حامد شیخ ابو اسحاق شیرازی و جوینی و امام الحرمین و امام غزالی و غیرایشاں از فارس پیدا شدند' بلکہ امام ابو حنیفہ و یاران ماوراء النہر و خراسانی او نیز از اہل فارس اند و درمیان ایں بشارت داخل" (۱۲)

شاہ ولی اللہ کے شاگرد قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس بشارت کو دائرہ فقہاء و محدثین سے بھی آگے بڑھا دیا ہے۔ انہوں نے تو اس میں مشائخ صوفیہ تک شامل کر لئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اقلت و لعل فی ہذہ الاحادیث اشارۃ الی مشائخ ماوزا' النہر بہاء الدین نقشبند و امثالہ فان ہو لا الکرام من الاعاجم توطنا۔۔۔(۱۳)

نواب صدیق حسنؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے قطع نظر' شاہ ولی اللہ نے مصنفین صحاح ستہ کو اہل فارس میں شمار کر لیا ہے' جب کہ تاریخ میں صرف امام بخاریؒ اور ابن ماجہ فارسی النسل ثابت ہیں۔ امام مسلمؒ کے متعلق نووی کی تصریح "القشیری نیسابوری وطنا عربی صلبیہ'(۱۴) موجود ہے۔ ابو داؤدؒ ازدی ہیں' ترمذی سلمی اور اسی طرح حاکم ضبی' جب کہ امام دارمیؒ' قبیلہ تمیم کی مشہور شاخ بنی دارم سے منسوب ہوئے۔ لیکن اگر شاہ ولی اللہ کی فارس سے مراد "غیر عجم" ہے تو بات اور ہے اور غالباً ان کا مقصود قدیم علماء کی طرح یہی ہے۔

ارباب ستہ، امام احمد اور ابن معین سے معاصرت

شاہ ولی اللہ نے جس طرح سنن ابن ماجہ سے پہلو تہی کی ہے، اسی طرح محدثین اور فقہاء کے تذکرے اور امام ابن ماجہ کے احوال اور ان کے فضل و کمال کو نظرانداز کیا ہے، حالانکہ ابن ماجہ کوئی کم مرتبہ کے محدث نہ تھے۔ ابن ماجہؒ کے شاگرد رشید جعفرؒ بن ادریس کا بیان ہے کہ ابن ماجہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے(۱۵) اس اعتبار سے ارباب صحاح ستہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰؒ بن معین سے آپکی معاصرت کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰؒ بن معین (م ۲۳۳ھ) کی رحلت کے وقت امام ابن ماجہؒ کی عمر ۲۴ سال، احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کے انتقال پر ۳۲ سال، امام بخاری، (م ۲۵۶ھ) کی وفات کے وقت ۴۷ سال اور امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کے دار فانی کی طرف کوچ کرتے وقت ۵۲ سال تھی۔

امام ابوداؤدؒ (م ۲۷۵ھ) آپ سے سات سال قبل تولد ہوئے اور دو سال بعد انتقال کیا۔ ابو عیسیٰؒ ترمذی م ۲۷۹ھ کی وفات آپ سے چھ سال بعد ہوئی۔ امام نسائیؒ (م ۳۰۳) آپ سے عمر میں چھ سال چھوٹے تھے، مگر تیس سال بعد رحلت فرمائی۔ ابن ماجہؒ نے گویا ان تمام محدثین کا زمانہ پایا۔

ابن ماجہؒ اور سماع حدیث

ابن ماجہؒ نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں، قزوین میں "علی بن محمد بن ابوالحسن طنافسی (م ۲۳۳ھ) عمرو بن رافع ابو حجر بجلیؒ (م ۲۳۷ھ) اسماعیل بن ابو سہیل قزوینیؒ (م ۲۴۷ھ) ہارون بن موسیٰ تمیمیؒ (م ۲۴۸ھ) اور محمد بن ابی خالدؒ قزوینی" (۱۶) ایسے محدثین و فقہاء مسند درس و افتاء پر جلوہ افروز تھے۔ ابن ماجہؒ نے ان سب سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد طلب حدیث کے لئے مختلف شہروں میں صحرانوردی کی ابو یعلی خلیلی کے بقول۔

"ارتحل الی العراقین و مصر و الشام (۱۷)"

ابن جوزیؒ کے الفاظ ہیں۔

"رحل الی مکۃ والبصرۃ والکوفۃ و بغداد والشام و مصر الری (۱۸)

Marfat.com

ابن خلکان کے نزدیک

"ارتحل الی العراق و البصرۃ و الکوفتہ و بغداد و مکہ والشام و مصر والری لکتب الحدیث ۔(۱۹)"

اور ابن حجر عسقلانیؒ نے "سمع بخراسان والعراق والحجاز ومصر والشام وغیرھا من البلاد(۲۰)" لکھا ہے یعنی ابن ماجہ نے خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام اور دیگر بلاد میں سماع حدیث کیا۔ سنن ابن ماجہ کی روشنی میں شیوخ ابن ماجہؒ کے اوطان پر نظر ڈالیں، تو ان میں مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے علاوہ اصفہان، اھواز، حمص، دمشق، دامغان، رقہ، رملہ، رے، سامرا، سمنان، عسقلان، مروہ، مصر، نیشاپور، ہمدان اور واسط نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اول الذکر پانچ شہروں کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ کی رائے ہے کہ وہ ہی ہیں جہاں سے علوم نبوتؐ، علوم ایمانی، علوم قرآنی اور علوم شریعت نکلے۔

تین سو سے زائد شیوخ سے استفادہ

مکہ مکرمہ کے جن حفاظ حدیث سے امام ابن ماجہؒ نے علم حدیث کی تحصیل کی، ان میں ابو محمد حسنؒ بن علی بن محمد الخلال المعروف حافظ حلوانی (م ۲۴۲ھ) ابو عبد اللہؒ بن ابی بکر اسدی مکی المعروف حافظ زبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ) حافظ سلمہؒ بن شبیب نیشاپوری (م ۲۴٦ھ) نزیل مکہ، ابو عبد اللہ محمدؒ بن یحییٰ بن ابی عمر (م ۲۴۳ھ) یعقوبؒ بن حمید بن کاسب مدنی ثم مکی (م ۲۴۱ھ) کے علاوہ ابراہیمؒ بن محمد بن العباس ابو اسحاق الشافعی المکی (م ۲۳۷ھ) حسینؒ بن حسن بن حرب السلمی المروزی (م ۲۴٦ھ) محمد بنؒ عبد اللہ بن یزید العدوی ابو یحییٰ المقری المکی (م ۲۵٦ھ) محمد بنؒ عثمان بن خالد اموی (م ۲۴۱ھ) محمد بن میمون الخیاط البزاز ابو عبد اللہ المکی (م ۲۵۲ھ) محرزؒ بن سلمہ المکی العدنی (م ۲۳۴ھ) اور یزیدؒ بن عبد اللہ بن یزید الیمامی ابو محمد نزیل مکہ (م ۲۴۰ھ) شامل ہیں۔ اور مدینہ کے یہ حضرات تھے، جن سے کسب فیض کیا:

ابو مصعب زھری احمدؒ بن ابی بکر العوفی المدنی (م ۲۴۲ھ) ابو اسحاق ابراہیمؒ بن المنذر الحزامی الاسدی المدینی (م ۲۳٦ھ) ابو موسیٰ اسحاق بن موسی انصاری المدینی (م ۲۴۴ھ) بکرؒ بن عبد

Marfat.com

الوہاب المدنیؒ ۔ (م ۲۵۰ھ) خواہر زادہ الواقدی' حسنؒ بن داؤدابو محمد المدنی المنکدری (م ۲۴۷ھ) اور محمد بن عبید بن میمون ۔

کوفہ کے شیوخ میں ابوبکرؒ بن ابی شیبہ ' عبد اللہؒ بن محمد ابی شیبہ ابراہیمؒ بن عثمان العبسی (م ۲۳۵ھ) ابو سعدؒ عبد اللہ المعروف بہ شیخ الاسلام اشج (م ۲۵۷ھ) عثمانؒ بن ابی شیبہ (م ۲۳۹ھ) ابو عبد الرحمٰنؒ محمد بن عبد اللہ بن نمیر ہمدانی خارفی کوفی (م ۲۳۴ھ) ابو کریب محمدؒ بن العلاء ہمدانی کوفی (م ۲۴۳ھ) نہادؒ بن السری بن مصعب (م ۲۴۳ھ) ابو ھمام ولید بن ابی بدر شجاع السکونی الکوفی (م ۲۴۳ھ) ھارونؒ بن اسحاقؒ بن محمد بن ابو القاسم (م ۲۵۸ ھ) وغیر ھم شامل ہیں ۔ ان کے علاوہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں مزید اڑتیس شیوخ کے نام گنوائے ہیں ۔

امام ابن ماجہؒ نے بصرہ میں حسنؒ بن مبارکؒ بن بشیر السدوسی ابو علی البصری ' ابو طالب زید بن اخزم الطائی البصری (م ۲۵۷ھ) ابو الفضل عباس بن عبد العظیم عنبری بصری (م ۲۴۶ھ) عباس بحرانی بن یزید بن ابی حبیب البصری (م ۲۵۸ھ) عبد اللہؒ بن اسحق ابو محمد الجوہری (م ۲۵۷ھ) عقبہؒ بن مکرم بن افلح العمی ابو عبد الملک البصری (م ۲۴۳ ھ) عمرؒ بن شبہ بن عبیدہ ابو زید النمیری (م ۲۶۲ھ) عمروؒ بن علی بن بحر بن کثیر (م ۲۴۹ھ) ابو بکرؒ محمد بن بشار بن عثمان بن العبدی البصری (م ۲۵۲ھ) محمد بن المثنیٰ ' ابو عبد اللہ محمد بن معمر بن ربعی القیسی (م ۲۵۶ھ) ابو عمروؒ بن نصر علی الازدی (م ۲۵۰ھ) ابو سعید یحیٰی بن حکیم المقوم (م ۲۵۶ھ) وغیر ھم سے بطور خاص تحصیل حدیث کی ۔ ان حفاظ حدیث کے علاوہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں مزید باسٹھ شیوخ کا ذکر کیا ہے ۔

بصرہ کے بعد ابن ماجہؒ بغداد تشریف لائے اور احمدؒ بن ابراہیم بن کثیر ابو عبد اللہ العبدی النکری البغدادی الدورقی (م ۲۴۶ھ) ابو بکر احمدؒ بن منصور بن سیار بن معارک الرمادی (م ۲۶۵ھ) ابو جعفر احمدؒ بن منیع البغوی (م ۲۴۴ھ) ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی (م ۲۴۰ھ) ابراہیمؒ بن سعید ابو اسحاق الطبری ۔ (م ۲۴۷ھ) ابو اسحاق ابراہیمؒ بن عبد اللہ الہروی (م ۲۴۴ھ) ابو علی حسنؒ بن محمد بن صباح زعفرانی ' ابو محمد رجاءؒ بن مرجی بن رافع الغفاری السمر قندی نزیل بغداد (م ۲۴۹ھ) ابو خیثمہ زہیر بن حرب (م ۲۳۴ھ) زہیرؒ بن محمد بن قمیر (م ۲۵۷ھ)

Marfat.com

عباس دوریؒ بن محمد بن حاتم ابوالفضل ہاشمی (م ۲۷۱ھ) عبد اللہؒ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی الاموی المعروف بہ ابوبکر بن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) ابو قلابہ عبد الملکؒ رقاشی (م ۲۷۶ھ) ابوالعباسؒ فضل بن یعقوب الرخامی البغدادی (م ۲۵۸ھ) ابوبکر محمدؒ بن اسحاق بن جعفر صغانی نزیل بغداد (م ۲۷۰ھ) ابوبکر غزال محمدؒ بن عبد الملک بن زنجویہ (م ۲۵۸ھ) ابوالاحوص محمدؒ بن الہیثم بن حماد (م ۲۷۹ھ) ابوموسیٰ ہارونؒ بن عبد اللہ بن مروان المعروف بہ ہارون حمال بغدادی (م ۲۴۳ھ) یعقوبؒ بن ابراہیم دورقی (م ۲۵۲ھ) وغیرھم سے مستفیض ہوئے۔ ان کے علاوہ کتاب الثقات لابن حبان میں چھتیس نامور شیوخ کے نام لکھے گئے ہیں۔

کوفہ اور بصرہ کے عین وسط میں واقع عراق کے مشہور شہر واسط سے امام ابن ماجہؒ نے احمد بن سنان بن اسد بن حبان القطان ابو جعفر الواسطی (م ۲۵۶ھ) کے علاوہ سترہ حفاظ حدیث، سامرا سے احمدؒ بن عیسیٰ بن حسان المصری ابو عبد اللہ العسکری المعروف بہ تستری (م ۲۴۳ھ) حفصؒ بن عمر بن عبد العزیز بن صہیب الازدی ابو عمر الدوری القری (م ۲۴۸ھ) داؤد بن سلیمان بن حفص العسکری ابو سہل الاقاق اور یحییٰ بن یزداد العسکری ابو الصقر الوراق، جرجرایا سے الحسین بن عبد الرحمٰن ابو علی (م ۲۵۳ھ) محمدؒ بن الصباح بن سفیان الجرجرائی (م ۲۴۰ھ) حدثیہ سے سوید بنؒ سعید حدثانی (م ۲۴۰ھ) باکسایا سے ابو محمد عباسؒ بن عبد اللہ بن ابی عیسیٰ (م ۲۶۷ھ) سے فیض پایا۔ دمشق میں حافظ رحیم عبد الرحمٰن بن ابراہیم بن عمرو بن میمون الاموی (م ۲۴۵ھ) اور ہشام بن عمار ابوالولید السلمی (م ۲۴۵ھ) کا بڑا شہرہ تھا۔ ابن حبانؒ نے ان دو کے علاوہ دمشق کے مزید ۱۲ حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے

حمص کے شیوخ حدیث میں عمروؒ بن عثمان بن سعید بن کثیر الحمصی (م ۲۵۰ھ) ابو عبد اللہ محمدؒ بن مصفی بن بہلول القرشی (م ۲۴۶ھ) ابوالتقی ہشام بن عبد الملک الیزنی (م ۲۵۱ھ) وغیرھم عسقلان کے اساتذہ فن میں حسینؒ بن ابی السری متوکل بن عبد الرحمٰن بن حسان (م ۲۴۰ھ) اور محمد بن خلف بن عمار عسقلانی (م ۲۶۰ھ) رملہ کے محدثین میں راشد بن سعید بن راشد القرشی (م ۲۴۳ھ) عیسیٰ بن محمد بن اسحاق ابو عمیر بن النحاس (م ۲۵۸ھ) ابو موسیٰ عیسیٰؒ بن یونس بن ابان الجرار (م ۲۶۴ھ) ایلہ کے شیوخ میں اسحاقؒ بن اسماعیل بن عبد الاعلیٰ (م ۲۵۸ھ) محمد بن عزیز بن عبد اللہ بن زیاد الدیلمی العقیلی (م ۲۷۶ھ) بیت

المقدس کے ابراہیم" بن محمد بن یوسف اور بالس کے اسماعیل بن ابراہیم البالسی (م ۲۴۶ھ) شامل ہیں۔ ان سب سے ابن ماجہ مستفیض ہوئے۔ ان کے مصری شیوخ کے چند نام یہ ہیں

حافظ ابن السرح احمد" بن عمرو بن عبد اللہ بن عمرو بن السرح الاموی (م ۲۵۰ھ)

شارح موطا، حرملہ" بن یحییٰ (م ۲۴۳ھ) ابو محمد الربیع" سلیمان بن عبد الجبار (م ۲۷۰ھ) محمد بن رمح بن المہاجر بن محرر بن سالم التجیبی (م ۲۴۳ ھ) یحییٰ بن عثمان بن صالح القرشی السہمی (م ۲۸۲ھ) یونس" بن عبد الاعلیٰ (م ۲۶۴ھ) عبد اللہ بن محمد بن رمح بن المہاجر التجیبی (م ۲۵۵ھ) وغیرھم۔

جعفر" بن مسافر بن راشد ابو صالح التنیسی (م ۲۵۴ھ) ابو یوسف" صیدلانی محمد بن احمد بن محمد بن الحجاج بن میرہ القرشی الکریزی (م ۲۴۶ھ) اسماعیل" بن عبید بن عمر بن ابی کریمہ (م ۲۴۰ھ) جمیل بن الحسن بن جمیل الازدی سے بھی ابن ماجہ نے فیض پایا۔ یہ علی الترتیب تنیس، رقہ، حران اور اھواز سے تعلق رکھتے تھے۔ رے میں اس زمانے میں ابو عمر" الرازی سہل بن سہل المعروف بہ سہل بن زنجلہ (م ۲۴۰ھ) ابو زرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم بن یزید (م ۲۶۴ھ) ابو حاتم" رازی محمد بن ادریس بن المنذر الحنظلی (م ۲۷۷ھ) ابو عبد اللہ محمد" بن حماد الطہرانی (م ۲۷۱ھ) اور محمد" بن حمید بن حیان التمیمی (م ۲۴۸ھ) وغیرھم کا طوطی بولتا تھا۔ ابن ماجہ" نے ان تمام سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ رے کے بعد اس دور میں عراق عجم کا بڑا شہر اصفہان تھا۔ یہاں کے مشہور شیخ ابو الحسن عبد الرحمٰن بن عمر بن یزید بن کثیر الزھری الاصبہانی الازرقی معروف بہ ابن رستہ سے حدیث کا سماع کیا۔

علم حدیث کے میدان میں بڑے شہروں کی بہ نسبت چھوٹے شہروں کی حیثیت بھی مسلمہ تھی۔ ان میں ھمدان، دامغان اور سنان کا ذکر نمایاں ملتا ہے۔ ابن ماجہ" یہاں کے شیوخ سے بھی مستفیض ہوئے۔ چنانچہ مرار" بن حمدیہ الثقفی (م ۲۵۴ھ) حسین بن جنید الدامغانی اور محمد بن جعفر السمنانی القومسی وغیرھم کے نام ابن ماجہ کے شیوخ کی فہرست میں پائے جاتے ہیں۔ نیشاپور بقول حافظ ذھبی دار الاثار اور اس دور کا بہت بڑا علمی شہر تھا۔ ابن ماجہ نے یہاں کے جن شیوخ سے فن حدیث کی تحصیل کی، ان میں حسب ذیل بھی شامل ہیں۔

Marfat.com

ابو الازھر احمدؒ بن الازھر بن منیع بن سلیط العبدی (م ۲۶۳ھ) امام ابو جعفر دارمی احمد بن سعید بن صخر السرخسی (م ۲۵۳ھ) احمدؒ بن یوسف بن خالد المہلبی الازدی المعروف بہ حمدان نیشاپوری (م ۲۶۴ھ) ابو یعقوب اسحاقؒ بن منصور بن بہرام المروزی (م ۲۵۴ھ) عبداللہ بن الجراح بن سعد التمیمی ابو محمد القہستانی (م ۲۳۷ھ) امام ذہلیؒ ابو عبداللہ محمد بن یحیی بن عبداللہ بن خالد بن فارس نیشاپوری (۲۵۸ھ) وغیرھم۔

تاج الدین السبکی کے بقول خراسان کے اعلیٰ شہر چار تھے' جو بمنزلہ ستون کے تھے ۔ مرو' نیشاپور' بلخ اور ہرات (۲۱)۔ چنانچہ مرو سے حافظ محمود بن غیلان المروزی (م ۲۳۹ھ) عبد العزیزؒ بن منیب بن سلام بن الفریس ابو الدرداء المروزی (م ۲۶۷ھ) وغیرھما' بلخ سے محمدؒ بن ابان ابوبکر بلخی المعروف بہ محمدویہ (م ۲۴۴ھ) وغیرہ سے ابن ماجہ نے علم حدیث حاصل کیا۔ (۲۲)

ابن ماجہ کی فضیلت

ایک محتاط اندازے کے مطابق امام ابن ماجہؒ کے شیوخ کی تعداد تین سو دس کے قریب ہے۔ اسی سے انکے علم و فضل' اور انکی تصنیفات کے درجات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جن میں التفسیر' التاریخ اور السنن سر فہرست ہیں۔ متعدد اقوال سے پتا چلتا ہے کہ علماء کی اکثریت امام ابن ماجہؒ کی امامت فن' جلالت شان' وسعت نظر' حفظ حدیث اور ثقاہت کی معترف رہی ہے۔ ابو الفضل محمدؒ بن طاہر بن مقدسی کا بیان ہے کہ میں نے قزوین میں ابن ماجہ کی التاریخ کا وہ نسخہ خود دیکھا' جو عہد صحابہ سے لے کر ان کے اپنے زمانے تک کے رجال و امصار پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں امام صاحب کے شاگرد جعفر بن ادریسؒ کی تحریر ہے کہ ابن ماجہ نے دو شنبہ کو انتقال کیا اور سہ شنبہ ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ کو انکی تجہیز و تکفین ہوئی۔ (۲۳) عمر ۶۴ سال تھی۔ انکی رحلت پر یحییٰؒ بن زکریا طرائفی اور محمدؒ بن الاسود قزوینیؒ نے نہایت دردناک مرثیئے لکھے (۲۴) اور انہیں ہر دور میں خراج تحسین پیش کیا جاتا رہا۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

Marfat.com

محدث ابو یعلی خلیلی کہتے ہیں:

"ابن ماجہ ثقۃ کبیر متفق علیہ محتج بہ لہ معرفتہ بالحدیث و حفظ(۲۵)"

ابن جوزی کی تصریح ہے:

"سمع الکثیر و صنف السنن و التاریخ و التفسیر و کان عارفا بہذا الشان (۲۶)"

شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے:

"ابن ماجہ الحافظ الکبیر المفسر صاحب السنن و التفسیر و التاریخ و محدث تلک الدیار (۲۷)"

صاحب تاریخ قزوین ابو القاسم رافعی کا بیان ہے۔

"وھو امام من ائمۃ المسلمین کبیر متقن مقبول بالاتفاق ۲)"

اور ذہبی کے یہ الفاظ بھی ہیں۔

"الامام الحافظ ابو عبد اللّٰہ محمد بن یزید ابن ماجہ الکبیر الشان القزوینی (۲۹)"

ان کے علاوہ ابن الاثیر نے کامل التواریخ میں "عاقلا اماماً عالماً" یاقوت حموی نے معجم البلدان میں "ومن اعیان الائمہ من اہل قزوین" ابن تغری بردی نے النجوم الزاہرہ فی ملوک مصروا القاہرہ میں "سمع الکثیر وکان صاحب فنون" ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں "اماما فی الحدیث عارفا بعلومہ وجمیع مایتعلق بہ" اور حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ابن ماجہؒ کی فضیلت کے اعتراف میں "حافظاً صدوقا واسع العلم" کے الفاظ استعمال کئے ہیں

مسلک ابن ماجہؒ اور شاہ ولیؒ اللہ کی رائے

امام ابن ماجہؒ کا مسلک متعین طور سے معلوم نہیں۔ شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ ابن ماجہؒ کا امام احمدؒ بن حنبل کے مسلک کی طرف میلان تھا(۳۰)۔ لیکن مولانا انور شاہ کشمیری کی

Marfat.com

تحقیق ہے کہ شاید شافعی المذھب تھے۔ (۳۱) علامہ طاہر جزائری نے تصریح کی ہے کہ ابن ماجہؒ وغیرہ علماء وائمہ مجتہدین میں کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ آئمہ حدیث امام شافعیؒ احمدؒ بن حنبل، اسحاقؒ اور ابو عبیدہؒ کی طرف میلان رکھتے تھے یعنی اھل عراق کے مذھب کے مقابل اہل حجاز کی طرف زیادہ مائل تھے (۳۲) لیکن ان کے شیوخ کے اوطان کا تجزیہ کریں تو صاحب توجیہ النظر کی یہ رائے زیادہ صائب نظر نہیں آتی۔

سنن ابن ماجہ۔۔۔ شہرہ آفاق تصنیف

ابن ماجہؒ کے علم و فضل اور امامت فن کا زندہ ثبوت السنن ہے جو انکی مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ امام صاحب کا اس کتاب کے بارے میں اپنا بیان ہے کہ میں نے السنن کو مکمل کر کے امام ابو زرعہؒ (۳۳) کے سامنے پیش کیا تو وہ فرمانے لگے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تو حدیث کی موجودہ تصنیفات یا ان میں سے اکثر معطل ہو کر رہ جائیں گی؛

" اظن ان وقع هذا فی ایدی الناس تعطلت هذه الجوامع او اکثرها (۳۴)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب امام ابن ماجہؒ کے علم و عمل، تبحر اطلاع اور اصول و فروع میں ان کے اتباع سنت کو ظاہر کرتی ہے:

" وهی دالة علی علمه وعمله وتبحره واطلاعه واتباعه السنته فی الاصول والفروع (۳۵) "

ان ہی کا ایک اور قول ہے کہ سنن ابن ماجہ نہایت مفید ہے اور مسائل فقہ کے لحاظ سے اسکی ترتیب و تبویب کی گئی ہے:

" وهو کتابه مفید قوی التبویب فی الفقه (۳۶) "

ابن حجر عسقلانی کی رائے میں امام ابن ماجہ کی کتاب سنن (احکام) میں ایک عمدہ جامع ہے۔

" و کتابه فی السنن جامع جید (۳۷) "

اور شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"وفی الواقع از حسن ترتیب و سرد احادیث بے تکرار و اختصار آنچه این کتاب دارد ہیچ از کتب ندارد (۳۸)"

اور فی الواقع ترتیب کی خوبی اور بغیر کسی تکرار کے احادیث کا لے آنا اور اختصار جو یہ کتاب رکھتی ہے، کوئی اور نہیں رکھتی۔

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کا درجہ

سنن ابن ماجہ کی بے شمار خوبیاں ہیں۔ جن کی بنا پر اس کتاب کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا قبل ازیں صحاح خمسہ مشہور تھیں اور ان سے بھی پہلے حافظ ابن السکن نے اسلام کی بنیادی کتابوں کی تعداد صرف چار بتائی تھی۔ صحیحین۔ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی۔ چنانچہ حافظ ابن مندہؒ نے مؤلفین صحاح میں امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابو داؤدؒ اور امام نسائیؒ ہی کے ذکر پر اکتفا کیا۔ بعد میں ابو طاہر السلفی (۳۹) نے جامع ترمذی کو مذکورہ بالا چار کتابوں کے ساتھ شمار کر کے ان کی تعداد پانچ کر دی اور صراحتاً کہہ دیا کہ ان کتب خمسہ پر علماء مشرق و مغرب کا اتفاق ہے۔ ابن صلاحؒ (م ۶۴۲ھ) اور نووی (م ۶۷۶ھ) تک علماء ان ہی کتب کے مصنفین کی وفیات بیان کرتے رہے۔ (۴۰) اور انہوں نے ابن ماجہ کو سرے سے نظر انداز کئے رکھا۔ حالانکہ ان سے قبل سنن ابن ماجہ کو اصول کی کتاب قرار دیا جا چکا تھا۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں:

"لم یدخل المصنف سنن ابن ماجه فی الاصول وقد اشتهر فی عصر المضف وبعده جعل الاصول ستة بادخاله فیها (۴۱)

مصنف (علامہ نووی) نے سنن ابن ماجہ کو بنیادی کتب میں داخل نہیں کیا حالانکہ خود ان کے عہد میں اور ان کے بعد سنن ابن ماجہ کا چھ بنیادی کتابوں میں شمار شہرت پذیر ہو چکا تھا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے سنن ابن ماجہ کو صحاح خمسہ کے بالمقابل جگہ دی وہ حافظ ابو الفضل محمد طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ) ہیں۔ انہوں نے شروط الائمۃ الستۃ اور اطراف الکتب ایسی دو کتابیں تصنیف کیں۔ اول الذکر میں انہوں

Marfat.com

نے ائمہ خمسہ کے ساتھ ساتھ امام ابن ماجہؒ کی شرط حدیث پر بحث کی اور ثانی الذکر تصنیف میں سنن ابن ماجہ کو شامل کر کے صحاح ستہ کے اطراف (۴۱)احادیث کو جمع کر دیا۔ پھر بعد میں آنے والے اکثر مصنفین اطراف و رجال نے ان سے اتفاق کیا اور ان ہی کی متابعت کی "فتابعہ اصحاب الاطراف و الرجال(۴۲)"

ارباب رجال میں سب سے پہلے حافظ عبد الغنی المقدسی (م ۶۰۰ ھ) نے ان چھ کتابوں کے رجال کو کتابی شکل میں یکجا مدون کیا۔ ان کی تصنیف الکمال فی اسماء الرجال آج بھی اہمیت و افادیت کی حامل ہے۔

جس زمانے میں سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں داخل کرنے کی تحریک ہوئی، اسی دور میں موطا امام مالک کو اسکی جگہ کتب خمسہ کے بالمقابل بلکہ برتر ثابت کرنے کی صدائے باز گشت سنائی دی گئی۔ یہ تحریری مطالبہ ابن طاہر المقدسی کے معاصر محدث رزین بن معاویہ عبدری سرقسطی مالکی (م ۵۲۵ ھ) کی طرف سے پیش ہوا اور انہوں نے اپنی کتاب التجرید للصحاح والسنن میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالک کی حدیثوں کو جمع کر کے باقاعدہ اسکی ابتدا کر دی۔ تب علماء کے درمیان بحث کا یہ دروازہ کھل گیا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب کس کو قرار دیا جائے۔ سنن ابی ماجہ کو یا موطا امام مالک کو؟ حافظ عبد الغنی المقدسی کے ہمعصر محدث مبارک بن محمد المعروف بہ ابن الاثیر الجزری (م ۶۰۶ ھ) نے اپنی مشہور کتاب جامع الاصول میں رزین ہی کی رائے کو ترجیح دی اور اسے تقویت پہنچائی۔ جامع الاصول میں ابن ماجہؒ کی کوئی روایت درج نہ ہونے کی وجہ یہی ہے۔

ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی کیوں؟

ابن طاہر المقدسی اور محدث رزینؒ سرقسطی کی متضاد آراء کے تقریباً سو سال بعد ایک اور مکتب فکر ابھرا، جس نے سنن ابن ماجہ اور موطا امام مالک کی جگہ سنن دارمی کو صحاح ستہ میں داخل کرنے کی تحریک کی۔ اس مکتب فکر کے موسس حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی علائی (م ۷۶۱ ھ) تھے۔ انکی رائے یہ تھی کہ سنن ابن ماجہ کی بجائے دارمیؒ کی کتاب کو ترجیح دی جائے تو مناسب ہوگا۔ کیونکہ بقول ان کے سنن دارمی میں ضعیف راوی اور منکر

Marfat.com

وشاذ حدیثیں نادر ہیں اور اگرچہ اس میں احادیث مرسلہ وموقوفہ موجود نہیں تاہم وہ سنن ابن ماجہ سے زیادہ بہتر ہے:۔

"ینبغی ان یکون کتاب الدارمی سادسا للخمسہ بدلہ فانہ قلیل الرجال الضعفاء نادر الاحادیث المنکرہ والشاذۃ' وان کانت فیہ احادیث مرسلتہ وموقوفتہ فہو مع ذلک اولی منہ (۴۴)"

ابن حجرؒ عسقلانی بھی شروع میں حافظ علائیؒ کے ہمنوا معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ دارمیؒ کی کتاب رتبہ میں سنن اربعہ سے کم نہیں۔ بلکہ اس کو اگر کتب خمسہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو ابن ماجہ کی بہ نسبت یہ اولیٰ ہے' کیونکہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے:

"قال شیخ الاسلام ولیس دون السنن الاربعتہ فی الرتبتہ بل لو ضم الی الخمسہ لکان اولی من ابن ماجہ فانہ امثل منہ بکثیر (۴۵)"

لیکن اس تصریح کے باوصف ابن حجرؒ کا عمل اسکے برخلاف ہے اسکی تائید محمدؒ بن اسماعیل امیریمانی کی تحقیق سے ہوتی ہے' جس میں وہ کہتے ہیں کہ کتب خمسہ کے ساتھ موطا کا الحاق کیا گیا' جس طرح ابن الاثیر نے جامع الاصول میں کیا ہے۔ دیگر علماء نے ابن ماجہ کی بجائے موطا کو جگہ دی اور اس پر حافظ مزی نے تہذیب الکمال کی بنیاد رکھی۔ پھر جن متبعین نے تہذیب الکمال کا اختصار کیا' ان میں ابن حجرؒ اور خزرجی شامل ہیں:

"وقد الحق بالخمسہ الموطا کما صنعہ ابن الاثیر فی جامع الاصول وغیرہ الحق بہا عوضا عنہ سنن ابن ماجہ وعلی ھذا بنی الحافظ المزی فی تہذیب الکمال ومن تبعہ من مختصر کتابہ کالحافظ ابن حجر والخزرجی (۴۶)"

ابن حجرؒ عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب بلوغ المرام میں سنن دارمی کے ساتھ جو اغماض برتا ہے' اس پر خود ان کے معتقد خاص نواب صدیق حسن خان کو تعجب ہے کہ ان کے ممدوح نے اس جماعت مذکورہ سے تو حدیث کی تخریج کی' مگر دارمی کا نام جو صحاح ستہ کے مقابلے کی کتاب ہے اور اکثر ان روایات میں ان کے ساتھ شریک ہے' سوائے ایک جگہ کے کہیں زبان قلم پر نہیں لائے:

Marfat.com

"وعجب است از مصنف کہ ازیں جماعہ مذکورہ اخراج حدیث کردہ و نام دارمی باوجود یکہ در جنب صحاح ستہ است و غالب دریں روایات شریک جذیک جابر زبان خامہ نبردہ (۴۷)"

حافظ مغلطائی (۴۸) کے نزدیک سنن دارمی صحیح کے درجہ پر فائز ہے اور یہ بات انہوں نے اس لئے کہی تھی کہ ابن صلاحؒ نے اپنے مقدمہ اصول حدیث میں لکھا تھا کہ سب سے پہلے ابو عبد اللہ محمدؒ بن اسماعیل بخاری نے صحیح تصنیف کی جو ولاءً جعفی ہیں اور انکے بعد ابو الحسن مسلم بن الحجاج نے کہ وہ نسلاً اقشیری ہیں:

"اول من صنف الصحیح البخاری ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل الجعفی موء لاھم وتلاہ ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری من انفسھم (۴۹)"

اس پر مغلطائی معترض ہوئے کہ نہیں، سب سے اول امام مالکؒ نے صحیح تصنیف کی، انکی پیروی امام احمدؒ بن حنبل نے کی اور انکی امام دارمی نے:

"ان مالکا اول من صنف الصحیح وتلاہ احمد بن حنبل وتلاہ الدارمی (۵۰)"

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ دارمی کے متعلق مغلطائی کے موقف پر شیخ زین الدینؒ نے انکی گرفت کی کہ اس میں تو ضعیف اور منقطع روایات موجود ہیں لیکن مغلطائی سے انکے اس دعویٰ کی صحت کا مطالبہ ابھی باقی ہے کہ ایک جماعت نے مسند دارمی پر صحت کا اطلاق کیا ہے کیونکہ یہ بات کسی معتمد علیہ شخص کے کلام پر میری نظر سے نہیں گذری۔

"واما یتعلق بالدارمی فتعقبہ الشیخ زین الدین بان فیہ الضعیف والمنقطع لکن بقی مطالبتہ مغلطائی بصحتہ دعواوان جماعتہ اطلقوا علی مسند الدارمی کونہ صحیحا فانی لم ارزلک وفی کلام احد ممن یعتمد علیہ (۵۱)"

لیکن دلچسپ اور عجیب بات یہ ہے کہ ابن حجر نے خود ہی ایک جگہ تصریح کردی ہے

Marfat.com

کہ دارمی کو صحیح کہنے میں مغلطائیؒ کا کوئی پیشرو میں نے نہیں دیکھا' بجز اس کے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حافظ منذری (۵۲) کے قلم سے یہی لکھا دیکھا اور اور ایسا ہی علائی (۵۳) نے بھی کہا ہے۔

"لم ار لمغلطائی سلفا فی تسمیتہ الدارمی صحیحا الا قولہ انہ راہ بخط المنذری و کذا قال العلائی (۵۴)"

اس کے بعد پھر سوال اٹھاتے ہیں کہ مغلطائی کا دعویٰ کیونکر تسلیم ہو اور اگر کسی قابل اعتماد شخص کی طرف سے اس پر صحت کا اطلاق کیا بھی گیا ہو تو یہ خلاف واقع ہے' کیونکہ کتاب مذکورہ (سنن دارمی) میں احادیث ضعیفہ والمنقطعتہ اور موضوعتہ موجود ہیں

"کیف و لو اطلق علیہ ذلک ممن یعتمد علیہ لکان الواقع خلافہ لما فی الکتاب المذکور من الاحادیث الضعیفۃ والمنقطعہ و المرفوعہ (۵۵)"

اور قریب قریب یہی وجہ علامہ سخاویؒ نے ابن صلاح کی طرف سے سنن ابن ماجہ کو نظر انداز کرنے کی بیان کی ہے۔ ان کے خیال میں سنن ابن ماجہ ان مقاصد سے خالی ہے جن پر مصنفین کتب خمسہ نے بڑی توجہ دی اور جن پر غور و تدبر سے محدث کو مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ اس میں نہایت ضعیف بلکہ منکر حدیثیں تک ہیں۔

ھو کونہ سازجا عما حرص علیہ اصحاب الکتب الخمسہ من المقاصد التی بتدبرھا یتمرن المحدث خصوصاً وفیہ احادیث ضعیفۃ جداً بل منکرۃ (۵۶)"

ابن حجرؒ کا سنن دارمی پر ایک اور اعتراض ہے اور وہ یہ کہ سنن دارمی' صحیح بخاری سے پہلے کی تصنیف نہیں۔ انکا کہنا ہے کہ دونوں کتابوں کے مصنف معاصر ہیں اور اگر کوئی دارمی کی تقدیم کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ ثبوت فراہم کرے:

"ومع ذلک کلہ فلست اسلم ان الدارمی صنف کتابہ قبل تصنیف البخاری الجامع لتعاصرھما ومن ادعی علیہ ذلک فعلیہ البیان (۵۷)"

اور امیر یمانی اس کے جواب میں یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ بخاریؒ کی تصنیف کو دارمی

Marfat.com

کی کتاب پر مقدم جاننے والوں کو بھی اس کا ثبوت بہم پہنچانا چاہیے۔

" ومن ادعی تقدم تصنیف البخاری علی تصنیف الدارمی فعلیہ البیان ایضا (۵۸) "

محدث ابو القاسم الرافعی الشافعی (۵۹) کا بیان ہے کہ حفاظ حدیث، امام ابن ماجہؒ کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے برابر درجہ دیتے ہیں اور اسکی روایات سے استدلال کرتے ہیں:

"والحفاظ یقرنون کتابہ بالصحیحین وسنن ابی داؤد والنسائی ویحتجون بمافیہ (۶۰) "

ابن خلکان نے تو ترجمہ امام ابن ماجہؒ میں فقط اتنا لکھا ہے کہ حدیث میں انکی تصنیف صحاح ستہ کی ایک کتاب ہے:

"وکتابہ فی الحدیث احد الصحاح الستہ" (۶۱)

حافظ ابن کثیر کے بقول ابو عبد اللہ محمدؒ بن یزید ابن ماجہ قزوینی اس سنن کے مصنف ہیں، جن سے صحاح ستہ نیز صحیحین کے بعد سنن اربعہ کی تکمیل ہوئی، جن کے اطراف سے ابن عساکر نے اعتنا کیا اور حافظ مزی نے انکے رجال و اطراف یکجا کیے:

" وابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی صاحب السنن التی کمل بہا الکتب الستہ والسنن الاربعہ بعد الصحیحین التی اعتنی باطرافہا الحافظ ابن عساکر وکذلک شیخنا الحافظ المزی اعتنی برجالہا واطرافہا (۶۲)

عبد القادر قریشی نے بھی الجواھر المضیہ کی "کتاب الجامع" میں یہ تصریح کردی ہے کہ جب محدث کسی حدیث کے بارے میں صرف رواۃ الشیخان یا رواۃ الامامان کہے تو اس سے بخاری، ومسلم مراد ہوتے ہیں اور اگر وہ رواۃ الائمہ الستہ کہے تو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ ہوتے ہیں اور جب رواۃ الخمسہ کہا جائے تو ان میں ابن ماجہ شامل نہیں ہونگے۔

Marfat.com

سنن ابن ماجہ کی فوقیت

اس تمام بحث کا حاصل حافظ زرعہ ؒ کی وہ پیش گوئی کہ اگر سنن ابن ماجہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار و معطل ہو کر رہ جائیں گی' کی صداقت ہے اور اس سے انکار ممکن نہیں کہ حدیث کی بہت سی کتابیں جو صحت اسناد اور جودت روایات کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ سے کہیں فائق تھیں' وہ قبول عام حاصل نہ کر سکیں جو اسے حاصل ہوا۔ ابن العماد کی تصریح کے مطابق اکثر ناقدین فن اس رائے پر قائم ہیں کہ صحیح ابن حبان' سنن ابن ماجہ سے صحیح تر ہے:

"واکثر النقاد علی ان صحیحہ اصح من سنن ابن ماجہ (۶۳)"

مگر اس اصحیت کے باوجود صحیح ابن حبان کو وہ فروغ نہ مل سکا' جو سنن ابن ماجہ کو نصیب ہوا۔ بنابریں ستہ کی سنن نسائی' صحت کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ سے کافی بڑھ کر ہے مگر اس کے اتنے شروح و حواشی نہ لکھے گئے' جتنے سنن ابن ماجہ کے (۶۴)۔

صحاح ستہ میں جہاں تک سنن ابن ماجہ کے درجے کا تعلق ہے اس سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی۔ ارباب صحاح خمسہ کی طرح امام ابن ماجہ نے بھی اپنی کتاب کی ترتیب و تدوین اور احادیث کے انتخاب میں بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اور متعدد جگہ غریب احادیث کی نہ صرف تفصیل درج کر دی بلکہ مختلف بلاد کی مخصوص روایات کی نشاندھی میں بھی بخل سے کام نہیں لیا۔ ذہبی ؒ کا کہنا ہے کہ سنن ابن ماجہ اچھی کتاب ہے' اے کاش اس کو چند کمزور حدیثیں جو تعداد میں زیادہ نہیں' خراب نہ کرتیں:

"سنن ابی عبد اللہ کتاب حسن لولا ماکدرہ احادیث واھیۃ لیس بالکثیرہ (۶۵)"

سنن ابن ماجہ پر اعتراضات

ابن طاہر المقدسی کا بیان ہے کہ انہوں نے شہر رے میں ایک قدیم جزء کی پشت پر حافظ ابو حاتم ؒ المعروف بہ خاموش کے قلم سے ابو زرعہ ؒ رازی کی لکھی ہوئی یہ رائے ملاحظہ کی کہ ابو

Marfat.com

عبد اللہ بن ماجہ کی کتاب میں بجز تھوڑی سی تعداد کے جن میں کچھ خرابی ہے اور کوئی بات نہیں دیکھی۔ چنانچہ انہوں نے اس سے قدرے زائد ایسی روایات ذکر کیں

"قال ابو زرعۃ الرازی طالعت کتاب ابی عبد اللہ ابن ماجہ فلم اجد فیہ الا قدراً یسیراً مما فیہ شیٔ و ذکر قریب بضعۃ عشر ( )"

ذہبیؒ نے امام ابن ماجہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ جب انہوں نے سنن کو ابو زرعہ کی خدمت میں پیش کیا تو ابو زرعہ نے "۔ اظن ان وقع ھذا فی ایدی الناس تعطلت ھذہ الجوامع او اکثرھا" کے بعد فرمایا کہ شاید اس میں پوری تیس حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں کہ جن کی اسناد میں ضعف ہو:

"ثم قال لعل لا یکون فیہ تمام ثلاثین حدیثاً مما فی اسنادہ ضعف(۹۷)"

اور غالباً یہ وہی تیس احادیث ہیں، جنہیں ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب الموضوعات میں داخل کیا ہے۔ لیکن اس تعداد سے حافظ ذہبی نے اتفاق نہیں کیا۔ ان کی تصریح ہے کہ ابو زرعہؒ کی مراد ان تیس حدیثوں سے ہے جو نہایت گری ہوئی اور ساقط روائتیں ہیں، ورنہ جن روائتوں سے حجت قائم نہیں ہوتی وہ تو بہت ہیں اور شاید ایک ہزار کے قریب:

"وقول ابی زرعۃ لعل یکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا مما فی سندہ ضعف او نحو ذلک ان صح کانما عنی بثلاثین حدیثا الاحادیث المطرحۃ الساقطۃ واما الاحادیث التی لا تقوم بھا حجۃ فکثیرۃ لعلھا نحو الالف (۹۸)"

سنن ابن ماجہ پر تنقید میں حافظ 'مزیؒ' ذہبیؒ وغیرہ سے آگے نکل گئے ہیں۔ ان کا حکم عام ہے: کل ما انفرد بہ ابن ماجہ فھو ضعیف 'یعنی ہر وہ روایت جو سنن ابن ماجہ میں ہو اور صحاح ستہ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ہو، ضعیف ہے۔ اس پر ابن حجرؒ کا تبصرہ ہے کہ حافظ مزی کی تصریح کو رجال پر محمول کرنا اولیٰ ہے اور حدیثوں پر محمول کرنا صحیح نہیں (کیونکہ) جن روایات میں وہ ائمہ خمسہ سے منفرد ہیں، ان میں صحیح حدیثیں ہیں اور حسن بھی:

"لکن حملہ علی الرجال اولی او ما حملہ علی احادیث فلا یصح کما

قدمت ذکرہ من وجود الاحادیث الصحیحتہ والحسان مما انفرد بہ عن الخمستہ (۶۹)"

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کی انفرادیت

صورتحال اب یہ ہے کہ ضعیف روائتیں سنن ابن ماجہ ہی سے خاص نہیں، بلکہ صحاح ستہ کی دوسری کتب میں بھی موجود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سنن ابن ماجہ میں زیادہ ہیں اور باقی صحاح میں کم اور ان تمام کتب کا صحاح ستہ کہلانا، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے، محض تغلیباً ہے۔ بادی النظر میں "سنن ابن ماجہ ۳۲ کتب ایک ہزار پانچ سو ابواب اور چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے" (۷۰) علوء اسناد کے اعتبار سے اس کا درجہ صحیح بخاری کے بعد آتا ہے، کیونکہ جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں ایک ایک، سنن ابن ماجہ میں ۵ اور صحیح بخاری میں ۲۲ ثلاثیات ہیں، صحیح مسلم اور سنن نسائی اس سے خالی ہے۔ اسکی اغلباً وجہ یہی ہے کہ امام مسلمؒ اور امام نسائیؒ کو کسی تبع تابعی سے کوئی روایت نہ مل سکی۔ ان دونوں امام کی سب سے عالی روایات "رباعیات" ہیں جن کو ان کے شیوخ نے تبع تابعین سے اور انہوں نے تابعین سے اور انہوں نے صحابہ سے سنا۔ سنن ابن ماجہ میں رباعیات کافی ہیں۔

صحیح بخاری کے بعد ثلاثیات کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ کی دیگر صحاح پر فضیلت سے قطع نظر اس کتاب کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسکی بہت سی احادیث ایسی ہیں جن سے صحاح خمسہ یکسر بے نیاز ہیں۔ خود امام ابن ماجہؒ نے ابو سعیدؒ حمیری کی زبانی صحابہ کرام میں حضرت معاذؓ بن جبل کے اس معمول کو نقل کیا ہے کہ وہ عموماً ایسی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، جو دوسروں کو معلوم نہ ہوتی تھیں اور جو دوسروں نے سنی تھیں، ان کے ذکر سے خاموش رہتے:

" کان معاذ بن جبل یتحدث بما لم یسمع اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویسکت عما سمعوا (۷۱) "

ایک لحاظ سے یہ حضرت معاذؓ کی انتہائی احتیاط تھی اور دوسری طرف ان کا یہ طرز عمل کثرت افادہ کے لئے تھا۔ ابن ماجہؒ نے ان ہی کا اتباع کیا اور سنن میں بہت سی ایسی احادیث نقل

Marfat.com

کردیں، جو کتب خمسہ مشہورہ میں نہیں ہیں۔ خواہ وہ حدیثیں ضعیف تھیں یا صحیح۔ اس کا اندازہ ابو الحسن سندھی کی شرح ابن ماجہ سے ہو جاتا ہے، جس میں انہوں نے حافظ شہاب الدین" بوصیری (م ۸۴۰ھ) کی زوائد ابن ماجہ کے حوالے سے ہر روایت کی اسناد کے ضعف و صحت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان تمام تفصیلات سے سنن ابن ماجہ کے صحاح ستہ میں شمار ہونے کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

موطا اور سنن ابن ماجہ کا علمی مرتبہ

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کے شمار، اسکی خصوصیات اور نمایاں مقام کے باوجود بعض فقہاء و محققین کے نزدیک اس کا علمی درجہ یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں وہ منفرد ہے، اگر موضوع نہیں تو ضعیف ضرور ہو گی اور اغلباً یہی وجہ ہے کہ علما کا ایک طبقہ سنن ابن ماجہ کو کسی صورت میں موطا امام الملک پر فوقیت دینے کو تیار نہیں۔ شاہ ولی اللہ بھی اسی میں شامل ہیں ۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے اس ضمن میں بڑی حقیقت پسندانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ:

> "یہ کتاب ہمارے اساتذہ کے یہاں درس میں مروج ہے۔ اس کو غیر صحیح کتب حدیث کے مطالعہ اور سمجھنے کے لئے نمونہ بنایا جاتا ہے، مگر طالب علم ابتداء تحصیل میں ان مشکلات پر غور نہیں کرتے۔ ایک عالم جو ہمارے مشائخ کے پاس درجہ تکمیل طے کرنے لگتا ہے، تب اسے ان دقائق پر متوجہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں درجہ تکمیل ایک قاعدے سے ضبط شدہ طریقہ نہیں بن سکا۔ عام طور پر فارغ التحصیل طلباء جب اپنے طور پر پڑھانے لگتے ہیں، تو ان کو شکوک پیدا ہوتے ہیں اور وہ ان کے ازالے کے لئے پھر اساتذہ کی خدمت میں بار بار آتے ہیں اور تدریجاً ان شبہات کا حل کرتے کرتے درجہ اطمینان تک جا پہنچتے ہیں۔ ہم انکو درجہ تکمیل کا فارغ مانتے ہیں (۴۷)"

صحیح و ضعیف حدیثوں کی پہچان کا ولی اللہی طریقہ

مولانا عبید اللہ سندھی نے صحیح و ضعیف حدیثوں میں تمیز کا ملکہ پیدا کرنے کے ولی

Marfat.com

اللّٰہی طریقے کی نشاندہی بھی کی ہے۔ بقول ان کے 'عام اذہان پر مستولی خرابی کی تہہ میں یہ مرض پنہاں ہے کہ فن حدیث میں بالخصوص تصحیح و تضعیف کو تقلیداً اخذ کیا جاتا ہے۔ نتیجہ صحیح احادیث کو صحیح سمجھنے والے عالم پیدا ہونا آج متعذر ہو گیا ہے۔ اسماء الرجال میں توثیق و تضعیف کا اختلاف اور پھر صحیح حدیث کی تعریف میں مختلف آراء طالب علم میں یکسوئی سے کوئی ملکہ پیدا ہونے نہیں دیتی۔ بالآخر وہ فقہاء کے متوارث مسلک سے مجبور ہو کر اسی میں راجح و مرجوح کی تمیز پیدا کرتا ہے اور جو حدیث اس کے موافق ہو اسے صحیح اور جو مخالف ہو' اسے ضعیف بنانے کی استعداد حاصل کر کے اپنا سفر ختم کر دیتا ہے۔ یعنی

"طلباء مجبوراً حدیث ترک کر کے پہلے فقہ حاصل کرتے ہیں اور اس سے نصب العین معین کر کے دوبارہ حدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' بعد ازاں جو حدیث مقررہ نصب العین کے مطابق ہو' وہ ان کے نزدیک راجح اور مخالف ہو تو وہ مرجوح قرار پاتی ہے (۴۴م)"

شاہ ولی اللہ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس مرض کی تشخیص میں جس کی نشاندہی مولانا عبید اللہ سندھی نے سنن ابن ماجہ کی علمی حیثیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کی ہے اپنی تمام تر توجہ مبذول کئے رکھی اور پوری طاقت صرف کر کے اس مرض کے ازالہ کا ایک مکمل نصاب تیار کیا۔ اس کے بعد علم حدیث میں اپنے طریقہ تعلیم کی ابتداء کی' جسے اختیار کر کے مجتہد منتسب کی طرح ایک محقق پیدا ہو سکتا ہے جو ممکن ہے کسی نئی حدیث کی تصحیح میں اپنے آپ کو عاجز پائے' مگر جن احادیث کو ائمہ نے عموماً صحیح کہا ہے' انکی صحت کے وجوہ معلوم کرنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔

موطا کو صحاح ستہ میں شمار کرنے کا مسئلہ

شاہ ولی اللہ نے سلف کے اس طریقہ کو زندہ کیا' جس کی مثال تیسری صدی ہجری کے بعد ملنا دشوار ہے۔ یہ اسی طریقہ تعلیم اور طرز تحقیق کا نتیجہ ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ کی ان بیشتر خوبیوں کے باوصف جن کا ذکر کیا گیا ہے' موطا امام مالک کو اس کی جگہ صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ ابو جعفرؒ بن زبیر غرناطی (م ۷۰۸ھ) کی ایک تصریح کے مطابق:

Marfat.com

"اولی ما ارشد ما اتفق المسلمون علی اعتمادہ وذلک الکتب الخمسۃ والموطا الذی تقدمہا وضعا ولم یتاخر عنہا رتبۃ (۷۴)"

جو کچھ بتایا گیا ہے ان سب میں اولی وہ کتابیں ہیں جن کے اعتماد پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ وہی کتب خمسہ ہیں اور موطا ہے جو تصنیف میں ان سے مقدم ہے اور رتبہ میں کم نہیں۔

محدث عبد الغنی" نابلسی نے تو فقط اتنا لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں کتب ستہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہل مشرق کے نزدیک ابو عبد اللہ محمد بن ماجہ قزوینی کی کتاب السنن ہے اور اہل مغرب کے نزدیک امام مالک بن انس اصبحی کی کتاب الموطا:

"وقد اختلف فی السادس فعند المشارقۃ ھو کتاب السنن لابی عبد اللہ محمد بن ماجہ القزوینی وعند المغاربۃ کتاب الموطا للامام مالک بن انس الاصبحی (۷۵)"

لیکن علامہ سخاوی" کی تصریح کے مطابق ان علماء نے سنن ابن ماجہ کو موطا پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ اس میں کتب خمسہ سے بہت سی روایتیں زائد ہیں۔ برخلاف موطا کے، جس میں ایسا نہیں:

"وقدموہ علی الموطا لکثرۃ زوائدۃ علی الخمسۃ بخلاف الموطا (۷۶)"

لیکن صحت وقوت روایات کے لحاظ سے سنن ابن ماجہ یا سنن دارمی تو کیا، صحاح ستہ کی کوئی بھی کتاب شاہ ولی اللہ کی رائے میں موطا امام مالک کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ سنن دارمی کے متعلق تو ان کا قطعی فیصلہ ہے کہ اس کی تصنیف ہی موطا کی احادیث کے بیان اسناد کے لئے ہوئی ہے۔

"--- علما منی بان (مسند الدارمی) انما صنف لاسناد احادیث الموطا وفیہ الکفایۃ لمن اکتفی (۷۷)"

لہذا موطا کو اصح الکتب قرار دینے میں انہوں نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ خود تجزیہ کے محتاج ہیں۔

Marfat.com

موطا۔ اصح الکتب

تجزیہ۔ تحقیق۔ نتائج

شاہ ولی اللہ کے نزدیک موطا امام مالک کو اصول کی کتاب قرار دینا اور صحاح ستہ میں شامل کرنا اولیٰ و اقرب الی الصواب ہے۔ وہ تو امام ملک کی موطا کو حدیث و فقہ کی صحیح ترین کتاب مانتے ہیں۔ ان کے خیال میں موطا کے بعد صحیح بخاری اور پھر صحیح مسلم کا درجہ ہے۔ چنانچہ مصفیٰ فی احادیث الموطا کے مقدمہ میں روئے زمین کی تمام کتابوں پر موطا کو ترجیح دینے کے سلسلے میں انہوں نے بڑی طویل بحث کی ہے۔ نواب صدیق حسن کا بھی اس سے اتفاق ہے۔ رقمطراز ہیں۔

> "نزد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و من قال بقولہ اصح الکتب در حدیث و فقہ موطا است بستر بخاری بستر مسلم' در اوائل مصفے شرح موطا در ترجیح وے برسائر کتب روئے زمین اطالت بسیار کردہ وھوالصواب" (ا)

سنن ابن ماجہ 'سنن دارمی اور موطا کی بحث میں جیسا کہ بتایا گیا ہے 'ابوالفضل محمدؒ بن طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ) نے سب سے پہلے اصول ستہ کی اصطلاح قائم کر کے ابن ماجہؒ کی سنن کو صحاح ستہ میں شامل کیا۔ اسی دور میں رزینؒ بن معاویہ مالکی (م ۵۲۵ھ) نے سنن ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالک کو اصول میں جگہ دی' تاآنکہ قاضی ابوالفضل عیاضؒ بن موسیٰ یحصبی (م ۵۴۴ھ) مالکی نے مشارق الانوار فی اقتضاء صحیح آلاثار میں موطا امام مالک' صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شروح لکھ کر اس پر مہر توثیق ثبت کر دی۔ قاضی عیاضؒ کے عہد کے دوسرے بزرگوں میں قاضی ابوبکرؒ بن العربی مالکی (م ۵۴۳ھ) اس نظریہ کے حامی ہوئے کہ

موطا صحاح کی چھٹی کتاب ہے۔ پھر حافظ مجد الدین" بن الاثیر شافعی (م ۶۰۶ھ) نے جامع الاصول میں سنن ابن ماجہ کو نظر انداز کر کے موطا امام مالک کو صحاح کی چھٹی کتاب قرار دیا۔ حافظ علاء الدین" مغلطائی بن قلیج حنفی (م ۷۶۲ھ) تو اس حد تک آگے نکل گئے کہ امام مالک" کو صحیح تصنیف کرنے والوں کا پیشرو قرار دے دیا۔ اس کے بعد ان اساتذہ کی متابعت میں بعض اور ہستیاں بھی شریک ہوتی رہیں۔ شاہ ولی اللہ اس جماعت کے غالباً آخری فرد ہیں۔

امام شافعی کی رائے

شاہ ولی اللہ نے مصفی فی احادیث الموطا کے مقدمہ میں ایک طرف تو اس انشراح صدر اور یقین کا اظہار کیا ہے کہ روئے زمین پر اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب موطا امام مالک ہے اور دوسری طرف اس کے حق میں بعض اقوال اور دلائل پیش کئے ہیں۔ امام شافعی" کی روایت ہے کہ موطا سے بڑھ کر قرآن مجید سے قریب ترین کوئی کتاب نہیں۔ اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ نے امام شافعی کا وہ قول بھی دہرایا جو علامہ سیوطی" نے نقل کیا ہے" اس کے مطابق امام شافعی فرماتے ہیں۔

"ما علی ظہر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک"(۲)

اگرچہ خود شوافع ہی میں کچھ علماء وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ امام شافعی" کی یہ رائے امام بخاری" اور امام مسلم" کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے قبل تھی:

"انما قال ذلک قبل وجود کتابی البخاری ومسلم(۳)"

صحیح بخاری اور موطا۔ تقابل و تفاوت

صحیحین میں بھی بعض لوگ اصحیت کے اعتبار سے صحیح بخاری کو اولیت دیتے ہیں اور صحیح مسلم کو ثانوی حیثیت۔ فن حدیث میں شاہ ولی اللہ کی تحدید اس بنیاد پر مرتکز ہے کہ صحاح ستہ میں اصح الکتب صحیح بخاری نہیں بلکہ موطا امام مالک ہے۔ کچھ ناقدین کہتے ہیں کہ موطا میں مرسل، منقطع اور بلاغات ہیں، جو صحیح کے لئے قادح ہیں۔ حافظ مغلطائی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس بارے میں موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ یہ

Marfat.com

چیزیں تو صحیح بخاری میں بھی ہیں۔

"لا فرق بین الموطا والبخاری فی ذلک لوجوده ایضا فی البخاری من التعالیق ونحوها (۴)

مگر ابن حجرؒ عسقلانی کے بقول موطا اور صحیح بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطا میں اس قسم کی جو روائتیں ہیں' ان میں سے اکثر کا سماع امام مالک نے اسی طرح (بصورت انقطاع) کیا اور وہ ان کے نزدیک حجت ہے' لیکن صحیح بخاری میں اس قسم کی روائتوں کی اسناد ان وجوہ کی بنا پر جنکی تعلیقات کے سلسلے میں تشریح کی گئی عمداً حذف کر دی گئیں:

"والفرق بین مافیه من المنقطع وبین مافی البخاری ان الذی فی الموطا هو کذلک مسموع لمالک غالبا وهو حجته عنده والذی فی البخاری قد حذف اسناده عمدا لاغراض قدرت فی التعالیق" (۵)

اس پر صالح فلانیؒ محدث (م ۱۲۱۸ھ) سیوطی کی الفقہ الحدیث کے حواشی میں کہتے ہیں کہ ابن حجرؒ کا بلاغات موطا اور تعلیقات بخاری میں تفاوت محل نظر ہے۔ اگر وہ موطا کا اسی گہری نظر سے مطالعہ کرتے' جس طرح انہوں نے صحیح بخاری پر عمیق نگاہ ڈالی ہے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ واقعی ان دونوں کتابوں میں کوئی فرق نہیں:

"وفیما قاله الحافظ من الفرق بین بلاغات الموطا ومعلقات البخاری نظر فلو امعن النظر فی الموطا کما امعن النظر فی البخاری لعلمه انه لا فرق بینهما" (۶)

صالح فلانیؒ کی رائے میں ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ امام مالک نے ان روایات کا اسی شکل میں سماع کیا' مسلم نہیں' کیونکہ موطا کی ایک حدیث مثلاً یحیٰی کی روایت بلاغاً یا مرسلاً مذکور ہوتی ہے تو دوسرے لوگ اسی حدیث کو امام مالک سے موصولاً یا مسنداً بھی روایت کرتے ہیں

"وما ذکره من ان مالکا سمعها کذلک فغیر مسلم لانه یذکر بلاغا فی روایته یحیی مثلا اور مرسلا فیرویه غیره من مالک موصولا مسندا" (۷) ......

Marfat.com

ابن حجر کا یہ بھی بیان ہے کہ بعض ائمہ موطا امام مالک کو صحیح بخاری سے اصح ثابت کرنا مشکل امر قرار دیتے ہیں، کیونکہ صحت کو مشروط رکھنے اور انتہائی حزم و احتیاط اور عزم و وثوق سے کام لینے میں امام مالک اور امام بخاریؒ دونوں شریک نظر آتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ صحیح بخاری میں حدیثیں زیادہ ہیں تو یہ صحت کی افضلیت کو مستلزم نہیں۔ اس کے بعد ابن حجرؒ نے اس اشکال کا جواب صراحت سے دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"صحیح بخاری کی اصحیت دراصل اشتراط صحت ہی کی بنا پر ہے۔ امام مالک انقطاع اسناد کو چونکہ قادح صحت خیال نہیں کرتے، اس لئے انہوں نے مراسیل، منقطعات اور بلاغات کی تخریج اصل موضوع کتاب میں کی، جبکہ امام بخاریؒ انقطاع کو علت قادحہ گردانتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسی روایات کو اصل موضوع کتاب کی بجائے اور سلسلہ میں لائے، جیسے تعلیقات و تراجم ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منقطع روایت بعض کے نزدیک قابل استدلال ہے، مگر پھر بھی اسکی بہ نسبت متصل روایت جبکہ دونوں کے رواۃ عدالت و حفظ میں مشترک ہوں زیادہ قوی ہے۔"(۸)

مقدمہ فتح الباری میں ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے صحیح بخاری کی فضیلت عیاں ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ نے موطا کو صحت میں جو افضل بتایا ہے وہ ان مجموعوں کے تقابل میں تھا، جو ان کے زمانے میں موجود تھے۔ مثلاً جامع سفیان ثوری اور مصنف حماد بن سلمہ وغیرھما، اور ان مجامیع پر تو موطا کی تفضیل بہر طور مسلم ہے۔

شاہ ولی اللہ کی تحقیق کے مطابق، موطا امام مالک، ابن حجرؒ اور ان لوگوں کے نزدیک جو اس امر میں ان کی تقلید کرتے ہیں کہ مرسل اور منقطع وغیرہ احادیث حجت ہیں، صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرسل اور منقطع حدیث پر عمل کرنے کے معاملے میں علماء میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور تبع تابعین میں سے اکثر علماء ان پر عمل کرنے کو صحیح سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک عمر (بن الخطابؓ) اور ان جیسے دوسرے صحابہ نیز اہل مدینہ میں سے تابعین کی جماعت کے اتفاق سے استدلال کرنا صحیح ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ اپنے اسی مسلک پر عامل ہیں، اور ان کے خیال میں کسی حدیث کا مرسل یا منقطع ہونا اسکی صحت کے

Marfat.com

منافی نہیں۔ اس اعتبار سے امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور باقی کے تبع تابعین کے نزدیک موطا ساری کی ساری صحیح ہے:

" وقال الحافظ ابن حجر کتاب مالک صحیح عنده و عند من قلده علی ما اقتضاه نظره من الاحتجاج بالمرسل و المنقطع و غیرهما' یعنی ان العلماء' قد اختلفو فی العمل بالحدیث المرسل و المنقطع فذہب الامام مالک والامام ابوحنیفه و اکثر العلماء من تبع التابعین الی صحته العمل بهما ویصح عندہم الستدلال بقول عمر و امثاله باتفاق جمع من التابعین من اہل المدینته فالام مالک عمل بمقتضی امله و یست هذا العلل قادحته فی صحته الحدیث عنده فیکون الموطا کله صحیحا عند مالک و ابی حنیفته و سائر تبع التابعین "(۹)

موطا کے حق میں شاہ ولی اللہ کے دلائل

ابن حجرؒ کے قول پر سیوطیؒ نے جو اضافہ کیا ہے' شاہ ولی اللہ اس سے بھی انحراف نہیں کرتے۔ سیوطیؒ کا کہنا ہے کہ مرسل اور منقطع حدیث امام مالکؒ اور جو اس مسئلے میں ان سے متفق ہیں' ان کے نزدیک حجت ہے۔ اسی طرح یہ شافعیہ کے نزدیک بھی حجت ہے' بشرطیکہ کسی مرفوع روایت یا موقوف روایت سے جس کا سلسلہ کسی صحابی پر ختم ہو' اس کی تائید ہوتی ہو۔ موطا کی صورت حال سب کے سامنے ہے۔ اس میں کوئی ایسی مرسل حدیث نہیں کہ کسی مرفوع روایت سے لفظاً یا معناً اسکی تائید نہ ہوتی ہو اور بہر کیف یہ کہنا بالکل قرین صواب ہے کہ موطا امام مالک سب کے نزدیک صحیح ہے۔

" وزاد السیوطی علی الحافظ ابن حجر وقال ان المرسل و المنقطع حجته عندما لک ومن وافقه فی ہذه المسالته و کذلک حجته عندنا ای الشافعیته اذا اعتضد بالروایته المرفوعه او بموقوف صحابی ولیس فی الموطا مرسل الاوقد اعتضد بالروایات المرفوعته بلفظها او بالمعنی فالصواب ان یقال ان الموطا صحیح عند الجمیع "(۱۰)

"امام مالکؒ کی مرسل احادیث کے موصول اور انکی موقوف احادیث کے مرفوع ہونے میں روایات کا جو خلاء تھا، شاہ ولی اللہ کی تحقیق کے مطابق مولفین صحاح ستہ اور صاحب مستدرک حاکم نے اسے پر کرنے کی حتی المقدور سعی کی۔ اس لحاظ سے صحاح ستہ اور مستدرک، موطا امام مالک کی شروح اور اسکا اتمام کرنے والی ہیں۔ چنانچہ موطا میں کسی صحابی پر ختم ہونے والی کوئی موقوف اور کسی تابعی پر ختم ہونے والی روایت نہیں کہ اس کا ماخذ کتاب و سنت میں نہ ہو:

"واقول ان اصحاب الکتب الستہ والحاکم فی المستدرک بذلوا وسعھم فی وصل مراسیل مالک ورفع موقوفاتہ فکان ھذہ الکتاب شروح للموطا ومتممات لہ ولا یوجد فیہ موقوف صحابی او اثر تابعی الا ولہ ماخذ من الکتاب والسنتہ کما ستراہ فی شرحنا ہذا"(۱۱)

ابن حجرؒ کا بیان محض ظاہری تقابل کے اعتبار سے تو صحیح ہے ورنہ حقیقت کی رو سے موطا کے تمام مراسیل، منقطعات اور بلاغات متصل، مرفوع اور مسند ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے ابن عبد البرؒ کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جو موطا کی مرسل احادیث کے اتصال پر تالیف کی گئی۔ اس میں مذکور ہے کہ موطا کی صرف اکسٹھ حدیثیں ایسی ہیں جو امام مالکؒ تک ثقہ راویوں کے توسل سے پہنچیں۔ ان میں چار کے سوا باقی سب کی مالک کی سند کے علاوہ اور اسناد بھی ملتی ہیں، البتہ چار کا ماخذ معلوم نہیں اس کے بعد شاہ ولی اللہ نے یہ بات دعویٰ سے کہی ہے کہ اگرچہ ان الفاظ کے ساتھ یہ چار احادیث ثابت نہیں ہوتیں، تاہم ان کے معنی صحیح ہیں(۱۲) چار احادیث یہ ہیں۔

☆ انی لا انسی ولکن انسی

☆ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اری اعمار الناس اوقبلہ او ماشاء

اللہ من ذلک کانہ تقاصرا اعمار امتہ فاعطی لیلتہ القدر

☆ وقول معاذ رضی اللہ عنہ اخر ما اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد وضعت رجلی فی العزز قال " حسن خلقک للناس

Marfat.com

☆ اذا انشات بحریتہ ثم تشاء مت فتلک عین تحدیقتہ۔"(۱۳)

صالحؒ فلانی کی رائے میں ابن عبد البرؒ نے بجز چار روایتوں کے موطا کے تمام بلاغات مراسیل اور منقطعات کو باسانید صحیحہ موصولاً ذکر کیا ہے اور ان چار کے اتصال پر ابن صلاح نے جو ایک مستقل کتاب تالیف کی' وہ میرے پاس موجود ہے۔ اس پر خود ان کے قلم کی تحریر ہے' لہٰذا اس سے ظاہر ہوا کہ موطا اور بخاری میں کچھ فرق نہیں۔

"۔۔۔ بان ابن عبد البر ذکر جمیع بلاغاتہ و مراسیلہ و منقطعاتہ کلہا موصولتہ بطرق صحاح الا الاربعہ' وقد وصل ابن الصلاح الاربعتہ بتالیف مستقل وھو عندی وعلیہ خطہ فظہر بہذا انہ لا فرق بین الموطا و البخاری"(۱۴)

صحیحین پر موطا کو ترجیح

صحت شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے موطا امام مالک اور صحیح بخاری میں کوئی خاص امتیاز نہیں' البتہ بعض وجوہ سے موطا کو صحیحین پر ترجیح حاصل ہے۔ سب سے اہم فوقیت یہ ہے کہ موطا کی تصنیف کے وقت کبار تبع تابعین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا۔ حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ دارالھجرۃ مدینہ میں عہد صحابہ میں قرآن و سنن کا علم بہت زیادہ تھا اور زمان تابعین میں فقہاء سبعہ جیسے حضرات موجود تھے(۱۵) ان میں سے سعیدؒ بن المسیب' عروہؒ بن زبیر' قاسمؒ بن محمد بن ابی بکر صدیق' خارجہ بن زید بن ثابت' عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود اور سلیمان بن یسار کے متعلق تو سب متفق ہیں' البتہ ساتویں کی تعیین میں تین اقوال ہیں۔ ایک قول حاکم ابو عبد اللہ کا ہے دوسرا ابن مبارک اور تیسرا ابوالزناد کا۔ یہ علی الترتیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف' سالمؒ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب اور ابو بکرؒ بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام کے بارے میں ہیں۔

"عروہؒ بن زبیر بن عوام (م ۹۴ھ) اپنے والد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے انکی اولاد اور زہری وغیرہ۔ ابو بکرؒ بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام (م ۹۴ھ) اور عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود (م ۹۸ھ) دونوں

حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے انکی اولاد اور امام زہری وغیرہ۔ سعیدؒ بن المسیب (م ۹۴ھ) حضرت عمر رضؓ اور عثمان رضؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام زہری۔ خارجہؒ بن زید بن ثابت (م ۹۹ھ) اپنے والد اور اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زہریؒ اور سلیمانؒ بن یسار (م ۱۰۹ھ) ام المومنین حضرت میمونہ رضؓ کے آزاد کردہ غلام ام المومنین رضؓ ہی سے روایت کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے بھی۔ ان سے یحییٰؒ بن سعید نے روایت کی(۱۹)۔

ان فقہاء سبعہ نے اہل مدینہ کے تمام تر علم بالخصوص علم حدیث کو محفوظ کردیا تھا۔ پھر ان سے ان کے شاگردوں زہریؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ، زیدؒ بن اسلم، ربیعہؒ، ابوالزنادؒ اور نافعؒ وغیرہ سے امام مالک نے لیا اور اسے موطا میں محفوظ کردیا۔ لہٰذا موطا سے بڑھ کر کسی اور کتاب کا صحیح ملنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

صغار تابعین کے دور میں عبید اللہؒ بن عمرو، ابنؒ ابی ذئب، ابن عجلانؒ اور جعفرؒ صادق وغیرھم ہوئے۔ پھر امام مالکؒ، نافعؒ ابراہیم بن سعد، سلیمانؒ بن بلال اور اسماعیلؒ بن جعفر، موخر الذکر کی وفات ۱۸۰ھ میں ہوئی۔ قریب قریب یہی زمانہ امام مالکؒ کی رحلت کا ہے۔ اس لحاظ سے موطا امام مالک کو کبار تبع تابعین کے گروہ کثیر کی موجودگی میں تصنیف ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ صحیحین اس سے محروم ہیں۔

شیخین اور امام مالک کے شرائط

علامہ نوویؒ کی تصریح کے مطابق امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ضروری ہے کہ راوی جس روایت کو بیان کرے، اس کا وہ حافظ ہو(۲۰) لیکن شیخین اس شرط کو ضروری نہیں سمجھتے۔ بنابریں امام مالکؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ کسی بدعتی سے خواہ وہ کیسا ہی راست باز اور پاکباز کیوں نہ ہو، روایت حدیث کے روادار نہیں۔ اس کے برخلاف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ بدعتی کی روایات کو بھی قبول کرلیتے ہیں بشرطیکہ وہ صادق القول اور ثقہ ہو۔ چنانچہ موطا کے برعکس صحیحین میں مبتدعین کی روایات کافی تعداد میں موجود ہیں۔ حاکم نیشاپوریؒ نے تصریح کی ہے کہ:

"صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدعہ اور اصحاب الاھواء کی روایات ہیں، جو اکثر محدثین کے خیال میں بالالتزام مقبول ہیں کہ یہ لوگ سچے اور راست باز ہوں۔ مثلاً محمد بن اسماعیل بخاری نے عباد یعقوب رواجنی سے حدیث بیان کی ہے اور ابوبکر" محمد بن اسحاق بن خزیمہ کہا کرتے تھے۔" حدثنا الصدوق فی روایتہ المتھم فی دینہ عباد بن یعقوب۔"(۱۸)

اسی طرح المدخل فی اصول الحدیث میں ہے کہ امام بخاری نے محمد بن زیاد الھانی اور حریز بن عثمان سے استدلال کیا ہے، حالانکہ ان کے متعلق نصب کی شہرت تھی۔ نیز شیخین ابو معاویہ محمد بن حازم اور عبید اللہ بن موسیٰ سے استدلال پر متفق ہیں۔ جب کہ یہ دونوں غالی مشہور تھے، مگر مالک بن انس صاف طور پر کہتے ہیں کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائے گی، جو لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتا ہو اور ایسے اشخاص کی روایت سے بھی اجتناب کیا جائے گا، جو دروغ بیانی سے کام لے۔(۱۹)

بنائے موطا۔ ثلاثیات و ثنائیات

امام مالک تبع تابعی ہیں، اس لئے موطا کی روایات میں تین یا چار سے زائد واسطے نہیں ملتے۔ صحیح بخاری کو اگر یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ۲۲ ثلاثیات ہیں تو موطا کو ترجیح اس لئے دی جائے گی کہ اسکی بنیاد ہی نہ صرف ثلاثیات پر ہے بلکہ اس میں چالیس ثنائیات ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امام مالک کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

خصائص موطا بزبان ولی اللہ

موطا امام مالک اپنی کئی خوبیوں کے اعتبار سے ممتاز و ممیز ہے۔ اسکی ایک خوبی اصطلاحات ہیں جن کی تشریح شاہ ولی اللہ کی مصفی اور المسوی میں بھی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر امام مالک جب فرماتے ہیں۔ السنۃ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا و کذا، یعنی وہ سنت کہ جس کے بارے میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں تو اس سے انکی مراد اہل مدینہ کا اتفاق

Marfat.com

ہوتا ہے اور اگر اہل شہر میں اختلاف ہو تو سب سے قوی اور راجح قول کو اختیار کرتے ہیں خواہ وہ قوت کثرت قائلین سے حاصل ہو یا کسی قیاس قوی کی موافقت سے یا کتاب و سنت کی تخریج سے۔ اس قسم کے مسائل میں امام مالک "ہذا احسن ما سمعت" فرماتے ہیں یعنی جو کچھ میں نے سنا' اس میں یہ بہتر ہے۔ شاہ ولی اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ کے علاوہ الانصاف میں بھی اس کے متعلق بلیغ اشارات کئے ہیں۔

موطا امام مالک کی ایک اور خوبی فقہی مسائل کا بیان ہے۔ امام مالکؒ نے اپنی اس تصنیف میں ہر باب کے تحت ان فقہی مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے' جو اس سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ اپنے اجتہادات کو بھی نقل کرتے جاتے ہیں۔ اس روشنی میں موطا حدیث کے علاوہ فقہ کی کتاب بھی بن جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر موطا دیگر کتب صحیحہ کے مقابلے میں فقہ و حدیث کا ایک بہترین امتزاج ہے۔

تدوین موطا کے وقت امام مالکؒ کے پیش نظر احادیث کے متعدد مجامیع تھے۔ چنانچہ جب کسی مجموعے سے کوئی روایت منتخب کرتے ہیں تو اسکو بلغنی کے صیغے سے بیان فرماتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے مصفی کے مقدمہ میں اسکی تشریح بھی کر دی ہے۔

امام مالک نے کہیں کہیں "عن الثقہ عن بکیر بن عبد اللہ الاشج' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ابن عبد البرؒ کی تحقیق میں اس ثقہ سے مراد مخرمہ بن بکیر ہیں۔ ابن حجرؒ کا خیال بھی یہی ہے مگر امام نسائیؒ کے نزدیک عمروؒ بن الحارث اقرب ہے۔ اسی طرح جب وہ عن الثقہ عن عمرو بن شعیب کہتے ہیں تو وہ ابن عبد البر مالکی کے نزدیک عبد اللہؒ بن وہب اور ابن حجرؒ کے خیال میں عمروؒ بن حارث یا عبد اللہ بن لہیعہ میں سے کوئی ایک ہوتا ہے' لیکن اگر عن الثقہ عن ابن عمر کہیں تو اس سے انکی صاف مراد نافعؒ ہیں اور اخبرنی من لا اتہم من اہل العلم' سے انکا مقصود لیث بن سعد ہوتے ہیں۔

آثار موطا کی اشارات حدیث سے تائید

موطا امام مالک کی ایسی تمام خصوصیات اور صحیحین پر اس کے تفوق کے اثبات ہی کی بدولت شاہ ولی اللہ صحاح ستہ میں اصح الکتب بخاری کو نہیں' موطا کو مانتے ہیں۔ اس کو تمام

کتب احادیث پر ترجیح دیتے ہیں اور اسکی طرف رجوع کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ صحاح ستہ کے مولفین کے ہاں بھی موطا کی مقبولیت مسلمہ ہے۔ امام بخاریؒ بروایت مالکؒ کوئی متصل مرفوع حدیث پاتے ہیں تو اسے نظرانداز کر کے کسی دوسری روایت کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے۔ سوائے اس کے کہ امام مالکؒ کی یہ روایت انکی شرائط کے مطابق نہ ہو۔ لیکن اس صورت میں امام بخاری اس روایت کی تائید میں مزید شواہد لاتے ہیں اور یوں اکثر مقامات میں وہ موطا کے آثار کی حدیث کے اشارات سے تائید کرتے ہیں۔

موطا ۔۔۔ صحیحین کی اصل اور ماخذ

شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ موطا اور صحیحین ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے کہ موطا امام مالک گویا صحیحین کی اصل اور ان کا ماخذ ہے اور اس کی شہرت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے؛

"و نسبت دریں ہر سہ کتاب (موطا و بخاری و مسلم) آں ست کہ موطا گویا اصل وام صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ" (۲۰)

موطا امام مالک کی اہمیت و اقدمیت کو شاہ ولی اللہ نے مصفی کے مقدمہ کے علاوہ المسوی کے پیش لفظ میں بھی واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کے رشحات فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"موطا امام مالک کے اسانید کی تصحیح سمجھنا بہت آسان ہے، کیونکہ ان میں عموماً ایک دو ہی راوی ہوتے ہیں اور وہ بھی اہل مدینہ سے، جنہیں عام ائمہ مسلمین معتمد علیہ اور ثقہ مانتے ہیں۔ لہٰذا ان اسانید کا سمجھنا مشکل نہیں۔

☆ امام شافعی اور امام محمد ہر دو امام مالکؒ کے حلقہ تلامذہ میں نامور ہوئے۔ انکی تنقید موطا پر موجود ہے اور اس سے بھی موطا کی نہ صرف تصحیح میں کافی مدد ملتی ہے، بلکہ امام مالکؒ کی کتاب کی عظمت واقدمیت مسلم ہو جاتی ہے۔ یہ ہر دو مجتہد امام مالک کے استنباط کی مخالفت تو کرتے ہیں، مگر روایت کی تضعیف نہیں کرتے اور یہی بات موطا کے لئے سرمایہ توثق ہے۔

Marfat.com

صحیحین بسط و تفصیل اور حدیثوں کی تعداد کے اعتبار سے ہر چند موطا سے کئی گنا زیادہ ہیں، لیکن حدیثوں کی روایت کا طریقہ، راویوں کی جانچ پڑتال کا ڈھنگ، اعتبار اور استنباط کا اسلوب موطا ہی سے سیکھا گیا ہے۔ شاہ عبد العزیزؒ نے ایک جگہ تصریح کر دی ہے کہ موطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ان تینوں کتابوں کی حدیثیں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ ان میں بعض حدیثیں بعض کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہیں اور بہ نظر غائر دیکھا جائے تو موطا کی اکثر مرفوع حدیثیں صحیح بخاری میں موجود ہیں، البتہ آثار صحابہ و تابعینؒ موطا میں زیادہ ہیں۔ اس اعتبار سے گویا صحیح بخاری، موطا کی جامع ہے۔

"۔۔ احادیث ایں ہر سہ کتاب اصح الاحادیث اند اگرچہ بعضی احادیث ایں ہر سہ کتاب صحیح تر از بعض باشند و اگر بہ نظر تفحص دیدہ شود احادیث مرفوعہ موطا غالبا در صحیح بخاری موجود اند پس صحیح بخاری مشتمل است بر موطا باعتبار احادیث مرفوعہ آری اثار صحابہ و تابعین در موطا زیادہ است"(۲۱)

صحاح اربعہ موطا کی شروح ہیں

شاہ ولی اللہ کے خیال میں ائمہ حدیث امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداودؒ اور امام ترمذیؒ نے ایک لحاظ سے امام مالک کی موطا ہی کی شروح لکھی ہیں۔ اپنی اس گزارش کو انہوں نے نہایت وضاحت سے ان الفاظ میں سمجھایا ہے۔

"ومن تتبع مذاہبہم ورزق الانصاف من نفسہ علم۔ لا محالتہ ان (الموطا) عدۃ مذہب مالک واساسہ، وعمدۃ مذہب الشافعی واحمد وراسہ ومصباح مذہب ابی حنیفہ ونبراسہ، وھذہ المذاہب بالنسبتہ للموطا کالشروح للمتون وھوبینہا بمنزلہ الدوحتہ من الغصون، وان الناس وان کانو من فتاوی مالک فی رد و تسلیم وتنکیت و تقویم فما صفالہم المشرب، ولا تاتی لہم المذہب الا بماسعی فی ترتیبہ واجتہد فی تہذیبہ، وقال الشافعی لذلک۔

Marfat.com

(لیس احد امن علی فی دین اللہ من مالک) و علم ایضاً ان الکتب المصنفۃ فی السنن کصحیح مسلم و سنن ابی دائود ' والنسائی ' وما یتعلق بالفقہ من صحیح البخاری وجامع الترمذی مستخرجات علی الموطا تحوم حومہ و تروم رومہ ' مطمع نظرھم فیھا وصل ما ارسلہ ورفع ما اوقفہ ' واستدراکہ مافاتہ ' وذکر المتابعات والشواہد لما اسندہ ' واحاطہ جوانب الکلام بذکر ماروی خلافہ ' وبالجملۃ فلا یمکن تحقیق الحق فی ھذا ولا ذاک الا بالا کباب علی ھذا الکتاب "(۲۲)

موطا ' عہد نبوت اور خلافت راشدہ کا سرمایہ

شاہ ولی اللہ کا مقصود یہ ہے کہ موطا ایسی مرکزی کتاب پر محدثین و فقہاء کی ایک غالب اکثریت متفق ہے ' لہٰذا اگر اسے اصل قرار دے کر حدیث کی باقی کتابیں پڑھی جائیں تو یہ علم حدیث کی خدمت ہے اور اس سے کتب حدیث کی صحت پر یقین کا حصول بھی آسان ہے۔ قرآن حکیم گو اپنے موضوع کی ایک مستقل اور لافانی کتاب ہے ' لیکن اس کی آیات احکام پر عمل کرنے کے لئے بھی دور نبوت اور خلافت راشدہ کا طرز عمل معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس مقصد کی خاطر حدیث و فقہ کی ایک ایسی کتاب درکار تھی ' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ مثلاً نماز کی ادائیگی ' زکوۃ کی وصولی اور بیع و شری کے معاملات کے طریق کار وغیرہ نیز جمیع آیات احکام کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے وفاقی دور یعنی شہادت عثمان غنی تک ہر طرح کی تفصیلات بہم میسر آسکیں۔ موطا امام مالک میں یہ سارا سرمایہ موجود ہے۔

موطا میں اہل مدینہ کا توارث

تاریخ اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں باہمی جنگوں کا آغاز ہوا تو آپ مدینہ چھوڑ کر عراق تشریف لے گئے۔ یعنی اہل مدینہ کے ہاں جو علم حدیث کا خزانہ تھا ' وہ فتنہ انگیزی کے دور میں قریب قریب محفوظ ہی رہا۔ اس کے بعد بنی امیہ کے دور میں دار الخلافہ کوفہ کی بجائے دمشق قرار پایا ' تو مدینہ کی سیاسی اور مرکزی حیثیت

مجروح ہوئی' تاہم امام مالکؒ کے زمانے تک مدینہ کے مدینۃ العلوم ہونے کا عملی امتیاز مسلم تھا۔ عامتہ المسلمین اسے تسلیم کرتے تھے اور اہل مدینہ کے توارث سے متعدد مسائل کے حل میں مدد لیتے تھے۔ بالفاظ دیگر اہل مدینہ کا توارث ہی بہت سے مسائل کو آسانی سے حل کرنے کا سبب بنا' یہ توارث موطا امام مالک میں ملتا ہے۔ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ جب السنہ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا و کذا' ارشاد فرماتے ہیں تو اس سے انکی مراد یہی توارث ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے مدینہ کے بزرگوں سے جو کچھ اخذ کیا' اسے اپنی کتاب میں جمع کر دیا۔ یہی کتاب یعنی موطا محدثین اور فقہاء کی مرجع بنی۔(۲۳)

مولانا سندھی کے اخذ کردہ نتائج

موطا امام مالک کی اصحیت و اقدمیت کے باوجود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے بعض اہل علم نے کیوں موخر کر دیا؟ مولانا عبید اللہ سندھی نے اس کا اطمینان بخش جواب دینے کی سعی بلیغ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو علوم النبیؐ مسلمانوں میں محفوظ رہے' ان کی چار قسمیں ہیں۔ فقہ' مغازی و سیر' تفسیر اور فتن و ملاحم۔ امام بخاریؒ کی کتاب ان ہر چہار فنون کی جامع واقع ہوئی ہے اور اس طرح کی جامع کتاب اور اس سے بڑھ کر صحیح مجموعے کا ملنا ممکن نہیں۔ یہ بیان خود شاہ ولی اللہ کی تائید میں ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری دو سو برس بعد نمودار ہوئے۔ ان سے پیشتر علماء علوم دینیہ کے مختلف فنون میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے۔ امام مالکؒ اور سفیانؒ ثوری نے فقہ میں تصنیف کی تھی۔ ابن جریجؒ نے تفسیر میں' ابو عبیدؒ نے غرائب قرآن میں' محمدؒ بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیر میں' عبد اللہؒ بن مبارک نے زہد و مواعظ' کسائیؒ نے بدء الخلق اور قصص الانبیاء اور یحییٰ بن معین نے صحابہ و تابعین کے حالات میں نیز متعدد علماء کے فن رویا' ادب' طب' شمائل' اصول حدیث' اصول فقہ اور رد مبتدعین مثلاً رد جہمیہ پر رسائل موجود تھے۔ امام بخاریؒ نے ان تمام مدونی علوم پر غور کیا اور جزئیات و کلیات کی تنقید کی' پھر ان علوم کا ایک حصہ کہ جس کو انہوں نے بصراحت یا بدلالت ان صحیح حدیثوں میں پایا کہ جو بخاری کی شرط پر تھیں' اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا تاکہ ان علوم کی بنیادی چیزوں کے

Marfat.com

متعلق مسلمانوں کے پاس ایسی حجت قاطع موجود رہے کہ جس میں تشکیک کا دخل نہ ہو۔

"باید دانست کہ بخاری بعد مائتین ظاہر شد' و قبل از وے علماء در فنون چند از علوم دینیہ تصانیف ساختہ بودند۔ امام مالک و سفیان ثوری در فقہ تصنیف کردہ بودند' و ابن جریج در تفسیر و ابو عبید در غریب قرآن و محمد بن اسحاق و موسی بن عقبہ در سیر' و عبداللہ بن مبارک در زھد و مواعظ و کسائی در بدء الخلق و قصص الانبیاء و یحیی ابن معین وغیرہ او در معرفت احوال و صحابہ و تابعین و جمعے دیگر رسائل داشتند در رویا و ادب و طب و شمائل و اصول حدیث و اصول فقہ و رد بر مبتدعین مثل جہمیہ' بخاری ایں ہمہ علوم مدونہ را تامل فرمود و جزئیات و کلیات را انتقاد نمود' پس قدرے از علوم کہ با حادیث صحیح کہ بر شرط بخاری است بطریق صراحت یا دلالت یافت در کتاب خود اورد تا بدست مسلمانان در امہات ایں علوم حجتے قاطعہ بودہ باشد کہ در آں تشکیک را مدخل نہ بود(۵۴)

امام بخاریؒ نے ان تمام مختلف علوم و فنون کو اپنی کتاب میں بالاختصار جمع کر کے جہاں اسے ایک مختصر مگر جامع بنایا' وہاں سب سے بڑا التزام یہ کیا کہ صحیح احادیث ہی درج ہوں اور یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے' جسے بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔

شاہ ولی اللہ نے موطا امام مالک کو اصح الکتب قرار دینے کے بعد اس کتاب کی ضرورت اور جواز تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں وہ پہلے قرآن عظیم کے معانی کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں تقسیم کرتے ہیں۔ قرآن کا ہر باب ان کے نزدیک اپنے افادے میں مستقل ہے اور کسی پہلی کتاب کا محتاج ہے نہ کسی آنے والے علم و عمل سے متاثر ہوتا ہے' لیکن احکام کو عملی طور پر سمجھنے کے لئے اسوہ حسنہ کی بہر طور احتیاج رہتی ہے۔ خیر القرون میں جس طرح قرآن پر عمل کیا گیا' وہ اہل مدینہ کے یہاں محفوظ تھا اور موطا اس کا ایک عمدہ اور بہترین نصاب ہے' جس کی ضرورت قرآن کریم پڑھنے کے بعد ہر حال میں باقی رہتی ہے۔

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کی تقسیم میں احکام کے سوا جو فنون ہیں' ان میں قرآن حکیم کسی فن مثلاً مغازی و تفسیر اور فتن و ملاحم کا محتاج نہیں اور اسلام کو قرآن حکیم کی صورت میں مکمل پانے والے کو موطا امام مالک ایسی فقہ و حدیث کی کتاب کے سوا کسی اور چیز کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی۔ پھر شاہ ولی اللہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمدؒ بن حنبل' مغازی' تفسیر اور ملاحم میں صحیح روایات کا انکار کر چکے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر مولانا عبید اللہ سندھی کہتے ہیں کہ مجھے شیخ الہندؒ نے دو کتابوں کا مطالعہ کرنے کی وصیت فرمائی۔ ایک مسند احمد اور دوسری فتح الباری۔ فنون حدیث میں میرا شغف دیکھا کہ میں تمام کتابوں کو جمع کرنے کا از حد سائی ہوں تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ اگر مزید کی ضرورت ہو تو مسند احمد کو کافی سمجھو اور شرح حدیث میں فتح الباری۔ سے تمسک کرو۔ شاہ ولی اللہ کا یہ طریقہ تعلیم سمجھنے کے بعد مجھے صحاح سے زائد متون کی حاجت محسوس نہیں ہوئی۔ (۲۷)

مسند احمد پر مولانا عبید اللہ سندھیؒ بوجوہ معترض ہیں کہ اولاً اس کتاب میں امام احمد بن حنبل کے بیٹے کی روائتیں ملا دی گئی ہیں۔ ثانیاً جن روائتوں کو امام احمدؒ نے صراحتہ غیر صحیح کہہ کر انہیں مسند سے کاٹ دیا تھا' وہ بھی اس میں درج ہیں۔ ثالثاً امام احمد جب گھر میں معتکف ہو چکے تھے ان دنوں میں ان سے یہ مسند پڑھا گیا اور امام صاحب کے فرزند عبد اللہؒ کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں۔ نیز عبد اللہؒ بن احمد بن حنبل اتنے لائق اور قابل اعتماد نہیں' جتنا کہ اس کتاب کی روایت کے لئے ثقہ ہونا ضروری ہے۔ پس یہ ضروری تھا کہ مسند احمد مجمع مسلمین میں پڑھائی جاتی اور متعدد لوگ اس کے راوی ہوتے یا عبد اللہ سے کوئی بہت بڑا فاضل اس کا راوی ہوتا۔

فتح الباری سے بھی مولانا موصوف نے بہت زیادہ استفادے کا اعتراف کیا ہے۔ اسی کے نتیجے میں وہ ابن حجرؒ سے کہیں بڑھ کر صحیح بخاری کو اصح الکتب مانتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

> "جن چالیس حدیثوں پر ابن حجرؒ نے جرح کر کے لکھا ہے کہ اس جرح کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا میں ان کا جواب دینے کے لئے تیار تھا۔ میرا کافی زمانہ اس طرح گزرا۔ میں نے صحیح بخاری کے ابواب میں ربط پیدا کرنے کی اس طرح کوشش کی' جس طرح ایک سورۃ کی آیات میں تناسب پیدا کرتا رہا' مگر جس

قدر میری توجہ قرآن عظیم کی طرف بڑھتی گئی اور نوجوانوں کو بخاری کی بعض احادیث سمجھانا مشکل ہوتا گیا' اسی طرح میرے سابقہ یقین میں تزلزل پیدا ہونے لگا اور ابن حجرؒ کی تحقیقات سے میری طبیعت غیر مطمئن رہنے لگی ' رحمت الٰہی کا کرشمہ سمجھنا چاہئے کہ مجھے حافظ ابن عبد البر کی شرح موطا التمہید مل گئی اور اس نے فتح الباری کی جگہ لے لی اور اب میں ابن حجرؒ کی نسبت ابن عبد البرؒ کو بہت بڑا محقق مانتا ہوں۔ ادھر شاہ ولی اللہ کا زور تھا کہ موطا کو سب پر ترجیح دینا لازم ہے 'لہٰذا میں اس کا قائل ہونے لگ گیا۔ موطا میں وہ تمام مشکل حدیثیں نہیں پائی جاتیں جن کا سمجھنا نوجوانوں کے لئے بہت مشکل ہو۔"(۲۸)

مولانا عبید اللہ کا عام فہم تجزیہ تحقیق کی روشنی سے خالی نہیں۔ اس سے اتفاق ممکن ہے۔ وہ مختلف اثرات کے مجموعی نتیجے میں قرآن عظیم کے بعد شاہ ولی اللہ کی المسوی من احادیث الموطا کا پڑھنا تحصیل حدیث و فقہ کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا یہ دعویٰ بہت حد تک درست ہے کہ اسکے ذریعے ساری دنیا کو اسلام سکھایا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو ائمہ فقہاء کے طریقے پر اور غیر مسلموں کو حکمت کے اصول پر۔ اس اعتبار سے موطا امام مالک کو اصح الکتب تسلیم کرنا اور فقہ الحدیث میں اسی کی طرف رجوع کرنا شاہ ولی اللہ کی رائے کے مطابق اور فی الحقیقت اولیٰ اور اقرب الی الصواب ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۵

تطبیق بین الفقہ والحدیث

Marfat.com

مصادر اسلامی فقہ

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک ایسی میزان القا کی، جس سے مقصود یہ تھا کہ میں ملت محمدیہ میں وقوع پذیر ہونے والے تمام اختلافات جان لوں اور مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک حق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ قوت بھی مجھے عطا کی کہ میں ان امور کو اس طرح بیان کروں کہ کوئی شبہ اور اشکال نہ رہے۔ بالخصوص فقہی احکام کے بارے میں صحابہ اور ان کے بعد کے لوگوں کے اختلاف کا سبب:

"ان اللّٰہ تعالی القی فی قلبی وقتا من الاوقات میزانا اعرف بہ سبب کل اختلاف وقع فی الملتہ المحمدیہ علی صاحبھا الصلوات والتسلیمات واعرف بہ ماھو الحق عند اللّٰہ وعند رسولہ ومکنی من ان ابین ذلک بیان الا یبقی معہ شبھتہ ولا اشکال ثم سئلت عن سبب اختلاف الصحابتہ ومن بعدھم فی الاحکام الفقھیتہ۔"(۱)

شاہ ولی اللہ کا اشارہ فقہ اور علم فقہ کی طرف ہے۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ قرآن و حدیث کے بعد اسلام کا دارو مدار فقہ پر ہے۔

"وبعد از قران و حدیث مدار اسلام بر فقہ است۔"(۲)

شاہ ولی اللہ دراصل فقہ الحدیث کے حق میں تھے، لیکن ایسی فقہ کے روادار نہ تھے، جو امت میں اختلاف کو ہوا دے کر اسے دین کی اصل سے دور لے جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"تم اپنے سے پہلے فقہاء کے استحسانات اور ان کی تفریعات میں غوطہ لگاتے

ہو اور یہ نہیں جانتے کہ حکم وہ ہے' جو اللہ اور اس کا رسول دے۔ تم میں کتنے آدمی ہیں' جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پہنچتی ہے' تو اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل تو فلاں مذہب پر ہے' حدیث پر نہیں۔ نیز تم نے خیال کر رکھا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ کاملین اور ماہرین کا کام ہے۔"(۳)

اس جمود کو توڑنے اور مسلمانوں میں علم حدیث کی شمع روشن رکھنے کے لئے شاہ ولی اللہ نے آئمہ حدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث کے بنیادی اصول مقرر فرمائے۔

فقہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی اعتبار سے فقہ کے معنی ہیں۔ العلم بالشئی والفہم لہ(۴) کسی شے کا علم اور اس کا فہم' ابن الاثیر کے نزدیک۔ اشتقاقہ من الشق والفتح' کسی شے کو چیرنا اور کھولنا اور علامہ راغب کی رائے میں ۔۔ ہوالتوسع علی علم غائب بعلم شاھد وھواخص من العلم(۵) غیر موجود علم کا توسع' موجود علم کی مدد سے' علم 'عام' ہے اور فقہ 'خاص' چنانچہ اس کے اصطلاحی معنی علم شریعت' علم باحکام شریعت یا علم استنباط احکام شریعت ہیں۔ ابن حاجب کے بقول:

" الفقہ : العلم بالاحکام الشریعتہ الفرعیہ عن ادلتھا التفضیلیہ بالاستدلال۔"(۶)

اضافی اعتبار سے گویا فقہ کے اصول وہی ہیں' جنہیں ادلہ تفضیلیہ یعنی کتاب' سُنت' اجماع اور قیاس کہا جاتا ہے عصر اول میں ایک مدت سے فقہ سے مراد لی جاتی تھی:

"علم الاخرۃ و معرفتہ دقائق آفات النفوس و الاطلاع علی الاخرہ و مقارۃ الدنیا......"(۷)

اور فقیہ کے معنی صاحب کشاف اصطلاحات الفنون کے خیال میں الزاھد فی الدنیا الراغب فی الاخرۃ(۸) لئے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس پر علم احکام شریعت کے معنی غالب آنے لگے اور صاحب مجمع السلوک کے بقول "ھو معرفتہ النفس مالھا وما علیھا(۹) ہر قسم کی معرفت یعنی تمام علوم دینیہ کی معرفت اس میں شامل کر دی گئی۔ بعض نے "مالھا" سے تمام حقوق

Marfat.com

نفس اور "ماعلیھا" سے انسان کے تمام فرائض اور ذمہ داریاں مراد لی۔ اس طرح فقہ گویا ایمان وغیرہ اعتقادات' اخلاق باطنہ وملکات نفسانیہ وغیرہ کل وجدانیات اور صوم وصلوۃ اور بیع وغیرہ عملیات کی معرفت کا نام قرار پایا۔ بالفاظ دیگر کلام' اخلاق وتصوف اور معاملات ایسے علوم فقہ میں شامل ہو گئے۔

قرآن حکیم اور احادیث میں بھی "فقہ" کا لفظ کئی جگہ ارشاد ہوا ہے۔ اس سے مذکورہ لغوی و اصطلاحی معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون"(۱۰)

ترجمہ = ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔

وان من شی ء الا یسبح بحمدہ ولاکن لا تفقھون تسبیحھم۔"(۱۱)

ترجمہ = اور جتنی چیزیں ہیں' سب اسکی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہیں مگر تم لوگ انکی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

"اللھم علمہ الدین وفقھہ فی التاویل"(۱۲)

فقہ کے چار مسلّمہ ماخذ

ادلہ کی روشنی میں فقہ مسائل واحکام شرع کے فہم واستنباط کا علم ہے اور یہ احکام دین و دنیا اور ایک لحاظ سے تمام علم دین کے اصول و فروع پر حاوی ہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک فقہ کے دس اصول (ماخذ) ہیں اور وہ ہیں۔ قرآن' سنت' تعامل خلفائے راشدین' اجماع اور قیاس کے بعد ایسے نظامات جو مسلم حکمرانوں نے رائج کئے' قرآن و سنت کے خلاف نہ تھے اور فقہاء نے ان سے براءت کا اظہار نہیں کیا' قرآن وسنت اور اجماع کی نفی نہ کرنے والے فیصلے' وہ ہدایات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرام اور تابعین" یا فقہائے کبار کے مشورے سے مسلمان سلاطین کی طرف سے اعمال وسفراء وغیرہ کو جاری ہوئیں' بین

Marfat.com

الاقوامی تعلقات سے متعلق قانون سازی جس سے قرآن و سنت کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو' عرف یا عادت اور رواج و روایات' جس سے قرآن و سنت کے اصول یا حکم کی نفی نہ ہو(۱۳) لیکن ان میں سے اول الذکر پانچ اصلی ماخذ ہیں اور باقی ضمنی اور اصلی میں بھی چار مسلمہ ہیں۔ قرآن' سنت' اجماع اور قیاس۔

قرآن

فقہ کا اولین ماخذ قرآن مجید ہے۔ یہ شریعت کا اصل الاصول ہے' جس میں عقائد کا بیان مفصل ہے اور عبادات و حقوق کا مجمل' یعنی منصوص احکام تو اس میں اجمالاً موجود ہیں' مگر انکی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں۔ اصولین کے ہاں قرآن کی حسب ذیل تعریف مذکور ہے:

> **" ما الکتاب فالقرآن المنزل ' علی رسول اللّٰہ المکتوب فی المصاحف المنقول عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نقلا متواترا بلاشبہ"(۱۴)**

شاہ ولی اللہ کتاب (اللہ) کی تعریف میں ان تمام قیود کو ملحوظ رکھتے ہیں' جن کا لحاظ مذکورہ الفاظ میں امام بزدویؒ نے کیا ہے۔ آپ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

> " پس قرآن قدیم است باصل خود و محدث است' باعتبار نزول و عربی است و کلام حضرت حق است و منزل بواسطہ ملک کریم' و متلو بر السنہ عباد' و مکتوب در مصاحف و معظیم الشان در ملا فرشتگان و واجب التعظیم و کثیر البرکات و تلاوت آں موثر در حاجات بنی آدم کہ القران الماقری لہ' و متعین در ملا اعلی و عالم مثال" (۱۵)

امام بزدوی کی تعریف میں جو تین قیود المنزل علی رسول اللہ' المکتوب فی المصاحف اور المنقول عن النبیؐ نقلاً متواترا بلاشبہ' موجود ہیں' ان میں سے مقدم الذکر دو شاہ ولی اللہ کے ہاں بھی ہیں۔ ابن ہمامؒ نے ان قیود میں "اللفظ العربی"(۱۶) اور شوکانی نے "کلام اللہ اور المتلو

Marfat.com

(۱۷) کا اضافہ کیا ہے اور شاہ ولی اللہ کے یہاں یہ تینوں پائی جاتی ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ مضامین قرآن حکیم کو پانچ علوم میں تقسیم کرتے ہیں۔ علم احکام، مخاصمہ، علم تذکیر بایام اللہ، علم تذکیر بالاء اللہ، علم تذکیر بموت (۱۸) ان میں سے اول الذکر کو شاہ ولی اللہ نے خاطر خواہ اہمیت دی ہے اور بتایا ہے کہ علم احکام یعنی عبادات، معاملات، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ میں کون کون سے امور واجب، مستحب، مباح، مکروہ یا حرام ہیں (۱۹) اس کے بعد علم احکام کو فقیہ کا دائرہ کار قرار دیتے ہیں۔

سنت

فقہ کا دوسرا اہم ماخذ سنت ہے یعنی حدیث و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، آپؐ کا قول، فعل اور تقریر۔ اس میں وہ تعامل شامل ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہو کر صحابہ کرام اور تابعینؒ کے زمانے تک متواتر جاری رہا اور بعد میں بھی اس کی مسلسل پیروی ہوئی۔ شاہ ولی اللہ قرآن کے بعد سنت کو شریعت کا ماخذ مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک سنت دو حیثیتوں کی حامل ہے۔ اول قرآن کا بیان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مبین ہیں، دوسرے سنت خود تشریح کا مستقل ماخذ ہے۔ (۲۰)

اجماع

فقہ کے اس تیسرے اہم اصول کے بارے میں چونکہ علمائے اصول کے نظریات مختلف ہیں، اس لئے ہر مکتب فکر اپنے طور پر اجماع کی تعریف اپنے مخصوص انداز میں کرتا ہے۔ چنانچہ کتب اصول میں اجماع کی تعریفات میں مجتہدین کے بجائے امۃ محمد اور امر شرعی کے بجائے امر من الامور خصوصا قابل توجہ ہیں۔ امام غزالی کا اجماع کی تعریف میں بیان ہے:

"اتفاق امہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاصہ علی امر من الامور الدینیہ" (۲۱)

عبد العزیزؒ بخاری کے بقول

اتفاق المجتہدین من ھذہ الامہ فی عصر علی امر من الامور۔" (۲۲)

Marfat.com

ابن سبکیؒ اور علامہ شوکانیؒ کے نزدیک:

"هو اتفاق مجتهد الامة بعد وفاة محمد صلى الله عليه وسلم فى عصر على اى امر كان"(۲۳)

آمدی، نظام معتزلہ کی تعریف نقل کرتے ہیں:

"هو كل قول قامت حجته حتى قول الواحد"(۲۴)

اہل تشیع اسے قبول کرتے ہیں:

"هو اتفاق المشتمل على قول المعصوم عليه السلام لا مجرد اتفاق العلماء على قول"(۲۵)

اجماع کی تعریفات سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں، ان کے مطابق مجتہدین کا متفق، ہمعصر اور امت محمدیہ سے متعلق ہونا ضروری ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ اتفاق کسی امر شرعی پر ہو۔ شاہ ولی اللہ نے اجماع کی مستقل تعریف تو نہیں فرمائی، البتہ اپنی تحریروں میں صراحتاً اور کہیں اجمالاً اشارات دیئے ہیں۔ مثلاً ان کے نزدیک مجتہدین کے اتفاق ہی کا نام اجماع ہے:

"و حقیقت اجماع اتفاق مجتہدین است" (۲۶)

شاہ ولی اللہ، اجماع میں عصر واحد کی قید کے لحاظ کو معتبر گردانتے ہیں۔ ان کا بیان ہے:

"معنی اجماع کہ بر زبان علمائے دین شنیدہ باشی، این نیست کہ ہمہ مجتہدین بحیث لا یشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند"(۲۷)

ایک اور موقع پر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی فضیلت میں الفاظ "متکلمان بکلمہ اسلام متفق اندبر دو قول و آں نفی قول ثالث است"(۲۸) لکھے ہیں اور یہ اظہار، شاہ ولی اللہ کے نزدیک اجماع میں امت محمدیہ کے مجتہدین کی طرف اشارہ ہے بنابریں شاہ ولی اللہ نے اجماع کو شریعت کے اصول اربعہ میں سے تیسری اصل مانا ہے:

"واصل ثالث از اصول شریعت اجماع است"(۲۹)

Marfat.com

آپ اجماع کو علم کی اعلیٰ ترین صورت قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ احکام میں یقین پیدا کرنے کے اور علوم انبیاء سے مشابہ تر بنانے میں اجماع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں :

"وطریق اجماع و مشاورۃ صحابہ کہ اصل ثالث است و در استفادہ و یقین در احکام ملت خوب تر ازاں متصور نیست در اکثر مسائل پیش آوردہ اند"(۳۰)

مزید لکھتے ہیں

"ہیچ چیز اشبہ بعلوم انبیاء علیہم الصلوات مانند امر مجمع علیہ نیست زیرا کہ قطع در بسیارے از مسائل فقیہ بدون اجماع میسر نمی شود و اتفاق امت بغیر اجماع بدست نمی آید و ہیچ خصلت درمیان امت مہم تر از اتفاق نیست' مفاسد تفرق بسیار است ہرچند اتفاق پیشتر تفرق کمتر۔" (۳۱)

قیاس

کسی شرعی حکم کو کسی مصلحت کی بنا پر کسی دوسرے امر کے حکم شرعی کے حصول کے لئے بنیاد بنانا' قیاس ہے۔ یہ اجماع سے وسیع تر اور آسانی سے ممکن العمل حجت یا طریقہ ہے اور شریعت کا نہایت اہم اور وسیع الاثر ماخذ' جس کے جواز کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا معاذؓ بن جبل کی روانگی یمن کے موقع پر ارشاد ہے۔

قیاس کے لغوی معنی تقدیر اور تسویہ کے ہیں(۳۲) اور اس سے عمومی مراد مشابہت کی بنا پر کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ اصول فقہ میں اس کے معنی قرآن یا سنت سے کسی حکم کو مشابہت کی دلیل پر مستخرج کرنا ہیں۔ شافعی غالباً پہلے امام ہیں' جنھوں نے اصول فقہ کا خاکہ پیش کیا اور کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے لئے اسلام کے دینی اور قضائی نظام میں جگہ نکالی۔ انہوں نے فرمایا کہ قیاس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے' جب کتاب و سنت اور اجماع میں کسی مسئلے کو طے نہ کیا گیا ہو(۳۳)۔ نیز وہ قیاس و اجتہاد کو ایک ہی مفہوم پر محمول کرتے ہیں(۳۴)۔ اس کے بعد علماء قیاس کی نہایت جامع تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"ایک غیر منصوص امر کا حکم' جو کتاب و سنت یا اجماع میں مذکور منصوص حکم

Marfat.com

کے ساتھ علت کے حکم میں اشتراک رکھتا ہو' قیاس ہے (۳۵) ۔

شاہ ولی اللہ نے قیاس کی جو تعریف بیان کی ہے' اس کے الفاظ ہیں:

" انما القیاس ان تخرج العلتہ من الحکم المنصوص دیدار علیھا الحکم (۳۶)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

" قد اتفق من یعتد بہ من العلماء علی ان القیاس لا یجری فی باب المقادیر و علی ان حقیقتہ القیاس تعدیتہ حکم الاصل الی الفرع لعلم مشترکہ (۳۷)"

اسلام کے ابتدائی دور میں " رائے " کو قیاس شرعی کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا' لیکن جب لوگوں نے رائے خالص اور قیاس شرعی میں امتیاز چھوڑ کر ہر قسم کی رائے کو شرعی احکام کے اثبات کے لئے دخیل بنادیا تو بعد کے دور میں رائے اور قیاس کو ایک دوسرے سے جدا کر کے ان کے اصطلاحی فرق کو واضح کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ شاہ ولی اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رائے کا دین میں بالاتفاق کوئی دخل نہیں:

" لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ (۳۸)

لیکن وہ کتاب وسنت اور اجماع میں کوئی حکم نہ ملنے پر اس کے اثبات کے لئے قیاس کو بنا قرار دیتے ہیں اور امت مسلمہ کے سواد اعظم کی طرح قیاس کو شریعت کی چوتھی اصل مانتے ہیں:

" قیاس اصل رابع است از اصول دین (۳۹) "

فقہ اسلامی کے ان چاروں ماخذ کتاب 'سنت' اجماع اور قیاس کو شاہ ولی اللہ نے تسلیم کیا ہے۔ ابوزہرہ کی تحقیق کے مطابق مختلف مسالک میں اس تعداد کے بارے میں خفیف سا اختلاف بھی ہے۔ " ظاہریہ " صرف تین مانتے ہیں یعنی کتاب 'سنت اور اجماع۔ شوافع کے نزدیک اصول فقہ پانچ ہیں: کتاب 'سنت' اجماع' قیاس اور استصحاب۔ احناف ان پانچ میں

Marfat.com

استحسان اور عرف کا اور حنابلہ المصالح اور سدّ الذرائع کا اضافہ کرتے ہیں۔ مالکیہ مذکور بالا تمام کو مصادر فقہ اسلامی میں شامل کرتے ہیں (۴۰)۔ شاہ ولی اللہ کے ہاں یہ ساری بحثیں موجود ہیں، لیکن انہوں نے تطبیق بین الفقہ و الحدیث میں مسلمہ ماخذ اربعہ ہی کو ترجیح دی ہے۔

فقہ الحدیث کے مختلف دور

فقہ اسلام کے بظاہر چھ ادوار ہیں: عہد رسالت مابؐ' دور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی خلفائے راشدین' زمانہ صغار صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین' دوسری صدی ھجری سے لے کر جب فقہ نے ایک مستقل علم کی صورت اختیار کی' تیسری صدی ھجری تک' آئمہ کے اجتہادات پر نقد و نظر اور ان کے مسائل پر مزید تحقیق کا زمانہ جو دور انقراض بغداد پر ختم ہو کر مصر میں قدرے بعد تک قائم رہا' اور مال کار اصرار تقلید اور سلسلہ اجتہاد کا اختتام (۱)۔ یہ وہ ادوار ہیں' جن کی تفصیلات مختلف کتب میں ملتی ہیں۔

عہد رسالت مابؐ

اسلامی فقہ کا اولین دور حضور نبی کریمؐ کی رسالت کے آغاز سے لے کر اُن کی رحلت پر اختتام پذیر ہوا۔ اس عرصہ میں قرآن حکیم کا نزول امت کے لئے سرچشمہ ھدایت بنتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق (سنت) بھی تشریح و تشریع کی بنیاد بنا اور یوں قرآن و سنت جملہ اعتقادات و معاملات کے لئے نص قرار پائے۔ فقہاء و محدثین کے نزدیک اس امر میں قطعاً اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات کی بنیاد بھی وحی تھی۔ بعض امور میں آپؐ نے عرف عربی کے مطابق رائے کا اظہار فرمایا' جس کی تائید وحی نے کر دی اور یہ اسی طرح واجب الاتباع اور نص کا درجہ رکھتے ہیں جس طرح کوئی وحی۔

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علم فقہ بحیثیت فن مدون ہوا تھا نہ اس وقت احکام (شرعیہ) کے بارے میں بحث کا وہ طریقہ تھا' جو آجکل

Marfat.com

مروج ہے کہ فقہاء اپنی تمام تر صلاحیتیں مدلل طور سے کسی حکم کے ارکان و شرائط و آداب بیان کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ فرضی مسائل سامنے رکھ کر ان پر بحث کرتے ہیں۔ اشیاء کی جامع مانع تعریف کرتے ہیں اور جن امور پر کسی مسئلہ کا انحصار ہے' اسے واضح کرتے ہیں:

"اعلم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یکن الفقہ فی زمانہ الشریف مدونا ولم یکن البحث فی الاحکام یومئذ مثل البحث من ھو لاء الفقہاء حیث یثبتون باقص جہدھم الارکان و الشروط والاداب کل شئی ممتازاً عن الاخر بدلیلہ ویفرضون الصور ویتکلمون علی تلک الصور المفروضۃ ویحدون ما یقبل الحدو یحصرون ما یقبل الحصرالی غیر ذلک من ضائعھم (۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اصحاب رسول ؐ سے بہتر کوئی جماعت نہیں دیکھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم' وضو' نماز اور حج وغیرہ میں آپ ؐ کے معمولات کو دیکھ کر انہیں اختیار کر لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تعلیم یہی تھا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ؐ سے بہت کم سوالات پوچھتے۔ خود عبداللہ ؓ بن عباس نے ان سے اپنی پوری زندگی میں صرف تیرہ سوالات دریافت کیے اور ان سب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ عمر بن اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی جماعت کو سہولت پسند اور دشواری سے مجتنب نہیں پایا۔ عبادہ بن نسی الکندی کے بقول وہ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملے ہیں' جو ہرگز دشوار پسند تھے نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرضی مسائل پوچھا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سوال صرف ان ہی مسائل کی بابت ہوتا' جس سے سابقہ پڑتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اچھے کام کرتے دیکھتے تو تعریف فرماتے اور برے کاموں پر اظہار ناپسندیدگی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے ایسی تمام تفصیلات کو مسند دارمی کے حوالے سے نقل کیا ہے (۲)۔

صحابہ رضی اللہ عنہ کا طرز فکر و عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتاویٰ پوچھنا' مقدمہ پیش ہونا اور اظہار پسندیدگی و

Marfat.com

ناپسندیدگی بالعموم اجتماع عام میں ہوتا تھا اور عہد صحابہ کبار رضی اللہ عنھم میں شیخین (ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ) کو اگر کسی مسئلہ میں حکم شرعی معلوم نہ ہوتا' تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے دریافت فرمانے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے دادی کی وراثت کا مسئلہ پیش ہوا تو استفسار پر مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے اثبات میں جواب دیا کہ چھٹا حصہ ہے اور محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے اس کی تائید کی (۴)۔ اس طرح غرہ (۵) کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنھم سے استفسار کے بعد مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کی روایت پر عمل کا ارادہ فرمایا اور وبا(۶) کے متعلق عبدالرحمن بن عوف کی بیان کردہ حدیث کے مطابق کہ حضورؐ نے وبائی مقامات پر جانے سے منع فرمایا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمل پیرا ہوئے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ سے تین بار دستک دے کر لوٹ جانا اور اس حدیث کی ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری کی طرف سے تائید کرنا' نیز مجوسیوں سے جزیہ (۷) کے معاملے میں ابن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق فیصلہ فرمانا' یہ تمام مثالیں صحیحین اور سنن کے حوالوں سے شاہ ولی اللہ نے پیش کی ہیں (۸)۔

عہد رسالت مابؐ کے بعد دور صدیقی میں مانعین زکوٰۃ اور ارتداد کے فتنے پیش آئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے انہیں فرو کیا۔ زمانہ فاروقی میں ایران و مصر کی تسخیر سے اسلام غیر عرب اقوام تک جا پہنچا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ سلسلہ اور وسیع ہوا۔ لیکن ان کی شہادت سے بعض نزاعی امور کو ہوا ملی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ صفین اور مسئلہ تحکیم پیش آئے اور ان سب اسباب نے مل کر مسلمانوں کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا' جمہور مسلمین' شیعہ اور خوارج۔

خلافت راشدہ میں ہر مسئلہ کو پہلے کتاب اللہ میں دیکھا جاتا۔ اگر اس میں نہ ملتا تو حدیث رسولؐ سے استناد کیا جاتا۔ اس صورت میں ناکامی ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مشورہ لیا جاتا۔ اس وقت کا ایک طرح سے یہی اجماع تھا' جس کی مثالیں شاہ ولی اللہ کے حوالے سے اوپر پیش کی گئی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے زمانے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے فیصلوں سے استناد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کا بھی اس طرز فکر و عمل کو اختیار کرنا اس کا بین ثبوت ہے' لیکن جب حدیث سے کوئی مثال نہ ملتی تو پھر قیاس سے کام لینا پڑتا۔ لیکن اس دور کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں صرف پیش آمدہ مسائل پر فتاوی معلوم کئے جاتے اور حدیث سے استناد کے سلسلے میں حدیث کی صحت کے یقین کامل کی احتیاط بہر طور ملحوظ رکھی جاتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حدیث کے لئے دو گواہوں کی شہادت اکثر ضروری خیال کرتے۔ تعلیل روایت کا ان کی طرف سے مشورہ دینے کی وجہ یہی تھی۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت' اور فتاوی میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں میسر ہوا' دیکھا' پھر انہیں یاد رکھا اور قرآن سے اس کا سبب معلوم کیا۔ پس بعض کو اباحت (۹) پر' بعض کو استحباب (۱۰) پر اور بعض امور کو علامات اور قرائن کی بنا پر جو ان کے نزدیک کافی تھے' منسوخ قرار دیا۔ اس بارے میں وہ اپنے وجدان اور اطمینان قلب پر اعتماد کرتے رہے اور استدلال کے طریقوں کی طرف ان کا التفات نہ تھا:

" و بالجملہ فہذہ کانت عادتہ الکریمتہ صلی اللہ علیہ وسلم فرای کل صحابی مایسرہ اللہ لہ من عباداتہ وفتاواہ و اقضیہ محفظہا و عقلہا وعرف لکل شئی و جہا من قبل حفوف القرائن بہ فحمل بعضہا علی الاباحتہ و بعضہا علی الاستحباب و بعضہا علی النسخ الامارات و قرائن کانت کافیتہ عندہ ولم یکن العمدۃ عندہم الان وجدان الاطمینان والثلج من غیر التفات الی طرق الاستدلال (۱۱) "

اختلافات کی ابتداء

فقہ اسلامی میں اختلاف کی ابتداء اس وقت ہوئی جب صحابہ کرامؓ مختلف شہروں میں منتشر ہوئے۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو متعدد مسائل سے سابقہ پڑا ہر صحابی استفتاء کا جواب اپنے ذہن میں محفوظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے فتوؤں اور فیصلوں کی روشنی یا استنباط سے دیتا ہے۔ اگر ان فیصلوں، فتوؤں اور استبداد میں کوئی چیز نہ پاتا تو جواب کے لئے اپنی رائے سے کام لیتا اور اس علت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کی بنیاد بنایا ہو۔ یہیں سے فروعات کا آغاز ہوا۔ (۱۲)

وجوہ اختلاف اور اس کی صورتیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے اختلافات کئی طرح کے تھے اور ان کی صورتیں بھی مختلف تھیں۔ مثلاً ایک صحابی نے کسی قضیے میں آپ کا کوئی فیصلہ یا فتویٰ سنا اور دوسرے نے نہیں سنا۔ نہ سننے والے نے خود اجتہاد کیا اور اس کی بھی صورتیں ہوئیں۔ ایک یہ کہ صحابی کا اجتہاد کسی حدیث کے مطابق ہوتا اس کی مثال شاہ ولی اللہ نے سنن نسائی سے پیش کی ہے کہ عبداللہؓ بن مسعود سے ایک بیوہ کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا، جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا، آپ نے ایک ماہ کے اصرار کے بعد فتویٰ دیا کہ عورت کو مہر مثل ملنا چاہئے کم نہ زیادہ، نیز اسے عدت گزارنا ہوگی اور وہ شوہر کی وراثت سے حصہ پائے گی۔ یہ سن کر معقل بن یسار نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبیلہ کی ایک عورت کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ اس گواہی پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ اتنے خوش ہوئے کہ بقول ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اب تک انہیں ایسی مسرت حاصل نہ ہوئی تھی (۱۳)۔

اختلاف کا ایک سبب اور صورت یہ تھی کہ صحابہ کسی مسئلہ کے متعلق بحث کرتے اگر کوئی ایسی حدیث سامنے آجاتی جس کی صحت کا ظن غالب ہوتا تو صحابی اپنے اجتہاد سے رجوع کر کے سنی ہوئی حدیث کو اختیار کر لیتا۔ مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ طلوع صبح تک جنبی رہنے والے کا روزہ نہیں ہوتا، لیکن جب بعض ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف بیان کیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے طرز فکر سے رجوع کر لیا (۱۴)۔

Marfat.com

تیسری صورت یہ تھی کہ صحابی تک کوئی حدیث اس طرح پہنچی کہ حدیث کی صحت کا ظن غالب نہ ہوا۔ اس صورت میں صحابی اپنے اجتہاد کو ترک کرنے کی بجائے حدیث کو مطعون قرار دیتا۔ اس کی مثال فاطمہ بنت قیس کی وہ حدیث ہے' جسے اصحاب اصول نے درج کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کی مطلقہ کے نفقہ اور سکنی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک روایت یہ کہہ کر مسترد کردی تھی کہ ہم ایک عورت کے قول سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے (۱۵)

اختلاف کے دیگر اسباب میں ایک یہ ہے کہ کسی صحابی تک کوئی حدیث سرے سے پہنچی نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ احکام سے متعلق صحابہ رضی اللہ عنھم میں اس طرح کا اختلاف بھی تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عمل کرتے دیکھا۔ بعض نے اس عمل کو عبادت پر محمول کیا اور بعض نے مباح سمجھا:

"ومن تلک الضروب ان یروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل فعلا فحملہ بعضھم علی القربہ و بعضھم علی الاباحہ (۱۶)"

شاہ ولی اللہ نے اس ضمن میں محدثین کے حوالے سے سفر حج کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وادی ابطح میں فروکش ہونے اور طواف میں رمل کی مثالیں پیش کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی حیثیت کے تعین میں اختلاف ہوا۔ اس کی ایک مثال عمل تصحیب ہے۔ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وادی ابطح میں فروکش ہونا کار ثواب اور حج کی سنتوں میں سے ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خیال میں یہ محض ایک اتفاقی امر تھا اس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فعل رمل وقتی ضرورت کے تحت اتفاقیہ تھا۔ یعنی مشرکین (مکہ) کا یہ طعن کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر ڈالا ہے۔ بایں سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اکڑ کر چلنے کا حکم دیا' ورنہ یہ عمل حج کی سنت نہیں ہے (۱۷)۔

اختلاف کی ایک وجہ کسی واقعہ کی تعبیر میں غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے اور سہو ونسیان بھی۔ مثلاً رسول اللہ کو حج کرتے دیکھا گیا تو بعض نے کہا کہ آپ متمتع تھے یعنی حج تمتع (۱۸) ادا کر

Marfat.com

رہے تھے ۔ کچھ کے نزدیک آپ قارن تھے گویا حج قران (١٩) ادا کر رہے تھے ۔ بعض نے اسے مفرد پر محمول کیا کہ آپ حج افراد (٢٠) ادا کر رہے تھے ۔ سہو ونسیان کی ایک مثال یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمرہ رجب میں ادا کیا۔ حضرت عائشہ نے سنا تو فرمایا کہ وہ بھول گئے ہیں (٢١) ۔

بعض اختلافات حدیث کو اس کے اصلی معنوں میں ضبط نہ کرنے سے پیدا ہوئے ۔ خاص فہم حدیث یا اخذ نتائج کی ایک مثال وہ روایت ہے کہ گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ متعلقہ حدیث صحیح طور سے سمجھ نہیں سکے ۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کی قبر کے پاس سے گزرے ۔ اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس پر رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے ۔ اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سمجھے کہ میت کے عذاب کی علت اس کے گھر والوں کا رونا تھا' چنانچہ انہوں نے ہر میت پر یہ حکم عمومی لگا دیا (٢٢) ۔

اختلافات کا ایک سبب کسی حکم کے علت کے تعین میں اختلاف تھا ۔ مثلاً بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونا فرشتوں کی تعظیم کے لئے ہے' جو جنازے کے ہمراہ ہوتے ہیں ۔ بعض نے کہا کہ نہیں موت کے ہول کے سبب ۔ ان دونوں صورتوں میں عمومیت حکم پیش نظر ہے ۔ لیکن حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے تصریح فرمائی کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ نے نامناسب خیال کیا کہ کسی یہودی کی لاش آپ کے سر سے بلند ہو (٢٣) ۔

ایک سبب اختلاف دو مختلف حکموں کے درمیان عدم موافقت ہے' جیسا کہ جنگ خیبر اور جنگ اوطاس کے مواقع پر اجازت متعہ اور بعد میں اس سے منع فرمانا ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اجازت ناگزیر حالات کے سبب تھی اور ممانعت ناگزیر صورت حال ختم ہو جانے کی وجہ سے' لیکن جمہور کی رائے میں اس فعل کو نظریہ ضرورت کے تحت روا رکھا گیا اور جب ممانعت ہوئی تو یہ حکم ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو گیا (٢٤)

Marfat.com

مختلف فقہی مسالک

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے اختلافات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذاہب مختلف ہو گئے۔ ان میں تابعین نے جس میں سہولت دیکھی، اسے ہی اختیار کر لیا پھر انہوں نے آپ کی احادیث اور صحابہ کے مذاہب و مسالک فقہ کے ضمن میں سنی سمجھی اور محفوظ کی ہوئی باتوں میں حسب مقدرت باہم مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی نیز یہ ہوا کہ بعض اقوال کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے مروی تھے، کمزور پائے گئے۔ اس طرح تابعین میں ہر ایک کا اپنی توجیہ کے مطابق الگ مسلک ہو گیا اور ہر شہر کا جدا امام ہوا۔ مثلاً:

"سعید بن المسیب" اور سالم" بن عبداللہؓ بن عمر کے بعد زھری یحیی" بن سعید اور ربیعہ" بن عبدالرحمن مدینہ میں، عطا" بن ابی رباح مکہ معظمہ میں، ابراہیم نخعی" اور شعبی" کوفہ میں، حسن بصری، بصرہ میں، طاوس بن کیسان" یمن اور مکحول" شام میں امام ہوئے(۲۵)

سعید" بن المسیب اور ابراہیم" نخعی ایسے کبار علمائے تابعین نے فقہ کے تمام ابواب مدون کئے۔ ان کے پاس ہر باب میں سلف سے حاصل کردہ کچھ اصول تھے۔ سعید" بن المسیب اور ان کے ہم خیال اصحاب کی رائے یہ تھی کہ تفقہ فی الدین میں اہل حرمین سب سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور ان کے مسلک کی بنیاد عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے فتاوی و فیصلے، نیز عبداللہؓ بن عمر، حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے فتاوی اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں۔ سعیدؓ بن المسیب اور ان کے اصحاب نے وہ سب باتیں جمع کیں جن کی اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق بخشی۔ شاہ ولی اللہ نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے کسی مسئلہ کا سلف سے ماخوذ جواب نہ پایا تو ان کے کلام سے استنباط کیا۔ اشارہ و اقتضاء کلام کی جستجو کی اور اس طرح ان کے ہاں ہر باب میں بہت سے مسائل جمع ہو گئے۔

ابراہیم" نخعی اور ان کے اصحاب کی نظر میں عبداللہ بن" مسعودؓ اور ان کے فیض یافتہ

Marfat.com

اصحاب فقہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ سعید بن المسیب جہاں فقہائے مدینہ کے ترجمان تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور ابو ھریرہ سے مروی احادیث انھیں سب سے زیادہ یاد تھیں۔ اسی طرح ابراہیم نخعی فقہائے کوفہ کے ترجمان تھے۔ ثانی الذکر نے مذھب فقہ کی بنیاد عبداللہ بن مسعود کے فتاوی حضرت علی کرم اللہ وجہ کے فیصلوں' نیز شریحؒ و کوفہ کے دوسرے قاضیوں کے فیصلوں پر رکھی۔ شاہ ولی اللہ نے الانصاف کے علاوہ حجتہ اللہ البالغہ کے باب اسباب اختلاف الصحابہ و التابعین فی الفروع میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

تدوین فقہ

شاہ ولی اللہ نے الانصاف کے دوسرے باب میں مسالک فقہاء میں اختلاف کے اسباب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نفس مضمون اور متن کی یہ من وعن تفصیلات حجتہ اللہ البالغہ کے باب "اسباب اختلافات مذاہب الفقھا" میں بھی ملتی ہیں۔ ان کے مطابق تابعین کے زمانے کے بعد اللہ تعالٰی نے حاملین علم کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا' جنھوں نے وضو 'غسل نماز ' حج ' نکاح ' خرید و فروخت اور بکثرت وقوع پذیر ہونے والے امور میں سنت کی کیفیات و صفات اخذ کیں۔ انہوں نے مفتیوں کے فتوے سنے اور قاضیوں کے فیصلے۔ مسائل دریافت کئے۔ اشارۃ النص اور اقتضاء النص سے کام لینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور بعض معاملات میں اجتہاد بھی کرتے رہے۔

ان علماء کا طریق کار ایک دوسرے سے مشابہ تھا' جس کا حاصل ہے کہ حدیث مسند (۲۶) ہو کہ مرسل (۲۷) اسے قبول کیا جائے اور صحابہ و تابعین کے اقوال سے یہ جانتے ہوئے استدلال کیا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث ہیں ' جنھیں صحابہ نے مختصر کیا اور انہیں موقوف (۲۸) بنالیا۔ شاہ ولی اللہ اس کی مثال میں ابراہیم نخعی کا وہ قول دھراتے ہیں ' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ (۲۹) اور بیع مزابنہ (۳۰) کی ممانعت کی ہے۔

تابعین کے بعد تبع تابعین میں سے حاملین علم کا طریقہ کار یہ تھا کہ مسند اور مرسل ہردو حدیثیں قبول کرتے تھے۔ صحابہ و تابعین کے اقوال سے استدلال بھی ان کے پیش نظر رہتا

Marfat.com

تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ صحابہ و تابعین کے اقوال منصوص احکام سے خود انکے استنباطات ہیں یا ان کے اجتہاد و آراء کا نتیجہ۔ شاہ ولی اللہ کے بقول ان کے نزدیک صحابہ و تابعین کا عمل بعد میں آنے والوں سے بدرجہا بہتر تھا اور بہ اعتبار زمانہ اور بلحاظ علم بھی اقدم (۳۱)

کسی مسئلہ میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مختلف ہوتیں تو حاملین علم اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے۔ در آنحالیکہ کسی حدیث کو منسوخ یا قابل تاویل یا کسی تصریح کے بغیر ترک کرنے پر متفق ہوں۔ اس لئے کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک عدم قبول کا مطلب دراصل حدیث کو ضعیف یا منسوخ یا قابل تاویل قرار دینا ہے اور ان تمام صورتوں میں صحابہ کرام ہی کی پیروی کی جاتی تھی (۳۲) اس کے بعد فرماتے ہیں کہ صحابہ و تابعین کے مذاہب فقہ میں اختلاف ہوتا تو اس صورت میں تبع تابعین میں سے ہر عالم اپنے شہر اور اپنے شیوخ و اساتذہ کا فقہی مذہب اختیار کرتا' کیونکہ وہ ان کے اقوال میں سے صحیح اور غیر صحیح و سقیم کو بہتر جانتا۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ:

یہی وہ طبقہ علماء ہے جس کے دلوں میں تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ مدینہ میں مالک اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب نے' مکہ میں ابن جریج اور ابن عینیہ' کوفہ میں ثوری اور بصرہ میں ربیع بن صبیح نے فقہ کی تدوین کی اور ان سب نے وہی نہج و طریقہ اختیار کیا۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

اھل الحدیث اور اھل الرائے

پہلی صدی ھجری کے نصف ثانی میں حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کی نشو و نما ہوئی۔ اس متوازی عمل سے دو فریق پیدا ہوئے: تاریخی' جن کا لقب اھل الحدیث یا اہل علم تھا اور فکری' جو اھل الرائے کہلائے۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ سعید" بن المسیب' ابراہیم" نخعی" اور زھری" امام مالک" سفیان" اور ان کے بعد کے دور میں برابر ایسے علماء تھے' جو شرعی امور میں رائے کے دخل کو پسند نہیں کرتے تھے اور ناگزیر صورت حال میں بھی فتوی دینے اور مسائل مستنبط کرنے میں انہیں خوف سا محسوس ہوتا تھا (۳۴) مگر جب فقہ کی دو

Marfat.com

قسمیں ہو گئیں تو اهل الرائے کا مرکز عراق اور اهل الحدیث کا مرکز حجاز ہوا۔ اول الذکر میں حدیث کا چرچا کم تھا اور وہ قیاس میں ماہر تھے ۔ ان کے امام ابو حنیفہ ؒ ہیں :

" وانقسم الفقه الی طریقین طریق اهل الرای والقیاس وهم اهل العراق و طریقة اهل الحدیث وهم اهل الحجاز و کان الحدیث قلیلا فی اهل العراق لما قدمناه فاستکثروا من القیاس و مهرو فیه فلن لک قیل اهل الرای و مقدم جماعتهم الذی استقر للمذهب فیه و فی اصحابه ابو حنیفه (۳۵) "

شہرستانی کے نزدیک آئمہ مجتہدین کی دو ہی قسمیں ہیں ۔ اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائے ۔ اصحاب الحدیث کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ان کا مسکن حجاز ہے اور اس طبقہ میں امام مالک ؒ کے تلامذہ ' امام شافعی ؒ اور ان کے شاگرد ' سفیان ثوری ؒ اور ان کے رفقاء امام احمد ؒ بن حنبل کے ساتھی اور داؤد ؒ ظاہری کے خدام شامل ہیں :

" وانما سموا اصحاب الحدیث لان عنایتهم بتحصیل الاحادیث ونقل الاخبار وبناء الاحکام علی النصوص ولا یرجعون الی القیاس الجلی والخفی ما وجدوا خبرا (۳۶) "

الغرض اهل حدیث کی توجہ صرف اور صرف حدیث اور اخبار کی طرف رہی اور احکام کی بنیاد نصوص پر رکھتے رہے ۔ یہاں تک کہ انہوں نے قیاس جلی و خفی کی پروانہ کی ۔ انکے بر عکس اهل الرائے زیادہ تر قیاس اور معانی کے استنباط کی طرف متوجہ رہے اور انہوں نے بسا اوقات قیاس جلی کے سامنے خبر واحد کو بھی اہمیت نہ دی ۔ شاہ ولی اللہ یہاں کی روش اعتدال اختیار کرتے ہیں ان کے نزدیک فقہاء کے کلام سے کسی مسئلے کی تخریج اور اس مقصد کے لئے حدیث کے الفاظ کا تتبع اور ان میں غور و خوض ان ہر دو کی دین میں ایک مستحکم بنیاد ہے ' جنہیں ہر زمانے میں علمائے محققین ہمیشہ اختیار کرتے رہے ہیں ۔ ان میں سے بعض نے ایک طریقے کو کم اور دوسرے کو زیادہ اور بعض نے ایک کو زیادہ اور دوسرے کو کم اختیار کیا ' لیکن یہ بات کسی طرح گوارا نہ کی کہ ان دونوں طریقوں میں سے کس کو بالکل چھوڑ دیا جائے ' اس کے بعد شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ :

Marfat.com

'خالص حق یقیناً یہ ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے ایک کو دوسرے کے مطابق کیا جائے اور کسی ایک میں جو کمی ہو' وہ دوسرے کی زیادتی سے پوری کی جائے۔(۳۷)

مذاہب اربعہ

خلافت بنو عباس کے ساتھ فقہ کا ایک نیا دور شروع ہوا تو منظم فقہی مسالک ظہور میں آئے۔ قبل ازیں مسالک فقہ تمہیدی تشکیلات کا درجہ رکھتے تھے۔ منظم فقہی مسالک میں حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی نے عروج پایا۔

حنفی فقہ کے بانی امام ابو حنیفہ (۸۰ھ - ۱۵۰ھ) ہوئے۔ ان سے پہلے فقہا کے دبستان عراق کے مشہور نمائندے عبد اللہ بن مسعود اور ان کے شاگرد شریح بن الحارث الکندی (م ۷۸ھ) علقمہ بن قیس النخعی (م ۶۲ھ) مسروق بن الاجدع ھمدانی (م ۶۳ھ) ابراھیم بن یزید النخعی (م ۹۵ھ) اور حماد بن ابی سلیمان ہوئے۔ ابو حنیفہ موخر الذکر کے شاگرد تھے ان کا مسلک ان کے نامور تلامذہ امام محمد بن الحسن شیبانی' ابو یوسف اور شیخ زفر بن الھذیل کے ذریعہ عام ہوا۔ شاہ ولی اللہ رقم طراز ھیں:

" وکان ابو حنیفہ الزمھم بمذھب ابراھیم و اقرانہ لا یجاوزہ الا ماشاء اللہ و کان عظیم الشان فی التخریج علی مذھبہ دقیق النظر فی وجوہ التخریجات مقبلا علی الفروع اتم اقبال (۳۸)

امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے قاضی القضاء ابو یوسف اور امام محمد کا ذکر شاہ ولی اللہ نے بطور خاص کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام محمد بہ اعتبار تصنیف و تالیف اور درس و تدریس سب سے بڑھ کر تھے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ امام ابو یوسف اور امام مالک سے بھی تعلیم حاصل کی اور اپنے شیوخ کے مسالک کے ایک ایک مسئلہ کو موطا سے مقابلہ کرکے دیکھا۔ جہاں جہاں عدم موافقت پائی' اسے ترک کیا۔ نیز اپنی تالیفات میں تینوں شیوخ کی آراء جمع کردیں۔ شاہ ولی اللہ نے الانصاف میں تصریح کی ہے کہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی بدولت حنفی مذھب عراق و خراسان اور ماوراء النھر میں خوب پھیلا۔

Marfat.com

دوسرا مذہب مالکی ہے' جو امام مالک" سے منسوب ہوا۔ فقہ میں وہ دیگر شیوخ کے علاوہ ربیعہ الرای کے شاگرد تھے پھر امام مالک" کے شاگردوں میں امام محمد" اور امام شافعی" ہوئے' لیکن انکی فقہ کے اولین ستونوں میں ابو عبداللہ" عبدالرحمن بن القاسم العتقی (م ۱۹۱ھ) ابو عبداللہ زیاد بن عبدالرحمن القرطبی (م ۱۹۳ھ) ابو محمد عبداللہ بن وھب بن مسلم القرشی (م ۱۹۷ھ) اشھب" بن عبدالعزیز القیسی (م ۲۰۴ھ) ابو محمد" عبداللہ بن عبدالحکم (م ۲۱۴ھ) اور عبدالسلام" بن سعید التنوخی الملقب بہ سحنون (م ۲۴۰ھ) سرفہرست تھے' جنھوں نے مصر' افریقہ' اندلس اور بحرین وغیرہ میں مالکیہ کی نشرو اشاعت کی:

" و کان مالک اثبتھم فی حدیث المدنیتین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اوثقھم اسنادا و اعلمھم بقضایا عمر و اقاویل عبد اللہ بن عمر و عائشہ و اصحابھم من الفقھا السبعتہ (۳۹) "

امام مالک شاہ ولی اللہ کے نزدیک گویا ان احادیث کے سب سے بڑے عالم ھیں' جو اھل مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیں اور ان کی مرویات بلحاظ اسناد سب سے زیادہ معتبر ہیں۔ پھر حضرت عمر کے فیصلوں' عبداللہ بن عمر اور عائشہ صدیقہ اور ان حضرات کے ساتوں تلامذہ (۴۰) کے اقوال کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

حنفی اور مالکی مذھب کے بعد شافعی مذھب زیادہ تر مصر' حجاز اور قدرے عراق میں مقبول (۴۱) ہوا۔ اس مذھب کے بانی ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی المطلبی (م ۲۰۴ھ) حدیث میں امام مالک کے شاگرد تھے۔ فقہاء احناف میں ان کا میل جول امام محمد سے رہا۔ ان کے علاوہ حسن" بن زیاد لولوی سے بھی ملاقات تھی۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ امام شافعی' حنفی و مالکی مذاھب کے اصول و فروع کی ترتیب کے وقت ظاھر ہوئے۔ انہوں نے اپنے پیشرووں کے طریق کار کو دیکھا اور اس میں انہوں نے ایسی چیزیں پائیں' جنھوں نے انھیں ان کی راہ پر چلنے سے روک دیا:

" ونشا الشافعی فی اوائل ظھور المذھبین و ترتب اصولھما و فروعھما فنظر فی ضیع الاوائل فوجد فیہ امور البحث عنانہ عن الجرجان فی طریقھم (۴۲) "

Marfat.com

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ منجملہ ایسی باتوں کے امام شافعی نے دیکھا کہ مرسل و منقطع (۴۳) کو بھی لیا جاتا رہا ہے جن کے سبب ان کے مسالک میں خلل واقع ہوا۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی مرسل حدیث کو نہ لیں گے جب تک کہ وہ چند شرائط پر پوری نہ اترے

چوتھا مذہب حنبلی' امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ) سے منسوب ہوا۔ امام احمد نے دیگر شیوخ کے علاوہ امام شافعی سے تعلیم پائی تھی اور وہ مسلکاً اجتہاد بالرائے کے خلاف اور فقط قرآن و حدیث کو سند مانتے تھے' ان کے طریقہ کی اس شدت کے باعث انہیں فقیہ کی بجائے محدث کہا گیا۔ ابن قیمؒ نے ان کے مذہب کے پانچ اصول قرآن و حدیث' صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے فیصلے' صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے قرآن و سنت کے مطابق اقوال اور مرسل و ضعیف حدیثیں بتائے ہیں (۴۴)۔

شاہ ولی اللہ نے فقہ حنبلی کے بانی کو فقہاء و محدثین میں سب سے عالی مرتبت' وسیع الروایہ' حدیث سے باخبر اور تفقہ میں عمیق النظر گردانا (۴۵) ہے۔ ان کا مذہب احمد بن محمد ھانی المعروف بہ ابوبکر الاثرم' اسحٰقؒ بن ابراہیم المعروف بہ ابن راھویہ المروزی' ابوالقاسم الخرقی (م ۳۳۴ھ) ابن قدامہ الحنبلی (م ۶۲۰ھ) ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) ابن قیم (م ۷۵۱ھ) اور بارھویں اور تیرھویں صدی ھجری میں شیخ محمد بن عبدالوھاب (م ۱۲۰۶ھ) کی کوششوں سے پھیلا۔

فقہ الحدیث کے اصول

شاہ ولی اللہ کے نزدیک فقہ الحدیث کا بنیادی اصول یہ ہے کہ قرآن میں کوئی حکم صراحتاً موجود ہو تو کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔ تاویل کی گنجائش اور مختلف مطالب کے احتمال کی صورت میں سنت کا فیصلہ ناطق ہوگا اور قرآن کا وہی مفہوم درست ہوگا' جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔

فقہ الحدیث کے دوسرے اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن کسی حکم کے متعلق بالکل ہی خاموش ہو تو عمل سنت پر ہوگا۔ وہ سنت فقہاء میں متعارف و معلوم ہویا

Marfat.com

کسی شہر سے مخصوص یا کوئی خاندان اسے روایت کرے۔ کسی نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو' آئمہ حدیث کے نزدیک وہ قابل استناد ہے۔ کسی مسئلہ میں اگر کوئی حدیث مل جائے تو کسی مجتہد یا امام کے فیصلے کی ضرورت نہیں اور تلاش بسیار کے باوجود حدیث نہ ملے تو عمل صحابہ و تابعین کے ارشادت پر ہوگا اور اس میں کسی قوم اور علاقے کی قید و تخصیص نہ ہوگی۔

جمہور فقہاء اور خلفاء متفق ہوں تو شاہ ولی اللہ کے خیال میں یہ کافی ہے اور اختلاف فقہاء میں زیادہ متقی اور ضابطہ کی حدیث قابل قبول ہوگی یا پھر زیادہ مشہور روایت کو لیا جائے گا۔ شاہ ولی اللہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علم و فضل' ورع و تقویٰ اور حفظ و ضبط میں سب برابر ہوں تو اس مسئلہ میں متعدد اقوال تصور ہوں گے۔ جس پر جس کا جی چاہے' عمل کرے۔ اس میں کوئی ہرج نہیں۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

> اگر تسکین بخش کامیابی نہ ہو تو قرآن و سنت کے عمومات اقتضاء اور اشارات پر غور کیا جائے گا اور مسئلہ زیر بحث کے نظائر کے حکم کو دیکھا جائے گا اور حکم استخراج کیا جائے گا۔ اصول فقہ کے مروجہ قواعد پر اعتماد نہ کیا جائے گا' بلکہ طمانیت قلب اور ضمیر کے سکون پر اعتماد کیا جائے گا' کیونکہ متواتر روایات میں اصل چیز راویوں کی کثرت نہیں' بلکہ حقیقی شے دل کا اطمینان اور سکون ہے (۴۶)

شاہ ولی اللہ نے مذاہب اربعہ کے ساتھ ساتھ یہ تصریح بھی فرمادی ہے کہ فقہ کے بنیادی مسائل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجماعی مسائل ہیں' یعنی جن پر آپ کے عہد خلافت میں اجماع ہو گیا تھا۔ اہل اسلام کی اکثریت کو دیکھیں تو وہ حنفی' مالکی اور شافعی ہیں۔ جو شخص ان مذاہب کے اصول و امہات سے باخبر ہے۔ اسے شک نہیں کہ ان مذاہب کی اصل عمر فاروقؓ کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ تمام مذاہب کے درمیان ایک مشترک چیز ہے۔ اس کے بعد اہل مدینہ میں سے فقہاء صحابہ جیسے کہ ابن عمر رضی عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کبار تابعین مدینہ میں سے فقہاء سبعہ اور صغار تابعین مدینہ میں سے زھری اور ان جیسے حضرات پر اعتماد امام مالک کے مذھب کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد رقمطراز ہیں

و ھمچنین اعتماد بر فتاوی عبداللہ بن مسعود در غالب حال و بر قضا ہائے مرتضیٰ

دربعض احوال باں شرط کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ باشند و اثبات نمودہ و بعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم نخفی و شبعی و تخریجات ایشاں اصل مذہب ابی حنیفہ است کہ سبب ں صورت خاص مذہب او پیدا شدہ۔ (۱)

فقہ الحدیث کے ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ نے عملاً حنفی المذہب ہونے کے باوجود مذاہب اربعہ کے معاملے میں تطبیق پیدا کرنے کی خاطر روش اعتدال اختیار کی۔

Marfat.com

مذاہب اربعہ

اصل میں ایک ہیں

رجوع الی الموطا کے بعد شاہ ولی اللہ کا ایک کارنامہ ' خدمت حدیث اور انتصار للسنتہ ہی کے سلسلتہ الذہب کی ایک اہم کڑی فقہ و حدیث میں تطبیق اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع و تالیف کی کوشش تھی اور اس میں بھی دراصل اس بشارت نبوی ؐ کا بہت دخل ہے جس میں بقول شاہ ولی اللہ انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا گیا تھا کہ اللہ رب العزت تم سے امت کی شیرازہ بندی کے ایک خاص نوع کا کام لے گا (۱) حقیقت یہ ہے کہ :

"عرصہ سے عالم اسلام کے بہت سے علمی تدریسی اور تصنیفی حلقوں میں فقہ و حدیث کے دو متوازی سلسلے چلے آ رہے تھے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر جب سے اس کا اجرا ہوا تھا ' دوسرے سے مستغنی و بے نیاز ہو کر سفر طے کر رہا تھا اور اکثر اوقات ایک دوسرے سے جدا ہو کر پھر وہ کسی نقطہ پر جا کر ہمکنار نہیں ہوتے تھے ۔ بہت سے فقہی مسلکوں میں حدیث اسی وقت زیر بحث آتی ' جب مسئلہ کی تائید اور دوسرے مذہب فقہی کے نمائندوں کے اس اعتراض کو رفع کرنا ہوتا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے یا دوسرے مذہب پر اس کی ترجیح ثابت کرنی ہوتی ۔ صحاح کے درس میں یا تو ان احادیث کی تاویل کی جاتی جو اپنے مذہب کے خلاف پڑتیں یا دوسری کتابوں کی ان احادیث کو پیش کیا جاتا ' جو اپنے مذہب کی تائید میں ہیں (۲) "

شاہ ولی اللہ کے زمانے تک فقہی مذاہب کے کچھ ایسے سانچے بن گئے تھے کہ ان کا ٹوٹ جانا تو ممکن تھا ' پھیلنا ممکن نہ تھا ۔ ہر مذہب کے متبعین اپنے ہی مذہب کو سو فی صدی

درست اور مبنی بر حقیقت خیال کرتے تھے ۔ مذاہب اربعہ یعنی حنفی شافعی ' حنبلی اور مالکی کو امت میں عام طور پر سند قبولیت حاصل ہو چکی تھی اور اھل علم اور حق بین نے ابتدا سے اصولی طور پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ مذاہب اربعہ کے مومیشن ہی آئمہ الھدیٰ اور پیشوائے امت ہیں اور حق ان ہی مذاہب میں دائر ہے لیکن فکر و عمل کا انداز کچھ ایسا رہا کہ مذاہب اربعہ کے درمیان فرعی اختلافات بڑھتے ہی رہتے ۔ اختلافات کی یہ خلیج بسا اوقات تعمق و وسعت میں بحث و مناظرہ اور منافرت کی حدود سے نکل کر مجادلہ و مقاتلہ تک بڑھ جاتی ۔

الفقہ المقارن

عالم اسلام سے قطع نظر جہاں تک پاک و ھند کا تعلق ہے 'یہ سرزمین آغاز سے زیادہ تر ترکی النسل یا افغانی النسل فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگین رہی ۔ ان حکمرانوں اور سپہ سالاروں کی ایک واضح اکثریت حنفیت کی حلقہ بگوش تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی لگ بھگ آٹھ صدیوں میں مالکیت اور حنبلیت کو یہاں قدم رکھنے کا موقع نہ مل سکا ۔ شافعیت سواحل تک یا جنوبی ھند مدراس اور موجودہ کرناٹک تک اور بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالا میں محدود تھی ۔ بنابریں جو طالبان فقہ و حدیث حجاز (۳) مقدس جاتے وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذھب یعنی حنفی علماء سے رابطہ رکھتے ۔ (۴)

شاہ ولی اللہ کو اس اعتبار سے تخصص حاصل تھا کہ ایک طرف تو انہوں نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی عالم و محدث سے استفادہ کیا دوسری طرف مالکی المذھب شیخ محمد وفد اللہ سے ۔ لیکن سب سے زیادہ وہ شافعی محدث شیخ ابو طاہر کردی مدنی کے باطنی کمالات ' وسعت نظر اور جوارح قلب سے متاثر و مستفیض ہوئے ۔ انہیں گویا مذاہب اربعہ کے تقابلی مطالعہ کا بھرپور موقع ملا ۔

شاہ ولی اللہ کی طبیعت میں فطری طور پر جامعیت ' قلب و نظر میں وسعت اور فکر و عمل میں تطبیقی ذوق شامل تھا ۔ اسی ذوق نے ان میں تطبیق بین الفقہ والحدیث کا جذبہ پیدا کیا اور الفقہ المقارن نے ان میں فقہائے محدثین کے مسلک کو ترجیح دینے اور اسے اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی لگن پیدا کر دی ۔ ایک طرف تو اس فقیر کی پہلی وصیت یہ تھی کہ

Marfat.com

اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کو مضبوط ہاتھوں سے تھاما جائے اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے:

"اول وصیّت ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل' پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن (۵)"

اور دوسری طرف فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ اور جن احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں' ان پر غور و فکر کرنے کے بعد طبیعت میں فقہائے محدثین کی روش کی پسندیدگی قرار پذیری ہوئی۔ اس میں نور غیبی کی مدد بھی شامل حال تھی۔

"بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ ایشاں و احادیثے کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہائے محدثین افتاد (۶)"

حقیقت مذہب

شاہ ولی اللہؒ نے مذہب کی حقیقت کے مفہوم کو بھی واضح کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ ان کے نزدیک مذاہب دو معنوں میں حق ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک معنی جلی ہیں اور دوسرے دقیق۔ اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ اس کے احکام نفس الامر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور قرون مشہود لہا بالخیر کے مطابق ہوں۔ کسی مسئلہ میں نص یا روایت کی عدم موجودگی کی صورت میں ایسے قرائن کو شامل کیا جائے کہ جن سے گمان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کچھ فرماتے تو ایسا ہی فرماتے۔ شاہ ولی اللہ کا مقصود یہ ہے کہ حکم کے استخراج اور استنباط کا طریقہ بقدر ضرورت واضح ہونا چاہیے تاکہ ہر اسالیب کلام اور احکام میں مقاصد شریعت سے آگاہ کوئی شخص متردد و متامل نہ ہو۔

مذہب کے حق ہونے کے دقیق معنی یہ ہیں کہ وہ عنایت الٰہی جس کا کام ملت حقہ کا تحفظ اور نگہداشت ہے' کبھی خاص اسباب کی بنا پر کسی خاص مذہب کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوتی ہے' مدافعت کی غرض سے یا بغرض تفریق بین الحق والباطل۔ ایسی صورت میں وہ خاص مذہب اس دقیق معنی کے اعتبار سے حق ہو جاتا ہے (۷) اس کے بعد شاہ ولی اللہ

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ:

"اگرچہ بعض دوسرے مذاہب معنی جلی کے اعتبار سے زیادہ راجح نظر آتے ہیں، لیکن کامل غور و خوض کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مذہب حنفی کو دقیق معنی کے اعتبار سے تمام مذاہب پر فوقیت حاصل ہے (۸)

مذاہب میں رواداری کی تلقین

اس تفوق کے باوصف شاہ ولی اللہ مختلف فقہی مذاہب میں رواداری کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ:

"نفحہ ثانیہ میں مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ تیرے متعلق حق تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ امت مرحومہ کے مختلف ٹکڑوں کو تیرے ذریعہ جمع کر دے۔ اس لئے فروعی مسائل میں قوم کی مخالفت سے باز رہنا حق کے منافی ہے۔ اس کے بعد میرے سامنے ایک نمونہ ظاہر ہوا کہ فقہ حنفی کے ساتھ سنت کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آئمہ ثلاثہ کے اقوال میں سے کسی ایک کا قول لیا جائے' ان کے عام حکموں کی تخصیص کی جائے۔ ان کے مقاصد سے واقفیت بہم پہنچائی جائے اور لفظ سنت سے جو کچھ سمجھ میں آئے اس طرح اکتفا کیا جائے کہ اس میں تاویل بعید ہو نہ بعض احادیث کو بعض سے ٹکرانے کی نوبت آئے اور نہ ہی امت کے کسی فرد کے قول کے مقابلے میں کسی حدیث کو چھوڑنا پڑے۔ اس طریقہ کو اگر اللہ تعالیٰ پورا فرما دے تو یہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے(۹)"

شاہ ولی اللہ کا موقف یہ ہے کہ عقائد میں متقدمین اہل سنت کے مذہب کو اختیار کیا جائے اور صفات و آیات متشابہات کے سلسلے میں سلف نے جہاں تفصیل و تفتیش سے کام نہیں لیا' ان سے اعراض کیا جائے اور معقولیان خام کی تشکیکات کی طرف التفات نہ کیا جائے:

"ودر عقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و آں را تفصیل و تفتیش آنچہ

سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن و تشکیکات خام معقولیان التفات نکردن (۱۰)

امام ابن تیمیہ کا دفاع

اسماء و صفات کے بارے میں سلف کے مسلک کی تائید ' فلاسفہ متکلمین سے جو دور ازکار تاویلات سے کام لیتے ہوئے تعطیل و نفی صفات کی حدود کو چھوتے رہے ' عدم مناسبت اور حدیث و سنت کی محبت و تعظیم نے انہیں امام ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع اور ان کی جلالت شان کے اعتراف پر آمادہ کیا۔ امام ابن تیمیہ کی ذات دراصل ان آخری صدیوں میں متنازعہ فیہ بلکہ بڑی حد تک مطاعن و شبہات کا ھدف بن گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ نے واشگاف الفاظ میں ان کی تعریف فرمائی اور لکھا کہ شیخ الاسلام کے اقوال میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے لئے ان کے پاس کتاب و سنت اور آثار سلف میں سے کوئی دلیل نہ ہو۔

" ولیس شی منہا الا و معہ دلیلہ من الکتاب و السنہ و اثار السلف (۱۱)

یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسا عالم دنیا میں عزیز الوجود ہے۔ کون ایسا شخص ہے جو تحریر و تقریر میں ان کے مرتبہ کو پہنچے۔ ان پر اعتراضات کرنے والوں کو تو ان کے کمالات کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں۔

" فمثل ھذا الشیخ عزیز الوجود فی العالم ' و من یطیق ان یلحق شاوہ فی تحریرہ و تقریرہ والذین ضیقوا علیہ ما بلغوا معشار ما اتاہ اللہ تعالیٰ " (۱۲)

غالی فقہاء اور ظاہریہ پر تنقید

شاہ ولی اللہ نے غالی فقہاء اور فرقہ ظاہریہ کی روش پر سخت تنقید کی کیونکہ اول الذکر اپنے مذہب سے سرمو انحراف کرنے کو تیار نہیں اور ثانی الذکر فقہ کا مطلقاً منکر ہے اور حاملین علم اور آئمہ مجتہدین کی شان میں لب کشائی سے باز نہیں آتا۔ شاہ ولی اللہ نے دونوں کی انتہاپسندی اور غلو کو ناپسند فرمایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ ان الحق امر بین بین یعنی معاملہ بین بین (اعتدال ' رواداری اور تطبیق) ہے۔ پہلا فریق سوفی صدی حق پر ہے نہ دوسرا فریق فرماتے ہیں:

"ایک طرف کلام فقہاء پر تخریج دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تتبع ' دونوں کی دین میں مستحکم اصل موجود ہے اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر عمل کرتے رہے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کا تخریج کے بارے میں قدم پیچھے اور حدیث کے الفاظ کے تتبع سے قدم آگے ہے اور بعض اس کے برعکس۔ ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی مطلقاً صرف نظر مناسب نہیں ' جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے۔ اس بارے میں صراط مستقیم یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی جائے اور ایک کی کمی دوسرے سے پوری کی جائے اور یہی امام بصری کا قول ہے۔ (۱۲)"

قیاسی مسائل کا حل

شاہ ولی اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ امت کے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے۔ اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

"امت راہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست (۱۳)

اس کے بعد ان کی تلقین ہے کہ مسائل فروعی میں ایسے محدثین کی پیروی کرنی چاہئے جو فقہ و حدیث دونوں کے عالم ہوں ' مسائل فقیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاتے رہنا چاہئے۔

"درفروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ و حدیث کردن و دائم تفریعات فقیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن (۱۴)"

عظمت آئمہ اربعہ کا اعتراف

شاہ ولی اللہ کی پرورش و تربیت حنفیت اور اصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ مذہب حنفی سے اس قدر آگاہ اور اتنے ہی قائل تھے ' جتنا کوئی بڑے سے بڑا حنفی عالم ہو سکتا

Marfat.com

ہے' چنانچہ امام ابو حنیفہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کا مرتبہ ابراھیم نخعی اور ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذھب پر اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت بلند تھا۔ ان تخریجات کے وجوہ و اشکال میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے۔ مسائل جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا انہماک بڑھا ہوا تھا۔

" كان عظيم الشان فى التخريج على مذهب ابراهيم و اقرانه دقيق النظر فى وجوه التخريجات مقبلا على الفروع اتم اقبال (۱۶)"

لیکن اس کے ساتھ شاہ ولی اللہ امام مالک کی عظمت اور خاص طور پر موطا کی صحت' اس کے مقام و مرتبہ اور فیض و برکت کے نہ صرف قائل بلکہ داعی ہیں کہ اس کو حدیث کی کتب اساسیہ مانتے ہیں۔(۱۷)

مذھب شافعی کے منقح و مصفی اور اقرب الی الحدیث ہونے کا ذکر بھی شاہ ولی اللہ نے بہ صمیم قلب کیا ہے۔ امام شافعی کی دقیق النظری کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معنی جلی کے اعتبار سے مذھب اربعہ میں سنت کے سب سے زیادہ قریب شافعی مذھب ہے (۱۸) مزید براں امام احمد بن حنبل کے تذکرہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ فقہاء و محدثین میں سب سے عالی مرتبہ وسیع الروایہ حدیث سے باخبر اور تفقہ میں عمیق النظر امام احمد بن حنبل ہیں اور پھر اسحاق بن راہویہ۔

" و كان اعظمهم شانا و اوسعهم روايته و اعرفهم للحديث مرتبه و اعمقهم فقها احمد بن حنبل ثم اسحاق بن راهويه (۱۹)"

ان آئمہ اربعہ کے علو شان' وسعت علم' دقت نظر اور امت پر احسان سے جو ان کی کتابوں اور تاریخ و تراجم کے ذریعے تھا براہ راست واقفیت اور ان سے دلی عقیدت کی بنا پر شاہ ولی اللہ میں جامعیت اور فقہ و حدیث کے تقابلی مطالعہ میں توازن و اعتدال اور تطبیق بین الفقہ والحدیث کا رجحان پیدا ہوا۔

حنفیت کو سنت سے مطابقت دینے کی عملی جدوجہد

شاہ ولی اللہ کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ حنفی مذھب

Marfat.com

ایک نفیس طریقہ ہے اور یہ تمام طریقوں کی نسبت اس معروف سنت سے زیادہ موافق ہے جس کی جمع و تنقیح بخاری اور اصحاب بخاری کے زمانہ میں ہوئی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آئمہ ثلاثہ کے اقوال میں سے جو قول مسئلہ میں سنت کے قریب ترین ہو اسے ہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اس کے بعد حنفی فقہائے محدثین کے پسندیدہ اقوال کا تتبع کیا جائے، کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں، جن سے اصول میں آئمہ ثلاثہ نے سکوت تو اختیار کیا ہے، لیکن ان کی نفی بھی نہیں کی اور حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس صورت میں اس کے اثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ تمام مذہب حنفی ہے (۴۰)

حنفی مذہب کو سنت سے مطابقت دینے کی عملی جدو جہد شاہ ولی اللہ نے زندگی بھر جاری رکھی اور فروع میں عملاً قوم کی مخالفت سے گریز کیا۔ ان کے عملی طور سے حنفی المذہب ہونے کی سب سے بڑی شہادت خود ان کی تحریر ہے، جو صحیح بخاری کے ایک نسخہ (۴۱) پر ثبت ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

"کتبہ بیدہ الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم الودود ولی اللہ بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین بن معظم العمری نسباً الدھلوی وطناً الاشعری عقیدہ الصوفی طریقۃ و الحنفی عملاً و الحنفی والشافعی درسا (۴۲)"

اکثر مسائل میں شافعیت کی تائید

شاہ ولی اللہ نے اس تحریر میں ایک طرف تو واضح انداز میں اپنے حنفی ہونے کا اعلان کیا ہے۔ دوسری طرف بہت سے اصول و فروع میں احناف سے ان کا اختلاف بھی ظاہر ہے۔ اختلاف کی یہ شدت علمائے احناف کے ہاں کسی میں نہیں پائی جاتی۔ امام ابو حنیفہ سے اصول و فروع میں سب سے زیادہ اختلاف کرنے والوں میں صاحبین نظر آتے ہیں، لیکن بقول امام غزالی وہ بھی دو تہائی مسائل سے زیادہ میں اختلاف نہیں رکھتے (۴۳) شاہ ولی اللہ ان سے بھی زیادہ میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اس اختلاف کی حقیقت فقہ الحدیث سے متعلق ان کی خدمات سے ظاہر ہے جو حجۃ اللہ البالغہ اور بالخصوص مصفی اور المسوی میں ملتی ہے۔ تقریباً ستر فیصد مسائل میں وہ اپنا رجحان امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے ہوئے امام شافعی کی طرف

Marfat.com

بتاتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

" امام ابو حنیفہ کے نزدیک چوتھائی سرکا اور امام مالک کے نزدیک پورے سرکا مسح جب کہ امام شافعی کے نزدیک سر کے ابتدائی حصہ کا یا اس سے متصل بالوں کا مسح فرض ہے (۲۴)"

" شیر خوار بچے کے پیشاب پر اس طرح پانی چھڑکنا کہ پانی پیشاب پر غالب آجائے' امام شافعی کے نزدیک کافی ہے مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ پانی چھڑک دینا کافی نہیں بہنا ضروری ہے (۲۵)"

" امام ابو حنیفہ وقت عصر کو دو مثل سے شروع کرتے ہیں اور امام شافعی ایک مثل سے۔ صاحبین بھی موخر الذکر قول کے حق میں ہیں (۲۰)"

" امام شافعی اور صاحبین کا قول ہے کہ وقت عشاء کی ابتداء شفق احمر سے اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ شفق ابیض سے ہوتی ہے(۲۷)"

فجر میں شافعی تعجیل اور ابو حنفیہ اسفار کو افضل گردانتے ہیں (۲۸)"

" امام شافعی کے خیال میں عصر میں بھی تعجیل افضل ہے یعنی ایک مثل کے بعد اور امام ابو حنیفہ دو مثل سے قبل شروع کرنے کے حق میں ہی نہیں(۲۹)"

" نماز فجر میں وقت ختم ہونے پر اگر ایک رکعت پڑھی گئی تو امام ابو حنفیہ کے نزدیک نماز ادا نہ ہوئی۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ قضا نہیں ہوئی بلکہ نماز ہو گئی(۳۰)"

" جلسہ میں اطمعنان کو ابو حنیفہ فرض قرار نہیں دیتے اور بقول کرخی سنت ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک فرض ہے(۳۱)"

" جس نے ایک رکعت پائی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس نے باجماعت نماز ادا کی اور جس نے تشہید بھی پالی ابو حنفیہ کہتے ہیں کہ اس نے جماعت پا لی(۳۲)"

اسی طرح شوافع وترکی نماز کو واجب کی بجائے سنت مانتے ہیں۔ احناف کے نزدیک واجب ہے (۳۳) عید الفطر میں تکبیریہ آواز بلند پڑھنی چاہئے۔ امام شافعی کے قول کے برعکس رائے امام ابو حنیفہ کی ہے (۳۴) اول الذکر کے نزدیک نماز عید سنت موکدہ اور ثانی

Marfat.com

الذکر کے مطابق واجب ہے (۳۵)۔ قرآنی سجدہ ھائے تلاوت قول شافعی کے مطابق واجب نہیں۔ ابو حنیفہ کا قول ہے کہ واجب ہیں (۳۶) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ شوہر پر حد قذف نہیں اور امام شافعی کا قول ہے کہ شوہر پر بھی لازم ہے (۳۷) زوجین میں سے ایک عبد اور دوسرا حر ہو تو طلاق کے عدد میں احناف کے نزدیک عورت اور شوافع کے نزدیک مرد کا اعتبار ہے (۳۸)۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کنائی طلاق کو بائن اور امام شافعی رجعی مانتے ہیں (۳۹) اور ثانی الذکر کا قول ہے کہ بحر کے تمام جانور حلال ہیں۔ اول الذکر کا قول ہے کہ مچھلی کے سوا بحر کے باقی تمام جانور حرام ہیں۔ (۴۰) ان تمام مسائل میں شاہ ولی اللہ امام شافعی کے ساتھ ہیں

علاوہ ازیں ان مختلف فیہ ابواب و مسائل میں بھی ان کا بیشتر رجحان احناف کے خلاف اور شوافع کی جانب ہے۔

' باب صیغ التشہد ' فضل حضور الجماعتہ ' اذا صلی وحدہ ثم ادرکہ مع الامام اعادہ الصلوٰۃ ' الرکعتان من السفر تمام ' صلوٰۃ الخوف التشدید علی من ترک الجمعہ بغیر عذر ' السعی یوم الجمعہ اذا اقیمت الصلوٰۃ ' قضا رکعتی الفجر ' یستحب الغسل العید ' صفتہ صلوٰۃ النبی عند الکسوف ' کتاب عمر فی الصدقتہ ' یعتبر النصاب فی آخر الحول ' تخریص النخل ' لا تحل الصدقتہ لغنی الا لخمستہ ' من اراد الحج ملیحرم فی اشہر الحج ' صفتہ التلبیہ ' ما لیس فی الھدی النہی عن التصریتہ ' اللقطتہ الضوال القروء ھی الاطہار اور باب الولاء لمن اعتق وغیرھم '

بعض مسائل میں احناف کی طرف رجحان

جن مختلف فیہ ابواب و مسائل میں شاہ ولی اللہ کا رجحان امام شافعی کی بجائے امام ابو حنیفہؒ کی طرف ہے' وہ بہت کم ہیں۔ مثلاً عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا'۔(۴۱) رفع حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منہ یا پیٹھ کرنا مکروہ تنزیہی ہے (۴۲)' مادہ منویہ نجس ہے (۴۳) شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے' بوقت رفع حاجت قبلہ رخ ہونا مکروہ تحریمی ہے اور مادہ منویہ

Marfat.com

نجس نہیں ہوتا۔ بنابریں وہ صلوٰۃ کو فرض اور جمعہ کے لئے کم سے کم چالیس افراد کے اجتماع کو ضروری گردانتے ہیں اور اسلام انکے نزدیک احصان کی شرائط میں سے نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کے مطابق صلوٰۃ سنت ہے (۴۴)' جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری نہیں (۴۵) اور اسلام احصان کی شرائط میں سے ہے (۴۶)

کچھ مثالیں مالکیت کی حمایت میں

بعض مختلف فیہ ابواب و مسائل ایسے ہیں' جن میں شاہ ولی اللہ کا رجحان امام ابو حنیفہ' امام شافعی اور دیگر آئمہ کی بجائے امام مالک کی جانب ہے۔ مثال کے طور پر:

' ماء کثیر کی کوئی تحدید نہیں (۴۷) (باب الحیاض لا تفسد) چار راتوں کی اقامت کے عزم سے قصر ختم (۴۸) (المسافر اذا اجمع مکث اربع لیال اتم الصلوٰۃ) دین کے وقت کتابت و تحمل شہادت فرض کفایہ ہے (۴۹) (کتاب الدیون ۔۔) علت ربوا نقد و اقتیات ہے (۵۰) (باب الوصف الذی یدور علیہ الحکم) اور سہو اً' خطاً یا مصلحتاً صلوٰۃ کے لئے اگر نماز میں ایک دو کلمات ہی کہہ دیئے جائیں تو نماز باطل نہیں ہوتی (۵۱) لا تفسد الصلوٰۃ بالکلمہ)

حنبلیت کی تائید میں چند مسائل

کچھ مختلف فیہ ابواب و مسائل وہ ہیں' جن میں شاہ ولی اللہ کا رجحان امام ابو حنیفہؒ' امام شافعی' امام مالک' اور دیگر آئمہ کی بہ نسبت' امام احمد بن حنبلؒ کی طرف ہے۔ مثلاً:

" باب ترک القنوت فی الصلوٰۃ الفجر وغیرھا میں ۔۔ نماز فجر قنوت نہیں' مگر بوقت نازلہ فجر میں بالخصوص اور تمام نمازوں میں بالعموم قنوت مستحب ہے وتر میں پورے سال قنوت مستحب اور رمضان میں موکد ہے (۵۲)۔

" باب الآیات التی یوثر السجود فیھا ۔۔ کے مطابق سجود تلاوت پندرہ ہیں۔ ایک سجدہ سورہ ص اور دو سجدے سورہ حج میں ہیں (۵۳)

" ہر معدن پر زکوٰۃ واجب ہے' خواہ ڈھالی جاسکتی ہو یا اسکا ڈھالنا ممکن نہ ہو (۵۴) ۔ (باب زکوٰۃ المعدن)

Marfat.com

باب المساقاۃ ــــ مساقاۃ اور مزارعت جائز ہے

"بوقت وصیت کسی مسلمان کی عدم موجودگی کے باعث دو ذمیوں کو گواہ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ان کی شہادت مع یمین معتبر ہو گی (۵۶)۔
باب انقلاب الدعوی۔ الخ

ابن راھویہ اور حسن بصری کے حق میں اقوال

بعض مختلف فیہ ابواب و مسائل میں شاہ ولی اللہ آئمہ اربعہ میں سے کسی سے بھی اتفاق نہیں کرتے، بلکہ وہ ان کے سوا کسی اور مجتہد کی جانب اپنا رجحان ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر "باب الحامل اذا اخافت ـــ میں اسحاق بن راھویہ کے اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ حامل بغیر قضاء چاہیں تو فدیہ دے دیں اور اگر بغیر فدیہ پسند کریں تو قضا کر لیں (۵۷) اسی طرح ایک قول میں ان کا رجحان امام حسن بصریؒ کی جانب ہے۔ فرماتے ہیں کہ ماخرج من السبیلین اور نوم سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور لمس مراۃ، مس ذکر، قے اور رعاف سے نہیں ٹوٹتا۔ (۵۸)

آئمہ حدیث کے فیصلوں پر آزادانہ عملدرآمد

شاہ ولی اللہ عقائد، اصول اور فرعی مکاتب فکر کے التزام میں جمود کو پسند نہیں فرماتے۔ ان کی خواہش دراصل یہ تھی کہ کسی پابندی کے بغیر مذاہب اربعہ اور آئمہ حدیث کے مسائل پر عمل کیا جائے۔ اس کا واضح اور بین ثبوت یہ ہے کہ وہ بظاہر حنفی ہونے کے باوصف احناف کی بجائے شوافع کے معمولات کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض مختلف فیہ ابواب و مسائل میں احناف و شوافع کی جگہ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، حسن بصری اور اسحاق بن راھویہ کی آراء و اقوال کو قبول کر لیتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ مثالیں اس کی شاہد ہیں۔ اسی طرح فروع کے متعلق شاہ ولی اللہ کی روش میں حد درجہ اعتدال پایا جاتا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں بھی اسکی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

پانی کی طہارت کے متعلق احناف اور شوافع میں بے حد اختلافات ہیں اور قلتین کی

Marfat.com

حدیث کو ان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ احناف اسے مضطرب فرماتے ہیں۔ شوافع اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا فیصلہ شوافع کے حق میں ہے۔ آپ "معذرت فرماتے ہیں کہ قدماء احناف اور موالک پر ایسی احادیث مخفی رہیں یا فہم مراد میں ان سے تسامح ہوا:

"ومثاله حدیث القلتین فانه حدیث صحیح روی بطریق کثیرة(۵۹)"

قلتین کی حدیث صحیح اور متعدد طرق سے مروی ہے۔

آئمہ احناف اور شوافع کے نزدیک امام اقتداء میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے متعلق نزاع مشہور ہے۔ شاہ ولی اللہ فریقین کے تشدد کو پسند نہیں فرماتے اور اعتدال کی روش اختیار کرتے ہوئے مقتدی کو امام کے پیچھے خاموشی سے سننے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر امام آواز سے پڑھے تو مقتدی سکتوں میں پڑھے۔ امام آہستہ آہستہ پڑھ رہا ہو تو مقتدی کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے پڑھے، مگر یہ احتیاط لازم ہے کہ امام کی قرآت میں تشویش اور پریشانی نہ ہو:

"وان کان ماموماً وجب علیه الانصات والاستماع فان جهر الامام لم یقراء الا عنده الاسکاته وان خافت فله الخیره فان قرا فلیقرا بفاتحه الکتاب قراءة لا تشویش علی الامام وهذا اولی الاقوال عندی وبه یجمع بین احادیث الباب(۶۰)"

وضو کے نواقص میں فقہاء میں اختلاف ہیں۔ شاہ ولی اللہ روش اعتدال اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وضو ٹوٹنے کا اصل سبب وہی ہے جو سبیلین سے نکلے باقی اس پر محمول ہیں:

"واصل موجب الوضوء الخارج من السبیلین وما سوی ذلک محمول علیه(۶۱)"

فقہاء احناف قنوت کو وتروں میں واجب سمجھتے ہیں اور جیسا کہ لکھا گیا ہے، شوافع صبح کی نماز میں، حقیقت یہ ہے کہ صبح کی نماز کی قنوت کے متعلق احادیث میں صحابہ و تابعین کے مذاہب مختلف ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ قنوت پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں اور اہم حوادث پر چند کلمات پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے، کیونکہ قبیلہ رعل وذکوان پر بدعا ترک کردی گئی

Marfat.com

۔ اس سے گو علی الاطلاق قنوت کا ترک ثابت نہیں ہوتا' لیکن اس سے واضح ہے کہ یہ مستقل اور دائمی سنت نہیں:

" واختلف الاحادیث و مذاہب الصحابہ و التابعین فی قنوت الصبح وعندی ان القنوت و ترکہ سیان و من لم یقنت الا عند حادثہ عظیمہ او کلمات یسیرہ اخفاء الرکوع احب الی لان احادیث شاہدہ علی ان الدعاء علی رعل و ذکو ان کان اولا ثم ترکہ وھذا ان لم یدل علی نسخ مطلق القنوت لکنھا تومی الی ان القنوت لیس سنتہ مستقرہ (۶۲)"

عذر کی وجہ سے نماز جمع کرنے کے متعلق آئمہ میں اختلاف رائے رہا ہے۔ احناف جمع و تعدیم کے قائل ہیں نہ جمع تاخیر کے اور جمع صوری دراصل جمع ہے ہی نہیں' بلکہ جمع کی صورت ہے۔ شاہ ولی اللہ کی تحقیق ہے کہ نماز کے دراصل تین ہی اوقات ہیں۔ عصر ظہر سے اور عشاء مغرب سے نکال لی گئی' تاکہ دو نمازوں میں فاصلہ کم ہو اور نیند سے پہلے ذکر سے غفلت کا احتمال نہ رہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ شارع حکیم علیہ السلام نے جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کی اجازت دے دی ہے' لیکن نہ اس پر ہمیشگی کا حکم دیا نہ اس پر تاکید فرمائی' جیسے نماز قصر کے لئے تاکید نہیں کی:

" فشرع لھم جمع التقدیم و التاخیر لکنہ لم یواظب علیہ ولم یعزم علیہ مثل ما فعل فی القصر(۶۳)"۔

ماء کثیر کی مقدار فقہائے احناف دہ دردہ اور شوافع قلتین بتاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ اس بارے میں قطعاً کوئی حدیث نہیں ہے:

" لیس فی کل ذلک حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم(۶۴)"

رکوع وغیرہ میں رفع الیدین اور وتروں کے ذکر میں شاہ ولی اللہ کے نزدیک حق یہ ہے کہ رفع الیدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک رکعت اور تین رکعت وتر پڑھنے والا اور رفع الیدین کرنے والا مجھے نہ کرنے والے سے زیادہ پسند ہے' کیونکہ رفع الیدین کی احادیث زیادہ اور صحیح ہیں' لیکن انسان کو ایسے اعمال کی وجہ سے اپنے خلاف ہنگامہ

Marfat.com

بپا نہیں کرانا چاہئے:

"والحق عندی فی مثل ذلک ان الکل سنۃ ونظیرہ الوتر برکعۃ واحدۃ والثلث والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت غیر انہ لا ینبغی لانسان فی مثل ھذہ الصور ان یثیر علی نفسہ فتنۃ عوام بلدہ (۶۵)

حنفیت سے حنفی مذہب میں اختلاف

اس موقع پر شاہ ولی اللہ بطور استدلال وہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ سے فرمایا:

"لو لا حدثان قومک بالکفر لنقضت الکعبۃ (۶۶)"

شاہ ولی اللہ یہ اصول مستنبط کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو اچھا سمجھتا ہو، لیکن اسے کرنے میں قوم میں انتشار اور فتنے کا اندیشہ ہو تو اس کام کو ترک کر دینا چاہئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے ستر فیصدی کے لگ بھگ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا، لیکن برصغیر کے عوام کی اکثریت چونکہ حنفی المذہب تھی، اس لئے انہوں نے عملاً اسی مسلک کو اختیار کیا۔ مولانا یوسف بنوری شاہ ولی اللہ کی تصنیفات سے ایسے تمام اقتباسات نقل کرنے کے بعد جن سے حنفیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے، یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

" فقہاء حنفیہ میں شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر اور آپ کے دو محقق شاگرد حافظ حدیث قاسم بن قطلوبغا اور ابن امیر الحاج جو تفقہ نفس کے ساتھ تبحر حدیث اطلاع رجال، فن جرح و تعدیل اور اصول فقہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں اور بہت سے فروعی مسائل میں اپنی خاص رائے رکھتے ہیں، اسی طبقہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا شمار ہونا چاہئے۔ بعض مسائل میں ان حضرات کا حنفیہ سے اختلاف کرنا مذہب حنفی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا اور اس کے باوجود ان کو فقہائے حنفیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض

Marfat.com

مسائل و احکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس حنفی مذہب کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا(۶۷)۔"

راجح اور مرجوع کا سوال

شاہ ولی اللہ کا اپنا بیان ہے کہ آئمہ اربعہ کے درمیان جن مسائل پر اختلاف ہے، انہیں سے اکثر و بیشتر اس امر پر ہے کہ کونسی صورت اولیٰ اور راجح ہے اور کونسی غیر اولیٰ اور مرجوع ۔(۶۸) لیکن شاہ ولی اللہ کثیر التعداد مسائل میں جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے، حنفیت سے اختلاف کے باوجود حنفی مذہب پر عمل کرتے ہیں تو وہ فقط اس تنقید کی زد میں آتے ہیں کہ راجح کو تج کر مرجوع پر عمل پیرا ہوئے ۔ اس معاملے میں بھی وہ تنہا نظر نہیں آتے، بلکہ اسلاف کی ایک کثیر جماعت کا عمل ان کا مؤید ہے ۔ مثلاً خود فرماتے ہیں کہ:

"رشید نے پچھنے لگانے کے باوجود امامت کی تو ابو یوسف ؒ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور اعادہ بھی نہ کیا، کیونکہ امام مالک کا فتویٰ تھا کہ پچھنے لگانے سے وضو کی ضرورت نہیں ۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگانے سے وضو ضروری ہے، لیکن ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر امام کے خون نکلا مگر اس نے وضو نہ کیا تو آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ آپ نے جواب دیا مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے کیسے نہیں پڑھوں گا(۶۹)"

اسی طرح شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ کی قبر کے پاس نماز ادا کی مگر پاس ادب کے طور پر قنوت نہ پڑھی اور فرمایا کہ کبھی کبھی ہم مذہب عراق کی طرف بھی اتر آتے ہیں ۔(۷۰)

مذاہب اربعہ کو باہم آمیز کرنے کی تحریک

شاہ ولی اللہ کی طرف سے حنفیت پر عمل کرنے کی نوعیت یہی تھی ۔ وہ فقہی جمود کو توڑنے کے لئے مختلف مسالک بالخصوص مذاہب اربعہ کو باہم آمیز کرنے کے زبردست حامی و مؤید تھے ۔ ان کی خواہش و کوشش تھی کہ مصالح اور انکے تقاضوں کی روشنی میں بعض

Marfat.com

مسائل میں حنفی مسلک کو اختیار کیا جائے اور بعض میں شافعی مسلک کو قبول کر لیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں آئمہ کے مذاہب امت میں اور کثرت اتباع و تصنیف کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ جمہور فقہاء اور محدث مفسر اور متکلم اور صوفی شافعی مذہب کے پابند تھے اور اکثر بادشاہ اور یونان کے رہنے والے حنفی مسلک کے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں :

" وان الحق الموافق لعلوم الملاء الاعلی الیوم ان یجعلا کمذہب واحد یعرضان علی الکتب الدونتہ فی حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفریقین فما کان موافقاً بہا یبقی و مالم یوجد اصلہ یسقط (۷۱)

بقول شاہ ولی اللہ = ملاء اعلیٰ کی نظر میں حق اور صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کو یک جا کر دیا جائے اور ان ہر دو کی جزئیات کو کتب حدیث پر پیش کیا جائے۔ دونوں مذاہب کے اہل علم نے فن حدیث میں تصنیفات کی ہیں۔ جو مسائل کے موافق ہوں، قبول کر لئے جائیں اور جن کی اصل حدیث سے نہیں، انہیں کلیتہ ساقط کر دیا جائے۔

شاہ ولی اللہ نے حنفیت کی کثرت ہندوستان میں دیکھی اور شوافع کی حجاز میں۔ چنانچہ ان دونوں میں اتحاد کی ضرورت کو انہوں نے شدت سے محسوس کیا۔ وہ اگر نجد اور سوڈان میں حنابلہ اور مالکیہ کو ملاحظہ فرما لیتے تو یقینی طور پر ان کے ساتھ اتحاد کو بھی ضروری سمجھتے۔ ان کی روشِ اعتدال یہاں بھی یقیناً کام کر دکھاتی۔ وہ بلاشبہ ان علمائے حق میں سے تھے، جن پر یہ حدیث ہر لحاظ سے صادق آتی ہے :

" ینفون عن ھذا الدین تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین (۷۲)

وہ غالی لوگوں کی تحریک، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویلات سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے دین اسلام کو فی الحقیقت غالی لوگوں کی تحریفات، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جہلاء کی فرسودہ تاویلات سے بچایا۔ وہ حنفی ہونے کے باوجود خشک اور متعصب قسم کے نظریات اور جامد عصبیت کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے اور ان کے نزدیک

Marfat.com

نہ ہی قدماء احناف میں اس طرح کا جمود پایا جاتا تھا۔ یہ جمود چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوا اور نویں صدی ہجری تک عروج کو پہنچ گیا۔ تب شاہ ولی اللہ اس نتیجے پر پہنچے کہ علم حدیث کی اصل خدمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تطبیق بین الفقہ والحدیث کے ساتھ ساتھ اعتدال بین الاجتہاد والتقلید کی راہ اختیار کی جائے۔

Marfat.com

باب ٦

اعتدال بین التقلید والاجتہاد

Marfat.com

اجتہاد

اہمیت، فضیلت اور تقاضے

تطبیق بین الفقہ والحدیث کے علاوہ شاہ ولی اللہ نے اجتہاد و تقلید کے درمیان متوازن و معتدل مسلک اختیار کیا، جو ان کے ذوق سلیم اور حقیقت پسندانہ طرز فکر و عمل کا عمدہ نمونہ اور ان وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات کا بہترین مظہر ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور خاص نوازا تھا۔ اس زمانے کی مذہبی صورت حال کچھ ایسی تھی کہ مسلمانوں کے دو طبقے بن چکے تھے۔ ایک طبقہ عام و خاص دونوں کو براہ راست کتاب و سنت کے اتباع کامل اور تمام تر معاملات میں انہیں صرف اور صرف ان ہی سے احکام حاصل کرنے کا مکلف قرار دیتا تھا۔ اس طبقہ کے کلام سے عموماً اور طرز عمل اور تحریرات سے خصوصاً ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے۔ برعکس اس کے دوسرے طبقہ کے نزدیک تقلید بہر طور ہر مسلمان پر واجب تھی اور تارک تقلید کو "فاسق" اور "ضال" کہہ کر یاد کرتا تھا۔

موئیدین تقلید اگر اپنے مخالفین پر یہ واضح کرنے کی کوشش کرتے کہ تقلید امت کو نفسانیت اور خود رائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں نظم و وحدت اور یگانگت پیدا کرنے اور شرعی احکام پر اطمینان بخش اور پر سکون طریقے سے عمل کرنے کا موقع دینے کی محض ایک انتظامی تدبیر ہے تو معاملہ اتنا پیچیدہ ہوتا نہ اس قدر طول کھینچتا۔ یہ اسی تساہل کا نتیجہ تھا کہ غیر مقلد حضرات ببانگ دھل کہنے لگے تھے کہ مقلدین، تقلید کے انتظامی عمل کو باقاعدہ ایک تشریعی عمل قرار دیتے ہیں اور انہوں نے اسے ایک فقہی مذہب اور اجتہادی مسئلہ کی بجائے منصوص اور قطعی اور دین مستقل کا درجہ دے دیا ہے۔

Marfat.com

یہ ساری صورت حال شاہ ولی اللہ کے پیش نظر تھی۔ انہوں نے روح شریعت سے قریب تر، قرن اول کے عمل سے قدرے ہم آہنگ اور فطرت انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے نہایت ساز گار تقلید کی تعبیر کی اور چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کے طرز عمل کی روشنی میں لوگوں کو انکی دینی و دنیوی زندگی میں عبادات و معاملات سے متعلق نت نئے مسائل و مشکلات پیش آنے کا تذکرہ کرتے اور ان کا حل بتاتے ہوئے اعتدال بین التقلید و الاجتہاد کی راہ نہ صرف دکھائی، بلکہ خود بھی اختیار کی۔

اجتہاد کی تعریف

لفظ اجتہاد جہد سے ماخوذ ہے، جس کے معنی طاقت اور مشقت کے ہیں۔ لغوی اعتبار سے اجتہاد کا مطلب ہے کسی ایسے کام کی تحقیق میں سعی بلیغ، جو مشقت اور کلفت کو مستلزم ہو (۱) اصطلاحی طور پر اجتہاد کی تعریف کے الفاظ ہیں:

"استفراغ الفقیہ الوسع لتحصیل ظن بحکم شرعی" (۲)

اصولیین کی اس تعریف میں استفراغ الوسع، فقیہ، تحصیل ظن اور حکم شرعی کی قید لگائی گئی ہے۔ سعی تمام اور اجتہاد معتبر لازم و ملزوم ہیں اور سعی ناتمام کی صورت میں اجتہاد غیر معتبر تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ استفراغ الوسع کی قید لگائی گئی ہے۔ فقیہ کی قید کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی غیر فقیہ یعنی نحوی یا متکلم اس طرح کی کوشش کرے تو اسے اصطلاحی اجتہاد نہیں کہیں گے۔ تحصیل ظن کی قید کا فائدہ کہ کوئی تحصیل علم کی کوشش کرے اور کسی حادثہ کے موقع پر اسے کوئی نص مل جائے تو یہ اجتہاد نہیں کہلائے گا (۳) اور یہ قید اغلباً اس لئے ہے کہ قطعیات میں اجتہاد نہیں ہوتا (۴) عقلی، حسی اور عرفی وغیرہ حکم کی جستجو کو بھی چونکہ اجتہاد نہیں کہتے (۵) لہذا حکم شرعی کی قید کا جواز پیش کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اجتہاد کی جو حقیقت بیان کی ہے اس سے اسکی تعریف اور اصطلاحی مفہوم مزید واضح ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"حقیقہ الاجتہاد، علی مایفہم من کلام العلماء استفراغ الجہد فی ادراک الاحکام الشرعیتہ الفرعیہ من ادلتہا الراجعتہ کلیاتہا الی اربعتہ اقسام

Marfat.com

الکتب والسنتہ والاجماع والقیاس "(۷)

اس تعریف میں فقیہ کی شرط کا ذکر نہ کر کے شاہ ولی اللہ نے ان سب کی تائید کر دی ہے' جو اس کو مقدر مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اجتہاد کے لئے تحصیل ظن کی قدغن سے قطع نظر مطلقاً ادراک کے الفاظ استعمال کئے ہیں' جو تحصیل ظن اور تحصیل علم دونوں کو محیط ہیں لیکن ساتھ ہی یہ تصریح فرما دی ہے کہ اجتہاد کے بعد جو چیز مجتہد کو میسر آتی ہے وہ دلیل سے اس حکم کے ثبوت کا ظن ہے۔

" واصل معنی اجتهاد آں ست کہ جملہ عظیمہ از احکام فقہ دانستہ باشد بادلہ تفصیلیہ از کتاب و سنت و اجماع و قیاس و ہر حکمے رامنوط بدلیل او شناختہ باشد وظن قوی بھمان دلیل حاصل کردہ (۸)

شاہ ولی اللہ کی تفریعات

اجتہاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صرف ایسے ہی مسئلہ کے ادراک کی سعی کی جائے جس پر علمائے سلف میں سے کسی نے گفتگو نہ کی ہو۔ کوئی اگر ایسا کرتا ہے تو شاہ ولی اللہ کے بقول اس کا ادراک علمائے سلف کے مخالف ہو یا موافق' اجتہاد ہی کی تعریف میں آئے گا۔(۹) بعض یہ پابندی لگاتے ہیں کہ مسائل کی صورت اور ان کے تفصیلی دلائل پہلے کسی نے بیان نہ کئے ہوں۔ شاہ ولی اللہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ علمائے سلف میں سے کسی کی تائید و اعانت حاصل ہو جائے تو بھی یہ ادراک اجتہاد ہو گا(۱۰)

ہر حکم کی دلیل جاننے اور بہ اس دلیل سے اطمینان قلب حاصل کرنے والا' علی وجہ البصیرہ اگر کچھ کہتا ہے اور اکثر مسائل میں اپنے شیخ کی مخالفت کی بجائے موافقت کرتا ہے تو اسکو مجتہد نہ ماننا شاہ ولی اللہ کی رائے میں گمان فاسد ہے اور اسی طرح اس گمان پر کوئی گمان کرے کہ فی زمانہ مجتہد کا وجود ناپید ہے تو یہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک گمان فاسد ہی نہیں' بناء فاسد علی الفاسد ہے(۱۱)

Marfat.com

طبقات مجتہدین

ابن الکمال وزیر نے اپنے ایک رسالہ میں فقہاء کی سات تقسیمات گنوائی ہیں:

"مجتہدین فی الشرع' مجتہدین فی المذہب' مجتہدین فی المسائل اصحاب تخریج' اصحاب ترجیح' اقوی' قوی اور ضعیف اور ظاہر الروایت اور روایت نادرہ میں تمیز کرنے کے حامل مقلدین اور مقلدین میں وہ لوگ جو مذکورہ امور میں سے کسی پر قدرت رکھتے ہوں" (۱۲)

ان سات طبقات میں سے پہلے تین کا تعلق مجتہدین سے ہے اور باقی چار مقلدین سے متعلق ہیں۔ احناف کو یہ تقسیم قابل قبول ہے رافعی اور نووی نے مجتہدین کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ مجتہد مستقل' مجتہد مطلق منتسب' مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی الفتیا' یا متبحر فی المذہب (۱۳) شوافع میں اسی تقسیم کو شرف قبولیت حاصل ہے (۱۴) اور شاہ ولی اللہ بھی اسے ہی تسلیم کرتے ہیں (۱۵)

بہ نظر تحقیق دیکھا جائے تو مجتہدین کی اقسام کے بارے میں احناف و شوافع کے درمیان بہت کم اختلاف ہے اور وہ بھی شاید ناموں اور اصطلاحات کا۔ کیونکہ شاہ ولی اللہ نے کام کے اعتبار سے مجتہدین کے طبقات اس طرح سے مقرر کئے ہیں:

> "موسس اصول اور تمام ابواب شرع میں مجتہد' اصول میں اپنے امام کا مقلد اور تمام فروع شرع میں مجتہد' اصول و نصوص میں امام کا مقلد اور اگر کسی مسئلہ میں امام کا نص پائے تو اس میں امام کے نصوص سے اسی کے اصول کے مطابق تخریج کرے۔ (۱۶)

کام کے اعتبار سے اس تقسیم پر احناف و شوافع دونوں متفق ہیں۔ لیکن شاہ ولی اللہ نے شوافع کی پیروی میں مجتہد کی ایک چوتھی قسم بیان کی ہے' یعنی اپنے امام کے مذہب میں متبحر کہ متعارض روایات میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کا اہل اور اصول' نصوص اور جمہور اصحاب کی متفقہ تخریجات میں اپنے مذھب کا پابند ہو (۱۷)

احناف کی اصطلاح میں پہلی قسم مجتہد فی الشرع' دوسری مجتہد فی المذہب' تیسری

قسم مجتہد فی المسائل یا صاحب تخریج من المجتہدین اور شوافع کے نزدیک علی الترتیب مطلق مستقل، مجتہد مطلق منتسب اور مجتہد فی المذھب کہلاتی ہے۔ چوتھی قسم کو مجتہد کہیں کہ مقلد، احناف اسے صاحب ترجیح کہتے ہیں اور شوافع مجتہد فی الفتیا یا تبحر فی المذھب دراصل متعارض روایات میں ترجیح اس کا اصل نام ہے۔ کسی حکم شرعی کا ادراک و استنباط اس کے فرائض میں داخل نہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ ابو زہرہ صاحب ترجیح کو مجتہد ماننے میں متامل ہیں۔ ان کے بقول اسے مجتہد ان معنوں میں کہہ سکتے ہیں کہ ترجیح میں اجتہاد حاصل ہے (۱۸)

مجتہد مستقل

شاہ ولی اللہ کے نزدیک مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں۔ مجتہد مستقل اور مجتہد منتسب ۔ مجتہد مستقل کے متعلق ان کا بیان ہے کہ اسے تین امتیازی خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے ۔ اولاً ان اصول و قواعد میں تصرف، جس پر اسکے مجتہدات کی بنیاد ہو اور جن سے وہ فقہ کا استنباط کرتا ہو۔ ثانیاً آیات و احادیث کا تتبع اور ان کے احکام کا علم، مختلف احادیث کے درمیان جمع، متحمل احادیث کی تعیین، متعارض دلائل میں سے بعض کی بہ نسبت بعض کا اختیار احتمال راجح کا بیان اور ان دلائل سے ماخذ احکام پر تنبیہہ۔ ثالثاً قرون مشہود لھا بالخیر میں جواب سے محروم مسائل پر مدلل گفتگو و بحث (۱۹) الانصاف اور عقد الجید میں تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ تینوں خصوصیات امام شافعی کے ہاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ ثانی الذکر خصوصیت کے متعلق تو شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں امام شافعی کا علم قریب قریب دو ثلث ہے (۲۰)

مجتہد منتسب

مجتہد مطلق کی دوسری قسم شاہ ولی اللہ کے نزدیک مجتہد منتسب ہے۔ ان سے مراد وہ مجتہد غیر مستقل لیتے ہیں (۲۱) ان کا بیان ہے مجتہد منتسب ہر حال میں علم حدیث اور اپنے اصحاب سے مروی فقہ اور اصول فقہ میں جامع ہوتا ہے (۲۲) وہ کسی صورت بھی مجتہد مستقل

Marfat.com

کی خصوصیات سے بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اصول و قواعد میں تصرف کے سلسلے میں وہ اس کا مقلد ہوتا ہے اور مجتہد مستقل کے دلائل کی ترتیب استنباط کے قواعد اور دو متعارض دلیلوں میں جمع کے طریقے مقرر کرنے میں اس سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک مجتہد منتسب کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے امام پر اعتماد کئے بغیر براہ راست کتاب و سنت کے مرتبہ کو پالے تو وہ شافعی المسلک رہے گا نہ اسکے اقوال شوافع کی کتابوں مین منقول ہوں گے۔ البتہ وہ علماء جو اجتہاد مطلق منتسب کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ دائرہ شافعیت سے باہر نہیں گئے (۲۳) اس موقع پر شاہ ولی اللہ مجتہد منتسب کی دو قسمیں بتاتے ہیں۔ مجتہد منتسب مطلق اور مجتہد منتسب مقید۔ پھر تصریح فرمائی ہے کہ

"مجتہد مستقل کے کلام میں کوئی نص نہ پاکر اگر کچھ لوگ مسائل میں مجتہد مستقل کی طرح ادلہ شرعیہ سے استنباط کریں تو وہ مجتہد منتسب مطلق اور فحوائے خطاب یا طرد علت کے ذریعہ مجتہد مستقل کے قول پر تخریج کریں تو مجتہد منتسب مقید کہلائیں گے (۲۴)"

مجتہد فی المذھب

اس کا درجہ شاہ ولی اللہ کی نظر میں مجتہد منتسب سے کم ہے (۲۵) فرماتے ہیں کہ مجتہد فی المذھب امام کے فوائد نہ جاننے کے باوجود اس کے نصوص کا پابند ہوتا ہے نیز وہ امام کے مذہب کے مطابق اجتہاد کرتا ہے اور اسی کے طریقے کے مطابق اسی کے اقوال کی روشنی میں تخریج بھی (۲۶) اور قریب قریب یہ وہی صفت ہے جو انہوں نے مجتہد منتسب مقید کے لئے بیان کی ہے۔ اس اعتبار سے مجتہد فی المذھب اور مجتہد منتسب مقید دراصل ایک ہی ہیں لیکن الانصاف میں شاہ ولی اللہ نے تصریح کردی ہے کہ مجتہد فی المذھب کتاب، سنت، آثار سلف اور قیاس کے ذریعہ اپنے امام پر استدراکات تو کرتا ہے، لیکن یہ موافقات کی بہ نسبت کم ہوتے ہیں (۲۷)۔

مجتہد فی المذھب کے لئے شاہ ولی اللہ نے یہ بات بھی ضروری قرار دی ہے کہ اس کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ ہو، نیز اسے اتنے آثار حفظ ہوں کہ وہ صحیح حدیث یا سلف کے

Marfat.com

اتفاق کی مخالفت سے محفوظ رہ سکے ۔(۲۸)

مجتہد فی الفتیا۔

اسی کو تبحر فی المذھب بھی کہتے ہیں ۔ شاہ ولی اللہ نے مجتہد فی الفتیا کو مجتہد فی المذھب کے بعد رکھا ہے اور اسکی شرائط میں یہ باتیں گنوائی ہیں کہ وہ اپنی کتاب کا حافظ ' اپنے امام کے مذھب میں تبحر اور متعارض روایات میں ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کا اھل ہو (۲۹) ۔ مجتہد فی الفتیا کے لئے وہ اس کا صحیح الفہم ہونا اور عربیت ' اسالیب کلام اور مراتب ترجیح سے آگاہ ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں ۔ انہوں نے یہ تصریح بھی فرمادی ہے کہ مجتہد فی الفتیا ' جب دو صورتوں میں سے ایک کو پائے اور اسکے پاس امام تک اسکی کوئی صحیح اور معتمد علیہ سند یا کوئی مشہور و موجود کتاب میں مذکورہ حوالہ ہو تب ہی وہ فتویٰ دینے کا مجاز ہے ۔ (۳۰)

نظری مسائل اور مجتہد مصیب ۔

بنیادی طور پر نظری مسائل دو قسم کے ہیں ۔ قطعی اور ظنی ۔ قطعی کی پھر تین قسمیں ہیں عقلی ' اصولی اور فقہی ' اول الذکر میں حدوث عالم ' وجود باری ' صفات باری ' جواز رویت اور خلق اعمال وغیرہ ' ثانی الذکر میں اجماع ' قیاس ' اور خبر واحد کی حجیت کہ ان مسائل کے دلائل قطعی ہیں اور موخر الذکر میں صلوات خمس ' زکوٰۃ ' صوم اور حج کا وجوب ' اور زنا ' قتل ' سرقہ اور شرب خمر کی حرمت وغیرہ شامل ہیں ۔ ان تینوں صورتوں میں حق صرف ایک ہوتا ہے اور فقط ایک ہی مجتہد مصیب (۳۱) ۔

قطعی دلائل سے محروم ظنی مسائل کے بارے میں تین قول ہیں اول ہر قول حق اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے (۳۲) ایک قول حق اور صرف ایک مجتہد مصیب ہوتا ہے (۳۳) ۔ صرف ایک قول حق ' لیکن ہر مجتہد مصیب (۳۴) شاہ ولی اللہ کے بیان کے مطابق جمہور فقہاء ثانی الذکر کے قائل ہیں اور ائمہ اربعہ سے بھی یہی منقول ہے (۳۵) لکھتے ہیں کہ ابو الحسن الاشعری ' قاضی ابو بکر ' ابو یوسف ' امام محمد ' ابن سریج اور اشاعرہ اور معتزلہ میں سے جمہور متکلمین اس کے موید ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے (۳۶) ۔

Marfat.com

رسالت مآبؐ اور منصب اجتہاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کے لئے مامور تھے کہ نہیں؟ اس بارے میں مختلف اقوال و آراء ہیں۔ اشاعرہ، اکثر معتزلہ اور ظاہریہ اور امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ آپ اجتہاد کے لئے مامور ہوئے نہ آپؐ کے لئے اجتہاد جائز تھا۔ (۳۷) ان کے سوا باقی تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جواز اجتہاد کے قائل ہیں۔ احناف کے نزدیک تو آپ کا اجتہاد وحی باطن ہے۔ گو آپ وحی پر مامور تھے" تاہم تاخیر وحی کی صورت میں اجتہاد فرماتے تھے۔ (۳۸) امام مالک شافعی، احمد بن حنبل، عام اصحاب حدیث اور اصولیین کا مذہب تو یہ ہے کہ انتظار وحی کے بغیر بھی آپ کو منصب اجتہاد حاصل تھا۔ امام ابو یوسف اسی کے قائل ہیں (۳۹) الحسینی نے تصریح کی ہے کہ شرعی احکام میں آپ کے لئے اجتہاد جائز نہ تھا، البتہ دینی اور حربی امور میں آپ مختار تھے۔ (۴۰)۔

شاہ ولی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ اجتہاد پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اول ذخیرہ کتب حدیث میں مدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی دو قسمیں بتاتے ہیں۔ یعنی وہ امور جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے اور جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے۔ پھر پہلی قسم کی مزید تین قسمیں گنواتے ہیں: علوم معاد اور عجائب ملکوت، شرائع عبادات اور ارتفاقات کا ضبط فضائل اعمال اور مناقب عمال، اور حکم مرسلہ اور مصالح مطلقہ یعنی اچھے برے اخلاق کا بیان۔ اسکے بعد ان کا بیان ہے کہ پہلی قسم میں اجتہاد نبوی کو قطعاً دخل نہیں۔ دوسری میں بعض امور وحی پر مبنی ہیں اور بعض کا مدار اجتہاد پر ہے اور تیسری ذیلی قسم کے بیشتر امور کا انحصار اجتہاد پر ہے (۴۱) اس کے بعد وہ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد غیر متبدل یعنی بمنزلہ وحی ہے۔

"و اجتہادہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ الوحی لان اللہ تعالی عصمہ من ان یتقرر رایہ علی الخطأ (۴۲)"

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی

Marfat.com

نوعیت کیا تھی؟ اجتہاد و قیاس میں عام خاص من وجہ کی نسبت سے انکار ممکن نہیں۔ یعنی ہر قیاس اجتہاد ہے، لیکن ہر اجتہاد قیاس نہیں۔ قیاس تو اجتہاد کی صرف ایک شکل ہے۔ اسی طرح جیسے نصوص کی مرادات کی دریافت اور بصورت تعارض نصوص ان کا حل وغیرہ اجتہاد کی مختلف صورتیں ہیں۔ عام مجتہدین اجتہادات کی ان صورتوں سے ماورا نہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد صرف اسی صورت سے مخصوص ہے، جس کو قیاس کہتے ہیں الحاق المسکوت بالمنطوق (۴۳) اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ اجتہاد عام مجتہدین کے اجتہاد سے ممتاز و ممیز ہے:

"ولیس یجب ان یکون اجتهاده استنباطا من المنصوص کما یظن بل اکثره ان یکون علمه الله تعالی مقاصد الشرع وقانون التشریع و التیسیر والاحکام فبین المقاصد المتلقاة بالوحی بذلک القانون (۴۴)"

حجۃ اللہ البالغہ کی اس عبارت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد دو طرح سے تھا۔ منصوص سے استنباط، اور یہ وہی ہے جسے اصطلاحی قیاس کہتے ہیں یعنی الحاق المسکوت بالمنطوق۔ دوسرے شریعت کے عام مقاصد اور تشریع و تیسیر و احکام کے جو عام قوانین آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوتے ہیں، انکی روشنی میں اجتہاد۔ گویا ایک صورت تو غیر منصوص کو منصوص حکم پر قیاس کرکے اس کا حکم مستنبط کرنے کی تھی اور یہ دوسرے مجتہدین کے لئے بھی ممکن ہو سکتی ہے لیکن دوسری صورت صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص و منصوص ہے۔

مجتہدین اور مذاہب اربعہ

شاہ ولی اللہ نے الانصاف کے آخری حصے میں اس بارے میں تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے کس مذہب میں اور کب تک کیسے کیسے مجتہدین کا ظہور ہوا۔ انکے نزدیک حنفی مذہب میں تیسری صدی ھجری کے بعد کوئی مجتہد مطلق منتسب پیدا نہیں ہو سکا، البتہ مجتہدین فی المذہب ہوتے رہے۔ مجتہد مطلق منتسب کے لئے چونکہ اعلیٰ درجہ کا محدث ہونا ضروری ہے اور احناف میں اشتغال حدیث کا فقدان رہا ہے، اسلئے

Marfat.com

تیسری صدی ھجری کے بعد شاہ ولی اللہ کو ان میں کوئی مجتہد مطلق منتسب دکھائی نہیں دیتا

مالکیوں میں مجتہدین منتسب کم ہوئے اور ان میں بھی فقط ابو عمرؒ ابن عبد البر اور قاضی ابو بکرؒ ابن العربی کے اسمائے گرامی نمایاں ملتے ہیں۔ لیکن ان کے تفرد کو مالکی مذہب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اس کے مقابلے حنبلی مذہب اتنا زیادہ نہیں پھیل سکا لہٰذا نویں صدی ھجری کے اختتام تک اس میں طبقاً مجتہدین منصہ شہود پر آئے، مگر شافعی مذہب میں مجتہدین مطلق، مجتہد فی المذہب اصولیین، متکلمین مفسرین اور شارحین حدیث سب سے زیادہ ہوئے۔ یہ مذہب اسناد و روایت کے اعتبار سے سب سے صحیح اور امام کے نصوص کے ضبط میں سب سے قوی ہے۔ اسکا مادہ مدون مشہور اور مخدوم احادیث ہیں۔ ایسا مادہ جس میں موطا، صحاح ستہ، سنن دارمی، مسند شافعی، سنن دار قطنی، سنن بیہقی اور شرح السنہ وغیرہ شامل ہیں کسی اور مذہب کو نصیب نہیں ہو سکا (۴۵)

اجتہاد۔ فرض کفایہ

مذاہب اربعہ میں مجتہدین کی کیفیت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ احناف میں زمانے کا ہر قسم کے مجتہد سے خالی ہونا بعید نہیں (۴۶) حنابلہ کسی نہ کسی مجتہد کے وجود کو ہر زمانے میں فرض کفایہ مانتے ہیں (۴۷) خواہ یہ بقول ابو زہرہ مجتہد کسی درجہ کا ہو (۴۸) مالکیہ کے نزدیک ہر دور میں مجتہد فی المذہب کے وجود کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (۴۹) شاہ ولی اللہ اس مسئلے میں شوافع کے ساتھ ہیں کہ ہر عہد میں مجتہد مطلق منتسب کا وجود ضروری ہے۔ فرماتے ہیں

> "اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است و مراد از اجتہاد این جانہ اجتہاد مستقل است مثل اجتہاد شافعی کہ در معرفت تعدیل و جرح رجال و معرفت لغت و مثل آن محتاج بشخصے دیگر نبود و ہمچنیں در روایت مجتہدانہ مسبوق باجتہاد کسیے نہ بل معرفت احکام شرعیہ از ادلہ تفصیلیہ و تفریع و ترتیب مجتہدانہ اگرچہ

Marfat.com

بارشاد صاحب مذھبی بودہ باشد" (۵۰)

مقدمہ مصفی کے علاوہ الانصاف میں بھی شاہ ولی اللہ نے ان ہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے 'اپنی ثانی الذکر تالیف میں توانہوں نے ہر زمانے میں مجتہد کی ضرورت پر علامہ سیوطی کے حوالے سے ابن صلاح 'نووی اور رافعی کے اقوال بھی نقل کئے ہیں اور ان سے اتفاق رائے ظاہر کرتے ہوئے اپنے اس مسلک کا اظہار کیا ہے کہ ہر دور میں کسی نہ کسی مجتہد کا ہونا ضروری ہے اور یہ مجتہد مطلق منتسب ہونا چاہئے کیونکہ اجتہاد فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ مجتہد مقید کے بس کی بات نہیں۔ شاہ ولی اللہ کا یہ بھی بیان ہے کہ تیسری صدی ھجری کے بعد کوئی مجتہد مستقل پیدا نہیں ہو سکا اور اگر کسی زمانے میں اجتہاد کو ترک کر دیا جائے تو سب لوگ گناھگار ہوں گے (۵۱)۔

مجتہد مطلق کے شرائط

مجتہد مطلق کے لئے متفق علیہ اور مختلف فیہ دونوں طرح کے شرائط ہیں۔ متفق علیہ میں کتاب 'سنت 'اجماع 'قیاس اور علم عربیت شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے بغوی کے حوالے سے ان شرائط خمسہ کا علم مجتہد مطلق کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ صرف اس ترمیم و اضافے کے ساتھ کہ اجماع کی بجائے علم اقاویل سلف کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (۵۲) اجماع چونکہ علم اقاویل سلف کا ایک جزء ہے اس لحاظ سے شاہ ولی اللہ کو ان متفق علیہ شرائط میں اجماع سے بھی انکار نہیں۔

دیگر شرائط میں امام شافعیؒ کے نزدیک مجتہد مطلق کے لئے صحت فہم اور حسن تقدیر (۵۳) شاطبیؒ کے خیال میں مقاصد شریعت کا فہم کامل (۵۴) اور امام غزالیؒ کے بقول اس کا عادل ہونا 'ان معنوں میں ضروری ہے کہ وہ عدالت کو مجروح کرنے والے معاصی سے مجتنب رہا ہو (۵۵) ان میں موخر الذکر شرط قابل قبول نہیں کیونکہ عدالت فقط قبولیت فتویٰ کو لازم ہے (۵۶) بعض کہتے ہیں کہ مجتہد مطلق کے لئے صحت نیت 'اور سلامت اعتقاد ضروری ہے (۵۷) اور یہ تمام چونکہ بنیادی باتیں ہیں 'جو مجتہد کو لازم نہیں غالباً اسی لئے شاہ ولی اللہ نے ان کا ذکر مستقل شرائط میں نہیں کیا۔

Marfat.com

مجتہد کی مختلف فیہ شرائط میں دلیل عقلی اور علم اصول دین شامل ہیں اول الذکر شرط کے تائید کنندگان میں امام غزالیؒ کے علاوہ امام فخرالدین رازی وغیرہ شامل ہیں (۵۸) لیکن شاہ ولی اللہ کے ہاں ایسی کسی شرط کا ذکر نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اجتہاد کا مدار ادلہ عقلیہ پر نہیں ادلہ شرعیہ پر ہے۔ علم اصول دین کی شرط کے قائل تقریباً معتزلہ ہی ہیں۔ جمہور کے مسلک میں مجتہد مطلق کے لئے یہ شرط داخل نہیں۔

بعض نے تصریح کی ہے کہ ضروریات مثلاً وجود و صفات باری تعالیٰ اور آوردہ انبیاء کی تصدیق وغیرہ کا علم اگر مجتہد کو حاصل ہو تو بہتر ہے اور اصول دین کے دقائق کا علم ضروری نہیں (۵۹) شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ مجتہد اصول اعتقاد کے علم سے آگاہ ہو مگر اس کے لئے متکلمین کے طریق اور انکے دلائل کے ساتھ اصول اعتقاد کے علم کی شرط لازم نہیں۔ (۶۰)

امام غزالیؒ کی رائے میں اجتہاد فروع کی ممارست سے حاصل ہوتا ہے (۶۱) اور ابو اسحٰق اور ابو منصور بھی اس نظریہ کے قائل ہیں کہ فروع کا علم مجتہد کے لئے ضروری ہے (۶۲) شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ اجتہاد کا فروع کی ممارست سے حاصل ہونا مجتہد مطلق منتسب کے لئے ہے، مجتہد مطلق مستقل کے لئے نہیں (۶۳)۔

علم حدیث شرط لازم

شاہ ولی اللہ کے نزدیک مجتہد مطلق کو پانچ علوم سے آگاہی ضروری ہے، یعنی احکام قرآن و حدیث کی معرفت اسے حاصل ہو اور خاص و عام، مجمل و مبین اور ناسخ و منسوخ پر اس کی عمیق نظر ہو۔ متواتر و غیر متواتر، متصل و مرسل احادیث اور راویوں کی قوت و ضعف کے بارے میں جانتا ہو۔ عربی زبان اور قواعد نحو سے اسکی واقفیت ضروری ہے نیز اقوال صحابہ و تابعین کو اجماع اور اختلاف سے پہچانے اور قیاس کی تمام اقسام کا اسے علم ہو:

"وھو ان یعرف من القران و السنته مایتعلق بالاحکام و خاصہ و عامہ و مجملہ و مبینہ و ناسخہ و منسوخہ و متواتر السنہ و غیرھا والمتصل و المرسل و حال الرواۃ قوۃ وضعفا ولسان العرب لغت و نحو و اقوال العلماء من الصحابہ و من بعدھم اجماعا و اختلافا و القیاس" (۶۴)

Marfat.com

مجتہد مطلق کی پانچ مسلمہ شرائط میں شاہ ولی اللہ علم حدیث کا بطور خاص اور تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سنت کے سلسلے میں سر فہرست احادیث احکام کا علم ضروری ہے اور قصص و مواعظ و اخبار کا جاننا ضروری نہیں (۶۵) لیکن انہوں نے یہ تصریح نہیں فرمائی کہ احادیث احکام کی تعداد ان کے نزدیک کیا ہے؟ ابن عربی تو تین ھزار بتاتے ہیں (۶۶) اور ملاجیون کا بھی یہی خیال ہے (۶۷) بعض کے نزدیک پانچ سو کافی ہے (۶۸) امام احمد کے قول پر کہ پانچ لاکھ احادیث یاد ہوں' ابن امیر الحاج کی رائے ہے کہ مبنی بر احتیاط ہے یا کامل ترین فقہاء کے لئے مخصوص ورنہ جتنی احادیث کا علم کافی ہے اس کے متعلق خود امام صاحب ہی کا قول ہے کہ علم نبوی کا مدار جن اصول حدیث پر ہے ان کی تعداد ایک ھزار دو سو ہے (۶۹) امام غزالیؒ کے خیال میں ان احادیث احکام کا حفظ ضروری نہیں' فقط اتنا کافی ہے کہ اس کے پاس سنن ابی داؤد یا بیہقی کی معرفت السنن یا احادیث احکام کی جامع کوئی صحیح اصل موجود ہو اور وہ بوقت مراجعت ہر باب کے مواقع سے آگاہ ہو (۷۰) علامہ شوکانیؒ اصولیین کی اس رائے پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امہات ستہ اور ان کی ملحقات نیز مسانید' مستخرجات اور ان کتب پر اطلاع و آگاہی بھی ہو جنکے مصنفین نے صحت کا التزام کیا (۷۱)۔

سنت کے سلسلے میں یہاں دوسرا اہم علم متن کی معرفت ہے اور تیسرا سند کی معرفت۔ اول الذکر میں متواتر' مشہور یا احاد' صحیح' حسن یا ضعیف' مقبول یا مردود اور روایت باللفظ یا روایت بالمعنی ان سب کا مجتہد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ سند کی معرفت میں رواۃ کے حالات اور جرح و تعدیل وغیرہ شامل ہیں (۷۲) شاہ ولی اللہ کے نزدیک جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ سنت سے متعلق صرف اتنے حصے کا علم ضروری ہے' جو احکام سے متعلق ہو' اسکے بعد وہ فرماتے ہیں کہ تمام متفرق احادیث کا تتبع بھی ضروری نہیں۔ بلکہ اگر کسی کے پاس احادیث احکام کی کوئی بھی جامع کتاب ہے مثلاً سنن ترمذی' نسائی' یا سنن ابی داؤد تو کافی ہے۔ لیکن صحیح' ضعیف' متواتر' احاد' مرسل' مسند' مفصل اور منقطع احادیث کے علم کے علاوہ خاص و عام مطلق و مقید' مجمل و مبین' ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہ' کراھت و تحریم' اباحت و ندب اور وجوب کے علم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آخر میں شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ اسانید جرح و تعدیل اور مختلفین کے درمیان وجوہ تطبیق کے علوم کا بھی مجتہد کے لئے جاننا ضروری ہے (۷۳)۔

تقلید

چوتھی ھجری سے پہلے اور چوتھی صدی ھجری کے بعد

حدیث کی طرح شاہ ولی اللہ نے تقلید و اجتہاد کی تعریف و تاریخ بھی بیان کی ہے۔ تقلید کے موضوع پر در اصل انکے مباحث، جن کی دو حیثیتیں ہیں یعنی تاریخی اور شرعی، انکی تصانیف حجتہ اللہ البالغہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اور عقید الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تقلید کی اول الذکر تاریخی حیثیت بیان کرتے ہوئے ان کا موقف یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ھجری میں لوگ شخص واحد کی تقلید پر جمع نہ تھے:

" ان الناس کانوا فی المائۃ الاولی او الثانیہ غیر مجتمعین علی التقلید بمذھب واحد بعینہ"(۱)

چوتھی صدی ھجری میں تقلید خالص مذھب واحد پر ان کا اجماع نہ تھا۔

" ان اہل المائتہ الرابعہ لم یکونوا مجتمعین علی التقلید الخالص علی مذھب واحد"(۲)

اور پھر عزالدین بن عبدالسلام کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ لوگ ایسے ہی تھے بغیر تقلید کے، جس سے چاہتے مسئلہ دریافت کر لیتے۔

" الناس لم یزالو علی ذلک یسئلون من اتفق من العلماء من غیر تقلید بمذھب ولا انکار احد من السائلین"(۳)

شاہ ولی اللہ کی تصریحات کے مطابق چوتھی صدی ھجری سے قبل آبادیوں کی مقررہ شخصیات ہی دین کا مرجع و ماخذ تھیں۔ مثلاً امام مالک" کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل حجت تھا،

Marfat.com

جبکہ امام ابو حنیفہ" ابراھیم نخعی" اور انکے رفقاء کو ترجیح دیتے تھے۔ دوسری صدی ھجری تک تو ھر شہر میں ایک امام مقرر تھا۔ سعید ابن المسیب" اور سالم" بن عبداللہ مدینہ میں ان کے بعد زہری قاضی یحیی" اور ربیعہ" مکہ میں عطا" بن رباح" کوفہ میں ابراھیم" نخعی اور شعبی" بصرہ میں حسن بصری"، یمن میں طاوس بن کیسان" اور شام میں مکحول"۔ یہ حضرات بعض فقہی مسائل میں اپنے اکابر کی تقلید کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے فتاوی کو پیش کرنا سعید بن المسیبؒ اور حضرت علی ابن مسعودؓ اور قاضی شریح کے فتاوی اور فیصلوں کو مثال بنانا ابراھیم نخعی" وغیرہ کا فقہی معمول تھا۔ گویا تاریخ ترویج سے پہلے بھی تقلید کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی۔ شاہ ولی اللہ" نے تو واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ دوسری صدی ھجری کے بعد ایک مجتہد کو معین کرکے اسی کے مذھب پر عمل کرنے کا رواج ہوا۔ یہاں تک کہ اس وقت ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو کسی ایک معین مجتہد کے مذھب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانے میں یہی چیز واجب تھی:

"و بعد المائتين ظهر فيهم التمذهب المجتهدين باعيانهم و قل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب في ذلك الزمان (۴)"

تقلید کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

تقلید کا لفظ قلادۃ سے ماخوذ ہے، جسکے لغوی معنی "ھار" کے ہیں۔ ماہرین لغت کے نزدیک کسی چیز کا گلے میں یا کندھے پر لٹکانا تقلید ہے۔ صدر اسلام اور بعد کے زمانے میں بھی لوگ عربوں کی پرانی رسم کے مطابق ھدی کی گردن میں کوئی شے بطور قلادہ اس لئے لٹکا دیتے تھے کہ بقول امام مالک" سفر کے دوران قربانی کے جانور کو نظر نہ لگے۔ سپاہ میں کسی کی اعلیٰ عہدہ پر تقرری ہو یا انتظامیہ کے منصب قاضی پر کوئی فائز ہوتا تو اس کے گلے میں بھی شمشیر حمائل کردی جاتی (۵) لیکن اصطلاحی طور پر اس لفظ کا اطلاق کسی قول کو اسکی دلیل پوچھے یا سمجھے بغیر قبول کرلینے یا عمل کرنے پر ہوا۔ جیسا کہ امام غزالی" فرماتے ہیں:

"التقليد هو قبول قول بلا حجة (۶)"

بنابریں امام غزالیؒ نے تصریح کردی ہے کہ تقلید اصول و فروع میں حصول علم کا طریقہ نہیں (۷) علامہ محب اللہ کا کہنا ہے کہ غیر کے قول پر کسی دلیل کے بغیر عمل کرنے کا نام تقلید ہے:

"التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجتہ" (۸)

ابن الہمام کا بیان ہے کہ تقلید کسی ایسے شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کو کہتے ہیں، جس کا قول دلائل (اربعہ) میں شمار نہیں ہوتا:

"التقلید العمل بقول من لیس قولہ احد الحجج بلاحجتہ"(۹)

علامہ قفال کی رائے میں تقلید اس شخص کے قول کو قبول کرنے کا نام ہے جس کے متعلق علم نہ ہو کہ اس نے یہ قول کہاں سے لیا ہے۔

"ھو قبول القول و انت لاتعلم من این قال"(۱۰)

الامدی کے خیال میں قول غیر پر کسی ایسی دلیل کے بغیر جو اس پر عمل کو لازم قرار دے، عمل پیرا ہونے کو تقلید کہتے ہیں:

"اما التقلید فعبارۃ عن العمل بقول الغیر من غیر حجتہ ملزمتہ"(۱۱)

امام شوکانی کے قول کے بموجب کسی ایسی شخصیت کی رائے کو بغیر دلیل اختیار کر لینا، جو حجت نہیں، تقلید ہے:

"التقلید ہو قبول رای من لا تقوم بہ الحجتہ بلاحجتہ"(۱۲)

اور قاضی تھانوی شروح حسامی سے نقل کرتے ہیں کہ اصطلاحاً تقلید کہتے ہیں کسی آدمی کا دوسرے کے قول یا فعل کی محض حسن نیت سے اتباع کرنے کو، جو ابتداً دلیل میں غور کرنے پر مبنی نہیں:

"التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدا الحقیقتہ من غیر نظر الی الدلیل"(۱۳)

جواز تقلید

احکام کی دراصل دو قسمیں ہیں۔ عقلی اور شرعی۔ ابو اسحٰق شیرازی کے نزدیک عقلی

Marfat.com

مسائل مثلاً صانع اور اسکی صفات کی معرفت وغیرہ میں تقلید جائز نہیں (۱۴) ابن حاجب کا بیان ہے کہ جن مسائل کا رسول اللہ کے دین سے ہونا ھدایتہً معلوم ہو مثلاً نماز پنجگانہ زکوٰۃ رمضان کے روزے ' حج ' زنا اور شراب نوشی کی حرمت وغیرہ ' ان میں تقلید ناجائز ہے (۱۵)۔ خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے کہ نماز ' روزہ ' زکوٰۃ ' اور حج وغیرہ سے قطع نظر جس میں تقلید جائز نہیں عبادات و معاملات اور شادی بیاہ کے فرعی مسائل جن کے علم کے لئے فکر و نظر اور استدلال ضروری ہے تقلید درست ہے۔

" وضرب اخر لا یعلم الا بالنظر و الا ستدلال کفر و ع العبادات و المعملات و الفروع و المناکحات و غیر ذلک من الاحکام فھذا المسوغ فیہ التقلید"(۱۶)

عبدالغنی نابلسی بھی کہتے ہیں کہ تقلید کی ضرورت در حقیقت ان مسائل میں پڑتی ہے جن میں علماء کا اختلاف رہا ہو:

" و اما اشبہ ذلک و الامر المختلف فیہ ھو الذی یحتاج الی التقلید فیہ"(۱۷)

مولانا اشرف علی تھانوی کے بقول:

" مسائل تین قسم کے ہیں۔ اول وہ جن میں نصوص متعارض ہیں۔ دوم وہ جن میں نصوص متعارض نہیں۔ مگر وجوہ و معانی متعددہ کو متحمل ہوں ' گو اختلاف نظر سے کوئی معنی قریب کوئی بعید معلوم ہوتے ہوں۔ سوم وہ جن میں تعارض بھی نہ ہو اور ان میں ایک ہی معنی ہو سکتے ہوں۔ پس قسم اول میں رفع تعارض کے لئے مجتہد کو اجتہاد کی اور غیر مجتہد کو تقلید کی ضرورت ہو گی۔ قسم ثانی ظنی الدلالتہ کہلاتی ہے۔ اس میں تعیین احد الاحتمالات کے لئے اجتہاد و تقلید کی حاجت ہو گی۔ قسم ثالث قطعی الدلالتہ ہے۔ اس میں ہم اجتہاد کو جائز کہتے ہیں نہ تقلید کو (۱۸)"

شرعی فروعی مسائل میں مجموعی طور پر تین قسم کے اقوال ملتے ہیں۔ اولاً تقلید مطلقاً ناجائز ہے اور اس میں ابن حزم نے حرمت تقلید پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ ثانیاً مطلقاً واجب ہے اور یہ بعض حشویہ کا مذھب ہے۔ ثالثاً تقلید عامی کے لئے واجب مگر مجتہد کے لئے حرام ہے

Marfat.com

۔(۱۹) ائمہ اربعہ کے متبعین کی اکثریت جس میں شاہ ولی اللہ بھی شامل ہیں اسی قول کی قائل ہے۔

تقلید کا اچھا یا برا ہونا معتقد فیہ کے احوال پر موقوف ہے۔ اگر معتقد فیہ غیر مطیع (فاسق و فاجر یا مشرک و کافر) ہو تو تقلید حرام و قبیح ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت جابجا وارد ہے اور اگر معتقد فیہ مطیع اور لائق اتباع یعنی امام و مجتہد ہو تو تقلید حسن اور بعض حالات میں واجب ہے۔ قرآن و حدیث اسکی تقلید میں مملو ہیں اور یہی امت مسلمہ میں رائج و مشہور ہے۔ شاہ ولی اللہ بھی اسی تقلید کے معتقد و مادح بلکہ قائل و عامل تھے۔ فرماتے ہیں۔

" ان الامتہ اجتمعت علی ان یعتمد و اعلی السلف فی معرفتہ الشریعہ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابتہ و تبع التابعین وہکذا فی کل طبقتہ اعتمد العلماء علی من قبلہم۔"(۲۰)

"معرفت شریعت میں تمام امت نے بالاتفاق سلف پر اعتماد (واعتبار) کیا ہے۔ چنانچہ تابعین نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ہے اسی طرح ہر ہر طبقہ میں پچھلے علماء پہلے علماء پر اعتماد (واعتبار) کرتے چلے آئے ہیں۔"

شاہ ولی اللہ اپنی تصریحات میں صرف اس تقلید کے مخالف نظر آتے ہیں، جس میں کسی غیر نبی کو واجب الطاعت ہونے کا درجہ دے دیا جائے اور اس قول کے مقابلے میں صحیح حدیث کو رد کر دیا جائے۔ اس قسم کی تقلید اور اعتقاد ان کے نزدیک کفر، دین میں تحریف، گمراہی اور حرام ہے۔ لیکن جہاں تک نفس تقلید کا تعلق ہے، شاہ ولی اللہ اس کے خلاف نہیں۔ وہ اسے بوجوہ جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن حزم کے حرمت تقلید کے قول پر انکے تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

"جو شخص صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مانتا ہو اور حلال و حرام سمجھتا ہو، لیکن اسے کلام نبوی سے استنباط کا طریقہ معلوم نہ ہو، تو وہ کسی عالم راشد کی پیروی کر لے اور پھر کبھی بعد میں بالفرض اپنی قائم کردہ رائے کے برعکس اسکو پائے اور کسی جدال یا اصرار کے بغیر فوراً اس کی تقلید ترک کر دے، تو اس قسم کی تقلید سے انکار نہیں کیا جا سکتا" (۲۱)

تقلید کے جواز پر شاہ ولی اللہ نے امت کا جو اجماع نقل کیا ہے' اس سے ایک طرف تو یہ اجماعی مسئلہ قرار پاجاتا ہے اور دوسری طرف اس میں خاطر خواہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ جو در اصل مدون ہو کر تحریری شکل میں موجود ہیں' ان کی تقلید کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے اور اسکی مصلحتیں پوشیدہ نہیں۔ بالخصوص اس زمانے میں جب کہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں خواہش پرستی لوگوں کی گھٹی میں پڑ گئی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر فخر کرنے لگا ہے:

"ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا و في ذلك من المصالح مالا يخفى ' لاسيما في هذه الايام التي قصرت فيها الهمم جدا و اشربت النفوس الهوى و اعجب كل ذى راى برايه۔"(۲۴)

مذاہب اربعہ کی تخصیص

ایک اہم سوال یہ ہے کہ امت میں ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی بہت سے مجتہدین گزرے ہیں۔ مثلاً سفیان ثوری' امام اوزاعی' عبداللہ بن مبارک' اسحٰق بن راھویہ' امام بخاری' ابن ابی لیلی' ابن شبرمہ' اور حسن بن صالحؒ وغیرہ' انکی یا ان میں سے کسی کی تقلید پر زور کیوں نہیں دیا گیا۔ اس کی مجبوری اغلباً یہ ہے کہ ان حضرات کے فقہی مذاہب مدون شکل میں محفوظ نہ رہ سکے۔ محدث عبدالرؤف مناوی حافظ ذھبی سے نقل کرتے ہیں:

"و يجب علينا ان نعتقد ان الائمة الاربعة والسفيانين والاوزاعي وداؤد الظاهري و اسحق بن راهويه و سائر الائمة على هدى۔ و على غير المجتهد ان يقلد مذهبا معينا لكن يجوز تقليد الصحابة و كذا التابعين كما قاله امام الحرمين من كل من لم يدون مذهبه فيمتنع تقليد غير الاربعة في القضاء والافتاء لان المذاهب الاربعة انتشرت و تحررت حتى ظهر تقييد مطلقها و تخصيص عامها بخلاف غيرهم لانقراض اتباعهم وقد نقل الامام الرازي رحمته

اللہ تعالی اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابۃ و اکابرھم۔"(۲۳)

علامہ نووی کہتے ہیں کہ صحابہؓ کرام اور قرون اولیٰ کے اکابر اگرچہ درجہ کے اعتبار سے فقہاء مجتہدین سے بلند و برتر ہیں، لیکن انہیں اپنے علم اور اسکے اصول و فروع کو مدون و منضبط کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس لئے کسی شخص کے لئے انکے مذہب کی تقلید جائز نہیں۔ در اصل یہ کام بعد کے ائمہ نے کیا جو خود صحابہؓ و تابعین کے مذاہب کے خوشہ چین تھے اور جنہوں نے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی ان کے احکام مدون کئے اور اپنے مذاہب کے اصول و فروع کو واضح کیا۔ مثلاً امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ:

" ولیس لہ التمذھب بمذھب احد من ائمۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم وغیرھم من الاولین و ان کانو اعلم و اعلی درجۃ ممن بعدھم، لانھم لم یتفرغو التدوین العلم و ضبط اصولہ و فروعہ، فلیس لا حد منھم مذھب مھذب محرر مقرر و انما قام بذلک من جاء بعدھم من الائمۃ الناحلین لمذاھب الصحابۃ والتابعین القائمین بتمھید احکام الوقائع قبل و قوعھا الناھضین بایضاح اصولھا و فروعھا کمالک و ابی حنیفۃ"(۲۴)۔

امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک کتاب و سنت کے اعتبار سے ائمہ مجتہدین کے درمیان کوئی فرق نہیں لیکن ان میں سے کسی کی تقلید سے منع کرنے والوں کا موقف یہ ہے کہ متوفی امام کی تقلید اس وقت ہی جائز ہے کہ زندہ علماء میں سے کوئی اس کے مذہب کا علم رکھتا ہو یا پھر انکے قول کے خلاف اجماع نہ ہوا ہو (۲۵) اسی لئے شاہ ولی اللہ نے عقد الجید میں تیسرا باب مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید اور انہیں چھوڑنے یا ان سے باہر نکلنے کی شدید ممانعت میں باندھا ہے، جس کا عنوان ہے: "باب تاکید الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ والتشدید فی ترکھا والخروج عنھا" فرماتے ہیں۔

" اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ و فی الاعراض عنھا کلھا مفسدۃ کبیرۃ"(۲۶)

Marfat.com

" یاد رکھئے کہ ان چاروں مذاہب میں سے کسی کی تقلید میں بڑی عظیم مصلحت اور ان سے رو گردانی میں بہت زیادہ فساد ہے۔"

اس کے بعد شاہ ولی اللہ نے تفصیل کے ساتھ اسکی وجوہ بیان کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ شریعت کو سمجھنے کے لئے اسلاف پر اعتماد با جماع امت ناگزیر ہے، لیکن سلف کے اقوال پر اعتماد تب ہی ممکن ہے، جب وہ صحیح سند کے ساتھ یا مدونہ مشہورہ کتب کے توسل سے ہم تک پہنچتے ہوں۔ نیز وہ اقوال مخدوم ہوں یعنی بعد کے علماء نے ان اقوال کی شروح و توضیح کی خدمت کی ہو۔ اگر ان اقوال میں مختلف معنی کا احتمال ہو تو ان پر بحث کر کے راجح احتمال کو معین کیا گیا ہو۔

شاہ ولی اللہ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ پوری امت نے دین شناسی میں اسلاف پر اعتماد کیا ہے۔ تابعین نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر۔ اس لئے کہ شریعت کا دار و مدار نقل و استنباط پر ہے اور یہ نقل و استنباط بھی دوسرے فنون کی طرح ایک مستقل فن ہے۔ صرف نحو، طبابت، شاعری، نجاری اور آھن گری خواہ کوئی فن ہو، فنکاروں سے تعاون کے بغیر انسانی مدنیت کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ ائمہ اربعہ مجتہدین، امام ابو حنیفہ، شافعی مالک اور احمد بن حنبل بھی فن فقہ الحدیث کے امام ہیں۔ چنانچہ ان چار مذاہب کے سوا کوئی مذھب نہیں:

" لیس مذھب فی ھذہ الازمنۃ المتاخرہ بھذہ الصفۃ الا ھذہ المذاھب الاربعۃ"(۲۷)

مذاہب اربعہ کی تخصیص اور اسکی پابندی کی دوسری وجہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اتبعو السواد الاعظم" ہے۔ فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں ہونا سواد اعظم کی پیروی ہے اور الگ ہونا یعنی کسی کی تقلید نہ کرنا سواد اعظم سے خروج ہے

" لما اندرست المذاھب الا ھذہ المذاھب الاربعۃ کان اتباعھا اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجا عن السواد الاعظم"(۲۸)

شاہ ولی اللہ نے تیسری وجہ یہ بتائی ہے کہ زمانے کی مختلف کروٹوں اور زمانہ نبوت سے

Marfat.com

دوری کی وجہ سے دیانت و امانت سمٹ چکی ہے اور بے علمی و بے عملی کا دور دورہ ہے اس لئے علماء سو کی باتوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور معاشرے کی دینی قیادت ایسے ہاتھوں میں نہیں دی جا سکتی، جن کے رگ و ریشہ میں ہوا پرستی اور مصلحت کوشی کے سوا کچھ نہ ہو۔ ان کی طرح دین کے معاملے میں وہ لوگ بھی قابل اعتماد نہیں جن میں اتنی علمی و عقلی استعداد ہے کہ اسرار دین تو در کنار دین کے مبادی ہی سمجھ سکیں نہ اتنا خوف خدا ہے کہ اپنی دینی مہمات پر اپنے سطحی اور جاہلانہ اجتہادات کی اشاعت سے ہزاروں مسلمانوں کے اعتقاد و عمل کو خراب کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ڈریں نہ اتنی اخلاقی جرات ہے کہ علم و فہم کا جھوٹا پندار چھوڑ کر جو کچھ نہ جانتے ہوں، جاننے والوں سے پوچھیں:

" وذلک المعنی الذی اشار الیہ عمر بن الخطاب حیث قال یہدم الاسلام جدال المنافق فی الکتاب و ابن مسعود حیث قال من کان متبعا فلیتبع من مضی۔"(۲۹)

اور اسی بات کی طرف حضرت عمرؓ نے اشارہ کیا ہے کہ کتاب الٰہی میں منافق کا الجھنا اسلام کو گرا دیتا ہے اور ابن مسعود کا کہنا ہے کہ جسے پیروی کرنا ہو گزرے لوگوں کی کرے۔

وجوب تقلید کی تائید

تحقیقی نقطہ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ شاہ ولی اللہ نے تقلید و عدم تقلید کے ادوار کے بارے میں مختلف کتب میں جو گفتگو فرمائی ہے اس میں اگر واضح تضاد نہیں تو قدرے ابہام ضرور ہے۔ الانصاف کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ھجری کے بعد لوگ تقلید پر مجتمع ہوئے اور اس سے قبل نہ تھے (۳۰) لیکن تفہیمات اور حجتہ اللہ البالغہ میں ہے کہ چوتھی صدی ھجری کے لوگوں کا بھی مذھب معین کی تقلید پر اجماع نہ تھا اور عمومی و اجتماعی تقلید کا دور چوتھی صدی ھجری کے بعد شروع ہوا (۳۱) اس ضمن میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ موخر الذکر میں علماء کی حالت بیان کرنا مقصود ہو اور اول الذکر میں عوام کی۔ لیکن الانصاف چونکہ حجتہ اللہ البالغہ کے بعد کی تصنیف

Marfat.com

ہے' اس لئے قرین صحت یہ ہے کہ اس کا بیان شاہ ولی اللہ کی آخری تحقیق ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ اپنی تحریروں میں تقلید کے جواز ہی کے قائل نظر نہیں آتے بلکہ اسے واجب قرار دیتے ہیں:

"اعلم ان تقلید المجتہد علی وجہین واجب و حرام"(۳۲)

لیکن اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز پہلی اور دوسری صدی هجری میں واجب نہ تھی وہ بعد میں کیونکر ہو گئی۔ شاہ ولی اللہ اس سلسلے میں صراحت فرماتے ہوئے یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ سلف میں حدیث لکھنے کا دستور نہ تھا' لیکن آج کل حدیث لکھنا واجب ہے' کیونکہ حدیث دانی کا سوائے کتب کے کوئی ذریعہ نہیں:

" کان السلف لا یکتبون الحدیث ثم صار یومنا ھذا کتابتہ الحدیث و اجبتہ لان روایتہ الحدیث لا سبیل لنہا الیوم الا معرفتہ ھذہ الکتب۔"(۳۳)

مزید فرماتے ہیں کہ سلف میں فن نحو اور زبان دانی میں مشغول ہونے کا دستور نہ تھا' کیونکہ ان کی زبان عربی تھی اور ان کو ان فنون کی ضرورت نہ تھی ہمارے زمانے میں عربی زبان کا جاننا ضروری ہوا' کیونکہ عرب اول کا زمانہ دور ہو گیا۔ اس کی اور بھی مثالیں ہیں۔ لہٰذا اسی پر امام معین کی تقلید واجب ہونے کو قیاس کرلیں:

" کان السلف لایشتغلون بالنحو وللغتہ و کان لسانہم عربیا لایحتاجون الی ھذہ الغنون ثم صار یومنا ھذا معرفتہ اللغتہ العربیتہ واجبتہ لبعد المعہد عن العرب الاول و شواھد مانحن فیہ کثیر جدا وعلی ھذا ینبغی ان یقاس وجوب التقلید لامام بعینہ۔"

شاہ ولی اللہ تقلید واجب کو اتباع الروایتہ دلالتہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ کتاب و سنت سے ناواقف شخص کے لئے چونکہ بذات خود تتبع و استنباط ممکن نہیں لہٰذا وہ کسی مسئلہ کے حل کے سلسلے میں لازمی طور پر کسی فقیہ عالم سے استفسار کرے گا۔ پھر اس کی اتباع اس پر لازم ہو گی' خواہ فقیہ کا قول صریح نص سے ماخوذ' اس سے مستنبط یا کسی منصوص پر مقیس ہو (۳۵)۔

Marfat.com

تقلید کے درجات

غیر مقلد حضرات کے تقلید پر اعتراضات سے قطع نظر جو در حقیقت تقلید کے مختلف درجات اور ان درجات کے جدا جدا احکام سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں' تقلید کو بالعموم چار درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عوام کی تقلید' متبحر عالم کی تقلید' مجتہد فی المذھب کی تقلید اور مجتہد مطلق کی تقلید۔ علامہ ابن قیم نے تقلید کو تین انواع میں تقسیم کرتے ہوئے تینوں کی مذمت کی ہے۔ اولاً: اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے ہوئے وحی الٰہی سے اعراض کرنا ثانیاً کسی ایسے شخص کی تقلید کرنا' جس کے متعلق مقلد کو علم نہیں کہ وہ تقلید کئے جانے کا اھل ہے۔ ثالثاً جس کی تقلید کی جارہی ہے اس کے قول اور مسلک کے خلاف دلیل قائم ہو جانے کے بعد بھی اس کے قول کی تقلید کرنا۔ اس نوع اور پہلی نوع میں فرق یہ ہے کہ پہلی میں علم پر تمکن سے قبل تقلید ہے۔ اس نوع میں دلیل اور حجت کے ظہور کے بعد دلیل اور علم کی مخالفت ہے۔ (۴۹)

تقلید کا سب سے پہلا درجہ "عوام" کا ہے اور اس سے مراد عربی اور اسلامی علوم سے ناآشنا حضرات ہیں' خواہ وہ کتنے ہی تعلیم یافتہ اور دیگر علوم و فنون میں ید طولیٰ رکھتے ہوں۔ عربی زبان جاننا اور عربی کتب پڑھنے سمجھنے کی صلاحیت ایک طرف' لیکن اگر انہوں نے تفسیر' حدیث فقہ اور متعلقہ علوم دینیہ کا باقاعدہ مطالعہ کسی استاد کی موجودگی میں نہیں کیا ہو گا وہ بھی اس زمرہ میں شمار ہوں گے۔ بعض رسمی طور پر اسلامی علوم کے فارغ التحصیل ہوتے ہیں' لیکن تفسیر' حدیث اور فقہ وغیرہ کے اصولوں میں انہیں بصیرت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ سب تقلید کے معاملے میں عوام کی صف میں شمار کئے جائیں گے؟

"اما من یسوغ لہ التقلید فھو العامی الذی لایعرف طرق الاحکام الشرعیہ فیجوز لہ ان یقلد عالما و یعمل بقولہ" (۴۷)

امام ابو یوسف" فرماتے ہیں کہ عام آدمی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ فقہاء کی اقتدا کرے۔ اس لئے کہ وہ احادیث کا علم حاصل کئے بغیر صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا؛

Marfat.com

" لان علی العامی الاقتداء بالفقہاء لعدم الاہتداء فی حقہ الی معرفتہ الاحادیث۔"(۳۸)

تقلید کا دوسرا درجہ تبحر عالم کی تقلید کا ہے اور اس سے مراد وہ شخص کہ اسلامی علوم کے درس و تدریس میں باقاعدہ اکابر علماء کی زیر نگرانی عرصہ دراز تک مشغول رہا ہو تفسیر' حدیث' فقہ اور ان کے اصول اسے مستحضر ہوں' لیکن رتبہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو۔ شاہ ولی اللہ ایسے شخص کو 'متبحر فی المذھب' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ متبحر فی المذھب وہ شخص ہے جو اپنے امام مجتہد کے مذھب کی کتابوں کا حافظ ہو اور:

" من شرطہ ان یکون صحیح الفہم عارفا بالعربیتہ و اسالیب الکلام و مراتب الترجیح متفطنا لمعانی کلامہم"(۳۹)

" اسکی شرط یہ ہے کہ وہ صحیح الفہم ہو۔ عربی زبان اور ان کے اسالیب سے باخبر ہو اور (امام مجتہد کے مختلف اقوال میں) ترجیح کے مراتب پہچانتا ہو اور فقہاء کے کلام معانی خوب سمجھتا ہو۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک متبحر فی المذھب رتبہ اجتہاد تک نہ پہنچ سکنے کے باعث مقلد ہی ہوتا ہے۔ وہ مفتی بن سکتا ہے اور اس حیثیت میں اپنے مذھب کے مختلف اقوال میں سے اپنے زمانے اور عرف کے مطابق کسی ایک قول کو اختیار کرنے یا مذھب کی تشریح کا اھل ہوتا ہے' بعض خاص حالات میں وہ اپنے امام کی بجائے کسی دوسرے مجتہد کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دے سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

" اذا وجد المتبحر فی المذھب حدیثا صحیحا یخالف مذھبہ فہل لہ ان یاخذ بالحدیث و یترک مذھب فی تلک المسئلتہ"(۴۰)

جب متبحر فی المذھب کو کوئی ایسی صحیح حدیث مل جائے جو اس کے مذھب کے خلاف ہو تو اسکے لئے جائز ہے کہ وہ حدیث پر عمل کرے اور اس مسئلے میں اپنے مذھب کو چھوڑ دے

شاہ ولی اللہ کے بقول اس موضوع پر طویل مباحث ملتے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے خزانتہ الروایات کی گفتگو نقل کی ہے، جس میں بتایا ہے کہ متبحر فی المذہب حدیث صحیح کی بنا پر اپنے امام کے قول کو چھوڑ سکتا ہے، مگر ضروری ہے کہ وہ اطمینان کر لے کہ تمام علماء کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث کے معارض کوئی آیات قرآنی یا کوئی دوسری حدیث موجود تو نہیں اور حدیث بالکل صاف اور واضح ہے؟

تقلید کا تیسرا درجہ 'مجتہد فی المذہب' کی تقلید ہے۔ ایسے حضرات جو استدلال و استنباط کے بنیادی اصولوں میں کسی مجتہد مطلق کے طریقے کے پابند ہونے کے علی الرغم ان اصول و قواعد کے تحت جزوی مسائل کو براہ راست قرآن و سنت اور آثار صحابہ سے مستنبط کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، اصول کے لحاظ سے وہ مجتہد فی المذہب مگر مقلد ہی کہلاتے ہیں مثلاً فقہ حنفی میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فقہ شافعی میں امام مزنیؒ اور ابو ثورؒ، فقہ مالکی میں سحنونؒ اور ابن القاسمؒ اور فقہ حنبلی میں ابراہیم الحربیؒ اور ابو بکر الاثرمؒ۔ علامہ شامی نے ایسے ہی حضرات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"الثانیتہ طبقتہ المجتہدین فی المذہب کابی یوسف و محمد وسائر اصحاب ابی حنیفتہ" "القادرین علی استخراج الاحکام عن الادلتہ المذکورۃ علی حسب القواعد التی قررھا استاذھم فانھم و ان خالفوہ فی بعض احکام الفروع ولکنھم یقلدونہ فی قواعد الاصول" (۴۱)

چوتھا درجہ، مجتہد مطلق کی تقلید کا ہے۔ مجتہد مطلق اسے کہتے ہیں جس میں تمام شرائط اجتہاد پائی جاتی ہوں اور وہ اپنے علم و فہم کے ذریعہ اصول استدلال خود قرآن و سنت سے وضع کرنے پر قادر ہو اور ان اصول کے تحت تمام احکام شریعت کو قرآن کریم سے مستنبط بھی کر سکتا ہو۔ جیسے امام ابوحنیفہؒ، شافعی مالکؒ اور امام احمدؒ یہ ائمہ گو اصول اور فروع دونوں میں مجتہد تھے، لیکن ایک طرح سے انہیں بھی بعض مسائل میں قرآن کریم اور سنت صحیحہ میں کوئی تصریح نہ ملنے کے سبب اپنی رائے اور قیاس سے فیصلہ کرنے کی بجائے صحابہ و تابعین میں سے کسی کے قول یا فعل کی تقلید کرنا پڑی۔

Marfat.com

عامی کی تقلید کے دلائل

شاہ ولی اللہ نے عقد الجید میں اخذ بالمذاھب الاربعہ کے یہی چار مراتب بیان کئے ہیں۔ یعنی مجتہد مطلق منتسب، مجتہد فی المذہب، تبحرفی المذھب اور عامی۔ تبحرفی المذھب، سب سے آخری درجہ کا مجتہد ہوتا ہے اور اس سے نیچے کے تمام لوگ عامی صرف کی فہرست میں آتے ہیں۔ ان کے درمیان میں شاہ ولی اللہ نے کوئی اور مرتبہ کا ذکر نہیں کیا اور عامی کے متعلق تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اس کے لئے تقلید واجب ہے گویا شاہ ولی اللہ کا وہی مسلک ہے، جو ائمہ اربعہ کے اکثر متبعین کا ہے۔

چار قسم کے لوگوں پر شاہ ولی اللہ تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اول جسے یک گونہ اجتہاد حاصل ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ میں۔ دوم جس شخص پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی حالت امر و نہی کا علم ہو گیا ہو۔ بایں طور کہ وہ مسئلہ میں احادیث اور مخالف اور مخالف کے اقوال کا تتبع کرے اور اسے منسوخ نہ پائے۔ سوم ایک معین فقیہ کی تقلید کرنے والا عامی، جو یہ سمجھے کہ اس فقیہ سے خطا ممکن نہیں اور اس کے قول کے خلاف دلیل آنے پر بھی اسکی تقلید ترک نہ کرے۔ ایسا شخص شاہ ولی اللہ کے نزدیک "اتخذوا احبارھم ورھبانہم اربابا من دون اللہ۔" کا مصداق ہے۔ چہارم: جو شخص اسے جائز سمجھتا ہو کہ مثلاً کوئی حنفی کسی شافعی سے یا کوئی شافعی کسی حنفی سے مسئلہ دریافت کرے یا کوئی حنفی کسی شافعی امام کی تقلید کرے، کیونکہ ایسا شخص قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف کرتا ہے اور تابعین کی بھی مخالفت کرتا ہے (۴۲)

عامی کے کسی مجتہد سے فتویٰ لے کر اس پر عمل کرنے پر سب کا اتفاق ہے اور شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کسی دوسرے مجتہد کی طرف رجوع کرنا اور فتویٰ لے کر عمل پیرا ہونا جائز نہیں۔ لیکن اگر اس واقعہ کے علاوہ جس پر فتویٰ لیا گیا تھا کوئی دوسرا واقعہ پیش آ جائے تو دوسرے مفتی سے فتویٰ لینے میں اختلاف ہے۔ مختار یہ ہے کہ جائز ہے اور شاہ ولی اللہ بھی اس کے حق میں ہیں (۴۳) یہ حکم ہر عامی کے لئے ہے۔ خواہ اس نے کسی معین مذہب کا التزام کیا یا نہ کیا ہو۔ (۴۴) معین مذہب کے پابند عامی کو اس مذہب کی مخالفت بھی

Marfat.com

جائز نہیں۔ (۵) اور یہی رائے نووی کی ہے (۴۶) اگر عامی پابند نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ جس مذہب کی چاہے تقلید کرے۔ (۴۷)

تقلید میں روش اعتدال

شاہ ولی اللہ عامی کے لئے مذاہب اربعہ کی تقلید تک محدود رہنے کو تو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن مذہب معین کی پابندی ان کے نزدیک بجز اس لئے ضروری نہیں کہ عامی جس جگہ موجود ہو، وہاں ایک مذہب کے عالم یا علماء کے سوا کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم موجود نہ ہو۔ عامی نے اگر مذہب کا التزام کرلیا ہو اور وہ مقصد اتباع ھویٰ کے بغیر چند مسائل میں کسی دوسرے امام کی تقلید کرے، تو وہ بھی شاہ ولی اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ شاہ ولی اللہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ تقلید میں اعتدال قائم رکھا جائے اور اسکے لئے انہوں نے بڑا عمدہ اور واضح اصول متعین کردیا ہے کہ جب تک کسی مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث یا قوی دلیل اس کے مذہب کے خلاف نہ مل جائے اس امام کی تقلید کرنا ضروری ہے، بصورت دیگر تقلید ترک کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہند اور ماوراء النہر کے کسی ایسے شہر میں جہاں مذہب حنفی کے سوا دوسرے علماء موجود نہ ہوں، صرف حنفی مذہب کی متابعت واجب ہے۔ اسکے برخلاف اگر کوئی شخص حرمین میں ہو، جہاں اس کے لئے تمام مذاہب کی معرفت آسان ہے تو اسے بغیر اعتماد کے ظن کے سہارے کسی چیز کو قبول کرلینا کافی نہیں۔ (۴۸) شاہ ولی اللہ کے بقول یہ صورتیں النہر الفائق شرح کنز الدقائق میں مذکور ہیں۔

ان کے اس اصول کے مطابق ھند اور ماوراء النہر میں حنفیت ہی واجب ہے اور جہاں شافعی مالکی یا حنفی مذہب وغیرہ کے علماء موجود ہوں وہاں کسی ایک مذہب کی تقلید واجب نہ ہوگی، بلکہ عامی کے اختیار میں ہے کہ جس مذہب کے عالم سے چاہے فتویٰ لے لے۔ یہ بھی گویا اعتدال کی ایک معقول روش ہے، جو شاہ ولی اللہ نے سمجھائی ہے۔

Marfat.com

حنفی مسلک اور عمل بالحدیث

مذاہب اربعہ یعنی چاروں مذاہب حق ہیں لیکن شاہ ولی اللہ نے تصریح فرمادی ہے کہ پاک وھند اور ایسے دوسرے ممالک میں صرف امام ابو حنیفہؒ کا مقلد ہونا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

" فاذا کان الانسان الجاهل فی بلاد الهند و بلاد ماوراء النهر ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفتهؒ و یحرم ان یخرج من مذهبه لا نه حینئذ یخلع من عنقه ربقته الشریعه و یبقی سدی مهملا۔" (۴۹)

سوال یہ ہے امام ابو حنیفہؒ ہی کی کیوں تقلید کی جائے' کسی اور سے مسئلہ کیوں نہ پوچھا جائے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ ایک سے ہمیشہ پوچھنے اور کئی سے پوچھنے میں کوئی فرق نہیں:

" لا فرق بین ان یستغنی هذا دائما او یستغنی هذا حینا و هذا حینا بعد ان یکون مجمعا علی ماذ کرنا۔" (۵۰)

شاہ ولی اللہ نے اول یہ صراحت کردی ہے کہ جس کی بھی تقلید کی جاتی ہے' صرف اسی اعتماد پر کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کا عالم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا حزب مخالف نہیں۔ اگر یہ اعتماد اور بھروسہ نہ ہو تو دنیا میں کوئی ایماندار کسی بھی مجتہد کی تقلید نہ کرتا:

" لو لا ذلک لما قلد مومن بمجتهد۔" (۵۱)

ایک اور مقام پر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ تقلید پر اس لئے متفق ہیں کہ دین کے امام شریعت بنانے والے نہیں بلکہ شریعت بتانے والے ہیں اور وہ جو کچھ جانتے ہیں ہم نہیں جانتے۔ وہ ایسے کاموں میں مگن رہتے ہیں جن میں ہم نہیں لگے رہتے۔

" الشریعه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انهم علموا مالم نعلم و انهم اشتغلوا بالعلم مالم نشتغل۔" (۵۱)

Marfat.com

اور حنفیت کے متعلق شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ یہ صرف شخصی رائے نہیں بلکہ اس میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی شریک ہیں۔ ثانی الذکر دونوں اول الذکر امام صاحب ہی کے شاگرد ہیں، لیکن ان تینوں میں جس کا قول حدیث کے زیادہ قریب ہو اسی پر فتویٰ ہے اور بس۔ اگر کسی مقام پر تینوں خاموش ہوں تو محدثین احناف میں سے کسی کے قول کو اپنا لیا جائے۔ اسی کا نام حنفیت ہے۔ اور شاہ ولی اللہ کا دعویٰ ہے کہ حنفیت کے بارے میں یہ بات انکی خود تراشیدہ نہیں بلکہ:

"عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذاھب الحنفی طریقہ انیقہ"(۵۳)

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ مذہب حنفی میں بہترین طریقہ ہے"

اور شاہ ولی اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور دوسرے محدثین کی جمع کردہ احادیث کے یہاں حنفیت زیادہ قریب ہے۔ یہی اس سنت کے زیادہ موافق ہے، جو بصورت احادیث بخاری اور ان کے ساتھیوں کے زمانے میں منقح اور صاف ہوئی ہے۔

" ھی اوفق الطرق بالسنتہ المعروفتہ التی جمعت و نقحت فی زمان البخاری و اصحابہ"(۵۴)

شاہ ولی اللہ نے حنفیت کا جو تعارف کرایا ہے اور اس سلسلے میں جو پیمانہ مقرر کیا ہے، فقہ حنفی میں اسکی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً نماز استسقاء، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف دعاء و استغفار ہے، لیکن امام محمدؒ اور ابو یوسفؒ کے فیصلے کے مطابق دعا ہی نہیں، دو رکعت نماز، خطبہ اور چادر پلٹنا بھی ہے۔ فقہ حنفی میں فتویٰ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے اور اسی پر احناف کا عمل ہے۔ سورج گرھن کی دو رکعت نماز میں ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بلند آواز میں قرات اس لئے جائز نہیں کہ دن میں نماز ہوتی ہے، مگر ابو یوسفؒ اس کے مخالف ہیں۔ فتویٰ ابو یوسفؒ کے قول پر ہے اور احناف کا عمل بھی اسی پر ہے۔ اسی طرح شراب کے نام پر جو چیز حرام ہے وہ خمر ہے۔ عربی زبان میں خمر کے معانی اور اسکی ہیئت پر مختلف مباحث موجود

ہیں۔ انگور کے شیرے سے بننے والی بادہ' مثلث اور منصف وغیرہ سب شرابیں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے خیال میں حرام ہیں۔ ابو حنیفہؒ گیہوں' جو اور شہد وغیرہ سے تیار ہونے والی شرابوں کو خمر نہیں' بلکہ مشروبات کہتے ہیں لیکن امام محمد کے نزدیک یہ بھی حرام شرابیں ہیں۔ فقہ حنفی امام محمدؒ کی رائے میں ہے۔

فقہ حنفی کی یہ وہ خداداد خوبیاں ہیں جن کا اعتراف شاہ ولی اللہ ہی نہیں' نواب صدیق حسن خان نے بھی کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حنفیت پر غور کریں تو تینوں اماموں میں سے ایک کا قول ضرور مطابق حدیث ہوتا ہے:

"اگر تنہا در مذہب حنفی تتبع کن در بابی کسیے قول یکہ از ابو حنیفہؒ و ابو یوسف و محمد بالضرورت مطابق حدیث است کہ محدثین ثقات اثبات آں میکنند۔"

احناف پر مخالفین اکثر و بیشتر ضعیف احادیث سے استدلال کرنے کا الزام لگاتے ہیں اس کا جواب طحاوی کی شرح معانی الآثار' ابن الہمام کی فتح القدیر' زیلعی کی نصب الرایہ' ماردینی کی الجواہر النقی اور عینی کی عمدۃ القاری ایسی متعدد کتب حنفیہ میں مل جاتا ہے۔ محققین احناف کی تصریح کے مطابق صحیح احادیث کے صحیحین کے علاوہ دیگر مجامیع احادیث میں ہونے کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حدیث کی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ اسناد اصول حدیث کی شرائط پر پوری اترتی ہیں یا نہیں۔ مثلاً" ابن ماجہ کہ صحاح ستہ میں آخری درجہ پر ہے لیکن اس میں بعض احادیث جس اعلیٰ سند کے ساتھ آتی ہیں' صحیحین میں اتنی اعلیٰ سند کے ساتھ نہیں آتیں۔ (۵۱) لہذا حدیث کو ضعیف کہہ دینا جس قدر آسان ہے اتنا ہی اسے ثابت کرنا مشکل ہے۔

ائمہ مجتہدین کے درمیان سینکڑوں فقہی مسائل میں جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ در اصل ہر مجتہد کے طرز استدلال اور جداگانہ طریق استنباط کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً بعض ایک مسئلہ میں متعارض احادیث میں سب سے زیادہ صحیح سند کی حامل حدیث کو اختیار کرتے ہیں' خواہ دوسری احادیث بھی سنداً درست ہوں۔ اسکے برخلاف کچھ ان روایات کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ تعارض باقی نہ رہے خواہ کم درجہ کی صحیح یا حسن حدیث کو اصل قرار دے کر

Marfat.com

انہیں اصح حدیث کی خلاف ظاہر توجیہ کرنی پڑے اور بعض مجتہدین تو صرف اس حدیث کو لے لیتے ہیں جس پر صحابہ و تابعین کا عمل رہا ہو۔ امام ابو حنیفہ ؒ نے بھی احادیث میں عموماً تطبیق کی سعی بلیغ فرمائی ہے اور حتی الامکان ہر حدیث پر عمل کی کوشش کی خوہ وہ سنداً مرجوح ہو' بلکہ اگر انہیں کبھی ضعیف حدیث کا کوئی معارض نہیں ملا تو اس پر بھی عمل فرمایا' اگرچہ وہ قیاس کے خلاف ہو۔

احادیث کی تصحیح و تضعیف در اصل ایک اجتہادی مسئلہ ہے اسی لئے علمائے جرح و تعدیل کی آراء اس معاملے میں مختلف رہی ہیں۔ کوئی حدیث ایک امام کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے تو دوسرے کے مطابق ضعیف۔ بعض اوقات امام ابو حنیفہ ؒ اپنے اجتہاد سے کسی حدیث کو قابل عمل قرار دیتے ہیں اور دوسرے مجتہدین اسے ضعیف سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ ؒ چونکہ خود مجتہد ہیں' چنانچہ دوسرے مجتہدین کے اقوال ان پر حجت نہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک حدیث امام ابو حنیفہ ؒ تک صحیح سند کے ساتھ پہنچی ہو اور انہوں نے اس پر عمل کیا ہو' لیکن بعد کے راویوں میں سے کسی ضعیف راوی کے آنے پر ائمہ نے اسے ترک کر دیا ہو' اس صورت میں بھی امام ابو حنیفہ ؒ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح کئی اور دلائل ایسے ہیں جن کی رو سے حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے اور اس پر کیے گئے اعتراضات چھٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے تقلید کے مسئلے میں حنفی مذہب اختیار کرنے کی جو تائید کی ہے وہ بے محل ہرگز نہیں' بلکہ بہت قوی ہے۔ مذاہب کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے وہ مذاہب حق کا سیدھا سادہ سا مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس کے احکام فی الواقع ارشاد نبوت اور ازمنہ خیر کے مطابق ہوتے ہیں:

"معنی حقیقۃ المذھب ان یکون احکامہ مطابقۃ لما قالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفس الامر ولما کان علیہ القرون المشھور لھا۔"(۵)

اس کے بعد فیصلہ فرماتے ہیں:

"نرای لی ان فی المذاھب الحنفی سرا نما مضا ثم لم ازل اتحدق فی

Marfat.com

هذا السر المغامض حتی و جدت ماینته و شاهدت ان لهذا المذهب یو منا هذا رجحانا علی سائر المذاهب۔"(۵۸)

مجھے نظر آیا کہ حنفی مذہب میں ایک گہرا بھید ہے۔ میں اس پر غور کرتا رہا تا آنکہ مجھے معلوم ہو گیا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مذہب حنفی کا آج دوسرے مذاہب کے مقابلے میں پلڑا بھاری ہے۔

Marfat.com

باب ۷

مختصرات

Marfat.com

Marfat.com

تجزیہ و نتائج

شاہ ولی اللہ (و ۴ شوال ۱۱۱۴ھ - ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء - م ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ - ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء) نسباً عمری وطناً دھلوی عقیدۃً اشعری طریقہ صوفی عملاً حنفی تدریساً حنفی و شافعی اور تفسیرو حدیث و فقہ و عربیت اور کلام کے خادم (۱) ہیں جنہوں نے فاک کل نظام (۲) کی بشارت سے سرفراز ہو کر وجدانی اور فکری طور پر صحیح اسلامی روش اختیار کی۔ قمری حساب سے اپنی اکسٹھ سال چار ماہ کی زندگی میں دولت عثمانیہ کے پانچ اور زوال پذیر مغلیہ سلطنت کے گیارہ بادشاہوں کا زمانہ پایا اور اپنی چشم پر نم سے برصغیر کے مسلم معاشرے کی تباہ حالی اور سیاسی انتشار کے ساتھ ساتھ علمی و اخلاقی قدریں پامال ہوتے ہوئے دیکھیں (۳) وہ علماء سو کی طرح دین سے غافل تھے نہ عام علماء حق کی طرح دنیا سے بے خبر۔ سیاسی بصیرت کے علاوہ شریعت و طریقت دونوں کے جامع تھے اور انہوں نے اسلام کے مکمل فکری اخلاقی شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب و مربوط شکل میں پیش کرنے کی سعی فرمائی۔

فقہائے محدثین کی روش

شاہ ولی اللہ کی زندگی کے در حقیقت تین اہم دور ہیں۔ اول تحصیل ملکات سے لے کر سفر حرمین تک دوسرا دوران حرمین اور تیسرا حرمین سے واپسی کے بعد۔ موروثی اثرات ان کی زندگی کے اولین دور پر کافی حد تک چھائے رہے۔ حنفیت کے باوجود انہوں نے صحیح احادیث ملنے پر بعض مسائل میں احناف کے خلاف عمل کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت پائی تو تدریس کی نوبت آئی اور انہوں نے اصول حدیث اور اصول فقہ کی کتابوں میں

Marfat.com

غوروفکر کو اپنا شعار بنایا(۴) فقہائے محدثین کی روش اختیار کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ فقہائے محدثین کا طریقہ کلیتاً عدم تقلید ہے نہ کلیتا تقلید۔ پھر اپنے زمانے کے علماء کی تنگ نظری دیکھتے ہوئے ان میں یک گونہ تقلید کا رجحان پیدا ہوا اور فیوض الحرمین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی طبیعت کے خلاف مذاہب اربعہ کی عملاً تقلید کا حکم دیا۔ (۵)

مذاہب اربعہ میں تطبیق کی سعی

غیر منقسم ھندوستان میں شاہ ولی اللہ نے اپنے گردو پیش حنفیت ہی دیکھی۔ حجاز مقدس تشریف لے گئے تو وہاں حنفی استاد کے علاوہ مالکی اور شافعی شیوخ سے بھی واسطہ پڑا۔ سب سے زیادہ قرب شیخ ابو طاھر کردی شافعی کا پایا' لہٰذا شافعیت کی جانب زیادہ میلان و رجحان ایک قدرتی بات تھی۔ اسی کے نتیجے میں انہوں نے اصول میں تمام تر اور فروع میں ستر فیصدی سے زائد مسائل میں امام شافعی کا مذہب اختیار کیا(۶) موطا امام مالک ؒ کی فارسی اور عربی میں شروح قلمبند کیں (۷) فکری طور سے امام شافعی کے قریب رہے اور عملاً مذہب حنفی پر۔ اس طرح حنفی' شافعی اور مالکی شیوخ کا حق شاگردی اپنی زندگی میں ادا کرتے رہے۔

حرمین ہی میں قیام کے دوران شاہ ولی اللہ کو امام ابن تیمیہؒ کی کتابوں کے مطالعہ کا بھرپور موقع ملا۔ ابن تیمیہؒ مسلک کے اعتبار سے حنبلی ہیں اور حنابلہ ایک طرف تو اجتہاد بلکہ اجتہاد مطلق کا دروازہ قیامت تک وا رکھنے کے قائل ہیں' دوسری طرف ان کا مذہب امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے میں بھی حدیث کے ظاہری الفاظ سے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ اجتہاد کی ظاہری طرفداری حدیث کے ظاہری احکام کی پیروی اور تقلید کا جو رجحان پہلے سے شاہ ولی اللہ میں موجود تھا' اسے ابن تیمیہؒ کے افکار سے مزید تقویت ملی اور ان کے ذھن سے حنفیت کی گرفت مالکی و شافعی اساتذہ کی صحبت اور افکار ابن تیمیہؒ سے محبت کے نتیجے میں کافی کمزور ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ مذاہب اربعہ کو ایک سطح پر سوچنے لگے۔ (۸)

علم حدیث کی خدمت

سفر حرمین سے قبل شاہ ولی اللہ اس امر کو شدت سے محسوس کرتے تھے کہ پاک و ھند

Marfat.com

میں فقط فقہ و منطق کا زور ہے اور لوگ قرآن و حدیث کو سمجھنے سمجھانے کا شاذ و نادر ہی اہتمام کرتے ہیں۔ گیارہ صدیوں میں حدیث کی صرف دو ایک کتابیں ہی شمالی ھند میں متعارف ہو سکی تھیں اور دینی مدارس کے نصاب میں شاہ ولی اللہ کے معاصر ملا نظام الدین کے مرتب کردہ درس نظامی میں صرف و نحو' منطق و حکمت' ریاضی بلاغت' اصول فقہ' کلام اور تفسیر کی تو متعدد کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فقط حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح کو شامل کیا گیا تھا۔ اس سے قبل حدیث کی ایک ہی کتاب مشارق الانوار کو پذیرائی حاصل ہو سکی تھی (۹) شاہ ولی اللہ نے سفر حرمین سے واپسی کے بعد مذاہب اربعہ کے درمیان تطبیق کی کوششیں شروع کیں' دوسری طرف حدیث اور علم حدیث کی نشرو اشاعت کے لئے اپنی مساعی تیز کر دیں۔ خدمت حدیث کا فریضہ انہوں نے اپنی زندگی کے تیسرے دور میں سب سے بڑھ کر اور تدریس سے کہیں زیادہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ انجام دیا۔ انہوں نے قرآن و علوم قرآن' حدیث و علوم حدیث' فقہ الحدیث' حکمت و دین فقہ و اصول فقہ' کلام' تصوف' سیر و سوانح اور دیگر متفرق موضوعات پر ان گنت کتابیں اور رسالے قلمبند کئے۔ ان میں سے حدیث و متعلقات حدیث میں ان کی کتابیں علم حدیث کا ایک بیش قیمت خزانہ ہیں (۱۰)

رسولؐ اللہ کا ہر قول' فعل اور تقریر حدیث ہے

شاہ ولی اللہ اس ایمانی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن حکیم اللہ تبارک و تعالیٰ کی آخری اور مکمل کتاب ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل کی گئی۔ آپؐ نے کلام الٰہی کو اول لغایت آخر لوگوں کو سنایا' سمجھایا' یاد کرایا' لکھوایا اور خود قرآن کے جملہ احکام و تعلیمات کا اسوہ حسنہ ثابت ہوئے۔ آپؐ کی سیرت طیبہ کا ہر لحظہ' ہر لمحہ اور ہر گوشہ قرآن مجید کی قولی و عملی تفسیر ہے اور آپؐ کا ہر قول' فعل اور تقریر حدیث ہے (۱۱)۔

علم حدیث' فنون دینیہ کی اساس

شاہ ولی اللہ کے نزدیک علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و سرتاج اور فنون دینیہ کی اصل و اساس علم حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل یا کسی بات پر

Marfat.com

آپ کے سکوت و رضا کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ علم حدیث کو تاریکی میں مثل روشن چراغ، رشد و ہدایت کا سنگ میل اور مانند بدر منیر مانتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے معانی سمجھنے کے لئے ان امیوں کے حالات کی تحقیق ضروری ہے، جن میں آپ مبعوث فرمائے گئے۔ یہ حالات آپؐ کی شریعت کا مادہ اور اساس ہیں۔ نیز آپؐ نے تشریح، تمسیر اور احکام ملت کے مقاصد کے ضمن میں جس طرح گرد و پیش کے ماحول کو سنوارا اس پر غور و فکر سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی۔ اسی غور و فکر سے امت مسلمہ کا مستقبل سنور سکتا ہے (۱۱)

علوم النبی کی دو قسمیں

نبی کریمؐ سے جو کچھ مروی اور کتب حدیث میں مدون ہے شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے اور دوسری کا تبلیغ رسالت سے نہیں۔ اول الذکر میں علوم معاد اور عجائبات ملکوت شرعی احکام اور ارتفاقات یعنی مدنی و معاشرتی تدابیر کا منضبط ہونا شامل ہے۔ ان امور میں بعض کی سند و ماخذ وحی ہے اور بعض کی اجتہاد۔ شاہ ولی اللہ حضور نبی کریمؐ کے اجتہاد کو بمنزلہ وحی تسلیم کرتے ہیں (۱۲)۔

علوم النبی کی دوسری قسم تبلیغ رسالت کے امور سے متعلق نہیں۔ شاہ ولی اللہ اس بارے میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشاد کے مطابق اس معاملے میں ایک انسان ہیں۔ جزئی مصلحت ان کے عہد میں بھی موجود تھی، اس لئے جو امور آپ نے کسی مصلحت کی بنا پر کئے، ان کا اتباع ضروری نہیں (۱۴)

شاہ ولی اللہ ایک طرف تو شمائل و عادات کے قبیل کے افعال کے کسی حکم کو شرعی نہیں مانتے دوسری طرف احکام شرعیہ کی پانچ اقسام وجوب، ندب، اباحت، تحریم اور کراہت بنا کر اپنے موقف کی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

ارادہ نبویؐ حدیث یا سنت کی قسم ہے کہ نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اسے روبہ عمل لانا مستحب ہے اور شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا ارادہ دلیل تحریم نہیں (۱۵)

Marfat.com

علم حدیث کی اہمیت و فضیلت مصالح و شرائع کے فرق سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے بقول شارع علیہ السلام نے ہمیں دو قسم کے علوم سے نوازا۔ ان میں سے ایک مصالح و مفاسد کا علم ہے' جو نفس کی اصلاح و تہذیب اور دنیا و آخرت میں فائدہ مند اخلاق کے حصول اور ان کے متضاد اخلاق کو زائل کرنے کے لئے ہے۔ دوسرا علم شرائع حدود اور فرائض کا ہے اور اس سے مراد شریعت کی بیان کردہ معین مقداریں ہیں۔

سنت، شریعت کا اہم ماخذ

شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآن کے بعد سنت شریعت کا دوسرا اہم ماخذ ہے اور اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ قرآن کا بیان ہے اور رسول اللہ قرآن کے مبین ہیں۔ دوسرے سنت خود تشریع کا مستقل ماخذ ہے۔ اس لئے وہ تتبع حدیث کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد علم حدیث کی اہمیت و فضیلت کا اثبات ہے۔ (۱۶)

درجات علم حدیث پر بحث

علم حدیث کے مختلف درجات ہیں' اسی طرح شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ علم حدیث کے حاملین کے بھی مختلف درجات ہیں اور سب سے اعلیٰ درجہ معرفت حدیث کا ہے۔ جس کے ذریعہ احادیث کی صحت و عدم صحت' ضعف' سقم اور شہرت و غرابت کا پتا لگایا جا سکتا ہے (۱۷) معرفت حدیث کے فن میں پہلے روایت بالفظ کے تحت حدیث کی سات اقسام متواتر' مستفیض' مشہور صحیح' حسن' غریب' ضعیف کی تعریفات و تفریعات بتاتے ہیں۔

بنیادی طور پر اصناف حدیث کو شاہ ولی اللہ نے دو جلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے متواتر اور غیر متواتر۔ غیر متواتر میں وہ سب سے بلند درجہ مستفیض کو دیتے ہیں اور آخر میں اپنے اس قول کو بھی پیش کرتے ہیں کہ جو حدیثیں شواھد یا اکثر اہل علم کے اقوال یا عقل صریح سے موید ہوں' وہ بھی واجب العمل ہیں (۱۸)

علم حدیث کی دوسری شاخ روایت بالمعنی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک روایت بالمعنی نہ صرف جائز ہے بلکہ وہ اسے علم حدیث کا مدار مانتے ہیں۔ ان کے ہاں لفظ کی تقسیم

Marfat.com

محکم و تشابہ کی تعریف، تاویل اور ولالت کی اقسام وغیرہ سے علم حدیث کو بہت تقویت ملتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی مختلف کتابوں میں ان عنوانات پر تفصیل سے بحث و اشارات کرتے ہیں

علم حدیث اور طبقات کتب حدیث

شاہ ولی اللہ کے نزدیک شرائع و احکام کی معرفت کا ذریعہ صرف اور صرف احادیث نبوی ہیں۔ اس کے برخلاف وہ تجربہ، صحیح نظر اور درس و فراست وغیرہ کو مصالح کے ادارک کے لئے تسلیم کرتے ہیں۔ احادیث نبوی کے معرفت کا ذریعہ اخذ روایت ہے۔ وہ متصلاً آپ تک آخر میں پہنچیں یا فلاں عن فلاں کے ذریعہ خواہ یہ روایت آپ کے الفاظ ہوں یا موقوف ہوں، یعنی صحابہ اور تابعین کی جماعت سے ان کی صحت کے ساتھ روایت ہوئی ہو۔ فی زمانہ ان روایت کو لینے کا سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں کہ علم حدیث کی جو کتب مدون ہو چکی ہیں انہیں پیش نظر رکھا جائے۔

صحت، شہرت اور قبولیت (۱۹) کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ کتب حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ طبقہ اول میں موطا اور صحیحین، طبقہ ثانیہ میں سنن ابی داوٗد جامع ترمذی اور سنن نسائی، طبقہ ثالثہ میں مسند ابی علی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابی داوٗد الطیاسی، کتب بیہقی طحاوی و طبرانی وغیرہ، طبقہ رابعہ میں کتاب الضعفا لابن حبان، کتاب الکامل لابن عدی مسند خوارزمی اور خطیب، ابو نعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن بخار اور دیلمی اور طبقہ خامسہ میں ان کتب کو جن کی احادیث کی کوئی اصل نہیں شامل کرتے ہیں (۲۰) شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ جس کتاب میں صحت اور شہرت کے دونوں اوصاف اور لوازمات ہوں وہ طبقہ اولیٰ میں ہو گی پھر جس میں یہ اوصاف جتنے کم ہوتے چلے جائیں گے وہ اسی درجہ کی ہو گی (۲۱)

موطا صحاح ستہ کی پہلی یا چھٹی کتاب؟

شاہ ولی اللہ طبقات کتب حدیث میں سب سے زیادہ اہمیت طبقہ اولیٰ کو دیتے ہیں اور طبقہ اولیٰ کی کتابوں میں موطا امام مالک کو۔ امام مالک اور ان کی تالیف موطا کی فضیلت کو وہ امام

شافعی، عبدالرحمٰن بن مہدی، منحنون، ابن حجر، ابن عبدالبر، حاکم اور علامہ سیوطی وغیرہ کے اقوال کی روشنی میں بیان کر کے اپنے موقف کی تائید چاہتے ہیں(۲۲) لیکن ان کا یہ بیان محل نظر ہے کہ موطا کے سوائے آج کوئی ایسی کتاب موجود نہیں، جسے تبع تابعین میں سے کسی امام نے مرتب کیا ہو۔ ایک موقع پر کتاب الآثار کے سماع کا اعتراف خود ان کے اس دعوی کو جھٹلا دیتا ہے

پھر جامع سفیان ثوری، بعض دیگر کتب کا موطا کے زمانے میں تصنیف ہونا، ان کے موقف کو قدرے ضعف پہنچاتا ہے اور موطا اپنے عہد کی تنہا کتاب نہیں رہتی۔(۲۳) ہاں البتہ موطا کو وہ دیگر تمام کتب پر فوقیت دینے کے لئے جو بہت سے دلائل دیتے ہیں وہ وزنی بھی ہے اور قابل قبول بھی (۲۴)

شاہ ولی اللہ سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب نہیں مانتے اور اس طبقہ کی رائے کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں جو سنن ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی کے حق میں ہے۔ وہ موطا امام مالک کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب تسلیم کرانا چاہتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ صحت و قوت روایت کے لحاظ سے سنن ابی ماجہ یا سنن دارمی تو کیا، صحاح ستہ کی کوئی کتاب بھی موطا کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ (۲۵) موطا کو جب وہ **صحیحین** پر بھی ترجیح دیتے ہیں تو گویا انہیں یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ صحاح ستہ کی پہلی کتاب موطا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی روش اعتدال

موطا امام مالک کی فضیلت کے اعتراف کے طور پر شاہ ولی اللہ نے اس کتاب کی عربی اور فارسی میں شروح لکھیں (۲۶) اور بیشتر ابواب و مسائل میں شافعیت کی طرف اپنے رجحان کو ظاہر کیا(۲۷) لیکن ان کا یہ رجحان ان کی طبیعت کے میلان تطبیق کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اول اول انہوں نے امام و جامع شخصیت ہونے کی حیثیت سے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان تطبیق کی کوشش کی اور بتایا کہ وحدت الشہود کا تصور کوئی نیا نہیں، بلکہ خود ابن عربی کے آفاقی تصور میں موجود ہے(۲۸) شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ وجود و شہود لفظی نزاع ہے۔ اصل وحدت الوجود ہی ہے، جو وحدت الشہود سے الگ نہیں (۲۹)

اسی طرح شاہ ولی اللہ نے مختلف فقہی مکاتب کو بھی رواداری کی تلقین کی اور علم

Marfat.com

حدیث کے ذریعے مذاہب اربعہ کے درمیان اختلاف ختم کرنے کے رجحان کو فروغ دیا اس میں کلام نہیں کہ شافعیت ایک عرصہ سے حنفیت کے مدمقابل رہی ہے اور احناف بھی اپنی کتب میں شوافع کا بکثرت رد کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے ذہن پر حدیث کے غلبہ اور شیخ ابو طاہر کردی کے تعلقات سے شافعی مذہب کے اثرات کی گہرائی و گیرائی نے انہیں حنفیت و شافعیت میں بعد بلکہ تنفر کو ختم کرنے کی جرات و استقامت عطا کی۔

حنفی و شافعی مسلکوں میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے شاہ ولی اللہ نے ایک لائحہ فکر و عمل مرتب کیا۔ دونوں کے فقہی مسائل کو فریقین کی تدوین کردہ کتب حدیث پر پیش کر کے موافق کو باقی رکھا اور مخالف کو ساقط کردیا۔ مختلف فیہ مسائل میں رواداری برتی اور ہر دو اقوال کے اختلاف کو قرات کی طرح شمار کرتے ہوئے دونوں پر عمل درست مانا یا ایک کو رخصت اور دوسرے کو عزیمت پر محمول کیا یا اس طرح سمجھایا کہ کفارہ کے بیان کردہ طریقوں کی طرح عمل کے دو طریقے ہیں اور دونوں مباح (۳۰) متفقہ مسائل پر شاہ ولی اللہ نے سختی سے عمل کرنے کی تلقین کی (۳۱) المسوی اور مصفی کے بعد انہوں نے مذاہب اربعہ کے درمیان تطبیق کی عملی کوششیں کیں (۳۲)

اخذ شریعت کے دو طریقے

شاہ ولی اللہ باور کراتے ہیں کہ اخذ شریعت کے دو طریقے ہیں۔ نقل ظاہر احادیث اور دلالت النص احادیث ظاہر قول سے اخذ کرنے کا جو طریقہ ہے' اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی نقل ضروری ہے' خواہ نقل متواتر ہو یا غیر متواتر' دوسرے طریقہ دلالت النص کی صورت یہ ہے کہ صحابہ نے آپ کو کوئی قول ارشاد فرماتے سنا کوئی فعل کرتے دیکھا اور اس سے انہوں نے کوئی حکم واجب یا غیر واجب مستنبط کیا۔ پھر لوگوں کو اس حکم کی خبر دی کہ فلاں چیز واجب ہے اور فلاں جائز' صحابہ سے تابعین نے احکام اخذ کئے اور بعد ازاں تیسرے طبقہ کے لوگوں نے ان کے ان فتووں اور فیصلوں کو مدون کیا۔

اخذ شریعت کے ان دونوں طریقوں میں خلل اور رخنہ ہے۔ شاہ ولی اللہ اس کے لئے ایک کی دوسرے سے تلافی کے امکان کو رد نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی ایک

Marfat.com

دوسرے سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ نقل ظاہر میں یہ خلل واقع ہوتا ہے کہ روایت بالمعنی سے حدیث کے الفاظ میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور معانی بھی تغیر و تبدّل سے محفوظ نہیں رہے۔ دوسرے بسا اوقات راوی کسی جزئی حکم کو حکم کلی سمجھ لیتا ہے اور تیسرے یہ کہ کلام کا انداز بسا اوقات تاکیدی ہوتا ہے۔ چنانچہ فقیہ قرین سے حقیقت حال کا استنباط کرتا ہے (۴۳)

اخذ شریعت کے دوسرے طریقہ یعنی دلالت النص سے اقوال نبی میں صحابہ و تابعین کے قیاسات اور کتاب و سنت سے جو کچھ انہوں نے اخذ و استنباط کیا ہو' شامل ہو جاتے ہیں اور اجتہاد تمام حالات میں صحیح اور درست ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے غلط استنباط کی بجائے شاہ ولی اللہ تقلید کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اجتہاد اور علم حدیث

اجتہاد و تقلید کے معاملے میں بھی شاہ ولی اللہ کا نظریہ بین بین ہے۔ طبقات مجتہدین میں وہ شوافع کی تقسیم کے قائل نظر آتے ہیں' لیکن ان کی یہ تصریح ثابت شدہ ہے کہ اقسام مجتہدین میں اختلافات کی نوعیت محض سطحی اور ناموں اور اصطلاحات کی ہے۔ مجتہد مطلق کی وہ دو قسمیں بتاتے ہیں۔ مجتہد مستقل اور مجتہد منتسب' ثانی الذکر کی پھر دو قسمیں مجتہد منتسب مطلق اور مجتہد منتسب مقید۔ مجتہد فی المذھب کو وہ مجتہد منتسب اور تبحر فی المذھب یا مجتہد فی الفتیا کو مجتہد فی المذھب کے بعد جگہ دیتے ہیں۔ نظری مسائل کو انہوں نے قطعی و ظنی میں تقسیم کیا ہے اور پھر جمہور کا ساتھ دیتے ہوئے ایک قول حق اور ایک مجتہد مصیب کو مانا ہے۔

احناف میں اشتغال حدیث کا فقدان رہا اس لئے بقول شاہ ولی اللہ تیسری صدی ھجری کے بعد کوئی مجتہد مطلق منتسب ان میں پیدا نہ ہو سکا۔ مالکیوں اور حنبلیوں میں بھی مجتہد منتسب بہت کم ہوئے البتہ شافعیوں میں کافی' اس کی وجہ شاہ ولی اللہ بتاتے ہیں کہ شافعیت اسناد و روایت کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور امام کے نصوص کے ضبط میں قوی ترین ہے۔ اس کا مادہ' مدون مشہور اور مخدوم احادیث ہیں ایسا مادہ جس میں موطا صحاح ستہ' سنن دارمی' مسند شافعی' سنن دار قطنی' سنن بیہقی اور شرح السنہ وغیرہ شامل ہیں کسی اور کو

Marfat.com

نصیب نہیں ہو سکا۔

اجتہاد فرض کفایہ ہے

احناف میں زمانے کا ہر قسم کے مجتہد سے خالی ہونا بعید نہیں۔ حنابلہ کسی نہ کسی مجتہد کے وجود کو ہر دور میں فرض کفایہ مانتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ اس معاملے میں شوافع کے ساتھ ہیں کہ ہر زمانے میں مجتہد مطلق منتسب کا وجود ضروری ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض کفایہ ہے اور ہر مجتہد کے لئے بالعموم اور مجتہد مطلق منتسب کے لئے بالخصوص مسلمہ شرائط خمسہ کتاب سنت، اجماع، قیاس، اور علم عربیت، سب کا جاننا ضروری ہے (۳۴)

تقلید بھی ضروری ہے

اجتہاد چونکہ ہر مسلمان کے اختیار میں نہیں، اس لئے شاہ ولی اللہ تقلید کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ شرعی فروعی مسائل میں تین قسم کے اقوال ہیں۔ اولاً تقلید مطلقاً ناجائز ہے ثانیاً تقلید واجب ہے اور ثالثاً تقلید عامی کے لئے واجب ہے مگر مجتہد کے لئے حرام۔ آئمہ اربعہ کے متبعین کی اکثریت تیسرے قول کی قائل ہے اور شاہ ولی اللہ بھی اس مسئلے پر جمہور کے ساتھ ہیں (۳۵) وہ اپنی تصریحات میں صرف اس تقلید کے مخالف دکھائی دیتے ہیں جس میں کسی غیر نبی کو واجب الطاعت ہونے کا درجہ دے دیا جائے اور اس کے قول کے مقابلے میں صحیح حدیث کو رد کر دیا جائے۔ اس قسم کی تقلید شاہ ولی اللہ کے نزدیک کفر، دین میں تحریف، گمراہی اور حرام ہے۔ اس اندھی تقلید کے برعکس وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مسلک کی تقلید کو ضروری قرار دیتے ہیں اور بالخصوص پاک و ہند کے لوگوں پر ان کے خیال میں اکثریت کے مذہب کے مطابق حنفی مسلک کی تقلید واجب ہے۔

عمل بالحدیث کی بجائے عمل بالحنفیت

جہاں تک عمل بالحدیث کا تعلق ہے، شاہ ولی اللہ نے اس کی جا بجا تلقین کی ہے، مگر وہ خود عامل بالحدیث کی بجائے عامل بالحنفیت تھے۔ ایک طرف تو وہ اپنے مذہب کو فقہاء

Marfat.com

محدثین کے مسلک کا نام دیتے ہیں اور دوسری طرف شوافع کے مسلک کے بیشتر حصے پر اپنے معیار تحقیق کو ثبت کرتے ہیں۔ دوسروں کے لئے تو یہ روش اعتدال ہے' لیکن شاہ ولی اللہ خود حنفیت کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔

علم حدیث پر تصوف کا تسلط

شاہ ولی اللہ کی فکری و عملی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قول سے عمل کے میدان میں نہ اتر سکے۔ صراحت کی جگہ انہوں نے اکثر کنایہ اور اعلان کی بجائے اخفاء سے کام لیا۔ بظاہر بہت سی رسومات کی پابندی کی اور ان میں نرمی برتنے کو بہتری خیال کیا۔ ان کی اپنی تصریحات کے مطابق قدرت کی طرف سے انہیں تین صفتیں ودیعت ہوئیں۔ برھان' وجدان اور سمع یعنی علم منقول۔ یہ تینوں صفات زندگی کے آخری لمحات تک ان کے فکر و عمل میں دخیل رہیں۔ اگر ان میں یکسانیت رہتی تو اور بات تھی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ وجدان ان کی زندگی میں برھان پر مقدم دکھائی دیتا ہے یعنی پہلے انہیں کسی بات کا کشف ہوتا ہے۔ جسے وہ حق مان کر اس کے مطابق دلائل تلاش کرتے ہیں مثلاً

> "سفر حرمین سے قبل انہیں نور غیبی نظر آتا ہے (۳۶) حرمین پہنچ کر روحانی حکم پاتے ہیں اور مذاہب اربعہ پر تنقید کرتے ہیں (۳۷) پھر ملاء اعلیٰ کی طرف سے انہیں حنفی و شافعی مذہب کو ایک کر دینے کی تلقین کی جاتی ہے (۳۸) اور وہ مذاہب اربعہ کو ایک سطح پر سوچنا شروع کر دیتے ہیں (۳۹) مذہب حنفی کو سنت سے موافق کرنے کا طریقہ بھی ان کے بقول حضورؐ کے روحانی ارشاد اور کشف پر مبنی ہے (۴۰)

اور کشف و الہام کا یہ سلسلہ بالآخر علم حدیث سے آکر مل جاتا ہے۔ رجوع الی الموطا کا فیصلہ الہام پر ہے (۴۱) فقہ الحدیث کی اگر انہوں نے بنیاد رکھی تو وہ بھی خلعت فاتحیت سے نوازے جانے کے بعد (۴۲) اور جو مقام اجتہاد حاصل ہوا اس میں بھی غیبی مدد شامل حال تھی (۴۳) چنانچہ وہ اپنے عامل بالحنفیت رہنے کی بنیاد بھی حضور نبی کریمؐ کا روحانی ارشاد بتاتے ہیں

Marfat.com

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فکرو نظر کا خواہ کوئی گوشہ ہو وجدان سے خالی نہیں۔ وہ علم حدیث کی خاطر خواہ خدمت کرتے ہیں لیکن یہ خدمت بھی ان پر تصوف کے غالب اثرات کی رہین منت ہے۔

Marfat.com

حواشی

Marfat.com

Marfat.com

قندیل راہ

۱۔ جہلمی (م ۱۳۳۴ھ) فقیر محمد: حدائق الحنفیہ ص ۴۴۷ لکھنؤ ۱۹۱۴ء نو لکشور

۲۔ Zubai Ahmad, Dr : The Contribution of India to Arabic Literature p 22 Lahore 1967.

۳۔ شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ): انفاس العارفین ص ۴ دہلی (ت ن) طبع مجتبائی

۴۔ قنوجی (م ۱۳۰۷ ھ)نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) ابجد العلوم ۹۱۴ بھوپال ۱۲۹۵ھ مطبع صدیقی

۵۔ حسنی (م ۱۳۴۱ھ)عبدالحیٔ مولانا: نزہتہ الخواطر و بہجتہ السامع والنواظر ج ۲ ص ۳۹۸ دکن ۱۳۶۶ھ ' دائرۃ المعارف العثمانیہ

۶۔ ایضاً ج ۶ ص ۴۰۶

۷۔ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ھ) علم الکلام ص ۱۰۹ علی گڑھ (ت ن) سلسلہ آصفیہ

علم حدیث پاک و ہند میں

۱۔ طبری (م ۳۱۰ ھ) ابی جعفر محمد بن جریر: تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری)ص ت ۲۶۳۵/۲۶۹۸ مرتبہ ڈی گوئے (De Goeie) لائیڈن ۱۸۹۳ء

۲۔ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ ھ) مالکی اندلسی' ابو عمر یوسف بن عبداللہ: الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب ج ۲ ص ۵۰۰ حیدر آباد دکن ۱۳۳۶ھ/ابن حجر (م ۸۵۲ ھ) عسقلانی شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی: الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص ۶۱۴ کلکتہ ۱۸۸۸ء ببلو انڈیکا

۳۔ ابن سعد (م ۲۳۰ ھ) کاتب الواقدی' ابو عبداللہ محمد: الطبقات الکبیر ج ۷ ص ۶۱ مرتبہ سخاؤ (Sachau) ایڈورڈ' لائیڈن ۱۹۳۳ء

۴۔ ابن الاثیر (م ۶۳۰ ھ) عزالدین ابوالحسن علی بن محمد: اسد الغابہ فی معرفہ الصحابہ ج ۳ ص ۱۱ طہران (ت ن) مکتبہ الاسلامیہ/الاستیعاب ج ۱ ص ۵۷۸

۵۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۷

۶۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۸۰/ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۵/الاستیعاب ج ۱ ص ۱۱۸/الاصابہ ج ۱ ص ۷۰۷

۷۔ ذہبی (م ۷۴۸ ھ) ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد : تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۳۹۱ دکن ۱۳۱۵ھ/الاستیعاب ج ۲ ص ۵۰۴

۸۔ تاریخ طبری ج ۱ ص ت ۲۸۲۹-۲۸۲۸

۹۔ Elliot and Dawson: History of India Vol I pp 28-29 London 1968.

۱۰۔ بلاذری (م ۲۷۹-۲۸۰ ھ) احمد بن یحیی بن جابر : فتوح البلدان ص ۳۹۴ مرتب ڈی گوئے لیڈن ۱۸۶۶

۱۱۔ ابن العماد (م ۱۰۸۹ ھ) حنبلی، ابوالفلاح عبدالحئی بن احمد، شذرات الذهب فی اخبار من الذهب ج ۱ ص ۵۵ قاہرہ ۱۳۵۱ ھ

۱۲۔ صفی الدین خزرجی : خلاصہ تذهیب تهذیب الکمال فی اسماء الرجال، ص ۱۳۲، قاہرہ ۱۳۲۲ھ

۱۳۔ فتوح البلدان ص ۲۳۲

۱۴۔ فرشتہ (م بغداد ۱۰۱۳ھ) محمد قاسم ہندوشاہ : گلشن ابراہیمی المعروف بہ تاریخ فرشتہ لکھنؤ ۱۸۷۴ء مطبع نو لکشور

۱۵۔ ابن حوقل (م ۳۵۰ھ) ابوالقاسم النصیبی :کتاب صورة الارض، باب السند ص ت ۴۱۷ تا ۴۴۰ لیڈن ۱۹۳۸، طبع بریل (بار دوم)۔ المقدسی (م بغداد ۳۷۵ ھ) ابوعبداللہ محمد بن احمد: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۳۳ الہ آباد ۳۳ بعد : لیڈن ۱۹۰۶ء مطبع بریل

۱۶۔ ندوی (م ۱۹۵۳ء) سید سلیمان: عرب و ہند کے تعلقات ص ۳۰۴ الہ آباد ۱۹۳۰ء

۱۷۔ ایضاً ص ۳۰۰

۱۸۔ چچ نامہ میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے واقعات کے دوران اور اس کے بعد کے صفحات میں اس کا کئی جگہ ذکر موجود ہے

۱۹۔ ندوی ابو ظفر: تاریخ سندھ۔ ص ۳۵۹،

۲۰۔ ذہبی (۷۴۸ ھ) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد : تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲ دکن ۱۳۷۵ ھ دائرة المعارف العثمانیہ حیدر آباد

۲۱۔ ابن حجر (م ۸۵۲ ھ) عسقلانی شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی : تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۹ دکن ۱۳۲۵ دائرۃ المعارف / لسان المیزان لا بن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۲۴۰، ۲۷ دکن ۱۳۲۹ دائرۃ المعارف / خطیب بغدادی (م ۴۶۳ ھ) ابوبکر احمد بن علی بن ثابت : تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۷ قاہرہ ۱۳۴۹ مکتبہ السعادۃ

۲۲۔ السمعانی (۵۶۲ ھ) ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور : کتاب الانساب و ۲۱۴ گب میموریل سیریل لندن / لیڈن ۱۹۱۲ء مکتبہ بریل۔

۲۳۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۸۸

۲۴۔ ایضاً ج ۳ ص ت ۱۵۲۔ ۱۵۳

۲۵۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۵

۲۶۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۰۲

۲۷۔ کتاب الانساب و ۲۱۴

۲۸۔ طبقہ ثالثہ کے سندھی محدثین کے احوال اور اشاعت حدیث میں ان کی سرگرمیوں کی تفاصیل تاریخ بغداد (ج ۸ ص ۳۳۳) کتاب الانساب (اوراق ۲۳۶۔ ۲۳۷) تاریخ معصومی (ص ت ۲۷۸۔ ۲۸۱) النور السافر (ص ت ۳۵۷۔ ۴۴۰) فہرس الفہارس (ج ۱ ص ۱۰۳) سبحۃ المرجان (ص ۹۵) ابجد العلوم (ص ۸۴۹) کے علاوہ الیانع الجنی (ص ت ۶۹۔ ۷۳) وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں

۲۹۔ چوتھے طبقہ کے سندھی محدثین کے سوانح اور تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں: تحفۃ الکرام (ص ت ۱۳۷۔ ۱۳۸) تاریخ معصومی (ص ت ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱) اور ان ہر دو کتب کے دیگر صفحات

۳۰۔ Ishaq Dr : Contribution of India to the study of Hadith Literature p 27 Lahore 1946.

۳۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۷۷

۳۲۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سید عبدالحئی کی تصنیف : الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند دمشق ۱۳۷۷ھ مطبع المجمع العلمی

۳۳۔ محمد معین ڈاکٹر: چہار مقالہ ص ۲۲ تہران (ت ن)

۳۴۔ العتبی (م ۴۲۷۔ ۴۳۱ ھ) ابونصر محمد بن عبدالجبار : تاریخ یمینی ص ۱۷۰ قاہرہ (ت ن)

۳۵۔ احمد امین (م ۱۳۷۳ ھ) : ظہر الاسلام ص ۲۸۹ منقول از کتاب الجماہر فی معرفۃ الجواہر، البیرونی

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ تاریخ فرشتہ ج ا ص ۲۷

۳۸۔ لاہوری مفتی غلام سرور (م ۱۳۰۷ ھ): خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۳۰ لکھنؤ ۱۹۰۲ نو لکشور/حدائق الحنفیہ ص ۲۳

۳۹۔ معارف اعظم گڑھ ج ۲۲ ش ۴ ص ۲۴۸۔

۴۰۔ شذرات الذہب ج ۴ ص ت ۱۵۵۔ ۱۵۶

۴۱۔ ندوی (م ۱۹۵۳ء) سید سلیمان: ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ت ۲۔۳ اعظم گڑھ ۱۹۴۳/ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ت ۸۵۔ ۸۶ الندوہ لکھنؤ فروری ۱۹۰۹ء/مضمون: اسلامی نصاب درس از عبدالحئی ندوی معارف ج ۲۲ ش ۴ ص ت ۲۵۳۔ ۲۵۴

۴۲۔ منہاج السراج (م ۶۵۸ ھ) قاضی جوز جانی: طبقات ناصری ص ت ۲۳۹۔ ۲۴۱، دہلی ۱۸۷۹ء، بلو انڈیکا۔

۴۳۔ تذکرہ نویسوں نے بادشاہ کا نام نہیں لکھا، تاہم قیاس ہے کہ سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ ھ ۔ ۶۳۳ ھ) یا اس کے جانشین سلطان ناصرالدین محمود (۶۴۴ ھ ۔ ۶۶۴ھ) کے پاس آئے ہوں گے۔ سفارت کی مدت تقریباً بیس سال بتائی جاتی ہے۔

۴۴۔ لغت میں امام صغانیؒ کی ایک ممتاز، قیمتی اور اہم تصنیف، جو ۲۴ جلدوں پر ختم ہوئی، قاموس کے مصنف مجد الدین فیروز آبادی (۷۲۹ ھ۔ ۸۱۷ ھ) کہ عربی لغت کے عظیم امام ہوئے، انہوں نے عربی لغت میں ساٹھ جلدوں میں جو ضخیم کتاب لکھی، اس کی بنیاد اندلس کے نابینا عالم لغت ابوالحسن علی بن اسمٰعیل المعروف بہ ابن سیدہ کی کتاب المحکم اور امام صغانیؒ کی العباب پر رکھی۔ العباب اور فیروز آبادی کی اللامع دونوں ناپید ہیں، البتہ ابن سیدہ کی المحکم برٹش میوزیم اور خدیو مصر قاہرہ میں ہے۔

۴۵۔ امام صغانیؒ کی یہ لغت بارہ جلدوں میں تھی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ اس میں انہوں نے جوہری (ابونصر اسمٰعیل بن حماد م ۳۹۷ ھ) کی کتاب اللغۃ و صحاح العربیہ جو عام طور پر صحاح کے نام سے مشہور ہے، اپنی کتاب التکملہ والذیل والصلہ کو جو صحاح جوہری کا تتمہ تھی، یکجا کیا

۴۶۔ یہ اقتباس ڈاکٹر محمد اسحٰق کی تصنیف "علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ" کے باب "

Marfat.com

صفائیؒ سے قبل علم حدیث کی کیفیت" سے ماخوذ ہے۔

۴۷۔ الصفائیؒ (م ۶۵۰ ھ) رضی الدین حسن امام : رسالہ فی الموضوعات ص ت ۱۔۲ مشمولہ رسالہ ابوالمحاسن، مصر

۴۸۔ الصفائیؒ مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ (مقدمہ) ص ۴ مصر ۱۳۲۹ مکتبہ محمودیہ

۴۹۔ حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ ھ) چلپی : کشف الظنون عن اسامی و الکتب الفنون ج ۲ ک ۱۶۸۹، استنبول ۱۳۶۲ ھ

۵۰۔ تفصیل کیلئے مشارق الانوار ملاحظہ ہو

۵۱۔ محدث دھلوی (م ۱۰۵۲ ھ) عبدالحق : اخبار الاخیار ص ت ۲۶۔ ۲۸ میرٹھ ۱۲۷۷ ھ بار دوم دھلی ۱۳۳۲ ھ مجتبائی، داراشکوہ (م ۱۰۶۹ ھ) : سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۶ دہلی ۱۲۶۹ ھ۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۹ معارف ج ۲۲ ش ۵ ص ت ۲۹۔ ۳۰

۵۲۔ موجودہ علی گڑھ کا پرانا نام

ابجد العلوم ص ۲۸۹

الاصابہ ج ۱ ص ۱۰۸۷

۵۵۔ مخطوطہ بانکی پور، ن ۱۱۷۹ (فارسی مخطوطات)

۵۶۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ص ۱۲

۵۷۔ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ت ۳۹۸۔ سیرالاولیاء، ص ۵۳۱۔ معارف ج ۲۲ ش ۴ ص ت ۲۵۵۔ ۲۵۶

۵۸۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۷

۵۹۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۳۷

۶۱۔ ابن بطوطہ (م ۷۷۹ ھ) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن عبداللہ : تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار ج ۴ ص ت ۶۵۔ ۶۶ پیرس ۱۹۲۲ مرتبہ ڈفریمری۔

۶۲۔ اس کی تفصیل ابن بطوطہ کے سفر نامہ کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندوی کی تالیف عرب و ہند تعلقات میں جا بجا ملتی ہے۔

۶۳۔ شاہ ولی اللہ : الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ت ۷۷۔ ۷۸ دہلی ۱۹۰۹ء مجتبائی

۶۴۔ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۳۱۷

۶۵۔ شذرات الذھب ص ۲۷۱

٦٦۔ سیوطی (م ٩١١ ھ) جلال الدین : بغیتہ الوعاۃ ص ٢٧ مصر ١٣٢٥ ھ

٦٧۔ فہرس الخدیویہ ج ١ ص ٤٢٢

٦٨۔ شاہ عبدالعزیز (م ١٢٣٩ ھ) محدث دھلوی : بستان المحدثین فی تذکرہ کتب الحدیث والمحدثین ص ت ١١٧۔ ١١٨ دھلی ١٨٩٨ مطبع مجتبائی

٦٩۔ اتحاف النبلاء ص ٤١

٧٠۔ نزہتہ الخواطرج ٣ ص ٣٩٠

٧١۔ تاریخ فرشتہ ج ١ ص ٣٥٨

٧٢۔ اس کا ایک قلمی نسخہ حبیب گنج لائبریری (مخطوطہ ن ٢١) میں موجود ہے۔ اس کتاب کو تاریخ دکن کے بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

٧٣۔ تفصیل کیلئے السخاوی کی الضوء اللامع لاہل القرن التاسع ج ١ ص ١٤٥ قاہرہ ١٣٥٣ مکتبہ القدسی/تاریخ فرشتہ (ج ١ ص ٣٥٩) کے علاوہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

a- Encyclopeadia of Islam - Mohmood " Govan".

b- Cambridge History of India Vol III 420.

٧٤۔ فہرست کتب خانہ رام پور ج ١ ن ٥٩

٧٥۔ اخبار الخیار ص ٢٣٥/حدائق الحنفیہ ص ٢٧٦

٧٦۔ فہرست کتب خانہ علوم شرقیہ بانکی پور ج ٥ (٢) ص ٢١٩

٧٧۔ بدایونی (م ١٠٢٤ ھ) ملا عبدالقادر : منتخب التواریخ ص ١٢٩ کلکتہ ١٨٦٨ء

٧٨۔ معارف ج ٢٢ ش ٤ ص ٢٥٨

٧٩۔ عید روسی (م ١٠٣٨ ھ) شیخ عبدالقادر : النور السافر من اخبار القران العاشر ص ٢٥٦ بغداد ١٣٥٣ ھ حسنی عبدالحیٔ : یاد ایام (تاریخ گجرات) ص ٣٤ لکھنؤ (ت ن) علی گڑھ ١٣٣٧ ھ

٨٠۔ النور السافر ص ت ٤٠٤۔ ٤٠٥

٨١۔ بشیر احمد : واقعات مملکت بیجا پور ج ١ ص ت ٩٩۔ ٢٢٢، آگرہ ١٩١٥ء

٨٢۔ زبیری ابراہیم : بساطین السلاطین بحوالہ فہرست کتب خانہ بانکی پور ج ٥ (ا) ص ٥٤

٨٣۔ تاریخ فرشتہ ج ٢ ص ٦٦

٨٤۔ واقعات مملکت بیجاپور ج ٢ ص ت ٢٥۔ ٢٨

٨٥۔ ایضاً ص ٣٤

۸۶۔ Cambridge History of India Vol III pp 425-26.

۸۷۔ الضوء اللامع ج ۹ ص ۱۵۱ التاسع

۸۸۔ الضوء اللامع سے ماخوذ

۸۹۔ Catalogue of Persion Manuscripts in the Liberary of India Office Vol I No 2641 Oxford 1903.

۹۰۔ فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ا،ن ۴۸۷

۹۱۔ فہرست کتب خانہ بانکی پور' ن ۳۶۴ (حدیث)

۹۲۔ کاکوروی' علی حیدر: مشاہیر کاکوری ص ۴۴۱ لکھنؤ ۱۹۲۷ء

۹۳۔ یہ کتاب دہلی سے پہلی بار ۱۲۹۰ھ اور دوسری مرتبہ ۱۳۰۸ھ میں ابن حجر کی تقریب التہذیب کے حاشیہ پر شائع ہو چکی ہے۔

۹۴۔ ۱۳۴۳ھ میں طاہر پٹنی کی قانون الموضوعات کے ساتھ مصر سے طبع ہوئی۔

۹۵۔ نو لکشور پریس لکھنؤ سے ۱۳۱۴ھ میں چھپ چکی ہے۔

۹۶۔ ابجد العلوم ۸۹۶

۹۷۔ فہرست کتب خانہ بانکی پور ج ۱۰ ن' ۵۶۹

۹۸۔ فہرست کتب خانہ رام پور' ن ۱۸۵

۹۹۔ معارف ج ۲۲ ش ۴ ص ۲۶۱ کے مطابق اس کا ایک مخطوطہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں ہے۔

۱۰۰۔ نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۶۸

۱۰۱۔ کتب خانہ بانکی پور (مخطوطہ) ن ۱۴۴

۱۰۲۔ فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ا،ن ۲۲۰

۱۰۳۔ یہ مختصر تالیف فاروقی پریس دھلی سے ۱۳۰۹ھ میں چھپ چکی ہے۔

۱۰۴۔ نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۴۲۳۔

۱۰۵۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۰۴

۱۰۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ت ۱۳۴۔ ۱۳۵

۱۰۷۔ خزینتہ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۳۹۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۱۹

۱۰۸۔ ترجمتہ محمد بن یحیی التیمی البکری: الیانع الجنی فی اسانید عبدالغنی ص ۲۵ دہلی ۱۳۴۹ھ جید پریس

۱۰۹۔ حسنی' عبدالحئی: معارف العوارف' باب شروع البخاری دکن (ت ن)

Marfat.com

۱۱۰۔ شوق احمد علی خان : تذکرہ کاملان رام پور ص ت ۳۸۹۔ ۳۹۱ دھلی ۱۳۲۹ ھ

۱۱۱۔ مجموعہ شروح اربعہ کے ساتھ نظامی پریس دھلی سے شائع ہو چکی ہے
۱۱۲۔ اسے علیمی پریس دھلی نے سنن ابن ماجہ کے حاشیہ پر طبع کیا تھا۔

۱۱۴۔ معارف ج ۳۳ ش ۲ (۱۹۳۴ء) ص ۱۲۲

۱۱۵۔ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۲۲ (۱۹۱۶ء) ص ت ۴۳۔ ۶۰

۱۱۶۔ یاد ایام ص ت ۲۹۔ ۳۰

۱۱۷۔ نظامی، خلیق احمد : حیات شیخ عبدالحق دھلوی ص ۴۳ دھلی ۱۳۷۴ ھ۔

۱۱۸۔ فہرست کتب خانہ بانکی پور، ن ۳۶۳ (حدیث)

۱۱۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۶

۱۲۰۔ فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۱، ن ۴۳۳ (حدیث)
۲ لغات ۶ کی تصدیق نزہۃ الخواطر ج ۶ میں متعلقہ محدثین کے تذکرہ سے کی جا سکتی ہے

۱۲۱۔ اتحاف النبلاء ص ۴۰۶

۱۲۲۔ فہرست کتب خانہ بانکی پور، ن ۶۶۸ (حدیث)

۱۲۳۔ ایضاً ن ۱۰۳۳

۱۲۴۔ آزاد بلگرامی (م ۱۱۲۶ ھ) : مآثر الکرام ص ۲۱۲ لاہور ۱۹۳۲ء ادارہ السنہ الشرقیہ۔

۱۲۵۔ خیر آبادی فضل حق امام (م ۱۲۴۴ ھ) : تراجم الفضلاء ص ۴ کراچی ۱۹۵۵ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔

۱۲۶۔ شبلی نعمانی/ مقالات شبلی ج ۳ (تعلیمی) ص ۹۸ اعظم گڑھ ۱۳۴۹ ھ مطبع معارف۔ شبلی نے حاشیہ میں وضاحت کر دی ہے کہ انہوں نے ملا نظام الدین اور درس نظامیہ کے حالات و تفصیلات کیلئے ملا عبدالاعلی بن عبدالعلی کا رسالہ قطبیہ در حال ملا قطب الدین، مولوی ولی اللہ محشی صدر کی اغصان اربعہ اور عمدۃ الوسائل در حال ملا قطب الدین و شاہ عبدالرزاق بانسوی اور رضی الدین محمود انصاری کی اغصان الانساب سے استفادہ کیا ہے۔

۱۲۷۔ مقالات شبلی ج ۳ (تعلیمی) ص ۱۰۵

۱۲۸۔ رشید رضا، سید علامہ : مفتاح کنوز السنۃ (مقدمہ) ص ق مرتبہ : الدکتواری و نسنک۔ محمد فواد عبدالباقی مصر ۱۳۵۳ ھ۔

۱۲۹۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۲

۱۳۰۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۳۶ بریلی ۱۹۴۰ء۔

شاہ ولی اللہ اور ان کا عہد

۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۶ اکثر علماء کا قول ہے کہ دجنی دکھن یا دکھنا کا معرب ہے اور اس سے مراد سراندیپ کا علاقہ ہے۔

۲۔ طبری مکی محب الدین : القری لقاصد ام القری ص ۲۱ مصر ۱۳۸۶ھ

۳۔ تفصیل کیلئے ابن خوردازبہ کی المسالک و الممالک' اصطخری کی مسالک و الممالک اور بلاذری کی فتوح البلدان دیکھی جا سکتی ہیں۔

۴۔ ملاحظہ ہو a - Heeren A.H.L : Historical Researches into the Politcs Intecourse and Trade principle Nations of Antiquity Vol I Oxford 1833.

b - Rawlinson H.J : Intercourse between India and the Western World Cambredge 1926.

۵۔ ابن خوردازبہ (م ۳۳۰ھ) ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ : المسالک و الممالک ص ۱۷

۶۔ لیڈن ۱۸۸۰ مطبع بریل

۷۔ مرزوقی ابوعلی : کتاب الازمنہ والامکنہ ص ۱۶۳ دکن ۱۳۳۲ھ

۸۔ ہندی و سندھی اقوام عرب کی تفصیلات کیلئے علامہ محمد طاہر کی مجمع بحار الانوار (طبع نو لکشور لکھنؤ) طریح نجفی کی مجمع البحرین (طبع ایران) بلاذری کی فتوح البلدان' ابن ہشام ابو محمد عبدالملک کی کتاب التیجان (طبع دکن) جمہرۃ ابن درید کی جمہرۃ اللغۃ ابن فقیہ ہمدانی کی کتاب البلدان اور مسعودی کی مروج الذہب وغیرہ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۔ مجلہ کلیتہ الاداب' جامعہ فواد الاول' القاہرہ مایو ۱۹۵۳ مقالہ : علاقات العرب التجارۃ بالہند۔

۹۔ Jaffery : Foreign Vocablary of the QURAN Baroda 1938.

۱۰۔ عرب و ہند تعلقات ص ت ۱۰۔۱۱

۱۱۔ Cambridge History of India Vol I pp 140-142

۱۲۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص ۱۲۱

۱۳ مبارکپوری قاضی اطہر: عرب و ہند- عہد رسالت میں' ص ۱۹۱ کراچی ۱۹۷۵ء
ایجوکیشنل پریس / مجموعہ کلمات و رسائل مولوی بخاری (قلمی) ق' ۱۹۰

۱۴- ایضاً

۱۵ سنن نسائی: باب غزوۃ الھند

۱۶- سبحۃ المرجان ص ۲۱ / سنن نسائی: باب غزوۃ الھند

۱۷- فتوح البلدان ص ۴۲۰

۱۸- الدینوری (م ۲۸۲ ھ) ابو حنیفہ احمد بن داؤ: اخبار الطوال ص ۱۱۰ مصر ۱۹۷۷ء

۱۹- تفصیلات کے لئے بلازری کی فتوح البلدان کا باب "فتوح السند" ملاحظہ ہو۔

۲۰- ابن الاثیر (م ۶۳۰ ھ) عزالدین ابوالحسن علی بن محمد: تاریخ الکامل ج ۹ ص ۱۳۵
لیڈن/ قاہرہ ۱۲۹۰ ھ

۲۱- عجائب الاسفار ج ۳ ص ۱۷

۲۲- ایضاً ج ۳ ص ۲۱۶

۲۳- عہد فیروز شاہی کی چار مستند تاریخیں ہیں: ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی۔ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف' سیرت فیروز شاہی اور فتوحات فیروز شاہی۔ پہلی دو مشہور ہیں' تیسری نادر اور چوتھی بقول فرشتہ (ج ۱ ص ۱۷۱) فیروز شاہ کے قلم سے۔ اس کے اصل کا تو پتا نہیں چلتا' البتہ اس کا مکمل ترجمہ ایلیٹ (ج ۳ ص ت ۳۷۴ لغایت ۳۸۸) میں موجود ہے۔

۲۴- فتوحات فیروز شاہی' ایلیٹ' اصلاح نمبر ۶

۲۵ عفیف شمس سراج: تاریخ فیروز شاہی ص ت ۳۸۱-۳۸۲

۲۶ عبداللہ: تاریخ داؤدی' ایلیٹ ج ۴ ص ۴۴۷

۲۷- ذکاء اللہ مولوی: تاریخ ہند ص ۳۱۹ دہلی ۱۸۹۸ء

۲۸- ملفوظات تیموری' ایلیٹ ج ۳ ص ۴۶۱

۲۹- Sen.S.N. Studies in Indian History p 119 Delhi (N.D)

۳۰ ستیہ کے معنی نرائن یا وشنو کے ہیں

۳۱- Chakarbarti A : Cultural Fellowship in India p 25 Delhi 1964.

۳۲- Encyclopeadia of Islam "Akbar"

۳۳- Smith.V.A. : Akhbar the Great Mughal

Marfat.com

pp 442-45 Delhi 1958.

۳۴- Hanell : A Handbook of Indian Art p 65 London / Delhi 1964.

۳۵- فضل الدین احمد مرزا (مرتب) : تذکرہ (مولانا ابوالکلام) ص ۴۰ لاہور

۳۶- نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۳۹۸ ابجد العلوم ص ۹۱۲/حدائق الحنفیہ ص ۴۴۷-

۳۷- شاہ ولی اللہ : بوارق الولایہ مشمولہ انفاس العارفین ص ت ۴۴- ۴۵ دھلی ۱۳۳۵ ھ مجتبائی

۳۸- شاہ ولی اللہ : المسلسلات ص ۴۳ دھلی مطبع احمدی

۳۹- انفاس العارفین ص ۸۳

۴۰- الامداد فی ماثر الاجداد مشمولہ مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ مطبوعہ احمدی دھلی سے قطع نظر انفاس العارفین مطبوعہ مجتبائی دھلی ۱۳۳۵ ھ میں الامداد کا جو نسخہ شامل ہے' اس میں شجرہ نسب کی متعدد اغلاط' طباعت اور تصحیح کی بے توجہی کا نتیجہ ہیں- اس لئے محققین اول الذکر مجموعہ رسائل کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں- یہ شجرہ اسی سے نقل کیا گیا ہے-

۴۱- الامداد ص ۳ دھلی مطبع احمدی

۴۲- تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳ ص ۱۹

۴۳- شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے احوال و کمالات پر عربی میں ایک مفصل رسالہ بھی تالیف فرمایا' جس کا نام بوارق الولایہ ہے- یہ انفاس العارفین میں شامل ہے اور اس کے مطالعہ سے شاہ عبدالرحیم ایسے جامع علوم عقلی و نقلی' حاوی علوم اصلی و فروعی اور باکمال محدث کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سامنے آ جاتا ہے-

۴۴. ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۴۰ میرٹھ ۱۳۱۴ھ مطبع مجتبائی باہتمام قاضی بشیر الدین میرٹھی ارادت کیش

۴۵. سید ثناء اللہ سونی پتی' سید ناصر الدین شہید کی اولاد میں سے تھے' جن کا ذکر مولوی احمد علی خیر آبادی کی تالیف میں ملتا ہے- مولف موصوف نے انہیں امام باقر بن امام زین العابدین کا فرزند اور امام جعفر کا بھائی بتایا ہے (قصر عارفان ص ت ۲۸۱-۲۹۰ لاہور ۱۹۶۵ء)

۴۶. الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۲۵۱ بریلی ۱۹۴۰ء

۴۷. الجزء اللطیف ص ۲

Marfat.com

۴۸۔ رسائل نقشبندیہ کے نام تو شاہ ولی اللہ نے نہیں بتائے' البتہ حضرات کبرائے نقشبندیہ کا ایک مجموعہ متداول رہا ہے' جس میں چھ رسالے انفاس نفیسہ از خواجہ عبیداللہ احرار' رسالہ خواجہ عزیزاں' رسالہ انیسہ از مولانا یعقوب چرخی' رسالہ قدسیہ از خواجہ بہاء الدین نقشبند نوشتہ خواجہ پارسا' رسالہ نور وحدت از خواجہ عبیداللہ المعروف بہ خواجہ خورد فرزند ارجمند باقی باللہ اور رسالہ پر تو عشق از خواجہ خورد شامل ہیں۔ یہ تمام مطبوعہ ہیں اور مطبع مجتبائی دھلی سے ۱۹۳۴ء میں چھپ چکے ہیں۔

۴۹۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۰۱

۵۰۔ البالغ الجنی ص ۸۳

۵۱۔ شاہ ولی اللہ: القول الجمیل ص ۱۱۶ دیو بند

۵۲۔ انفاس العارفین ص ۸۲

۵۳۔ القول الجلی ص ۲۷۔ و ۵

۵۴۔ الجزء اللطیف ص ۵

۵۵۔ اسے "چہل حدیث" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

۵۶۔ دیکھئے: حسن العقیدہ

۵۷۔ اغلباً اسی کو "المسلسلات" کہتے ہیں۔

۵۸۔ مرتبہ خلیق احمد نظامی

۵۹۔ دھلوی رحیم بخش مولوی: حیات ولی ص ۵۸۱ لاہور ۱۹۵۵ مکتبہ سلفیہ

۶۰۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ت ۳۸۸۔۳۸۹

۶۱۔ ابراہیم میر سیالکوٹی: تاریخ اہل حدیث ص ۱۶ لاہور ۱۹۵۳ء اسلامی پبلشنگ کمپنی

۶۲۔ ماہنامہ ثقافت لاہور ج ۶ ش ۱ ص ۱۷ جنوری ۱۹۶۷ء

۶۳۔ مظہر بقا ڈاکٹر: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص ۱۷ (حاشیہ) اسلام آباد ۱۹۷۳ء ادارہ تحقیقات اسلامی

۶۴۔ حیات ولی ص ۵۷۷

۶۵۔ یہ سند المسوی مطبوعہ مکہ مکرمہ کے شروع میں شامل اشاعت ہے۔

۶۶۔ شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی: فتاوی عزیزی ص ۱۸۱ دھلی ۱۳۱۱ھ مطبع مجتبائی نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۳۰

۶۷۔ ایضاً

Marfat.com

۶۸۔ فتاوی عزیزی ص ۱۲۸

۶۹۔ برادر۔ سید قمر الدین حسنی، جن کے لئے شاہ عبدالعزیز نے رسالہ عجالہ نافعہ لکھا۔

۷۰۔ عجالہ نافعہ ص ۱۷

۷۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص ۷۲ (حاشیہ)

۷۲۔ الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند ص ۱۹۶

۷۳۔ ضیاء عبدالرحیم: مقالات طریقت المعروف بہ فضائل عزیزی ص ۹ دکن ۱۲۹۲ھ مطبع ملتین حیدر آباد

۷۴۔ یہ کتاب مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف سے چھپ چکی ہے۔

۷۵۔ براون، ای جی: تاریخ ادبیات ایران، عہد جدید (اردو ترجمہ) ص ۴۰۸

۷۶۔ بارق، معراج محمد: مقدمہ البلاغ المبین ص ۱۹ لاہور، مکتبہ سلفیہ

۷۷۔ شیال جمال الدین ڈاکٹر: محاضرات عن الحرکات الاصلاحیہ ص ۱۷۲، ۱۹۵۷ء جامعہ الاول العربیہ الدراسات العربیہ العالیہ

۷۸۔ "قال الشیخ عبدالعزیز فی العزیزیہ" الانتباہ ص ۸۹

۷۹۔ نوشہروی ابو یحیی خان: تذکرہ علمائے حدیث ہند ص ۴۴ دھلی ۱۳۵۶ھ جید برقی پریس

۸۰۔ شاہ ابو سعید حسنی رائے بریلوی

۸۱۔ ماہنامہ "الرحیم" حیدر آباد (سندھ) ج ۲ ش ۳ اگست ۱۹۶۵ ص ۲۲۱

۸۲۔ مولوی محبوب علی دھلوی کا مجموعہ فتاوے علمائے دھلی و حرمین شریفین درجواز تقلید، مطبوعہ مطبع سید الاخبار ۱۲۶۲ھ۔ ۱۸۴۵ء

۸۳۔ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء از شاہ ولی اللہ مطبوعہ احمدی کلاں محل متعلق مدرسہ عزیزی دھلی، باہتمام ظہیرالدین ولی اللھی۔ سال طباعت ندارد

۸۴۔ انفاس العارفین (تالیف شاہ ولی اللہ) مطبع احمدی دھلی، متعلق مدرسہ عزیزی باہتمام ظہیرالدین ولی اللھی۔ سال طباعت درج نہیں۔

۸۵۔ پانی پتی عبدالرحمن محدث (م ۱۳۱۴ھ): کشف الحجاب ص ۹ لکھنؤ ۱۲۹۸ھ مطبع بہار کشمیر

۸۶۔ گیلانی، مناظر احسن: تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث ص ۲۶۵ کراچی نفیس اکیڈمی

۸۷۔ شاہ ولی اللہ: فتح الرحمن فی ترجمہ القرآن میرٹھ ۱۲۸۵ھ مطبع ہاشمی

۸۸۔ حیات ولی ص ۴۱۹

۸۹۔ ایضا

Marfat.com

۹۰ - شاہ ولی اللہ : التفہیمات الالہیہ ج ا ص ت ۱۱-۱۲ بجنور ۱۳۵۵ھ مجلس علمی ڈابھیل

۹۱ - ایضاً

۹۲ - مولانا ابوالحسن ندوی نے "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" کے محقق ڈاکٹر مظہر بقاء کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ القول الجمیل سفر حرمین کے بعد کی ہے (ص ۷۸) انکا کہنا ہے کہ داخلی شہادتیں اور قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ کتاب شاہ عبدالرحیم کی وفات ۱۱۳۱ھ اور سفر حج ۱۱۴۳ھ کے درمیان کی ہے' جب شاہ صاحب کے منتسبین اور طالبین سلوک کا ان کے فرزند جلیل (شاہ ولی اللہ) کی طرف رجوع ہوا (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۴۰۹)

۹۳ - شاہ ولی اللہ : ہمات : حیدر آباد سندھ شاہ ولی اللہ اکیڈمی

۹۴ - حجۃ اللہ البالغہ (مقدمہ) ص ۲

۹۵ - مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ اس خواب کا ذکر شاہ ولی اللہ نے تفصیل سے فیوض الحرمین (ص ت ۲۱-۲۲ دہلی مطبع احمدی) میں کیا ہے۔

۹۶ - حجۃ اللہ البالغہ (مقدمہ)

۹۷ - ثقافت ج ۶ ش۔ جنوری ۱۹۶۷ ص ۷۱

۹۸ - شاہ ولی اللہ : مکتوبات مع مناقب بخاری و فضیلت ابن تیمیہ ص ۲۹ دھلی مطبع احمدی

۹۹ - تفہیمات ج ا ص ۱۶۱

۱۰۰ - حیات ولی ص ت ۵۳۲-۵۳۴

۱۰۱ - شاہ ولی اللہ : الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (مع فتح الخبیر) ص ۴۰ لاہور مطبع علمی

۱۰۲ - المسلسلات ص ۸

۱۰۳ - شاہ ولی اللہ : المسوی فی احادیث الموطا ص ۷ مکہ مکرمہ ۱۳۵۱ھ مکتبہ سلفیہ

۱۰۴ - ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۴۳

۱۰۵ - مولوی نور الحسن راشد ایک مضمون میں تصریح فرماتے ہیں کہ "ہائے ولی روز گار رفت" ہونا چاہئے' کیونکہ اس سے صحیح سنہ وفات نکلتا ہے (برہان دھلی' جولائی ۱۹۸۳ء)

۱۰۶ - ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۴۰

۱۰۷ - سرسید احمد خان لکھتے ہیں کہ یہ ایک عمارت تھی۔ نیچے تو مکانات اور درے بنے

Marfat.com

ہوئے تھے اور اوپر چاروں کونوں پر چار برجیاں۔ کچھ معلوم نہیں کہ یہ عمارت کیا تھی؟ کب بنی اور کس نے بنوائی؟ البتہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ کوئی نواب حضرت غوث الاعظم کی مہندیاں بھرا کرتے تھے، یعنی کھچیوں کی ایک بڑی اونچی سی بنا اور کاغذ سے منڈھ کر اس کو روشن کیا جاتا۔ نواب صاحب کے ہاں یہی مہندی روشن ہونے کی رسم تھی۔ جب سے اس عمارت کا نام مہندیاں مشہور ہو گیا۔ معلوم نہیں کہ یہ نواب صاحب کون تھے، جنہوں نے یہ مہندی بنوائی تھی (آثار الصنادید ص ت ۵۰-۵۱ لکھنؤ ۱۸۷۶ء)

۱۰۸۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۱

۱۰۹۔ طباطبائی غلام حسین: سیر المتاخرین ج ۲ ص ۳۸۱ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ نو لکشور

۱۱۰۔ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۱۰۹

۱۱۱۔ سیر المتاخرین ج ۲ ص ۴۵۸

۱۱۲۔ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۲۵۱

۱۱۳۔ فرید آبادی مولوی سید ہاشمی: تاریخ ہند، کتاب سوم ص ۲۶۱ دکن ۱۹۲۱

۱۱۴۔ Sarkar.J. Fall of the Mughal Empire pp 373-74 Calcutta 1934.

۱۱۵۔ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۳۷۲

۱۱۶۔ نظامی، خلیق احمد: شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۱۰۶ علی گڑھ ۱۹۵۰ مسلم یونیورسٹی

۱۱۷۔ ایضاً ص ۱۵

۱۱۸۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۹

۱۱۹۔ ایضاً ص ت ۲۲-۲۳

۱۲۰۔ نواب نجیب الدولہ نے شاہ ولی اللہ کی رحلت کے آٹھ سال بعد رجب ۱۱۸۴ھ/۳۱ اکتوبر ۱۷۷۰ء کو وفات پائی۔ اس کے احوال کا تفصیلی جائزہ نصیر الدین کی نجیب التواریخ ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات (ص ت ۲۳۱ - ۲۳۴) میں ان کے مختصر سوانح قلمبند کر دیئے ہیں۔

۱۲۱۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں افغانستان کا ایک حصہ ایران، دوسرا ہندوستان اور تیسرا خوانین بخارا کے ماتحت تھا۔ ۱۱۲۰ھ میں قندہار آزاد ہوا۔ کچھ عرصہ بعد نادر شاہ نے افغانوں کو قندھار سے بے دخل کیا اور مغربی ہند کے ایک حصے پر بھی قابض ہو گیا۔ اسی

Marfat.com

زمانے میں احمد خان نامی ایک جنگی قیدی نادر شاہ کے سامنے لایا گیا۔ نادر شاہ نے اسے اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔ ابدالی قبیلہ کی درانی (سدوزئی) شاخ سے تعلق رکھنے والے اس قیدی غلام نے احمد شاہ ابدالی کے نام سے نادر شاہ کے بعد افغان سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی اور درانی حکومت کی بنیاد رکھی' جس میں مشرقی ایران (مشہد) افغانستان اور مشرقی سمت میں کشمیر اور پنجاب کے بعض علاقے شامل تھے۔

۱۲۲۔ سیاسی مکتوبات ص ۲۳۲
۱۲۳۔ ایضاً ص ۱۹
۱۲۴۔ ایضاً ص ۱۲
۱۲۵۔ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۳۹
۱۲۶۔ تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۱۵
۱۲۷۔ ایضاً ص ۲۱۶
۱۲۸۔ ایضاً
۱۲۹۔ ایضاً ص ۲۱۷
۱۳۰۔ ایضاً ص ۲۱۴
۱۳۱۔ ایضاً ص ۲۱۵
۱۳۲۔ ایضاً
۱۳۳۔ ایضاً ص ت ۲۱۴۔ ۲۱۵
۱۳۴۔ ایضاً ص ت ۲۱۷۔ ۲۱۸

شاہ ولی اللہ اور علم حدیث

۱۔ ندوی' سید سلیمان: مقالہ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ ج ۲۲ ش نومبر ۲۸ء
۲۔ حسینی دھلوی' شیخ شرف الدین محمد: کتاب الوسیلہ الی اللہ ص ۲۱
۳۔ شاہ ولی اللہ: انسان العین مشولہ انفاس العارفین ص ۱۵ دھلی مطبع احمدی
۴۔ انسان العین ص ۷
۵۔ شاہ ولی اللہ: الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۳۲ دہلی (ت ن) آرمی برقی پریس

Marfat.com

۶۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۹۳

۷۔ الیانع الجنی ص ۷۹

۸۔ محمد زاہد بن القاضی محمد اسلم الحنفی الہروی الکابلی (م ۱۱۰۱ھ) صاحب حاشیہ شرح المواقف، حاشیہ شرح التہذیب، حاشیہ بر رسالہ قطبیہ اور حاشیہ شرح التجرید وغیرہ۔ ۱۰۶۴ھ میں کابل کے محرر و وقائع اور ۱۰۷۷ھ میں فوج کے محاسب بنائے گئے، لیکن انہوں نے درس و تدریس کا شغل بھی جاری رکھا۔

۹۔ محمد بن اسعد بن محمد بن عبدالرحیم الدوانی (و ۸۲۰ ھ م ۹۱۸۔ ۹۲۸ ھ) گازرون کی بستی دوان سے نسبت تھی۔ حدیث وفقہ اور معقول میں شیخ شرف الدین عبدالرحیم جرہی، شمس الدین بن الجزری اور سید شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ (مزید تفصیل سخاوی کی الضوء اللامع، قاضی شوکانی کی البدر الطالع، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی الفوائد البہیہ اور سید مرتضیٰ بلگرامی کی تاج العروس میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں)

۱۰۔ غلام علی (م ۱۲۴۰ ھ) شاہ: مقامات مظہریہ ص ت ۹۔۱۰ دہلی ۱۳۰۹ مطبع مجتبائی

۱۱۔ علی بن عبدالقدوس بن محمد بن احمد العباسی الشناوی۔ کنیت: ابوالحسن، لقب: نورالدین

۱۲۔ محمد بن ابی الحسن بن محمد (و ۹۳۰ھ م ۹۹۴ ھ بمقام قاہرہ) کنیت: ابوالمکارم، لقب: شمس الدین ان کے حالات کے لئے عبدالقادر عیدروسی م ۱۰۳۸ ھ کی النور السافر عن اخبار القرن العاشر طبع بغداد ۱۳۵۳ ھ کے علاوہ اخبار الاخیار اور فہرس الفہارس دیکھی جا سکتی ہیں۔

۱۳۔ محمد بن احمد بن حمزہ الرملی (و ۹۱۹ ھ م ۱۰۰۴ ھ بمقام مصر) لقب: شمس الدین عرف: الشافعی الصغیر (ان کے احوال و تصانیف کے لئے ملاحظہ ہوں: محبی کی خلاصۃ الاثر جس میں عبدالوہاب شعرانی کی طبقات الوسطیٰ کے متعدد اقتباسات شامل ہیں نیز عبدالمتعال الصعیدی کی المجددون فی الاسلام طبع قاہرہ اور تاج العروس بذیل مادہ رم ل)

۱۴۔ عبدالرحمن بن عبدالقادر بن عبدالعزیز بن نجم الدین عمر بن تقی الدین بن فہد الہاشمی المکی (م ۱۰۲۰ ھ) کنیت: ابوزید مصادر و مراجع: فہرس الفہارس اور محمد البشیر ظافر کی الیواقیت الثمینہ فی اعیان مذہب عالم المدینہ)

۱۵۔ احمد نام، ابوالعباس کنیت، شہاب الدین لقب اور ابن حجر عرف (و ۹۰۹ھ م ۹۷۳ھ۔ ۹۷۴ھ بمقام مکہ) علم فقہ و حدیث کے عظیم محقق، سو کے لگ بھگ کتب و رسائل

Marfat.com

تالیف کئے (تفاصیل : النور السافر' شذرات الذہب' البدر الطالع' فہرس الفہارس' اور ہدیتہ العارفین ملاحظہ ہوں)

۱۶۔ عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ انصاری الشافعی المصری الشعرانی (و ۸۹۹ ھ م ۹۷۳ھ) کنیت ابوالمواہب۔ (ان کے احوال و تصنیفات کے لئے : یوسف العش کی الشعرانی امام التصوف فی عصرہ' فہرس الفہارس' نجم الدین غزی (م ۱۰۶۱ ھ) کی الکواکب السائرہ باعیان المئتہ العاشرہ طبع بیروت ۱۹۴۵ء)۔

۱۷۔ زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا انصاری الخزرجی (و ۸۲۳ ھ م ۹۲۴ھ - ۹۲۶ ھ) ان کے احوال و تصنیفات کیلئے یہ کتب بھی ہیں: الکواکب السائرہ' البدر الطالع' فہرس الفہارس اور النور السافر۔

۱۸۔ محمد بن عبدالرحمن بن احمد البکری الشافعی (و ۸۹۹ ھ م ۹۵۲ ھ بمقام قاہرہ) کنیت ابوالحسن (تفصیل الکواکب السائرہ' النور السافر' ریحانتہ الالباء اور شذرات الذہب میں ملتی ہے)۔

۱۹۔ احمد بن حمزہ (م ۹۵۷ ھ) لقب شہاب الدین (تفصیلات : الکواکب السائرہ اور شذرات الذہب)

۲۰۔ محمد نام' ابوالفضل کنیت' محب الدین لقب اور جار اللہ عرف' مختصر نام و نسب محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن محمد بن محمد بن فہد الہاشمی (و ۸۹۱ ھ م ۹۵۴ھ) (ان کے حالات الکواکب السائرہ' فہرس الفہارس اور ہدیتہ العارفین میں ملتے ہیں)

۲۱۔ سالم بن محمد بن محمد بن عزالدین بن ناصر الدین السنہوری المصری المالکی (و ۹۴۵ ھ م ۱۰۱۵ھ) کنیت ابوالنجی' لقب : زین الدین (تفصیلی احوال اور تصانیف کے لئے نیل الابتہاج بطرالدیباج = الدیباج المذہب' تاج العروس' خلاصتہ الاثر اور ہدیتہ العارفین)

۲۲۔ محمد بن احمد بن علی بن ابی بکر الغیطی اسکندری ثم المصری الشافعی (و ۹۱۰ ھ م ۹۸۱ھ۔۹۸۲ھ) کنیت : ابوالمواہب اور لقب : نجم الدین ان کے احوال اور تصانیف کا تذکرہ کئی کتب میں ہے مثلاً الکواکب السائرہ' شذرات الذہب' فہرس الفہارس' تاج العروس اور ہدیتہ العارفین

۲۳۔ سلطان بن احمد بن سلامتہ بن اسمٰعیل المزاحی المصری الازہری الشافعی (و۹۸۵ ھ م ۱۰۷۵ ھ) کنیت ابوالعزام۔محبی نے (خلاصتہ الاثر ج ۲ ص ۲۰۱) سید مرتضیٰ بلگرامی نے (تاج العروس : بذیل مادہ م ز ح) ان کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

۲۴۔ احمد بن خلیل بن ابراہیم ناصر الدین السبکی المصری الشافعی (و ۹۳۹ ھ م ۱۰۳۲ ھ) لقب : شہاب الدین۔ ان کے احوال کئی کتب (مثلاً ہدیۃ العارفین اور خلاصۃ الاثر) میں ملتے ہیں۔

۲۵۔ عبدالحق بن محمد بن عبدالحق السنباطی القاہری الشافعی (و ۸۴۲ ھ م ۹۳۱ھ) لقب : شرف الدین اور عرف : ابن عبدالحق۔ان کے حالات کئی کتب میں مذکور ہیں۔ (مصادر و مراجع : شذرات الذہب، الکواکب السائرۃ، النور السافر اور فہرس الفہارس)

۲۶۔ محمد بن حمزہ بن احمد بن علی بن محمد بن علی بن الحسن بن حمزہ الحسینی الدمشقی الشافعی (و ۸۵۰ ھ م ۹۳۳ ھ) کنیت ابوعبداللہ اور لقب کمال الدین۔ نجم الدین غزی نے ان کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں (الکواکب السائرۃ ج ۱ ص ت ۴۲۔۴۳)

۲۷۔ شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ ھ) محدث دھلوی : عجالہ نافعہ ص ۱۹۔

۲۸۔ محمد بن محمد بن محمد بن سلیمان الردانی ثم المکی المالکی۔ لقب : وفد اللہ۔ شاہ ولی اللہ نے انسان العین (ص ۷) اور عبدالحی کتانی نے فہرس الفہارس (ج ۱ ص ت ۳۲۰۔ ۳۲۱) پر قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔

۲۹۔ حسن بن محمد بن ایوب بن محمد بن حسن بن ادریس بن حسن بن علی بن عیسی الحسنی الحسینی القاہری الشافعی (و ۷۶۷ ھ م ۸۶۶ ھ) کنیت : ابو محمد، لقب : بدرالدین اور انسابہ، عرف : الشریف النسابہ۔ تفصیلی حالات الضوء اللامع، شذرات الذہب، ہدیۃ العارفین میں ملتے ہیں۔

۳۰۔ حسن بن ایوب بن محمد بن حسن بن ادریس بن حسن بن علی بن عیسی بن علی الحسنی الحسینی الشافعی (م ۸۰۹ ھ) عرف انسابہ۔ حافظ ابن حجر نے ان سے بعض احادیث کا سماع کیا۔ سخاوی نے ان کے حالات لکھے ہیں (الضوء اللامع ج ۳ ص ۱۲۲)۔

۳۱۔ محمد بن جابر بن محمد بن قاسم بن حسان القیسی الواد یاشی الاندلسی المالکی (و ۶۷۳ ھ م ۷۴۹ ھ) کنیت : ابوعبداللہ، لقب : شمس الدین اور عرف : ابن جابر۔ ذہبی نے طبقات القراء (بحوالہ لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ از ابن فہد مکی ص ۱۱۷) ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ (ج ۳ ص ۴۱۴) اور ابن فرحون مالکی نے الدیباج المذہب (ص ۳۱۳) پر ان کا ذکر کیا ہے۔ نفح الطیب (ج ۳ ص ت ۱۰۸ لغایت ۱۱۰) میں بھی بعض تفصیلات درج ہیں۔

۳۲۔ عبداللہ بن محمد بن ہارون بن محمد بن عبدالعزیز الطائی القرطبی التونسی المالکی (و ۶۰۳

Marfat.com

ھ م ۷۰۲ ھ) کنیت: ابو محمد۔ تفصیلی حالات الدیباج المذھب تذکرۃ الحفاظ' سیوطی کی بغیتہ الوعاۃ کے علاوہ الدرر الکامنہ اور فہرس الفہارس میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

۳۳۔ احمد بن یزید بن عبدالرحمن بن احمد بن بقی بن مخلد الاموی القرطبی المالکی (و ۵۳۷ ھ م ۶۲۵ ھ) کنیت: ابوالقاسم اور عرف: ابن بقی۔ ان کے احوال ابوالحسن بن عبداللہ اندلسی نے کتاب المرقبۃ العلیا' فیمن یستحق القضاء والفتیاء (ص ۱۷ طبع دارالکتاب المصری قاہرہ ۱۹۴۸) ابن الابار (م ۶۵۹ ھ) کی التکملہ الکتاب الصلہ (ج ۱ ص ۱۱۵ مکتبہ الخانجی القاہرہ) کے علاوہ ہدیۃ العارفین میں شامل ہیں۔

۳۴۔ محمد بن عبدالحق بن احمد بن عبدالرحمن بن محمد بن عبدالحق الخزرجی القرطبی۔ کنیت ابو عبداللہ۔ ابن الابار نے التکملہ الکتاب الصلہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۳۵۔ محمد بن الفرج مولی ابن الطلاع القرطبی المالکی (و ۴۰۴ ھ م ۴۹۷ ھ) کنیت: ابوعبداللہ اور عرف: ابن الطلاع۔ ابن عمیرۃ الضبی (م ۵۹۹ ھ) کی بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اہل الاندلس (ص ت ۱۱۲-۱۱۳ میڈ ریڈ ۱۸۸۴ء) ابوالحسن علی بن الوزیر اندلسی (م ۶۸۵ ھ) کی المغرب فی حلی المغرب (ص ۱۶۵ دارالمعارف قاہرہ ۱۹۵۳ء) بھی ان کے حالات کیلئے ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۳۶۔ یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث بن محمد بن عبداللہ القرطبی (و ۳۳۸ ھ م ۴۲۹ ھ) کنیت: ابوالولید اور عرف: ابن الصفار۔ ابوعبداللہ محمد حمیدی (م ۴۸۸ ھ) کی جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس (ص ۳۶۳ طبع قاہرہ) کے علاوہ المغرب فی حلی المغرب' الدیباج المذھب اور الصلہ بہترین ماخذ ہیں۔

۳۷۔ یحیی بن عبداللہ بن یحیی بن یحیی اللیثی القرطبی' کنیت: ابو عیسی۔ ابوالولید عبداللہ ازدی المعروف بہ ابن الفرضی (م ۴۰۳ ھ) کی تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس (ج ۲ ص ۱۹۰ طبع قاہرہ ۱۹۵۴) کے علاوہ حافظ ذھبی کی کتاب العبر (ج ۲ ص ۳۴۶) میں ان کا تذکرہ شامل ہے۔

۳۸۔ عبیداللہ بن یحیی بن یحیی اللیثی القرطبی' کنیت: ابومروان۔ ان کے احوال کی بعض تفصیلات ابن الفرضی نے تاریخ العلماء میں اور ذھبی نے کتاب العبر میں لکھی ہیں۔

۳۹۔ احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد العسقلانی المصری ثم القاھری الشافعی (و ۷۷۳ ھ م ۸۵۲ ھ) کنیت: ابوالفضل اور لقب: شہاب الدین' عرف: ابن حجر۔ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ رفع الاصر عن قضاۃ مصر (ج ۱ ص ت ۸۵-۸۸ طبع قاہرہ ۱۹۵۷) میں انہوں نے اپنا تذکرہ خود لکھا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے احوال کی تفصیلات کیلئے سخاوی کی الضو

Marfat.com

الامع قاضی شوکانی کی البدر الطالع بمحاسن من بعد القران السابع اور سیوطی کی ذیل طبقات الحفاظ اور حسن المحاضرۃ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۴۰۔ ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد بن عبدالمومن بن سعید بن علوان بن کامل التنوخی (و ۷۰۹ ھ م ۸۰۰ ھ) کنیت: ابوالاسحاق' لقب: برھان الدین اور زین الدین (مصادر و مراجع: الدررالکامنہ اور فہرس الفہارس)

۴۱۔ احمد بن ابی طالب بن نعمت بن حسن الدیر مقرئی (و ۶۲۴ ھ م ۷۳۰ ھ) کنیت: ابوالعباس' لقب: شہاب الدین اور عرف ابن الشحنہ اور الحجار۔ ابن حجر نے الدررالکامنہ (ج ۱ ص ۱۴۲) ابن کثیر نے البدایہ و النہایہ (ج ۱۴ ص ۱۵۰) اور سخاوی نے فتح المغیث الفیتہ الحدیث (ص ۳۱۰) پر قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔

۴۲۔ حسین بن المبارک بن محمد بن یحییٰ بن علی بن مسلم بن موسیٰ بن عمران الربعی الزبیدی الاصل البغدادی الحنفی (و ۵۴۵-۵۴۶ ھ م ۶۳۱ ھ) کنیت: ابوعبداللہ' لقب: سراج الدین اور عرف ابن الزبیدی ابن رجب حنبلی نے ذیل طبقات الحنابلہ (ج ۲) اور زبیدی نے تاج العروس (بذیل مادہ ز ب د) میں ان کا تذکرہ لکھا ہے ان کے علاوہ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔

۴۳۔ عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب بن ابراہیم بن اسحق السجزی (و ۴۵۸ ھ م ۵۵۳ ھ) کنیت: ابوالوقت ۔ تفصیل کیلئے ابن الجوزی (کتاب المنتظم ج ۱۰) ابن نقطہ (کتاب الاستدراک: باب السجزی والشجری والسحری والسخری) ابن العماد حنبلی (شذرات الذہب ج ۴) دیکھی جا سکتی ہیں کتاب الاستدراک کا ایک مخطوطہ عکسی ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کی لائبریری میں ہے۔

۴۴۔ عبدالرحمن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داؤد بن احمد بن معاذ بن سہل بن الحکم بن شیرزاد الداوری البوشنجی (و ۳۷۴ ھ م ۴۶۷ ھ) کنیت: ابوالحسن اور لقب: جمال الاسلام۔ ان کے احوال کی تفصیل عبدالکریم سمعانی کی کتاب الانساب (ورق ۲۲۰) ابوبکر محمد بن عبدالغنی (م ۶۲۹ ھ) کی کتاب الاستدراک (باب الداودی والداوری) ذہبی کی کتاب العبر فی خبر من غبر (ج ۳) اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ (ج ۱۴) میں درج ہے۔

۴۵۔ کتاب العبر (ج ۳) النجوم الزاہرۃ (ج ۴) اور شذرات الذہب (ج ۳) کے مطابق عبداللہ بن احمد بن حمویہ بن یوسف بن اعین السرخسی (و ۲۹۳ ھ) کی کنیت ابو محمد ہے۔ راوی صحیح بخاری تھے۔

Marfat.com

۴۶ - محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشیر الفربری الشافعی (و ۲۳۱ ھ م ۳۲۰ ھ) کنیت : ابوعبداللہ۔ احوال کے ماخذ : ابن خیر مالکی کی الفہرست (ص ۹۵ طبع قدیم) کتاب العبر (ج ۲ ص ۱۸۱۔ ۱۸۲) اور تاج العروس (بذیل مادہ ف رر)۔

۴۷ - ابوالحق ابراہیم بن محمد کا ذکر نووی کے مقدمہ صحیح مسلم' ذھبی کی کتاب العبر اور کتاب استدراک علی الاکمال (مخطوطہ) میں ہے۔

۴۸ - محمد بن عیسی بن محمد بن عبدالرحمن بن عمرویہ بن منصور الجلودی (و ۲۸۸ ھ م ۳۶۸ ھ) کنیت : ابو احمد اور عرف : الزاہد۔ ان کے احوال کی تفصیل کتاب القبس (علامہ عبداللہ رشاطی م ۴۶۶ ھ کی کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار فی انساب الصحابہ و رواۃ الاثار کی تلخیص) کے عکسی مخطوطہ (ملکیت ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۴۹ - عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر بن احمد بن محمد بن سعید الفاری الفسوی (و ۳۵۳ ھ م ۴۴۸ ھ) کنیت : ابوالحسن۔ نووی کے مقدمہ صحیح مسلم اور ذھبی کی کتاب العبر میں ان کے جستہ جستہ حالات ہیں۔

۵۰ - محمد بن الفضل بن احمد بن محمد بن احمد بن ابی العباس الصاعدی الفراوی الشافعی نیشاپوری (و ۴۴۰ ھ۔ ۴۴۱ ھ م ۵۰۳ ھ) عرف : فقیہ الحرم۔ تفصیلی حالات لب اللباب (ابن الاثیر) معجم البلدان (یاقوت حموی) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) مقدمہ صحیح مسلم (نووی) تاج العروس (زبیدی) میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۵۱ - موید بن محمد بن علی بن حسن بن محمد بن ابی صالح نیشا پوری المعروف بہ طوسی (و ۵۲۴ ھ م ۶۱۷ ھ) کنیت : ابوالحسن اور لقب : رضی الدین ابن خلکان انہی کے شاگرد ہیں۔ ان کی وفیات الاعیان (ج ۴) کے علاوہ شذرات الذہب (ج ۵) اور ذھبی کی دول الاسلام موصوف کے احوال پر روشنی ڈالتی ہیں۔

۵۲ - علی بن احمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمن بن قدامہ المقدسی الحنبلی (و ۵۹۶ ھ م ۶۹۰ ھ) کنیت : ابوالحسن' لقب : فخرالدین' ابن النجار اور ابن البخاری' حالات کی مزید تفصیل البدایہ والنہایہ اور شذرات الذہب سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

۵۳ - محمد بن احمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ ابن المقدسی الصالحی الحنبلی (و ۶۸۴ ھ م ۷۸۰ ھ) کنیت : ابوعبداللہ اور لقب : صلاح الدین۔ الدرر الکامنہ (ج ۳) اور شذرات الذہب (ج ۶) سے ان کے حالات جمع کیے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

۵۴- محمد بن احمد بن عمرو اللولوی البصری۔ کنیت ابو علی۔ سمعانی کی کتاب الانساب اور ذھبی کی العبر سے احوال کی یکجائی ممکن ہے۔

۵۵- قاسم بن جعفر بن عبدالواحد بن العباس بن عبدالواحد بن جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب الہاشمی البصری (و ۳۲۲ ھ م ۴۱۴ ھ) کنیت : ابو عمر۔ خطیب نے ان کا ذکر تاریخ بغداد (ج ۱۲) میں کیا ہے۔ کتاب العبر اور کتاب الانساب میں بھی احوال کے کچھ اشارات ہیں۔

۵۶- احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی الشافعی البغدادی (و ۳۹۲ ھ م ۴۶۳ ھ) کنیت ابوبکر۔ المعروف بہ خطیب بغدادی۔ ان کے حالات متعدد کتب میں مذکور ہیں۔ فہرست ابن خیر (ص ت ۱۸۱۔ ۱۸۲ طبع قدیم) وفیات الاعیان (ج ۱ ص ت ۳۲۔ ۳۳) کتاب المنتظم (ج ۸ ص ۲۶۵) معجم الادبا (ج ۴ ص ت ۱۳۔۴۵) المختصر فی اخبار البشر (ج ۲ ص ۱۹۶۔۱۹۷) تذکرۃ الحفاظ (ج ۳ ص ت ۳۱۲۔ ۳۲۱) کتاب العبر (ج ۳ ص ۲۵۳) طبقات الشافعیہ (ج ۳ ص ت ۱۲۔ ۱۶) البدایہ والنہایہ (ج ۱۲ ص ت ۱۰۱۔۱۰۳) مراۃ الجنان (ج ۳ ص ت ۸۷۔۸۸) مفتاح السعادۃ (ج ۱ ص ت ۲۱۰۔۲۱۱ ج ۲ ص ۱۵) اور یوسف العش کی الخطیب البغدادی مورخ بغداد و محدثہا وغیرہ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۵۷- ابراہیم بن محمد بن منصور بن عمر الکرخی الشافعی (م ۵۳۹ ھ) کنیت : ابوالبدر۔ ابن الجوزی نے کتاب المنتظم' ابن العماد نے شذرات الذھب اور ابن کثیر نے البدایہ و النہایہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی علی الترتیب دسویں' چوتھی اور تیرھویں جلد ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۵۸- مفلح بن احمد بن محمد الدومی ثم البغدادی الوراق (م ۵۳۷ ھ) ابن نقطہ حافظ حنبلی (م ۶۲۹ ھ) کی کتاب الاستدراک علی الاکمال (باب الدومی والرومی) میں ان کا ذکر شامل ہے۔ شذرات الذھب کی جلد ۴ بھی ماخذ میں شامل ہے۔

۵۹- عمر بن محمد بن معمر بن احمد بن یحییٰ بن حسان البغدادی (و ۵۱۶ ھ م ۶۰۷ ھ) کنیت : ابو حفص' لقب : موفق الدین اور عرف : ابن طبرزد' محلہ دار القز میں سکونت کے باعث القزی بھی مشہور ہوئے۔ ان کے احوال کا ماخذ ہیں : وفیات الاعیان (ج ۳) البدایہ والنہایہ (ج ۳) شذرات الذھب (ج ۵) اور اتحاف النبلاء۔

۶۰- محمد بن مقبل بن عبداللہ الحلبی الصیری (و ۷۷۹ ھ م ۸۷۰) کنیت : ابوعبداللہ لقب' شمس الدین اور عرف : شقیر۔ سیوطی نے ان سے ملاقات بھی کی تھی۔ سخاوی نے ان کا ذکر الضوء اللامع (ج ۱۰) میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ فہرس الفہارس (ج ۱) میں بھی ان کا

Marfat.com

ذکر ہے۔

۶۱۔ احمد بن محمد بن عمر الخفاجی الحنفی (و ۹۷۹ھ م ۱۰۶۹ھ) لقب شہاب الدین، ان کے احوال کا ماخذ خلاصۃ الاثر (ج ۱) فہرس الفہارس (ج ۱) ابن معصوم کی سلافۃ العصرفی محاسن الشعراء بکل مصر (ج ۱) جرجی زیدان کی آداب اللغۃ العربیہ ہیں۔

۶۲۔ عبدالرحیم بن ناصر الدین علی بن الحسین بن الفرات الحنفی (و۷۵۹ھ م ۸۵۱ھ) کنیت: ابو محمد، لقب: عزالدین اور عرف: ابن الفرات، ان کے تعارف اور مصنفات کی تفصیل الضوء اللامع (ج ۴) نظم العقیان، شذرات الذہب (ج ۷) فہرس الفہارس (ج ۲) اور ہدیۃ العارفین (ج ۱) سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

۶۳۔ عمر بن حسن بن مزید بن امیلہ بن جمعۃ بن عبداللہ المراغی ثم الحلبی الدمشقی المزی (و ۶۸۳ھ۔ ۶۷۹ھ م ۷۷۸ھ) کنیت: ابو حفص اور عرف: ابن امیلہ ابن حجر عسقلانی اور ابن العماد جنبلی نے ان کے احوال لکھے ہیں (الدرر الکامنہ ج ۳ ص ۱۴۱ شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۸۵)

۶۴۔ عبدالملک بن ابی القاسم عبداللہ بن ابی سہل بن ابی القاسم بن ابی منصور بن ماخ الکروخی الہروی (و ۵۴۸ھ م ۶۴۸ھ) کنیت: ابوالفتح۔ سمعانی کی کتاب الانساب (ورق ۴۸۱) ابن الجوزی کی کتاب المنتظم (ج ۱ ص ۱۵۴) ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ (ج ۴) اور ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) کی اللباب فی تہذیب الانساب (ج ۳ ص ۳۹ قاہرہ ۱۳۶۹ھ مکتبہ القدسی) ان کے احوال پر روشنی ڈالتی ہیں۔

۶۵۔ محمود بن القاسم بن ابی منصور محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد المہلبی الازدی الہروی الشافعی (و ۴۰۰ھ م ۴۸۷ھ) کنیت: ابو عامر۔ کتاب العبر اور شذرات الذہب میں ان کا ذکر موجود ہے۔

۶۶۔ عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ بن ابی الجراح المرزبانی المروزی (م ۴۱۲ھ) کنیت: ابو محمد۔ کتاب العبر (ج ۳) اور شذرات الذہب (ج ۳) کے علاوہ کتاب الاستدراک کے مخطوطہ میں ان کا تذکرہ ہے۔

۶۷۔ محمد بن احمد بن محبوب بن فضیل المحبوبی المروزی (م ۳۴۶ھ) کنیت: ابوالعباس ان کے احوال کی تفصیلات کتاب العبر (ج ۲ ص ۲۷۲) النجوم الزاہرہ: بذیل وفیات، مراۃ الجنان (ج ۲ ص ۳۴۰) اور صفدی (م ۷۶۴ھ) کی الوافی بالوفیات (ج ۲ ص ۴۱ استنبول ۱۹۴۹ء مطبع وزارت معارف) سے یکجا کی جا سکتی ہیں۔

۶۸۔ احمد بن محمد بن محمد التیمی الاصبہانی (م ۵۹۷ھ) کنیت: ابوالمکارم اور عرف:

اللبان۔ ذھبی کی دول الاسلام اور ابن العماد کی شذرات الذھب میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

۶۹۔ حسن بن احمد بن الحسن بن محمد بن علی بن مہرۃ الاصبہانی (و ۴۱۹ ھ م ۵۱۵ ھ) کنیت : ابو علی اور عرف : الحداد۔ احوال کی بعض تفاصیل ابن الجوزی کی کتاب المنتظم (ج ۹ ص ۲۲۸) اور ابن الجزری (م ۸۳۳ ھ) کی غایتہ النہایہ فی طبقات القراء (ج ۱ ص ۲۰۶ طبع السعادہ قاہرہ ۱۳۵۱ ھ) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۷۰۔ احمد بن الحسین بن محمد الکسار القاضی الدینوری (م ۴۳۳ ھ) کنیت : ابونصر۔ ان کے سوانحی اشارات کے لئے دیکھئے : تاج العروس : بذیل مادہ ک س ر' اور شذرات الذھب (ج ۳ ص ۳۵۰)۔

۷۱۔ احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط الدینوری الشافعی (م ۳۶۴ ھ) کنیت : ابوبکر اور عرف : ابن السنی۔ ذھبی نے کتاب العبر اور سبکی نے طبقات الشافعیہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۷۲۔ علی بن محمد بن ابی المجد بن علی الدمشقی (و ۷۰۷ ھ م ۸۰۰ ھ) کنیت : ابوالحسن اور عرف : ابن الصائغ' تفصیل کیلئے دیکھئے شذارت الذھب (ج ۶)

۷۳۔ انجب بن ابی السعادات بن محمد بن عبدالرحمن البغدادی الحمامی (و ۵۵۴ ھ م ۶۳۵ ھ) کنیت : ابو عبداللہ۔ ذھبی کی المختصر المحتاج الیہ من تاریخ الحافظ ابی عبداللہ محمد بن سعید الدبیثی (ص ۲۵۷ طبع المعارف بغداد ۱۳۷۱ ھ) میں ان کے مختصر احوال شامل ہیں۔

۷۴۔ طاہر بن محمد بن طاہر المقدسی ثم الہمدانی (و ۴۸۱ ھ م ۵۶۶ ھ) کنیت : ابوزرعہ۔ ذھبی کی کتاب العبر اور ابن کثیر کی البدایہ و النہایہ میں ان کے بارے میں بعض معلومات درج ہیں۔

۷۵۔ محمد بن الحسین بن الہیثم المتوی (و ۴۰۰ ھ م ۴۸۴ ھ) کنیت : ابومنصور شذرات الذھب میں بذیل وفیات ۴۸۴ ھ ان کا ذکر موجود ہے۔

۷۶۔ قاسم بن ابی المنذر الخطیب القزوینی (م ۴۰۹ ھ - ۴۱۰ ھ) کنیت : ابو طلحہ (کتاب العبر ج ۳ ص ۱۰۱)

۷۷۔ علی بن ابراہیم بن سلمہ بن بحر القزوینی (و ۲۵۴ ھ م ۳۴۵ ھ) کنیت : ابوالحسن۔ ان کے احوال کی تفصیلات معجم الادبا (ج ۵ ص ت ۷۹-۸۰) کتاب العبر (ج ۲ ص ت ۲۶۷-۲۶۸) النجوم الزاہرہ (ج ۳ ص ۳۱۵) اور تذکرۃ الحفاظ (ج ۳ ص ۸۵۶) میں ملاحظہ

Marfat.com

کی جا سکتی ہیں۔

۷۸۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی : الارشاد الی مہمات علم الاسناد ص ۲۲ لاہور سجاد پبلشرز۔

۷۹۔ الارشاد ص ۲۷۔

۸۰۔ الارشاد ص ۳۳۔

۸۱۔ انفاس العارفین ص ۱۹۵۔

۸۲۔ حیات ولی ص ۲۳۰۔

۸۳۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸۔

۸۴۔ شاہ عبدالرحیم کا یہ مدرسہ کوئی عام اور معمولی درسگاہ نہ تھی۔ یہ مدرسہ ابتداء میں پرانی دلی کے محلہ مہندیاں میں قائم کیا گیا' لیکن جب اطراف و اکناف سے طلباء نشاں کشاں چلے آنے لگے اور جگہ ناکافی ہو گئی تو اللہ تعالٰی نے یہ سعادت محمد شاہ بادشاہ کو بخشی' جس نے اپنی بہت ساری کمزوریوں اور بے توفیقیوں کے باوجود اس مدرسہ کے لئے شاہجہان آباد میں ایک عالیشاہ مکان عطا کیا (بشیر الدین دھلوی : واقعات دارالحکومت دھلی ج ۲ ص ۲۸۶) شروع میں اس مدرسہ کا کوئی نام نہ تھا۔ اغلباً سب سے پہلے سید احمد ولی اللّٰہی نے اسے اس کے بانی شاہ عبدالرحیم سے منسوب کیا' پھر مولوی رحیم بخش نے اور ان کے بعد مولوی بشیر الدین دھلوی نے (خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸۔ حیات ولی ص ۲۳۰ ۔ واقعات دارالحکومت دھلی ج ۲ ص ۲۸۶)

۸۵۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۹۔

۸۶۔ تلامذہ و مریدین کی تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہوں ماخذ : خاتمہ تکملہ ہندی ص ۶۸۔ تفہیمات الٰہیہ ج ا ص ت ۱۴۔۱۰۲۔۱۲۰ ج ۲ ص ت ۲۳۷۔۲۳۸ مکتوبات مع مناقب ص ت ۹۔ ۲۶۔۲۹ مکتوبات قاضی درکلمات طیبات ص ۱۵۸ استقصاء الافہام از مولوی حامد حسین کنتوری ص ۱۵۰ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۳ حدائق الحنیفہ ص ت ۱۳۔۲۴۷ وغیرہ۔

۸۷۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۴۰۔

۸۸۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۱۳۔

۸۹۔ اتحاف النبلاء ص ۷۱

۹۰۔ ایضاً

۹۱۔ یاد ایام ص ۵۳۔

۹۲۔ نزھتہ الخواطر ج ۶ ص ۴۰۳۔

Marfat.com

۹۳۔ المسوی (مقدمہ) ص ۷۔

۹۴۔ اتحاف النبلاء ص ۷۲۔

۹۵۔ تاریخ دعوت و عزیمت (حاشیہ) ج ۵ ص ۲۱۶۔

۹۶۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۴۰۷۔

۹۷۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ھند ج ۲ ص ۳۴۷۔

۹۸۔ حجتہ اللہ البالغہ سب سے پہلے بھوپال کے مداز المہام مولانا جمال الدین (م ۱۲۹۹ھ) کے ایما و ہدایت پر ان ہی کے مصارف سے مولانا محمد احسن صدیقی (م ۱۳۱۲ھ) زیر اہتمام مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۶ھ میں اور دوسری مرتبہ نواب صدیق حسن (م ۱۳۰۷ھ) کے ایماء پر ۱۲۹۶ھ میں مطبع بولاق مصر سے شائع ہوئی' ۱۳۹۵ھ میں مولانا عطا اللہ حنیف کے زیر اہتمام مکتبہ سلفیہ لاہور نے مصری ایڈیشن کا آفسٹ شائع کیا۔ لیکن مصر کے چوتھے ایڈیشن کے بعد مشہور مصری عالم اور اخوانی رہنما سید سابق کی تحقیق و مراجعت مفصل مقدمہ اور مصنف علام کے تعارف اور سوانح کے ساتھ جو دارالکتب قاہرہ اور مکتبہ المثنیٰ بغداد کی طرف سے شائع ہوئے ہیں' سب سے بہتر ہیں۔

۹۹۔ اردو میں حجتہ اللہ البالغہ کے دو ترجمے مقبول ہوئے۔ ایک مولانا عبدالحق حقانی کے قلم سے نعمتہ اللہ السابغہ ۱۳۰۲ھ میں مطبع احمدی پٹنہ سے چھپا اور بعد میں اسے اصح المطابع کراچی نے شائع کیا۔ دوسرا مولانا خلیل احمد اسرائیلی کے قلم سے آیات اللہ الکاملہ کے نام سے۔ ثانی الذکر مطبع اسلامی کی طرف سے چھپ چکا ہے۔ ایک اور ترجمہ منظور الوحیدی کا ہے۔ جو لاہور سے چھپ چکا ہے۔

۱۰۰۔ رسالہ تراجم ابواب البخاری اولین مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں مجموعہ چہار رسائل کے ساتھ شائع ہوا۔

۱۰۱۔ ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے 'مع تراجم ابواب البخاری' شائع ہوا۔ اصح المطابع کراچی بھی اسے چھاپ چکا ہے۔

۱۰۲۔ زبید احمد ڈاکٹر: مقالہ مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ) ج ۵۰ ء ۶ دسمبر ۱۹۴۲ء ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ سے ماخوذ۔

۱۰۳۔ " تراجم ابواب البخاری" مجموعہ رسائل اربعہ نیز " المسلسلات" مطبوعہ نورالانوار آرہ' کے آخر میں طبع ہوا' جب کہ " شرح تراجم ابواب صحیح بخاری" ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے چھپا اور اس کے شروع میں تراجم ابواب البخاری شامل ہے۔ ۱۳۵۷ھ میں اسی کی نقل کتب حدیث کے ممتاز تاجر مولوی نور محمد نقشبندی چشتی

Marfat.com

مالک اصح المطابع دھلی نے صحیح بخاری کے ابتداء میں شائع کی۔ اس کا پاکستانی ایڈیشن ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۱ء میں طبع ہوا۔

۱۰۴۔ شاہ ولی اللہ : الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین (مقدمہ) ص ۳ دھلی۔ ہندوستان الیکٹرک پریس۔

۱۰۵۔ یہ رسالہ المسلسلات اور النوادر کے ساتھ ۱۳۹۱ھ میں اور بعد میں کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوا۔

۱۰۶۔ النوادر من الحدیث مشمولہ المسلسلات ص ۴۱

یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔

۱۰۷۔ حیات ولی ص ۵۵۷

۱۰۸۔ چہل حدیث مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ سید احمد شہید کے ایک خلیفہ سید عبداللہ مرحوم نے کیا تھا' جس کی اشاعت مطبع احمد کلکتہ سے ہوئی۔ اس کے بعد اس کے متعدد تراجم ہوئے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے ۱۳۸۷ھ میں اس کا خوبصورت ترجمہ اور مختصر تشریح لکھی تھی۔ ترجمہ و تشریح چہل حدیث ولی اللہی اور اربعین ولی اللہی کے نام سے چھپ چکی ہے۔

۱۰۹۔ شاہ ولی اللہ : الارشاد الی مہمات علم الاسناد' صفحہ اول (قلمی) کتب خانہ سید محب اللہ پیر جھنڈو۔

۱۱۰۔ الارشاد ص ا۔

۱۱۱۔ " الارشاد" مجموعہ رسائل اربعہ کے علاوہ الگ سے لاہور سے چھپ چکا ہے۔ اس کا مستقل اور پہلا ایڈیشن سجاد پبلشرز نے شائع کیا۔

۱۱۲۔ دس اوراق کا ایک قلمی نسخہ' جو سندھ کے مشہور عالم و محدث قاضی فتح محمد نظامانی کا لکھا ہوا ہے' سید محب اللہ صاحب العلم پیر جھنڈو کی لائبریری میں ہے۔

۱۱۳۔ الانتباہ فی سلاسل اولیا اللہ وا سانید وارثی رسول اللہ' ص ا دہلی آرمی برقی پریس

۱۱۴۔ تھانوی' اشرف علی : حفظ الایمان ص ۸۔

۱۱۵۔ مولینا عبیداللہ سندھی کا بیان ہے کہ انہوں نے الانتباہ کا ایک قلمی نسخہ مکہ مکرمہ

۱۱۶۔ میں دیکھا تھا (الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۳۰)

۱۱۷۔ 'المسوی' اور ' مصفی' کی مزید تفصیلات اور ' صحاح ستہ' میں اس کے مقام و شمولیت کے بارے میں تفصیلات مقالہ ھذا کے باب ' رجوع الی الموطا' میں شامل ہیں۔

۱۱۸۔ شاہ ولی اللہ : المقالہ الوضیہ فی النصیحتہ والوصیہ (وصیت نامہ فارسی) ص ۱۱ دھلی

Marfat.com

۱۸۹۹ء مطبع احمدی۔

۱۱۹۔ الیانع الجنی ص ۷۹۔

۱۲۰۔ ایضاً

۱۲۱۔ ایضاً۔

۱۲۲۔ قنوجی صدیق حسن خان : الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۶۸ کانپور ۱۲۸۳ مطبع نظامی۔

۱۲۳۔ ایضاً۔

۱۲۴۔ قنوجی ۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء المحدثین ص ۴۳۰ کانپور ۱۲۸۸ مطبع نظامی

۱۲۵۔ مراد آبادی ابوالخیر محمد بن احمد : کلمات طیبات ص ۱۵۸ دھلی ۱۳۷۹ھ مطبع مجتبائی۔

۱۲۶۔ نزھتہ الخواطرج ۲ ص ۴۰۶۔

۱۲۷۔ فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) عبدالحیٔ لکھنوی : التعلیق المجد علی موطا الامام محمد ص ۲۶ کراچی ۱۹۶۳، نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔

فضلت علم حدیث

۱۔ البقرہ ۲۳۱۔

۲۔ المائدہ ۳۔

۳۔ الضحیٰ ۱۱۔

۴۔ مثال کے طور پر تذکرہ ابراہیم میں ہے : ھل اتک حدیث ضیف ابراہیم المکرمین (الذاریات ۵۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں ہے: ھل اتک حدیث موسیٰ (طہ ۹ النازعات ۱۵) قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے لئے بھی حدیث کا لفظ موجود ہے: واذا سرالنبی الی بعض ازواجہ حدیثا (التحریم ۳) ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے کلام کے لئے " حدیث" کا کلمہ پسند فرمایا تاکہ آپ کے اور دوسرے لوگوں کے کلام اور اقوال میں تمیز ہو سکے۔ جیسا کہ : لن یسالہ، عن ھذا الحدیث احد قبل ابی ھریرہ لحرصہ علی طلب الحدیث (صحیح بخاری : کتاب الرقاق)۔ ان روایات کی رو سے دینی روایات کا تمام تر مجموعہ حدیث کہلاتا ہے اور اس

Marfat.com

کا علم، علم حدیث۔

۵۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ص ۴ قاہرہ ۱۳۰۷ھ۔

۶۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۔

۷۔ صبحی صالح ڈاکٹر: علوم الحدیث و مصطلحہ ص ت ۳۔۶ دمشق ۱۳۸۳ھ مطبعہ جامعہ۔

۸۔ مزید تفصیل کے لئے الآمدی (م ۶۳۱ھ) سیف الدین ابوالحسن علی' کی احکام الاحکام (ج ا ص ۸۷) مصر ۱۳۴۷ھ۔ التفتازانی (م ۷۹۲ھ) سعد الدین مسعود' کی التلویح التوضیح (ج ۲ ص ۲) مصر ۱۳۷۷ھ۔ الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) محمد القاضی' کی ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول (ص ۳۳) مصر ۱۳۵۶ھ

۹۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ا

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ الکتانی (م ۱۳۴۵ھ) محمد بن جعفر: الرسالہ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنہ المشرفہ ص ت ۳۔۴ کراچی ۱۳۷۹ھ اصح المطابع۔

۱۲۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۲۔

۱۳۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۷۔

۱۴۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۸۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ الجمعہ ۲۔

۱۷۔ یٰسین ۶۔

۱۸۔ یوسف ۲۔

۱۹۔ فصلت ۴۴۔

۲۰۔ ابراہیم ۴۔

۲۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۸۔

۲۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۱۔

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ تفصیل کے لئے حجۃ اللہ البالغہ ص ت ۱۳۰۔ ۱۳۱۔

۲۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ت ۱۳۲۔ ۱۳۳۔

۲۶۔ المائدہ ۶۷۔

۲۷۔ النحل ۴۴۔

Marfat.com

۲۸۔ آل عمران ۱۶۴۔

۲۹۔ الاعراف ۱۵۷۔

۳۰۔ الاحزاب ۳۶۔

۳۱۔ النساء ۶۵۔

۳۲۔ الاحزاب ۲۱۔

۳۳۔ النساء ۵۹۔

۳۴۔ الحشر ۷۔

۳۵۔ النور ۵۴۔

۳۶۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۔

۳۷۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۸۹ التحریر فی اصول الفقہ ص ۳۵۴۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۸۰۔

۳۸۔ ارشاد الفحول ص ۳۵۔

۳۹۔ احکام الاحکام' التحریر فی اصول الفقہ اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۴۰۔ ارشاد الفحول ص ۳۵۔

۴۱۔ تفصیلات احکام الاحکام' التحریر اور فواتح وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۴۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ت ۱۳۳۔ ۱۳۴۔

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ایضاً ص ۱۳۴۔

۴۵۔ صحیح مسلم: کتاب الفضائل۔

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۴۔

۴۸۔ شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج ۲ ص ۱۴۱۔

۴۹۔ ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۴۱۔

۵۰۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۵۔

۵۱۔ شاہ ولی اللہ: تراجم ابواب بخاری و شرح تراجم بعض ابواب بخاری ص ۱۰۹ دکن ۱۳۶۸ھ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔

۵۲۔ انکار پر قدرت کی شرائط فقہاء کے بجائے اصولین عائد کرتے ہیں۔ فقہاء کے بقول

Marfat.com

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ اپنے نفس پر قوت خوف کی وجہ سے منکر کی تغییر کا وجوب آپ سے ساقط نہیں' کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے: واللہ یعصمک من الناس (ارشاد الفحول ص ۴۱)

۵۳۔ ارشاد الفحول ص ۴۱۔

۵۴۔ التحریر ص ۳۵۸۔

۵۵۔ مسلم مع فواتح ج ۲ ص ج ۱۸۳

۵۶۔ ارشاد الفحول ص ت ۴۱۔ ۴۲

۵۷۔ شرح تراجم ص ۱۰۱

۵۸۔ مصفی ج ۱ ص ت ۲۳۳۔ ۲۳۴

۵۹۔ ارشاد الفحول ص ۴۱۔

۶۰۔ مصفی ج ۱ ص ۱۲۸۔

۶۱۔ ارشاد الفحول ص ۴۱۔

۶۲۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۴۔

۶۳۔ یہ فضیلتیں چار ہیں یعنی طہارت' اخبات (بارگاہ ایزدی میں عجز و نیاز) سماحت اور عدالت۔

۶۴۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۵۔

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ تاریخ الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۱۰۲۔

۶۷۔ شاہ ولی اللہ: قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۳۱۲ دھلی ۱۳۱۰ھ مطبع مجتبائی۔

۶۸۔ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۰۳۔

۶۹۔ ایضاً ص ت ۱۰۶۔ ۱۰۷۔

۷۰۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ت ۱۲۵۔ ۱۲۶' سنن ابی داؤد: کتاب السنہ' ولیس فیہ " وان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ " کلمات طیبات ص ۱۷۲ دھلی ۱۸۹۱ء مطبع مجتبائی۔

۷۲۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۸۔

۷۳۔ قرۃ العینین ص ت ۳۱۲۔ ۳۱۳۔

۷۴۔ شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) عجالہ نافعہ ص ۲ دھلی مطبع مجتبائی۔

۷۵۔ عجالہ نافعہ ص ۲۔

۷۶۔ اس لئے نقاد حدیث کو صیرفی الحدیث کہتے ہیں۔ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ ھ) کے بقول امام اعمش (م ۱۴۸ ھ) ابراہیم نخعی کو صیرفی الحدیث کہتے تھے (معرفتہ علوم الحدیث ص ۱۲) حافظ ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ ھ) نے عمرو بن قیس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محدث کو صراف کی طرح ہونا چاہئے جو کھوٹے کو بہ آسانی پرکھ لے (جامع العلوم والحکم فی شرح اربعین حدیثا من جوامع الکلم ص ۲۴ قاہرہ ۱۹۳۷ء)

۷۷۔ عجالہ نافعہ ص ۲۔

۷۸۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۲۔

۷۹۔ الرسالتہ المستطرفتہ ص ۳۔

۸۰۔ عجالہ نافعہ ص ۲۔

۸۱۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۲۔

روایت باللفظ

۱۔ کلمات طیبات ص ۱۷۲

۲۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۵۱

۳۔ نسفی (م ۷۱۰ ھ) ابوالبرکات المعروف حافظ الدین : کشف الاسرار شرح المنار ج ۲ ص ۳ مصر ۱۳۱۶ ھ المطبعہ الکبری الامیریہ بولاق

۴۔ بخاری (م ۷۳۰ ھ) عبدالعزیز: کشف الاسرار شرح بزدوی ج ۲ ص ۶۸۱ مصر

۵۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۵۹

۶۔ ازالتہ الخفاء ص ۴۳۷

۷۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۷

۸۔ ایضاً

۹۔ قرۃ العینین ص ۴۵

۱۰۔ ایضاً ص ۴۷

۱۱۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۵۷

۱۲۔ ارشاد الفحول ص ۴۷

۱۳۔ حجتہ اللہ البالغہ ۱۳۸

۱۴۔ البزدوی (م ۴۸۲ ھ) علی بن محمد فخر الاسلام : اصول بزدوی ص ۱۵۰ کراچی اصح

المطابع۔ السرخسی (م ۴۹۰۔ ۵۰۰ ھ) ابوبکر محمد: اصول سرخسی ج ۲ ص ۲۸۴ دکن ۱۳۷۲ ھ مکتبہ النعمانیہ حیدر آباد۔

۱۵۔ ملاجیون (م ۱۱۳۰ ھ) شیخ احمد: نور الانوار ج ۲ ص ۶۴ مصر ۱۳۱۶ ھ المطبعہ الکبری الامیریہ

۱۶۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۵۱۔ ارشاد الفحول ص ۴۷

۱۷۔ قرہ العینین ص ۲۴۳

۱۸۔ ارشاد الفحول ص ۴۸

۱۹۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۵۳۔ کشف بزدوی ج ۲ ص ۶۸۲ ارشاد الفحول ص ۴۶

۲۰۔ ابن السبکی (م ۷۷۱ ھ) تاج الدین عبدالوہاب: جمع الجوامع ج ۲ ص ۱۲۲ مصر ۱۳۵۶ ھ مصطفے البابی الحلبی۔

۲۱۔ الشیرازی (م ۴۷۶ ھ) ابواسحق: اللمع فی اصول الفقہ ص ۳۹ مصر ۱۳۷۷ ھ مصطفے البابی الحلبو

۲۲۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۵۱۔ ارشاد الفحول ۴۶

۲۳۔ مصفی ج ۲ ص ۲۵۵

۲۴۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۵۳۔ اصول بزدوی ص ۱۵۰۔ اصول سرخسی ج ۱ ص ۲۹۱۔ جمع لاجوامع ج ۲ ص ۱۲۲

۲۵۔ التحریر ص ۳۱۱

۲۶۔ حجتہ اللہ البالغہ ۱۳۷

۲۷۔ کلمات طیبات ص ۱۶۹

۲۸۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۸

۲۹۔ کشف بزدوی ج ۲ ص ۶۸۸

۳۰۔ اصول بزدوی ص ۱۵۲۔ کشف الاسرار شرح المنار ج ۱ ص ۶

۳۱۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۶۰۔ کشف بزدوی ج ۲ ص ۶۸۸۔ جمع الجوامع ج ۲ ص ۱۲۹

۳۲۔ کلمات طیبات ص ۱۷۲

۳۳۔ ایضاً ص ۱۶۹

۳۴۔ التحریر ص ۳۱۱

۳۵۔ الحسینی، محمد امین امیر بادشاہ: تیسیر التحریر ج ۳ ص ۳۷ مصر ۱۳۵۱ھ مصطفے البابی الحلبی

Marfat.com

۳۶۔ تفہیمات الہیہ ج ۱ ص ۲۱۰
۳۷۔ اصول بزدوی ص ۱۵۲۔ اصول سرخسی ج ۱ ص ۲۹۳
۳۸۔ کشف بزدوی ج ۲ ص ۶۸۸
۳۹۔ کلمات طیبات ص ۱۶۹
۴۰۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۸
۴۱۔ کلمات طیبات ص ۱۶۹
۴۲۔ ایضاً
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ قرۃ العینین ص ۳۱۲
۴۵۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۷

روایت بالمعنی

۱۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۹۳
۲۔ ارشاد الفحول ص ۵۸
۳۔ ایضاً
۴۔ اصول بزدوی ص ت ۱۸۸۔ ۱۹۱ کشف الاسرار شرح المنار ج ۲ ص ت ۴۱۔ ۴۴
۵۔ الخیر الکثیر ص ۱۸۱
۶۔ صدر الشریعہ، عبیداللہ، المحبوبی (م ۷۴۷ ھ) تنقیح و شرح التوضیح ج ۱ ص ۱۲۴ مصر ۱۳۷۷ھ مطبعہ محمد علی الصبیح۔ التحریر ص ۴۲۔ المنار ج ۱ ص ۱۴۱
۷۔ تنقیح و توضیح ج ۱ ص ۱۲۶
۸۔ تفصیل کے لئے المنار، التحریر، تنقیح و توضیح وغیرہ دیکھی جا سکتی ہیں۔
۹۔ ایضاً
۱۰۔ الایجی (م ۷۵۶ ھ) عضد الدین القاضی : شرح القاضی عضد علی مختصر المنتہی لا بن حاجب ج ۲ ص ۲۲ مصر ۱۳۱۶ المطبعہ الکبری الامیریہ۔ السیوطی : الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲ مصر ۱۳۷۰ھ شرکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفے البابی الحلبی۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۸۵
۱۱۔ الزرقانی محمد عبدالعظیم : مناہل العرفان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۶۸ مصر ۱۳۷۳

دار احیاء الکتب العربیہ

۱۲۔ جصاص (م ۳۷۰ ھ) ابوبکر رازی : اصول الفقہ ورق ٦٦ ب مخطوطہ کراچی یونیورسٹی لائبریری

۱۳۔ الاتقان ج ۲ ص ۲

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۷

۱۶۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۲٦ لاہور، مطبع علیمی

۱۷۔ التحریر ص ۴۴

۱۸۔ شرح عضد ج ۲ ص ۲۲

۱۹۔ التحریر ص ۴۳

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ اللمع ص ۲۹۔ تیسیر التحریر ج ۱ ص ت ۱۶۰۔ ۱۶۱

۲۲۔ الاتقان ج ۲ ص ۱۷۲

۲۳۔ التحریر ص ۴۴۔ ارشاد الفحول ص ۱۷۶

۲۴۔ نور الانوار ج ۱ ص ۱۴۰

۲۵۔ التحریر ص ۴۴۔ ارشاد الفحول ص ۱۷۶

۲۶۔ حجۃ اللہ البالغہ کا باب القضاء فی الاحادیث المختلفہ ملاحظہ ہو

۲۷۔ التحریر ص ۲۵

۲۸۔ ایضاً ص ۲۷

۲۹۔ المنار مع کشف ج ۱ ص ۲۴۷

۳۰۔ تفصیل کے لئے التحریر اور تیسیر التحریر کے علاوہ فواتح الرحموت ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۳۱۔ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح۔ الخ (الحدید ۱۰)

۳۲۔ قرۃ العینین ص ت ۱۵۵۔ ۱۵٦

۳۳۔ مصفی ج ۲ ص ۲٦ البقرۃ ۲۲۲

۳۴۔

۳۵۔ مزید تفصیل کے لئے حجۃ اللہ البالغہ : باب القضاء فی الاحادیث ملاحظہ ہو

۳٦۔ قرۃ العینین ص ۲۳۸

۳۷۔ مصفی ج ۱ ص ۵۷

Marfat.com

۳۸۔ مقدمہ مصفی ج ۱ ص ۲۱
۳۹۔ مصفی ج ۱ ص ۹۸
۴۰۔ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۴۳۸
۴۱۔ حجۃ اللہ البالغہ : باب القضا
۴۲۔ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۲۵

شرائط راوی

۱۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۳۸
۲۔ اصول التشریع الاسلامی ص ۴۵
۳۔ اصول بزدوی ص ۱۶۵
۴۔ التحریر ص ۲۱۲۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۳۸
۵۔ اصول التشریع الاسلامی ص ۴۵
۶۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ت ۱۳۸۔ ۱۳۹
۷۔ مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۶۱۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۷۸
۸۔ شرح تراجم ابواب البخاری ص ۱۴
۹۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۷۹۔ مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۶۲
۱۰۔ انفاس العارفین ص ت ۱۹۷۔ ۱۹۸
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۷۹۔ ارشاد الفحول ص ۵۰
۱۳۔ مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۶۲۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ت ۱۳۹۔ ۱۴۰
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۴۰۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۸۴
۱۶۔ شرح تراجم ص ۳۵
۱۷۔ التحریر ج ۲ ص ۲۳۹۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۳۹
۱۸۔ ابن السبکی (م ۷۵۶ ھ) تقی الدین قاضی القضاۃ : الابہاج فی شرح المنہاج ج ۲ ص ۲۰۵ مصر ۱۳۴۰ھ المکتبہ المحمودیہ التجاریہ
۱۹۔ شرح تراجم ص ت ۳۵۔ ۳۶

Marfat.com

۲۰۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۸۰
۲۱۔ مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۶۳
۲۲۔ مختصر و شرح ج ۲ ص ۶۳۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۴۳
۲۳۔ اصول بزدوی ص ۱۷۷
۲۴۔ کشف الاسرار شرح بزدوی ج ۲ ص ۷۰۷
۲۵۔ کلمات طیبات ص ۱۷۲
۲۶۔ اصول بزدوی ص ۱۶۰۔ ایسے راویوں میں وابصہ بن معبد، سلم بن محبق اور معقول بن سنان وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔
۲۷۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۸۱۔ ارشاد الفحول ص ۵۳
۲۸۔ ایضاً
۲۹۔ شرح عضد ج ۲ ص ۶۴۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۴۶
۳۰۔ اصول بزدوی ص ۱۶۰
۳۱۔ حجتہ اللہ البالغہ : باب القضا الخ
۳۲۔ ایضاً
۳۳۔ ازالہ الخفاء ج ۱ ص ۴۹۳
۳۴۔ تنقیح و شرح التوضیح ج ۲ ص ۷
۳۵۔ محلی، شرح جمع ج ۲ ص ۱۶۸۔ کشف الاسرار ج ۳ ص ۲
۳۶۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۲۰۴
۳۷۔ مراسیل ابن عباس کے بارے میں یہاں تک منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست، بقول غزالی چار (المستصفی ج ۱ ص ۱۷۰) اور بقول شمس الائمہ دس سے کچھ زائد احادیث سنی ہیں (کشف الاسرار ج ۳ ص ۳۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۲۰۴)
۳۸۔ کشف الاسرار ج ۳ ص ۲۔ تنقیح و توضیح ج ۲ ص ۷
۳۹۔ احکام الاحکام ج ۱ ص ۲۰۳۔ کشف الاسرار ج ۳ ص ۲
۴۰۔ اصول الفقہ (ابوزہرہ) ص ۱۰۵۔
۴۱۔ حجتہ اللہ البالغہ باب القضا الخ
۴۲۔ تفصیل شرح تراجم باب غسل المراۃ اباھا الدم کے مطالعہ سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

۴۳۔ شرح جمع ج ۲ ص ۱۶۹
۴۴۔ تنقیح و توضیح ج ۲ ص ۷۔

معیار حدیث اور کتب پر تنقید

۱۔ حاکم نیشا پوری (م ۴۰۵ ھ) ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ: معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۶ قاہرہ ۱۳۵۶ ھ دارالکتب المصریہ۔

۲۔ ازالہ نافعہ ص ۲۔

۳۔ ایضاً

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۸۔

۵۔ ایضاً ص ت ۳۸۔ ۱۳۹۔

۶۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ت ۳۸۔ ۱۳۹۔

۷۔ ایضاً ص ۱۳۸۔

۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۹۔

۹۔ تفصیل مقدمہ مشکوٰۃ میں ہے۔

۱۰۔ الفرقان ص ۲۸۵۔

۱۱۔ ہدیہ الشیعہ ص ت ۲۵۶ لغایت ۲۷۱ بحوالہ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر)

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ مقدمہ مصفی ص ۱۰۔

۱۵۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) مضمون: مولانا عبیداللہ سندھی

طبقہ اولیٰ

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۸

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

Marfat.com

۵۔ عجالہ نافعہ ص ۳۔۴ کراچی ۱۳۸۱ھ نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔

۶۔ احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات اور فقہی ابواب کی ترتیب پر انتخاب اولین (تفصیل رجوع الی الموطا کے باب میں درج کی جا رہی ہے)

۷۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کی الامالی تین سو جلدوں میں تھی " ان الامالی لابی یوسف فی ثلثمائۃ مجلد (کشف الظنون) ابن ندیم نے متداول کتابوں کے علاوہ ان کی ایک امالی کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق یہ ۳۶ مباحث پر مشتمل تھی (الفہرست)

۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۹۔

۹۔ تہذیب التہذیب ۸ ص ۱۵۰

۱۰۔ تذکرہ نویس اسمٰعیل بن ابراہیم کے تفصیلی حالات کیلئے زیادہ تر ابن حبان کی کتاب الثقات اور امام بخاری کی التاریخ الکبیر سے رجوع کرتے ہیں۔

۱۱۔ محمد زکریا شیخ الحدیث : لامع الدراری علی جامع البخاری ص ۴۰ دھلی ۱۳۷۹ ھ مطبع الجمعیت۔ صاحب لامع الدراری نے یہ واقعہ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھا ہے۔

۱۲۔ ابن حجر عسقلانی : ھدی الساری بفتح الباری مقدمہ شرح صحیح البخاری المعروف بہ مقدمہ فتح الباری ص ۴۷۹۔

۱۳۔ ایضاً ص ۴۹۴۔

۱۴۔ لامع الدراری ص ۳۷۔

۱۵۔ علی القاری ملّا (م ۱۰۱۴ ھ) نور الدین : مرقاۃ المفاتیح لمشکاۃ المصابیح ص ۹۸ قاھرہ ۱۳۰۹ ھ مطبع الحسینیہ۔

۱۶۔ العینی الحنفی (م ۸۵۵ ھ) ابو محمد علامہ بدر الدین محمود بن احمد : عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵ مصر مطبع المنیریہ

۱۷۔ صحیح بخاری (مقدمہ)

۱۸۔ القسطلانی المصری خطیب (م ۹۲۳ ھ) شہاب الدین احمد بن محمد' ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۰ مصر ۱۳۰۴ ھ

۱۹۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۰۔ ۴۹۱

۲۰۔ ارشاد الساری ص ۳۱۔

۲۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۸۹

۲۲۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۷۹۔

Marfat.com

۲۳۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵۰۔

۲۴۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۰۔

۲۵۔ النووی (م ۶۷۶ ھ۔ ۶۷۷ ھ) ابو زکریا محی الدین یحیٰی بن شرف امام : تہذیب الاسماء واللغات ص ۷۳ قاہرہ مطبع المنیریہ۔

۲۶۔ علامہ زبیدی نے تاج العروس فصل السین من باب الواوٗو الیا' میں الفسوی اور ابن حجر نے "النسوی" لکھا ہے لیکن زیادہ تر تذکروں میں "النسفی" ہی مذکور ہے۔

۲۷۔ الذہبی (م ۷۴۸ ھ) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد : العبرفی خبر من غبر ج ۲ ص ۱۰۰ ۱۹۶۰ء ابن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ ھ) ابوالفلاح عبدالحی بن احمد بن محمد : شذرات الذھب فی اخبار من ذھب ج ۲ ص ۲۱۸ قاہرہ ۱۳۹۱ ھ مکتبہ القدس۔

۲۸۔ خطیب نے تاریخ بغداد میں ان کا ذکر کیا ہے۔ العبرج ۲ ص ۳۶ اور شذرات الذھب ج ۳ ص ۷۶ بھی اس سلسلے میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۲۹۔ طبقات الشافعیہ' شذرات الذھب' البدایہ و النہایہ' الروض المسطور' اتحاف النبلاء اور الرسالہ المستطرفتہ میں ان کے حالات ملتے ہیں۔

۳۰۔ تہذیب الاسماء واللغات ص ۲۸۹

۳۱۔ السبکی (م ۷۷۱ ھ) تاج الدین ابو نصر عبدالوھاب بن تقی الدین : طبقات الشافعیہ الکبری ص ۳۰۱ قاہرہ ۱۳۲۴ ھ مطبع الحسینیہ۔ ابجد العلوم ص ۸۱۰۔

۳۲۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۲۳۔

۳۳۔ ابن قیم (م ۷۵۱ ھ) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز : اعلام الموقعین عن رب العالمین' ج ۱ ص ۲۳۶۔

۳۴۔ الجزائری (م ۱۳۳۸ ھ) طاہر بن صالح شیخ : توجیہ النظر الی اصول علم الاثر ص ۱۸۵ قاہرہ ۱۳۲۸ ھ مطبع الجمالیہ۔

۳۵۔ کشمیری انور شاہ (م ۱۳۵۲ ھ) مولانا : فیض الباری علی صحیح البخاری ص ۱۹۲

۳۶۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۵۶۔

۳۷۔ ابن صلاح (م ۶۴۳ ھ) ابو عمرو تقی الدین عثمان بن صلاح الدین عبدالرحمن الشافعی : علوم الحدیث المعروف بہ مقدمہ ابن الصلاح و شرح التقیید و الایضاح حلب ۱۳۵۰ ھ مطبعہ العلمیہ۔

۳۸۔ تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۷۴۔

۳۹۔ مقدمہ فتح الباری ص ۵۷۷۔

Marfat.com

۴۰۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶۔
۴۱۔ النووی: شرح صحیح مسلم (مقدمہ) ص ۱۱ دھلی ۱۳۴۹ مطبع نور محمد۔
۴۲۔ ابن کثیر (م ۷۷۴ ھ۔ ۷۷۶ ھ) ابوالفداء عماد الدین اسمٰعیل بن عمر: البدایہ و النہایہ فی التاریخ ج ۱۱ ص ۲۸ قاھرہ ۱۳۵۱ ھ مطبع السعادۃ
۴۳۔ شرح صحیح مسلم (مقدمہ) ص ۱۱۔ لامع ص ۴۱۔
۴۴۔ عثمانی (م ۱۳۶۹ ھ) شبیر احمد مولانا: فتح الملہم شرح مسلم (مقدمہ) بجنور ۱۳۵۲ ھ مکتبہ مدینہ۔
۴۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶۔
۴۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: باب بعث النبی الزبیر، باب لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم، باب اذا اذن لہ جاز، باب ماکان ـیبعث النبی من الامراء و ارسل واحد ا بعد واحد باب خبر المرأۃ الواحدۃ کے علاوہ ماجاء فی اجازہ خبر الواحد الصدوق فی الاذان و الصلوٰۃ والصوم والفرائض الاحکام، جن میں خبرواحد کی قبولیت پر کثرت سے واقعات واستشہاد پیش کئے گئے ہیں۔
۴۷۔ ملاحظہ ہو: باب وضوء الصبیان، ومتی یجب علیھم الغسل والطھور و حضورھم الجماعۃ والعیدین و الجنائز، باب الخطبۃ بعد العیدین، باب موعظۃ الامام النساء یوم العید۔ باب الصلوۃ قبل العید و بعد ہا، باب التحریض علی الصدقۃ والشفاعۃ فیھا، باب العرض فی الزکوۃ، باب الذین لم یبلغوا الحلم، باب الخاتم النساء، باب القلائد والسخاب النساء، باب القرط للنساء، باب خروج الصبیان الی المصلی۔
۴۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶۔
۴۹۔ ابن خلدون (م ۸۰۸ ھ) عبدالرحمن بن محمد الحضرمی المغربی: کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب و العجم و البربر و من عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر ج ۱ ص ت ۳۶۹۔ ۳۷۰ قاھرہ ۱۲۸۴ ھ۔
۵۰۔ ایضاً
۵۱۔ لامع الدراری، مولانا رشید احمد گنگوھی (م ۱۳۲۳ ھ) کے ان افادات کا مجموعہ ہے، جنہیں ان کے تلامذہ نے جمع کیا اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے اس پر تعلیق اور مبسوط مقدمہ لکھا۔ یہ مجموعہ افادات تین جلدوں میں ہے۔
۵۲۔ فتح الباری ص ۲۔
۵۳۔ شرح تراجم ابواب البخاری ص ۳۱۲۔

Marfat.com

۵۴۔ المقدسی (م ۵۰۷ ھ) ابوالفضل محمد بن طاہر حافظ : شروط الائمۃ الستہ ص ا فیصل آباد ۱۹۸۲' حدیث اکادمی۔
۵۵۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ص ۴۱' قاہرہ ۱۳۰۷ ھ مکتبۃ الخیریہ
۵۶۔ ایضاً ص ۳۸۔
۵۷۔ توجیہ النظر ص ۹۴
۵۸۔ تدریب الراوی ص ۳۰
۵۹۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۶۵ لامع ص ۳۸
۶۰۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۵۳
۶۱۔ تذکرہ الحفاظ ج ۲ ص ۱۶۵
۶۲۔ تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۹۲۔ ابن خلکان (م ۶۸۱ ھ) شمس الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن ابی بکر: وفیات الاعیان و انبا ابنا الزمان ج ۲ ص ۲۷۵
۶۳۔ بستان المحدثین ص ۱۰۶
۶۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۰
۶۵۔ فتح الملہم ص ۱۰۰۔ بستان المحدثین ص ۱۰۶
۶۶۔ بستان المحدثین ص ۱۰۵
۶۷۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۳۵
۶۸۔ طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۱۷۳
۶۹۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۳۵
۷۰۔ مقدمہ شرح مسلم ص ۱۲
۷۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۱۰
۷۲۔ البدایہ و النہایہ ج ۱۱ ص ۳۵
۷۳۔ فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳۔
۷۴۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۲۸۲
۷۵۔ کشف الظنون ج ۲ص ۶۰۷ ع ۱
۷۶۔ توجیہ النظر ص ۱۸۵
۷۷۔ بستان المحدثین ص ۱۰۵۔
۷۸۔ کشف الظنون ج ۲ ص ۶۰۷ ع ۲
۷۹۔ لامع الدراری ص ۴۴۔

Marfat.com

۸۰۔ مقدمہ شرح مسلم ص ۱۳۔

۸۱۔ ایضاً ص ۹۔

۸۲۔ شروط الائمہ (حاشیہ) ص ۵۵/ فتح الملہم ص ۹۴

۸۳۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶۔

۸۴۔ شروط الائمہ (حاشیہ) ص ۵۵

۸۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶۔

۸۶۔ صحیح مسلم، باب التشہد۔

۸۷۔ تدریب الراوی ص ۲۸۔

۸۸۔ امام مسلم کے ایک تلمیذ رشید۔

۸۹۔ مقدمہ شرح مسلم ص ۱۴۔

۹۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، "مقدمہ شرح مسلم"

۹۱۔ ماخوذ مقدمہ شرح مسلم

۹۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶۔

۹۳۔ شروط الائمہ ص ۵۳۔ فتح الملہم ص ۵۷۔

۹۴۔ فتح الملہم ص ۵۶

۹۵۔ فتح الباری ص ۶

۹۶۔ شروط الائمہ ص ۱

۹۷۔ تدریب الراوی ص ۴

۹۸۔ مقدمہ شرح مسلم ص ۱۳

۹۹۔ فتح الملہم ص ۹۶۔

۱۰۰۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء المحدثین ص ۴۸

۱۰۱۔ فتح الملہم ص ۹۹

۱۰۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۶۵

۱۰۳۔ بستان المحدثین ص ۱۰۶۔

۱۰۴۔ لامع الدراری ص ۴۱۔

۱۰۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۹۔

۱۰۶۔ ایضاً

۱۰۷۔ قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ یحصبی (م ۵۴۴ ھ) کی اس کتاب کا پورا نام

Marfat.com

مشارق الانوار فی اقتضاء صحیح الاثار ہے۔ اس میں موصوف نے موطا امام مالک، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم کی حدیثوں کے مغلق اور مشکل الفاظ کی تشریح کی، ان کے معانی بتائے، راویوں کے ناموں کو ضبط کیا اور ان کے اوھام اور تصحیفات کی نشاندھی کی۔ ابن فرحون مالکی (م ۷۹۹ ھ) کے خیال میں اس کتاب کو آب زر سے لکھیں یا جواھر سے تولیں تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا (الدیباج الذھب فی معرفۃ اعیان علماء المذھب ص ۱۷۰، قاھرہ ۱۳۵۱ ھ) نواب صدیق حسن خان نے بھی اسے ایک جلیل القدر، نفع بخش اور کار آمد کتاب قرار دیتے ہوئے یہی الفاظ دہرائے ہیں (اتحاف النبلاء ص ۱۴۷)

۱۰۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۰۔

۱۰۹۔ حسن بن محمد صغانی (م ۶۵۰ ھ) لاہور کی تصنیف، جس کا پورا نام مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ ہے۔ یہ صحیحین کی صرف قولی حدیثوں کا مجموعہ ہے جو عوامل نحو پر مرتب ہے۔ اس میں سندوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۷۰ ھ) کے ترجمہ و شرح کے ساتھ لکھنؤ سے ۱۲۵۲ ھ میں

طبقہ ثانیہ

شائع ہوئی تھی۔

عجالہ نافعہ ص ۳۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۰۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۵

۴۔ ابن خلکان نے سجستان (سیستان) کو بصرہ کے اطراف میں ظاہر کیا ہے، لیکن شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے علامہ تاج الدین السبکی کی تائید میں اسے سندھ و ھرات کے مابین اور قندھار کے متصل بتایا ہے (بستان المحدثین ص ۱۰۶) یاقوت نے صراحت کی ہے کہ یہ خراسان کے نواح میں ہے اور اسے سجز بھی کہتے ہیں (معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷ بیروت ۱۳۷۴ ھ) قرین صحت یہی ہے، کیونکہ امام ابوداؤد سجزی بھی کہلاتے ہیں۔

۵۔ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۶

۶۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۳۸

Marfat.com

۷۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ت ۱۶۹۔ ۱۷۲

۸۔ ملاحظہ ہو : باب کراہیہ استقبال القبلہ عند قضاء الحاجۃ' باب الرخصۃ فی ذلک' باب البول قائما' باب فی ترک الوضوء مما مست النار' باب التشدید فی ذلک' باب فی القطع فی العاریتہ اذا جحدت' باب لیس علی الخائن قطع' باب الوضوء بفضل طہور المراۃ' باب النہی عن ذلک۔

۹۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۹۔ تدریب الراوی ص ۲۴۰

۱۰۔ مرقاۃ المفاتیح' ج ۱ ص ۲۲

۱۱۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۹۔

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ تدریب الراوی ص ۵۵

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ شوکانی (م ۱۲۵۰ ھ) محمد بن علی : نیل الاوطار من اسرار منتقی الاخبار ج ۱ ص ۱۵' قاہرہ ۱۳۷۱ھ

۱۶۔ اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۵

۱۷۔ تہذیب الاسماء و اللغات ج ۲ ص ۳۲۷۔

۱۸۔ ابن قیم : الوابل الصیب فی الکلم الطیب' مشمولہ مجموعۃ الحدیث ص ۸۴۳ قطر ۱۳۸۳ ھ مطبع العروبہ

۱۹۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۵۶

۲۰۔ امام شافعی کے سوا مرسل حدیث جمہور کے نزدیک قابل حجت ہے۔ امام ابوداؤد کے استاد امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔

۲۱۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۵۶

۲۲۔ سیوطی : التعقبات علی الموضوعات ص ۱۰۱

۲۳۔ تدریب الراوی ص ۱۰۱

۲۴۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۵۶

۲۵۔ الخطابی (م ۳۸۸ ھ) احمد بن محمد ابوسلیمان : معالم السنن شرح سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۶ مصر (ت ن)

۲۶۔ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۶

۲۷۔ ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب' ذکر ابی داؤد

Marfat.com

۲۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶

۲۹۔ سمعانی (م ۶۵۲ ھ) ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور حافظ : کتاب الانساب ص ۱۰۶ لیڈن ۱۹۱۲' حیدر آباد دکن ۱۳۱۳ ھ۔

۳۰۔ دریائے جیحون کے ساحل پر واقع ایک قدیم شہر' اس کا تلفظ تُرْمُذ' تِرْمِذ اور تُرُمُذ طریقے سے کرتے ہیں' اہل درس کے ہاں بالکسر یعنی تِرْمِذ پڑھا جاتا ہے۔

۳۱۔ معجم البلدان ج ۲ ص ۳۸۲

۳۲۔ بستان المحدثین ص ۱۰۸

۳۳۔ اتحاف النبلاء ص ۳۸۷

۳۴۔ الرسالہ المستطرفہ (المستطردہ) لبیان مشہور کتاب السنۃ المشرفۃ ص ۱۱

۳۵۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۸

۳۶۔ احمد شاکر شیخ : مقدمہ تعلیق الترمذی ص ۸۷

۳۷۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷

تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۹

۳۸۔ بستان المحدثین ص ۱۰۹

۳۹۔ کشمیری مولانا انور شاہ : العرف الشذی (افادات) ص ۴ دیو بند۔

۴۰۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶

۴۱۔ لامع الدراری ص ۲۴

۴۲۔ ۵۶ ابواب پر مشتمل ۴ سو حدیثوں کا مجموعہ' جس کی متعدد شروح لکھی گئیں۔

۴۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۶۷' تدریب الراوی ص ۳۶۰' الفہرست ص ۲۲۵

۴۴۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۹

۴۵۔ بستان المحدثین ص ۱۰۹

۴۶۔ تدریب الراوی ص ۵۵

۴۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۶۷۔ شروط الائمہ ۱۶

۴۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶

۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۱۔ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۸۳۔ بستان المحدثین ص ۱۱۰

۵۰۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۲۳

۵۱۔ وفیات الاعیان ص ۱۲۔

Marfat.com

۵۲۔ یہ تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، طبقات الشافعیہ، البدایہ والنہایہ اور بستان المحدثین کے مولفین کا بیان ہے۔

۵۳۔ تذکرۃ المحدثین ص ۳۷۲

۵۴۔ شذرات ج ۲ ص ۲۲۹۔ یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ صفر کی ۱۳ تاریخ کو فوت ہوئے۔ صفا و مروہ کے درمیان تدفین ہوئی اور بعض روایات کے مطابق رملہ میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔

۵۵۔ مبارکپوری، مولانا عبدالرحمن: تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (مقدمہ) ص ۶۵ بیروت ۱۳۸۸ھ

۵۶۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸

۵۷۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۴

۵۸۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۲

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۷ بمبئی ۱۲۷۹ھ مطبع محمدی

۶۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۳۔

۶۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۳

۶۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷

۶۴۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۵۹

۶۵۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۲۴

۶۶۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۷۹

۶۷۔ بستان المحدثین ص ۱۱۱

۶۸۔ ابجد العلوم ص ۸۱۰

۶۹۔ فیض الباری ج ۱ ص ۵۸

۷۰۔ تذکرۃ الحفاظ، کشف الظنون، طبقات الشافعیہ، جامع الاصول، البدایہ و النہایہ، بستان المحدثین اور مفتاح السنۃ سے ماخوذ۔

۷۱۔ بستان المحدثین ص ۱۱۱

۷۲۔ یہ دونوں الفاظ قریب المعنی ہیں۔ المجتبیٰ کا مطلب ہے چنی ہوئی چیزیں اور المجتبیٰ سے مراد ہے جسے اخذ کر لیا گیا ہو۔

۷۳۔ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ملا علی قاری نے اسے

سید جمال الدین کے حوالے سے مرقاۃ میں نقل کیا ہے۔ بستان المحدثین میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۷۴۔ نام احمد بن محمد بن اسحاق الدنیوری (م ۳۶۴ ھ) کنیت ابوبکر' مشہور کتاب : عمل اللیل واللیتہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۱)

۷۵۔ توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۲۱

۷۶۔ ابوبکر محمد بن معاویہ (م ۳۵۸ ھ)

۷۷۔ البانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی ص ۵۳

۷۸۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۸۱۔

۷۹۔ تہذیب التہذیب ج۔۱ص ۳۸

۸۰۔ مقدمہ فتح الباری ص ۸

۸۱۔ سیوطی : زہر الربی علی المجتبیٰ (مقدمہ) ص ۲۸

۸۲۔ سخاوی (م ۹۰۲ ھ) شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن حافظ : فتح المغیث فی شرح الفیتہ الحدیث ص ۱۲ لکھنؤ ۱۳۰۳ ھ مطبع انوار محمدی۔

۸۳۔ زہر الربی ص ۲۸۔

۸۴۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۳

۸۵۔ شروط الائمہ ص ۱۸

۸۶۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۸۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۲۶۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۷۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷۷۔

۸۸۔ ذہبی (م ۷۴۸ ھ) ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد : تاریخ اسلام و طبقات المشاہیر والاعلام : ذکر احمد بن حنبل' قاہرہ ۱۳۶۷ ھ مکتبہ القدس۔

۸۹۔ ابن جوزی (م ۵۹۷ ھ) ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن علی : مناقب الامام احمد بن حنبل ص ت ۲۲۔ ۲۲

۹۰۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۵ ص ۸

۹۱۔ ابو زہرہ : احمد بن حنبل ص ۳۴ مصر

۹۲۔ اصفہانی (م ۴۳۰ ھ) ابونعیم حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ج ۹ ص ۱۶۵ قاہرہ ۱۳۵۱ھ مکتبہ السعادۃ۔

۹۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸

Marfat.com

۹۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۳۶

۹۵۔ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۸

۹۶۔ کشف الظنون ج ۱۔ ع ۱۶۸۰

۹۷۔ طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۰۲

۹۸۔ سیوطی : اختصار علوم الحدیث ص ۶ بیروت

۹۹۔ بستان المحدثین ص ۳۰۶

۱۰۰۔ کشف الظنون ج ۲ ص ۴۳۰

۱۰۱۔ ابوزہرہ: احمد بن حنبل ص ۱۶۴ مصر ۱۹۵۹ء

۱۰۲۔ توجیہ النظر ص ۱۵۴

۱۰۳۔ ابن حجر عسقلانی نے بھی مسند احمد پر ابن جوزی اور حافظ عراقی کے اعتراضات کا مدلل جواب ایک رسالے کی شکل میں لکھا، جس کا عنوان ہے : القول المسددفی الذب المسند۔ ابن جوزی نے مسند کی ۱۵ اور حافظ عراقی نے ۹ حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ سیوطی کہتے ہیں کہ باقی ۱۴ رہ گئی تھیں، سو میں نے "الذیل الممہد" میں ان کا جواب دے دیا ہے (التعقبات)

۱۰۴۔ توجیہ النظر ص ۱۵۴

۱۰۵۔ عجالہ نافعہ ص ت ۳۔ ۴

۱۰۶۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۱۰۷۔ ایضاً

۱۰۸۔ اصول ستہ یعنی صحاح (بخاری، مسلم، موطا) اور تین سنن (سنن ابی داؤد، ترمذی اور نسائی) کو ابوالحسن رزین بن معاویہ العبدری السرقسطی (م ۵۳۵ ھ) اندلسی مالکی نے جمع کیا۔ آپ کئی سال مکہ مکرمہ میں رہے۔ ان کی کتاب کا پورا نام التجرید للصحاح والسنن ہے۔ (الرسالتہ المستطرفتہ ص ۱۴۲) حاجی خلیفہ نے تجرید الصحاح الستہ فی الحدیث لکھا ہے۔ (کشف الظنون ج ۱ ع ۳۴۵)

۱۰۹۔ مشہور محدث مبارک بن محمد المعروف ابن الاثیر الجزری (م ۶۰۶ ھ) کی تصنیف جس کا پورا نام جامع الاصول الاحادیث الرسول ہے۔ یہ نہایت مشہور و مقبول کتاب ہے۔ یاقوت رومی حموی (م ۶۲۶ ھ) نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ "کتاب جامع الاصول فی احادیث الرسول عشر مجلدات ... الخ (معجم الادباء ج ۶ ص ۲۴۱، طبع مصر ۱۹۳۰ ء) دس جلدوں میں ہے۔ جسے ابن الاثیر نے بخاری، مسلم، موطا، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور

Marfat.com

ترمذی کی حدیثوں کو حروف معجم پر مرتب کیا اور حدیثوں کے مشکل الفاظ اور معانی کی تشریح کے ساتھ ساتھ احکام حدیث اور رجال حدیث بھی بیان کر دیئے ہیں۔

طبقہ ثالثہ

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۲۔ عجالہ نافعہ ص ۵

۳۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۴۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص ت ۵۷۔ ۵۸

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً ص ۳۶

۷۔ بستان المحدثین (ص ۴۹) میں تصریح موجود ہے کہ ماہ شوال ۲۱۱ ھ میں فوت ہوئے تو عمر ۸۵ سال تھی۔ اس لحاظ سے ۱۲۶ ھ آپ کا سنہ ولادت ہے۔

۸۔ بستان المحدثین ص ۴۸

۹۔ الرسالۃ المستطرفہ ص ۳۶

۱۰۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص ۳۵۔ بستان المحدثین ص ۴۹

۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ: ابن ابی شیبہ

۱۲۔ تہذیب التہذیب ترجمہ ابن ابی شیبہ

۱۳۔ تذکرۃ الحفاظ: ترجمہ ابرہیم بن موسیٰ ابو اسحٰق الرازی القراء

۱۴۔ تہذیب التہذیب ترجمہ ابن ابی شیبہ

۱۵۔ بستان المحدثین ص ۵۰

۱۶۔ تدریب الراوی ص ۲۷۶

۱۷۔ الرسالۃ المستطرفہ ص ۳۶

۱۸۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن حزم

۱۹۔ البدایہ و النہایہ ج ۱۰ ص ۳۱۵

۲۰۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۳۴۸

۲۱۔ حواشی ذیول تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵ طبع دمشق

۲۲۔ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب ج ۲ ص ۲۷۳

۲۳۔ میزان الاعتدال: ترجمہ اصبغ بن خلیل

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ بستان المحدثین ص ۳۲۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص ۵۶

Marfat.com

۲۶۔ الرسالہ المستطرفہ ۵۶

۲۷۔ الکتانی نے لکھا ہے کہ کس کے تلفظ میں کاف کی زبر اور سین کی شد پڑھی جاتی ہے ابن ماکولا کے بقول اھل عراق زیر اور باقی لوگ کاف کی زیر پڑھتے ہیں۔ بعض نے شین بھی پڑھا ہے۔ اور اس کے قائل ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ کش جرجان کی ایک اضافی بستی ہے (الرسالتہ المستطرفہ ص ت ۵۶۔ ۵۷)

۲۸۔ الرسالہ المستطرفہ ۵۷

۲۹۔ بستان المحدثین ص ۳۲

۳۰۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۵۲

۳۱۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۱۷ ۳

۳۲۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۵۲

۳۳۔ بستان المحدثین ص ۳۱

۳۴۔ منحتہ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ان کی تصنیف ہے۔ یہ دراصل مسند ابی داؤد الطیاسی کی فقہی تبویب ہے، جو شیخ احمد بن عبدالرحمن النبا الساعاتی کی تصحیات و تعلیقات "الحمود علی منحتہ المعبود" کے ساتھ دو جلدوں میں مطبعہ منیریہ مصر سے ۱۳۷۲ میں شائع ہو چکی ہے۔

۳۵۔ منحتہ المعبود ص ۱۵

۳۶۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۵۲

۳۷۔ بستان المحدثین ص ۵۱

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۴۰۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۳۳۔ اسماء المولفین و آثار المصنفین از اسماعیل پاشا بغدادی ج ۱ ص ۷۸ طبع استنبول ۱۹۵۱ء

۴۱۔ طبقات الشافعیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۴۲۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۳۰

۴۳۔ سنن کبری دس ضخیم جلدوں میں مشہور حافظ حدیث قاضی علاء الدین علی بن فخر الدین حنفی (م ۷۵۰) کے اعتراضات و مباحثات بعنوان الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی کے ساتھ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

۴۴۔ تذکرۃ الحفاظ : ترجمہ طحاوی۔ لسان المیزان ج ۱ ص ۱۷۵

۴۵۔ یاقوت حموی کی تحقیق کے مطابق ابو جعفر احمد بن محمد طحا کے رہنے والے نہیں تھے' بلکہ ان کا تعلق طحطوط نامی گاؤں سے تھا۔ امام صاحب کو طحطوطی نسبت پسند نہ تھی' اس لئے اپنے وطن سے قریبی گاؤں آبادی طحا کی نسبت کو ترجیح دی اور طحاوی کہلائے (معجم البلدان ج ۶ ص ۹۰) ابن اثیر اور علامہ سیوطی کی بھی یہی رائے ہے۔

۴۶۔ بعض نے سن پیدائش ۲۳۸ ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ علامہ ذھبی کے علاوہ ابن خلکان اور ابن کثیر نے خود امام طحاوی کی روایت کو افضل تسلیم کیا ہے جو ۲۲۹ ھ کی ہے (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۵۳ البدایہ و النہایہ ج ۳ ص ۱۷۴)

۴۷۔ البدایہ و النہایہ ج ۳ ص ۱۷۴

وفیات الاعیان ج ۲ ص ۵۳

۴۸۔ کوثری علامہ زاہد : الحاوی فی سیرہ الامام ابی جعفر الطحاوی ص ۱۹ قاہرہ ۱۳۶۸ ھ مطبع الانوار

۴۹۔ الفہرست ص ۲۹۲ مطبعہ رحمانیہ مصر' الجواہر المنیہ ج ۱ ص ۱۰۳ تا ۱۰۵ طبع حیدر آباد۔ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۵۸

۵۰۔ برو کلمان نے جرمنی میں عربی ادب کی جو تاریخ لکھی ہے اس سے مولانا محمد یوسف دھلوی کو یہ التباس ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب امانی الاحبار فی شرح معانی الاثار (ص ۶۲ ـ ۶۳) میں اس نام کا اضافہ کر دیا ہے۔ حقیقت میں یہ معانی الاثار ہی ہے بنابریں موصوف نے شرح المغنی کے سلسلے میں ابن حجر عسقلانی کا حوالہ دیا ہے کہ باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علے عاتقہ کی تصریح کے مطابق طحاوی نے بھی شرح المغنی میں اس موضوع پر ایک باب باندھا ہے۔ دراصل فتح الباری میں معانی کا الف رہ جانے سے یہ غلطی بھی سرزد ہوئی ہے۔

۵۱۔ لسان المیزان ج ۱ ص ۲۷۵

۵۲۔ شذرات الذہب ص ۳۱۰

۵۳۔ النجوم الظاہر ج ۲ ص ۲۳۹

۵۴۔ المنتظم ج ۶ ص ۲۵۰

۵۵۔ فتح المغیث ص ۳۲۹

۵۶۔ المقاصد الحسنہ ص ۱۰۷

۵۷۔ الحاوی ص ۱۲

Marfat.com

۵۸۔ مقدمہ التعلیق المجد ص ت ۳۔ ۴

۵۹۔ الحطہ ص ۳۴

۶۰۔ فیض الباری ج ۱ ص ت ۵۷۔ ۵۸

۶۱۔ شیخ عبدالقادر کی اس شرح کا نام "الحاوی فی بیان آثار الطحاوی" ہے۔

۶۲۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۳۸

۶۳۔ الحاوی ص ۳۱

۶۴۔ معانی الآثار پہلی مرتبہ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۰ ھ میں شائع ہوئی۔ اور یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

۶۵۔ مشکل الآثار سات جلدوں میں مکتبہ فیض اللہ استنبول میں موجود ہے۔ اس کی چار جلدیں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۳ ھ میں منصۂ شہود پر آئیں۔ نیز مشکل الآثار کا اختصار ابو الولید بن رشد مالکی نے کیا۔ یہ بھی مذکورہ ادارہ کے زیر اہتمام چھپ چکا ہے۔

۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ : ترجمہ ابوالقاسم طبرانی

۶۷۔ الرسالہ المستطرفہ ۳۴

۶۸۔ بستان المحدثین ص ۵۳

۶۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۱۳۔ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۳۹۶

۷۰۔ بستان المحدثین ص ۵۷

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ الشامی ابن عابدین (م ۱۲۵۲ ھ) : عقود اللآلی فی الاسانید العوالی ص ۲۷، شام ۱۳۰۲ ھ مطبع المعارف

۷۳۔ اصطلاح محدثین میں عجائب و غرائب ان حدیثوں کو کہتے ہیں جو اپنے شیخ کے سوا کسی کے پاس نہ ہوں

۷۴۔ بستان المحدثین ص ۵۷

۷۵۔ بستان المحدثین ص ۵۷

۷۶۔ ایضاً

۷۷۔ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ ھ) سید مرتضیٰ بلگرامی اتحاف السادۃ المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین للغزالی ج ۳ ص ۲۷۷، قاہرہ ۱۳۱۱ مطبع المیمنیہ

۷۸۔ المعجم الصغیر ۱۳۱۱ ھ مطبع انصاری دھلی سے شائع ہو چکی ہے۔

۷۹۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۸۰۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۸۱۔ سنن ابی ماجہ پر بحث اگلے صفحات میں آ رہی ہے۔

۸۲۔ ابن حجر، تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ ص ۴' طبع اول حیدر آباد دکن ۱۳۲۴ھ

۸۳۔ بستان المحدثین ص ت ۴۷۔ ۴۸

۸۴۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۱۱

۸۵۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۳۱

۸۶۔ سنن دار قطنی' شمس الحق عظیم آبادی کی تعلیقات التعلیق المغنی کے ساتھ مطبع فاروقی دھلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

۸۷۔ شجرہ نسب زید مناہ بن تمیم تک پہنچتا ہے۔ اسلئے تمیمی مشہور ہوئے۔

۸۸۔ سیتان کے شہربت کی نسبت سے بستی نام کا حصہ بنا۔

۸۹۔ ابواب فقہ پر سب سے پہلے صحیح ابن حبان کو الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان کے نام سے محدث امیر علاء الدین الفارسی الحنفی (م ۷۳۷ھ) نے مرتب کیا اور یہ کتاب احمد محمد شاکر کی تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ دارالمعارف قاھرہ سے خوبصورت انداز میں شائع ہوئی۔

۹۰۔ بستان المحدثین ص ۴۰

۹۱۔ وفیات الاعیان ' ذکر ابوعبداللہ حاکم

۹۲۔ تاریخ بغداد' ترجمہ حاکم نیشا پوری

۹۳۔ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد الذھبی (م ۷۴۸ھ) نے مستدرک حاکم کا اختصار کیا' جس میں جا بجا حاکم نیشاپوری پر سخت تعقبات کئے۔ یہ تلخیص المستدرک کے نام سے مشہور ہوئی اور مستدرک حاکم تلخیص ذھبی کے ہمراہ چار ضخیم جلدوں میں دائرہ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

۹۴۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۹

۹۵۔ ایضاً

۹۶۔ ایضاً

Marfat.com

طبقہ رابعہ

۱ ۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۲۔ عجالہ نافعہ ص ۵

۳۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

۴ ۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۱۲۸

۵۔ حدیہ العارفین ج ۲ص ۴۴

۶ ۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ص ۸۹

۷ ۔ حدیہ العارفین ج ۲ص ۵۹

۸۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۱۱۹

۹۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۵۹

۱۰۔ فتح المغیث ص ۴۷۷

۱۱۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۵۹

۱۲۔ میزان الاعتدال ص ۹۱

۱۳۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۱۱۹

۱۴۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۵۹

۱۵۔ بستان المحدثین ص ۷۰

۱۶۔ بستان المحدثین ص ۷۲

۱۷۔ تاریخ بغداد۔ ترجمہ ابو نعیم

۱۸۔ بستان المحدثین ص ۳۵

۱۹۔ حدیتہ العارفین ج ۱ص ۷۴

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ابن عساکر کی تقریباً ایک سو کتب کے ناموں کے لئے ملاحظہ ہو : تبیین کتب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری' لابن عساکر (م ۵۷۱ ھ) ص ت ۳۔ ۶ دمشق ۱۳۴۷ ھ مکتبہ التوفیق۔ حدیتہ العارفین ج اص ۷۰۱

۲۲۔ مزید ناموں کیلئے : تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۴۲۹۔ حدیتہ العارفین ج ۲ص ۱۲۲

۲۳۔ الرسالتہ المستطرفتہ ص ۶۴

Marfat.com

۲۴۔ خوارزم خاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ سے پڑھا جاتا ہے اور مشہور علاقے کا نام ہے (الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۵)۔
۲۵۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۱۶۸۲
۲۶۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۵
۲۷۔ کشف الظنون ج ۲ ع ۱۶۸۲
۲۸۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۱۵
۲۹۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۰

طبقہ خامسہ

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۰
۲۔ ایضاً ص ۱۴۱
۳۔ عجالہ نافعہ ص ۶
۴۔ لسان المیزان ج ۱ ص ۱۳
۵۔ پٹنی (م ۹۸۶ ھ) محمد بن طاہر شیخ: تذکرۃ الموضوعات ص ۸۹ بمبئی ۱۳۴۳ ھ مکتبہ قیمہ۔
۶۔ ایضاً
۷۔ ایضاً
۸۔ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ ھ) تقی الدین ابوالعباس: کتاب الرد علی البکری بحوالہ کتاب الشریعۃ تحقیق محمد حامد الفقی ص ۴۲۲ مصر مطبعہ السنۃ المحمدیہ ۱۹۵۰ء
۹۔ شوکانی (م ۱۲۵۰ ھ) محمد بن علی قاضی: الفوائد المجموعہ فی بیان احادیث الموضوعہ ص ۲۸۷ لاہور ۱۳۰۵ ھ مطبع صدیقی
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ عجالہ نافعہ ص ۶
۱۲۔ تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبارا الشنیعہ الموضوعہ' محدث ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی (م ۹۶۳ ھ) کی موضوعات حدیث پر نہایت مبسوط و جامع کتاب' جو ابن جوزی کی کتاب الموضوعات' سیوطی کی اللالی المصنوعۃ ذیل اللالی اور نکت البدیعات وغیرہ کی کامیاب تلخیص ہی نہیں' بلکہ اس پر ابن عراق کے جا بجا استدراکات اور اضافہ جات بھی ہیں۔ اس کتاب کا ایک خوشخط نسخہ پیر جھنڈو میں ہے اور یہ دو جلدوں میں تصحیح و مقدمہ

Marfat.com

کے ساتھ مکتبہ القاہرہ مصر سے چھپ چکی ہے۔

۱۳۔ عجالہ نافعہ ص ۶

۱۴۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۱

۱۵۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال' حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ ھ) کی اپنے موضوع پر ایک مشہور و مقبول اور مفید کتاب' جس کے بارے میں سخاوی (م ۹۰۲ ھ) کہتے ہیں : اختصر الذہبی بل و ذیل علیہ فی تصنیفین و جمع معظمہا فی میزانہ فجاء کتابا نفیسا(فتح المغیث بشرح الفیتہ الحدیث ص ۴۷۷) حافظ ذہبی نے نہ صرف اس کا اختصار کیا' بلکہ دو جلدوں میں اس پر ذیل بھی لکھا اور اس کا بڑا حصہ میزان الاعتدال میں جمع کر دیا' جس سے یہ ایک نفیس کتاب بن گئی۔ میزان الاعتدال پہلی مرتبہ مطبع انوار احمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں اسے ۱۳۲۵ ھ میں قاہرہ سے تین جلدوں میں شائع کیا گیا۔

۱۶۔ لسان المیزان' حافظ ابن حجر عسقلانی کی اپنے موضوع پر مشہور تالیف ہے۔ یہ بھی چھ جلدوں میں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۹ ھ میں چھپ چکی ہے۔

۱۷۔ مجمع البحار' شیخ محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۸۶ ھ) کی تالیف' اس کا پورا نام مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار ہے۔ عبدالحق محدث دھلوی رقمطراز ہیں : " ازاں جملہ کتابے ست کہ متکفل شرح صحاح ستہ مسمی بمجمع البحار (اخبار الاخیار ص ۲۸۰ مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۳۲ ھ) نواب صدیق حسن کے بقول " ایں کتاب مستطاب جامع غریب سنت و کتاب است " (اتحاف النبلاء ص ۱۳۴ مطبع نظامی کانپور) اور حکیم سید عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ اس جلیل القدر اور مفید و عمدہ تصنیف میں ہر مشکل حدیث کے الفاظ کو اس طرح سے جمع کر دیا گیا ہے کہ یہ صحاح ستہ کی شرح بن گئی ہے (نزھتہ الخواطر ج ۴ ص ۳۰۱)

موطا اور کتاب الاثار

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی : مصفی فی احادیث الموطا ج ا ص ۳ دھلی ۱۲۹۳ ھ مطبع فاروقی

۲۔ مصفی ج ا ص ۶

۳۔ ایضا ص ت ۶۔ ۷

۴۔ وفیات الاعیان / تاریخ بغداد: ترجمہ ابو حنیفہ"
۵۔ البدایہ والنہایہ ج ا ص ۱۰۷
۶۔ اوجزالمسالک (مقدمہ) ص ۵۶
۷۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین، ص ۱۱۶
۸۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۲
۹۔ ابن تیمیہ: منہاج السنہ النبویہ فی نقض قول الشیعہ والقدریہ ج ۴ ص ۱۵۷ بولاق ۱۳۲۱

۱۰۔ فتح المغیث ص ۳۸۲
۱۱۔ فتح القدیر ج ا ص ۴۳
۱۲۔ شرح مسلم باب القرأۃ فی الظہر والعصر
۱۳۔ مسند امام از خوارزمی
۱۴۔ مناقب الامام از صدر الائمہ ص ۲۵۳
۱۵۔ عقود الجمان ص
۱۶۔ مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶
۱۷۔ کلمات طیبات ص ۱۶۸
۱۸۔ اوجزالمسالک (مقدمہ) ص ۵۶
۱۹۔ سیوطی: تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۶ دکن (ت ن)
۲۰۔ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۱۱
۲۱۔ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۲۴
۲۲۔ سبط ابن الجوزی (۶۵۴ ھ) شمس الدین ابوالمظفر یوسف بن قزاوغلی بن عبداللہ: الانتصار والترجیح للمذہب الصحیح ص ت ۱۰ مصر (ت ن)
۲۳۔ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ ھ): ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد حافظ: جامع بیان العلم ج ا ص ۴۵ مصر طبع منیریہ (ت ن)
۲۴۔ صدر الائمہ مکی (م ۵۶۸ ھ) ابوالموید موفق بن احمد بن محمد: مناقب الامام الاعظم ج ا ص ۲۵۔ بحوالہ الانتصاء لمذہب ابی حنیفہ
۲۵۔ لسان المیزان ترجمہ عائشہ بنت عجرد۔
۲۶۔ محدث محمد طاہر پٹنی: مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار ص ۲۱۸ دکن ۱۹۷۶

۲۷۔ مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۷

۲۸۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین ص ۶

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ذہبی شمس الدین حافظ : مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ ص ۱۱ طبع مصر ۱۳۲۱ھ۔

۳۱۔ کوثری (م ۱۳۷۱ھ) محدث محمد زاہد : تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب ص ۱۹ مصر ۱۳۶۱ھ۔

۳۲۔ سیوطی (م ۹۱۱ھ) جلال الدین شمس الدین : تبییض الصحیفہ ص ت ۶ لغایت ۹ دکن ۱۳۳۴ھ دائرۃ المعارف حیدر آباد

۳۳۔ خوارزمی (م ۶۵۵ھ) ابوالموید۔ محمد بن محمود : جامع مسانید الامام الاعظم ج ۱ ص ت ۳۲ لغایت ۳۵ دکن ۱۳۳۲ھ دائرۃ المعارف حیدر آباد

۳۴۔ مناقب الامام الاعظم ج ۱ ص ت ۲۷ لغایت ۳۴

۳۵۔ الانتصار والترجیح ص ت ۱۳ لغایت ۱۵

۳۶۔ تعلیقات علامہ کوثری برالانتصار والترجیح ص ۱۰

۳۷۔ جیون ملا (م ۱۱۳۰ھ) نورالانوار ص ۱۹۰ لکھنؤ (ت ن) طبع علوی۔ مصر ۱۳۱۶ھ

۳۸۔ مصفی ص ۳

۳۹۔ بستان المحدثین ص ت ۲۷۔ ۲۸ طبع محمدی لاہور۔

۴۰۔ شبلی نعمانی : سیرۃ النعمان ص ۱۱۹، آگرہ ۱۸۸۲ طبع مفید عام۔

۴۱۔ ندوی، سید سلیمان : حیات امام مالک ص ۹۰، اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ طبع معارف

۴۲۔ امام ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب (م ۱۲۳ھ ۔ ۱۲۵ھ)

۴۳۔ امام ابوعبداللہ مکحول دمشقی (م ۱۱۲ھ ۔ ۱۱۸ھ)

۴۴۔ امام ابوعمرو عامر بن شراجیل (م ۱۰۳ھ ۔ ۱۱۰ھ)

۴۵۔ سیوطی : تنویر الحوالک علی موطا مالک ج ۱ ص ۴، مصر ۱۳۴۳ھ

۴۶۔ امیر یمانی محمد بن اسمٰعیل : توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار فی علوم الآثار ج ۱ ص ت ۳۷۔ ۳۸ مصر ۱۳۶۶ھ۔

۴۷۔ تنویر الحوالک ج ۱ ص ۴

۴۸۔ تبییض الصحیفہ ص ۳۶

۴۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ مصفی

۵۰۔ المزی (م ۷۴۲ھ) ابوالحجاج جمال الدین حافظ : تہذیب الکمال، ترجمہ عبداللہ بن

ادریس

۵۱۔ تذکرہ الحفاظ، ترجمہ عبداللہ بن ادریس۔

۵۲۔ سیوطی: اسعاف المبطابر حال الموطامی ۳۶ مصر ۱۳۴۹ مطبعہ حلبی۔

۵۳۔ تذکرہ الفاظ ترجمہ عبداللہ بن ادریس

۵۴۔ الجواہر المنیہ فی طبقات الحنفیہ، ترجمہ عبداللہ بن ادریس

۵۵۔ محدث محمد زاہد کوثری کا یہ رسالہ احقاق الحق طبع مصر ۱۳۶۰ھ کے آخر میں ملحق ہے۔

۵۶۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۔ امام مالک

۵۷۔ اقوام المسالک ص ۷

۵۸۔ سیرہ النعمان ص ۴۷

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ حیات امام مالک" ص ۳۲

۶۱۔ میزان الاعتدال ص ۱۴۹

۶۲۔ تدریب الراوی ص ۳۰

۶۳۔ جامع مسانید الامام الاعظم ج ۳ ص ۱۹۹

۶۴۔ مقدمہ ابن صلاح ص ۲۱۱

۶۵۔ النکت علی مقدمہ ابن الصلاح (قلمی) حیدر آباد سندھ، کتاب خانہ پیر جھنڈو۔

۶۶۔ اقوام المسالک ص ۶ بحوالہ محلی شرح موطا از شیخ سلام اللہ

۶۷۔ مناقب الامام الاعظم ج ا ص ۹۵

۶۸۔ توضیح الافکار ج ا ص ۶۲

۶۹۔ ایضاً

۷۰۔ رسالہ ابی داؤد السجستانی فی وصف تالیفہ لکتاب السنن ص ت ۵ ۔ ۶، مصر ۱۳۶۹ھ

۷۱۔ مناقب الامام الاعظم ج ا ص ۹۵

۷۲۔ ایضاً ج ا ص ۹۷

۷۳۔ جامع مسانید الامام الاعظم ج ۲ ص ۳۰۸

۷۴۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۱۹

۷۵۔ مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۱۹۰

۷۶۔ کتاب الانساب و ۱۹۶ لیڈن۔

Marfat.com

۷۷۔ ذہبی : مناقب ابن حنیفہ ص ۲۷، مصر

۷۸۔ خطیب نے تاریخ بغداد میں اسے بہ سند متصل نقل کیا ہے۔

۷۹۔ مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۱۹۰

۸۰۔ شعرانی (م ۹۷۳ ھ) امام ابوالمواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی : المیزان الکبریٰ ج ا ص ۶۲ مصر ۱۳۹۴

۸۱۔ مناقب ابن حنیفہ ص ۲۰

۸۲۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۳

۸۳۔ مصفی ج ا ص ۱۳ دھلی ۱۳۴۶۔

۸۴۔ شاہ ولی اللہ: قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۱۳، پشاور

۱۳۱۰ھ نورانی کتب خانہ بازار قصہ خوانی

۸۵ ۔ [illegible] ص ۸

۸۶ ۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین ص ۱۶

۸۷۔ مصفی ص ۸۔

۸۸۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۶۴

۸۹۔ قرشی عبدالقادر حافظ : الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ : ترجمہ امام یوسف بن ابی یوسف۔

۹۰۔ مولانا ابوالوفا قندھاری صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن کی کوششوں سے یہ نسخہ تصحیح و تحشیہ کے ساتھ ۱۳۵۵ ھ میں مصر سے شائع ہو چکا ہے۔

۹۱۔ لسان المیزان : ترجمہ محمد بن ابراہیم بن جیش بغوی۔

۹۲۔ مناقب الامام الاعظم ج ا ص ۹۶

۹۳۔ ابن حجر عسقلانی : تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ ص دکن ۱۳۲۴ ھ دائرۃ المعارف، حیدر آباد

۹۴۔ حیات امام مالک ص ۹۳

۹۵۔ سیرۃ النعمان ص ۲۷

۹۶۔ ملا علی قاری : شرح موطا امام محمد (قلمی) ورق ۱۶

۹۷۔ الجواہر المضیۃ بحوالہ کتاب التعلیم

۹۸۔ الجواہر المضیۃ۔ ترجمہ اسد بن عمرو یوسف بن خالد

۹۹۔ حجہ اللہ البالغہ ص ۱۳۴

Marfat.com

۱۰۰۔ قوت القلوب
۱۰۱۔ ابن البزاز الکردری' حافظ الدین : مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۱۸۳ دکن ۱۳۲۱ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔
۱۰۲۔ ابن عبدالبر: الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمہ الفقہاء ص ۱۲۸' مصر ۱۳۵۰ ھ ۔
۱۰۳۔ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۱ طبع مصر ۱۳۴۹
۱۰۴۔ تزئین الممالک ص ۴۴
۱۰۵۔ رسالہ ابی داؤد السجستانی فی وصف تالیفہ لکتاب السنن ص ۷ مصر ۱۳۴۹۔
۱۰۶۔ اہل حدیث سے عاملین بالحدیث ترک التقلید نہیں' بلکہ ممارسین بالحدیث مراد ہے
۱۰۷۔ مصفی (مقدمہ)

موطا امام مالک

۱۔ الانعام ۷۷ ترجمہ : اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہ قوم سے ہوتا۔
۲۔ ایضاً ۷۹۔ ترجمہ : بے شک میرا منہ اس کی طرف ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور میں ان میں سے نہیں ہوں جو شرک کرتے ہیں۔
۳۔ یہ تفصیل مصفی کے مقدمہ کے ابتدائیہ سے ماخوذ ہے۔
۴۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۴
۵۔ ایضاً ص ۲۵
۶۔ بستان المحدثین ص ۸
۷۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۲۵
۸۔ ایضاً ص ۲۴
۹۔ تہذیب التہذیب : ترجمہ امام مالک' بحوالہ کتاب الثقات
۱۰۔ ہدی الساری بفتح الباری ج ۱ ص ۴ مصر ۱۳۰۰ ھ طبع الامیریہ
۱۱۔ مصفی ج ۱ ص ۱۹
۱۲۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۲۴
۱۳۔ ایضاً
۱۴۔ بستان المحدثین ص ت ۸۔ ۹ تعریب مقدمہ مصفی ص ۲۶
۱۵۔ بستان المحدثین ص ۹

Marfat.com

۱٦۔ مقدمہ التعلیق المجد علی موطا الامام محمد بحوالہ سیر النبلاء

۱۷۔ تزئین الممالک بمناقب الامام مالک ص ۴۴ مصر ۱۳۲۵ھ طبع خیریہ

۱۸۔ اتحاف النبلاء ص ۱٦۵

۱۹۔ توجیہ النظر ص ۱۷ بحوالہ احکام لابن حزم

۲۰۔ تزئین الممالک ص ۴۳

۲۱۔ ابن سعد (م ۲۳۰ھ) ابوعبداللہ محمد: الطبقات الکبریٰ' ترجمہ امام مالک' بیروت ۱۳۷٦ھ

۲۲۔ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۳۲

۲۳۔ تزئین الممالک ص ۴۳

۲۴۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۲۲

۲۵۔ بستان المحدثین ص ۸

۲٦۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۲۲

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ بستان المحدثین ص ت ۸۔ ۹

۲۹۔ ابن خلکان نے وِشلاس اور شاہ عبدالعزیز نے وُسِلاس لکھا ہے۔

۳۰۔ وفیات الاعیان میں منفایا لکھا گیا ہے۔

۳۱۔ زیاد بن عبدالرحمن بن زیاد لخمی۔ کنیت ابو عبداللہ اور لقب شبطون۔ بدر کے صحابی حاطب بن ابی بلتعہ کی اولاد سے ہیں۔ ۲۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ پہلے شخص ہیں جو امام مالک کا مسلک اندلس لائے۔

۳۲۔ شرح مواہب اللدنیہ ج ۳۴۲۲۴۲ مصر ۱۳۲۸ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۸۵ کتاب العبر ج ۱ ص ۲۸۲

۳۳۔ مصفی (فارسی) کے مقدمہ میں اس کی تفصیل درج ہے۔

۳۴۔ غزوات نبوی سے متعلق کتب میں ہے کہ حضورؐ نے طائف کا محاصرہ فرمایا تو وہاں کے چند غلام بھاگ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضورؐ نے ان کے بارے میں فرمایا: ہم عتقاء اللہ تعالیٰ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ابن خلکان کی تصریح کے مطابق عتقاء ایک قبیلہ کے نہیں' مختلف قبیلوں حجر' حمیر' سعد العشیرہ' کنانہ' مضروغیرہ سے تھے۔

Marfat.com

۳۵۔ قز یعنی خام ریشم، قز فروشی کی جانب نسبت ہے۔
۳٦۔ الجزائر مغرب کے ایک شہر تینس سے نسبت
۳۷۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو ثنائی کہتے ہیں۔
۳۸۔ تذکرہ الحفاظ ج ۲ ص ۴۲۰
۳۹۔ ایضاً ج ۲ ص ۴۸۲
۴۰۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۰ بحوالہ احکام لابن حزم
۴۱۔ بستان المحدثین ص ت ۲۳۔ ۲۴
۴۲۔ ایضاً ص ۲۴
۴۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۱۵ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۹٦
۴۴۔ کتاب العبر ج ۱ ص ۲۹۷ کویت ۱۹٦۰ء
۴۵۔ شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۲ طبع مصر
۴٦۔ مراۃ الجنان ج ۲ ص ۹۱
۴۷۔ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲
۴۸۔ مشارق الانوار میں ان کی تفصیل درج ہے۔
۴۹۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۲۲
۵۰۔ ایضاً
۵۱۔ ایضاً
۵۲۔ کشف الظنون ج ۲ ص ۹۸۷
۵۳۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ت ۲۲ ۔ ۲۳
۵۴۔ مقدمہ مصفی (فارسی) ص ۳
۵۵۔ مقدمہ مصفی (فارسی) ص ۱۲
۵٦۔ ایضاً ص ۲۲
۵۷۔ مصفی ج ۲ ص ۲۸۰ (آخری صفحہ)
۵۸۔ مصفی فی احادیث الموطا پہلی بار ۱۲۹۳ ھ میں دہلی سے دو جلدوں میں طبع ہوئی۔ اس کی جلد اول مطبع فاروقی دہلی میں باہتمام محمد معظم چھپی جس کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

"للہ الحمد من قبل و من بعد کہ جلد اول کتاب مستطاب شرح موطا امام ہمام امام مالک

مسی بہ مصفی از عمدہ تصنیف جناب قدوۃ محققین عمدۃ المفسرین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمتہ اللہ با تصحیح تمام و تنقیح مالا کلام بتاریخ چہارم ماہ شعبان المعظم ۱۲۹۳ ھ حلہ الطباع وحلہ اختتام پوشیدہ۔"

جلد دوم مطبع مرتضوی دھلی میں باہتمام عزیز الدین چھپی اور اس کا سنہ طباعت بھی ۱۲۹۳ ھ ہے۔ کاتب محمد امین پنجابی ہیں' جنہوں نے یہ قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے۔

مصفی طبع شد شرح موطا　　بہ ترتیب خوش و دستور زیبا
سروش غیب گفتار از سر لطف　　بساعت سعد شد طبع مصفا

۱۲۹۳ھ

اسی جلد کے آخر میں حاشیہ پر طبع مصفی کے اختتام کی تاریخ قاضی طلا محمد خان پشاوری کی طویل فارسی نظم موجود ہے اس کا آخری شعر ہے۔

گفتا خرد نادرہ بانہایت احسان　　شد طبع مصفا چہ عجب شرح موطا ۱۲۹۳ ھ

شاہ ولی اللہ نے موطا کی جو عربی شرح المسوی لکھی' وہ بھی اس نسخے میں مصفی کے ساتھ چھپی تھی۔ المسوی چونکہ مختصر حواشی کی حیثیت رکھتی ہے اسلئے اس کو مصفی کے حاشیہ پر رکھا گیا اور المسوی کے آخر میں بھی ایک طویل فارسی نظم ہے جس کا آخری شعر ہے۔

کلک طلا بہر نوشت سال تمامش　　چیست مسوی کفیل شرح موطا ۱۲۹۳ ھ

بعد میں مکتبہ رحیمیہ دھلی نے اس پرانے نسخے کی نقل عمدہ کاغذ اور کتابت کے ساتھ مفتی کفایت اللہ دھلوی کے ایماء پر مصفی مع المسوی کے نام سے شائع کی۔ پرانے دونوں نسخے کمیاب ہیں۔ ایک مولانا غلام مصطفے قاسمی صاحب کے ذاتی کتب خانے کی زینت ہے۔

۵۹۔ عجالہ نافعہ ص ۱۹

۶۰۔ تفہیمات الہیہ ج ۱ ص ت ۲۳۵۔ ۲۳۶

۶۱۔ ایضاً

۶۲۔ المسوی من الاحادیث الموطا پہلی بار مصفی کے حاشیہ پر ۱۲۹۳ ھ میں سید محمد بن عبداللہ غزنوی سلفی کی کوششوں سے شائع ہوئی۔ بعد میں اسے مکتبہ رحیمیہ نے عمدہ کتابت کے ساتھ طبع کیا۔ کتاب کے دو کالم بنائے گئے۔ پہلے کالم میں المسوی اور دوسری میں مصفی کو معہ متن موطا رکھا گیا۔ تیسری بار المسوی عمدہ مصری ٹائپ اور بہترین کاغذ پر مطبع سلفیہ مکہ مکرمہ سے چھپی۔ اس طباعت کے اصل محرک مولینا عبیداللہ سندھی تھے۔ اور اس کے مصارف شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار دھلوی اور مطبع سلفیہ کے مالک شیخ محمد صالح نصیف نے برداشت کئے۔ کتاب کے شروع میں مولینا سندھی نے شاہ ولی اللہ کے

Marfat.com

حالات زندگی اور موطا کی فارسی شرح مصفی کے مبسوط مقدمہ کا عربی ترجمہ کر کے شامل کیا۔ "کلمہ الناشر" کے عنوان سے ناشر نے اس میں ایک جگہ وضاحت کر دی ہے کہ المسوی دو بار دھلی سے شائع ہو چکی ہے۔

المسوی مطبوعہ مکہ مکرمہ کی طباعت میں جن خطی نسخوں پر اعتماد کیا گیا' ان میں مولانا نظر احمد بن علامہ شبیر' مولوی الٰہی بخش فیض آبادی اور عبیداللہ سندھی کے نسخے قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر کا سنہ کتابت ۱۲۵۰ھ بروز جمعہ ۲۱ شوال ہے۔ یہ نسخہ صحیح اور حسن کتابت کے لحاظ سے عمدہ ہے' لیکن اس پر کوئی تعلیق یا حاشیہ نہیں۔ ثانی الذکر خطی نسخہ ۱۲۵۲ھ کا کتابت شدہ ہے۔ اسے مختلف شیوخ نے پڑھا اور سنا ہے۔ اس میں مولف کے فرزند عبدالعزیز' شیخ محمد اسحق دھلوی' اور شیخ محبوب علی دھلوی کے بعض حواشی اور فوائد بھی منسلک ہیں۔ اس نسخہ کی کتابت شیخ عبدالرحمن نے کی تھی جو شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اھل اللہ کی اولاد سے تھے اور جن کا شجرہ نسب اس طرح سے ہے۔ عبدالرحمن بن محتشم بن معظم بن مقرب اللہ بن اھل اللہ بن عبدالرحیم دھلوی۔ اس نسخہ کی کتابت مسند وقت مولانا محمد اسحق کے دور میں شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ جدیدہ میں ہوئی تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے ان نسخوں کو بھی پیش نظر رکھا اور اسطرح المسوی جدید طباعت میں سب کے سامنے ہے۔

امام مالک شاہ ولی اللہ کی نظر میں

۱۔ تعریب مقدمہ مصفی۔ المسوی من الاحادیث الموطا ص ۱۴ مکہ مکرمہ ۱۳۵۱ھ المطبعہ السلفیہ

۲۔ جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۳

۳۔ دار قطنی نے خاء معجمہ کے بدلے جیم مفموم کے ساتھ ضبط کیا ہے۔

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۷ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ج ۱۷۴

۵۔ تنویر الحوالک (مقدمہ) ص ۴

۶۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴ ص ۷۷۹

۷۔ مصفی ص ۵

۸۔ بستان المحدثین ص ۳

۹۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۹

Marfat.com

۱۰۔ مصفی ص ۵
۱۱۔ بستان المحدثین ص ۳
۱۲۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۸
۱۳۔ بستان المحدثین ۴
۱۴۔ مصفی ص ۴
۱۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۸
۱۶۔ السیوطی: حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاہرہ ص ۱۴۶، قاہرہ ۱۲۹۹ھ ادارۃ الوطن
۱۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۷۴
۱۸۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۹
۱۹۔ شرح زرقانی علی موطا مالک (مقدمہ) قاہرہ ۱۳۷۳ھ المکتبہ التجاریہ۔ محمد زکریا مولانا: اوجزا لمسالک الی موطا مالک (مقدمہ) ص ت ا۔ ۲ سہارنپور ۱۳۴۸ھ
۲۰۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۸
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۷۴
۲۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۷
۲۴۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۹
۲۵۔ سیوطی: اسعاف الموطا برجال الموطا
۲۶۔ اوجز المسالک ص ۱۸
۲۷۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۱۷۱
۲۸۔ الجواہرالمضیہ ج ۲ ص ۴۲۱۔ ۴۲۲
۲۹۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۸
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ ایضاً
۳۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۸
۳۳۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۷
۳۴۔ ایضاً ص ۱۵
۳۵۔ ایضاً
۳۶۔ ایضاً

Marfat.com

۳۷۔ مناقب مالک للزاوی ص ۳۳
۳۸۔ بستان المحدثین ص ۴
۳۹۔ ایضاً
۴۰۔ اصفہانی (م ۴۳۰ ھ) ابونعیم حافظ، حلیۃ الاولیاء، طبقات الاصفیاء ص ۳۱۶ قاہرہ ۱۳۵۱ ھ مکتبہ السعادۃ
۴۱۔ بستان المحدثین ص ۷
۴۲۔ ایضاً
۴۳۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۴
۴۴۔ ایضاً
۴۵۔ ایضاً ص ۲۷

صحاح ستہ کی چھٹی کتاب

۱۔ مزید تفصیل زین الدین العراقی کی فتح المغیث شرح الفیتہ الحدیث باب اصح کتب الحدیث ص ت ۱۵ لغایت ۱۸ طبع فاس ۱۳۵۴ ھ میں دیکھی جا سکتی ہے۔
۲۔ مقدمہ ابن صلاح
۳۔ مسلک الختام شرح بلوغ المرام ص ت ۳۶۔ ۳۷
۴۔ رَبعِی بفتح را، ربیعہ بن نزار کی طرف نسبت، جو حافظ سمعانی کے بقول قلیل الاستعمال رہی، کیونکہ بنو ربیعہ ایک بہت بڑی قوم ہے۔ اس کے علاوہ قبیلہ ربیعہ الازد سے منسوب لوگ بھی ربعی کہلاتے ہیں۔ (کتاب الانساب ۲۴۸ طبع لیڈن) ابن خلکان کے بقول انہیں یہ معلوم نہیں کہ ابن ماجہ کس ربیعہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۴۰۸ مصر ۱۹۴۸ء)
۵۔ قزوینی، قزوین کی طرف نسبت ہے۔ یاقوت حموی۔(م ۶۲۶ھ) نے قزوین کے قاف پر زبر، زاء پر سکون واؤ پر زیر اور یاء ساکن بتائی ہے نیز ابن الفقیہ کا بیان نقل کیا ہے کہ شاہ پور ذوالاکتاف نے سب سے اول اس شہر کی بنا ڈالی (معجم البلدان ج ۷ ص ۸۰) حضرت عثمان کے عہد خلافت میں یہ فتح ہوا۔ ابن ماجہؒ کے علاوہ حافظ خلیلی اور محدث رافعی نے اس کی تاریخ پر مفصل کتابیں لکھیں یاقوت حموی نے تصریح کی ہے کہ محدثین نے فضائل

Marfat.com

قزوین میں جو متعدد روایتیں نقل کی ہیں۔ وہ حفاظ حدیث اور ناقدین فن کے نزدیک صحیح نہیں۔ (مجمع البلدان ج ۷ ص ۸۱) اس سلسلے کی ایک روایت سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔

۶۔ ماجہ کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ بعض اسے دادا کا نام بتاتے ہیں، جو صحیح نہیں۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں نقل کیا ہے کہ ماجہ ابو عبداللہ کی والدہ کا نام تھا۔ شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین میں تو اسے درست قرار دیا ہے: "صحیح آنست کہ ماجہ بتخفیف جیم مادراوبود" (ص ۱۱۲) لیکن دوسری طرف لکھا ہے کہ ماجہ ابو عبداللہ کے والد کا لقب ہے، دادا کا نہیں اور نہ ہی ماں کا: "وماجہ لقب پدر ابو عبداللہ است نہ لقب جداو ونہ نام مادر" (بحوالہ نافع ص ۲۸) ابن حجر نے محدث رافعی کے حوالے سے تصریح کی ہے کہ ماجہ ابوعبداللہ محمد کے والد یزید کا لقب ہے اور اس پر تشدید نہیں (تہذیب التہذیب: ترجمہ امام ابن ماجہ بحوالہ تاریخ قزوین) ابن کثیر نے قزوین کے مشہور مورخ حافظ خلیلی کے حوالے سے ماجہ کو یزید کا عرف بتایا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۵۲) ابن ماجہ کے ممتاز شاگرد حافظ ابوالحسن بن القطان کا بھی یہی قول ہے اور امام نووی نے تہذیب الاسماء میں، علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے القاموس المحیط اور ابوالحسن سندھی نے شرح ابن ماجہ میں اس کی تائید کی ہے۔

۷۔ دیکھئے صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ جمعہ، صحیح مسلم، باب فضل فارس، جامع ترمذی کتاب التفسیر سورۃ جمعہ اور ابواب المناقب فی فضل العجم

۸۔ مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۲

۹۔ کلمات طیبات ص ۱۶۸

۱۰۔ نواب صدیق حسن: عون الباری کل ادلۃ البخاری ج ۷ ص ۷۵، طبع مصر برحاشیہ نیل الاوطار

۱۱۔ اتحاف النبلاء، ص ۴۲۴

۱۲۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج ۱ ص ۲۷۱ طبع بریلی

۱۳۔ پانی پتی ثناء اللہ (م ۱۲۲۵ھ) تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۵۸ سورۃ النساء طبع دہلی۔

۱۴۔ مقدمہ شرح مسلم

۱۵۔ معجم البلدان ج ۷ ص ۸۱

۱۶۔ تہذیب التہذیب: ترجمہ ابن ماجہ

۱۷۔ البدایہ والنہایہ، ذکر ابن ماجہ

۱۸- المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ص ۲۳۸

۱۹- وفیات الاعیان، تذکرہ ابن ماجہ

۲۰- تہذیب التہذیب، ترجمہ ابن ماجہ

۲۱- طبقات الشافعیہ ج ا ص ۵

۲۲- امام ابن ماجہ کے شیوخ کی فہرست سے یہ چند نام اور مختصر شجرہ نسب ان کی السنن کے علاوہ حافظ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ' ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب خطیب کی تاریخ بغداد' ابن عساکر کی تاریخ دمشق' سیوطی کی الدر السحابہ فی من دخل مصر من الصحابہ اور علامہ تاج الدین السبکی کی طبقات الشافعیہ سے ماخوذ ہیں۔

۲۳- شروط الائمہ الستہ ص ۵۷

۲۴- یہ مرثیے رافعی کی تاریخ قزوین کے حوالے سے شیخ علی بن سلیمان الدمنتی الجمعودی نے نور مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ ص ۳-۴ طبع مصر ۱۲۹۹ ھ میں نقل کیے ہیں۔

۲۵- نور الصباح الزجاجہ ص ۲

۲۶- المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم ج ا ص ۱۳۸

۲۷- تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن ماجہ

۲۸- تہذیب التہذیب : ترجمہ ابن ماجہ

۲۹- عبرفی اخبار من غبر ص ۵۲

۳۰- الانصاف ص ۳۷

۳۱- معارف السنن ج ا ص ۲۲

۳۲- توجیہ النظر ص ۱۸۵

۳۳- ابو زرعۃ عبداللہ بن عبدالکریم بن فروخ رازی (م ۲۶۴ ھ) علم حدیث کے مشہور امام ہیں۔ ان کے متعلق امام طحاویؒ کی رائے ہے کہ ابو حاتمؒ' ابوزرعہؒ اور ابوداؤدؒ تین ایسی شخصیات ہیں جن کی نظیر اس وقت روئے زمین پر موجود نہیں اور ذہبیؒ خود فرماتے ہیں : کان من افراد الدھر حفظا و ذکاء و دینا وعملا و علما۔ یہ حفظ حدیث ذکاوت' دینداری اور علم و عمل کے لحاظ سے ان لوگوں میں سے تھے۔ جو یکتائے زمانہ ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۰)

۳۴- تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۰

۳۵- البدایہ و النہایہ : ترجمہ ابن ماجہ

Marfat.com

۳۶۔ ابن کثیر: الباعث الحثیث الی معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۰

۳۷۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۱

۳۸۔ بستان المحدثین ص ۱۱۲ ابیعد

۳۹۔ حافظ احمد بن محمد بن احمد المعروف بہ ابو طاہر السلفی (م ۵۷۶ ھ)

۴۰۔ مقدمہ ابن صلاح ص ۳۸۲ حلب۔ نووی : خاتمہ الاشارات الی بیان اسماء المبہمات طبع لاہور۔ نووی : التقریب و التیسیر فصل النوع السنون

۴۱۔ تدریب الراوی ص ۳۰

۴۲۔ " اطراف" سے مراد یہ ہے کہ کسی حدیث کے ابتدائی سرے کو اس قدر وضاحت سے بیان کر دیا جائے کہ اس سے بقیہ حدیث کی یاد دھانی ہو جائے۔ نیز اس میں حدیث کی تمام اسانید کا بیان اور ان کتب کی نشاندھی ضروری ہے' جن میں وہ حدیث مروی ہو۔ چنانچہ ابن طاہر المقدسی کی اطراف الکتب ایک لحاظ سے صحاح ستہ کے اشاریہ کے طور پر مرتب کی گئی۔ ابن طاہر المقدسی نے اس قسم کا ایک انڈکس امام ابو حنیفہ" کی احادیث کا بھی تیار کیا تھا' جس کا نام اطراف احادیث ابی حنیفہ ہے۔

۴۳۔ تدریب الراوی ص ۳۰

۴۴۔ فتح المغیث ص ۳۳

۴۵۔ تدریب الراوی ص ۵۷

۴۶۔ توضیح الافکار ج ا ۵۵

۴۷۔ مسلک الختام ص ۱۹

۴۸۔ علاء الدین ابو عبداللہ مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی حافظ (م ۷۶۲ ھ)

۴۹۔ مقدمہ ابن صلاح ص ۱۳

۵۰۔ توضیح الافکار ج ا ص ۳۷

۵۱۔ ایضاً ج ا ص ۳۹

۵۲۔ منذری' حافظ ذکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی (م ۶۵۶ ھ)

۵۳۔ علائی' حافظ ابو سعید صلاح الدین خلیل بن کیکلدی (م ۷۶۱ ھ)

۵۴۔ تدریب الراوی ص ۵۷

۵۵۔ توضیح الافکار ج ا ص ۳۹

۵۶۔ فتح المغیث ص ۴۷۶

۵۷۔ توضیح الافکار ج ا ص ۳۹

Marfat.com

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ ابوالقاسم امام الدین عبدالکریم بن محمد القزوینی الرافعی الشافعی (م ۶۲۳ ھ)

۶۰۔ شرح السندی علی ابن ماجہ' باب ذکر الدیلم و فضل قزوین بحوالہ تاریخ قزوین الرافعی

۶۱۔ وفیات الاعیان : ترجمہ ابن ماجہ

۶۲۔ الباعث الحثیث ص ۹۰

۶۳۔ ابن العماد حنبلی (م ۱۰۸۹ ھ) علامہ ابو الفلاح عبدالحیٔ بن احمد بن محمد : شذرات الذھب فی اخبار من ذھب' ترجمہ ابن حیان

۶۴۔ سنن ابن ماجہ پر اب تک بے شمار شروح و حواشی لکھے جا چکے ہیں۔ سب سے پہلی اور جامع شرح حافظ علاء الدین مغلطائی نے لکھی' جس کا ایک قلمی نسخہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ دوسری شرح سنن ابن ماجہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد ابن رجب زبیری کی ہے۔ یہ ایک عرصہ تک سید حسام الدین راشدی کے کتب خانہ کی زینت رہی۔ دیگر شروح و حواشی میں شیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن (م ۸۰۴ ھ) کی ما تمس الیہ الحاجہ علی سنن ابن ماجہ' کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری (م ۸۰۸ ھ) کی الدیباجہ فی شرح سنن ابن ماجہ' حافظ برھان الدین ابراہیم بن محمد المعروف بہ سبط ابن العجمی (م ۸۴۱ ھ) کی شرح سنن ابی ماجہ' جلال الدین سیوطی (م ۹۹۱ ھ) کی مصباح الزجاجہ شرح سنن ابن ماجہ' شیخ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی دھلوی (م ۱۲۹۵ ھ) کی انجاح الحاجہ بشرح سنن ابی ماجہ' مولانا فخرالحسن گنگوھی کا حاشیہ بر سنن ابی ماجہ اور شیخ محمد علوی کی مفتاح الحاجہ شرح سنن ابی ماجہ قابل ذکر ہیں۔

۶۵۔ تذکرۃ الحفاظ : ترجمہ ابن ماجہ

۶۶۔ شروط الائمۃ الستہ ص ۱۹

۶۷۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن ماجہ

۶۸۔ توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۳۳

۶۹۔ ایضاً

۷۰۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن ماجہ

۷۱۔ سنن ابن ماجہ ' باب النہی علی الخلاء علی قارعۃ الطریق

۷۲۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر)

۷۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ' الفرقان' شاہ ولی اللہ نمبر

Marfat.com

۷۴۔ تدریب الراوی ص ۵۲

۷۵۔ عبدالغنی نابلسی حنفی (م ۱۱۴۳ ھ) ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث (مقدمہ)

۷۶۔ فتح المغیث ص ۳۳

۷۷۔ المسوی ج ۱ ص ۶

موطا۔ اصح الکتب

۱۔ مسلک الختام شرح بلوغ المرام ج ۱ ص ۱۸

۲۔ تزئین الممالک ص ۴۳

۳۔ مقدمہ ابن صلاح ص ۱۶۸

۴۔ تزئین الممالک ص ۴۷

۵۔ ایضاً

۶۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۱۳ بحوالہ الفیہ سیوطی

۷۔ ایضاً

۸۔ ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۱ ص ۸

۹۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ت ۲۰۔۲۱

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۲۱۔ اوجز المسالک فی شرح موطا مالک ص ۲۸

۱۴۔ الرسالہ المستطرفہ ص ۶

۱۵۔ تذکرۃ الحفاظ میں اس کی جا بجا تصریح موجود ہے۔

۱۶۔ الجواہر المضیہ ج ۲ ص ت ۴۲۱۔ ۴۲۲

۱۷۔ مقدمہ شرح مسلم ص ۵

۱۸۔ حاکم نیشاپوری: المدخل فی اصول الحدیث ص ۱۶ طبع حلب ۱۳۵۱ ھ

۱۹۔ کتاب المدخل ص ۱۶

۲۰۔ عجالہ نافعہ ص ۴

۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ المسوی ج ا ص ۵
۲۳۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۱۹
۲۴۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۲۷۵
۲۵۔ مکتوبات شاہ ولی اللہ' مندرجہ کلمات طیبات ص ۱۷۰ دھلی طبع مجتبائی
۲۶۔ مولینا محمود الحسن (م ۱۳۳۹ ھ)
۲۷۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۲۷۶
۲۸۔ ایضاً
۲۹۔ ایضاً

مصادر فقہ اسلامی

۱۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۴
۲۔ قرۃ العینین ص ۱۷۱
۳۔ تفہیمات الہیہ ج ا ص ۲۱۴
۴۔ ابن منظور افریقی (۷۱۹ ھ) لسان العرب' بذیل مادہ
۵۔ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ) : المفردات فی غریب القرآن بذیل مادہ
۶۔ مختصر ابن حاجب ج ا ص ۱۸
۷۔ کشاف اصطلاحات الفنون ج ا ص ۳۱
۸۔ ایضاً
۹۔ ایضاً
۱۰۔ التوبہ ۸۷
۱۱۔ بنی اسرائیل ۴۴۔ مزید آیات کے لئے ملاحظہ ہوں ھود ۹۱' طہ ۲۸' الانعام ۲۵ اور
۱۲۔ صحیح بخاری / صحیح مسلم
۱۳۔ تفصیل کے لئے محمد حمید اللہ کی Muslim Conduct of State ملاحظہ کی جا سکتی ہے
۱۴۔ اصول بزدوی ج ا ص ت ۲۱۔ ۲۲' المنار مع فتح الغفار ج ا ص ۹' ارشاد الفحول ص ۳۰۔
۱۵۔ کلمات طیبات ص ت ۱۶۶۔ ۱۶۷

Marfat.com

۱۶۔ التحریر ص ۲۹۷

۱۷۔ ارشاد الفحول ص ۳۰

۱۸۔ الفوز الکبیر ص ۳۔ علامہ سیوطی کی تحقیق کے مطابق امام غزالی کے نزدیک آیات احکام کی تعداد پانچ سو ہے (الاتقان ج ۲ ص ۱۳۰)

۱۹۔ الفوز الکبیر ص ۳۔

۲۰۔ تفصیل ابتدائی باب "متعلقات علم حدیث" میں آ چکی ہے۔

۲۱۔ المستصفی ج ۱ ص ۱۷۲

۲۲۔ کشف بزدوی ج ۲ ص ۲۲۶

۲۳۔ جمع الجامع ج ۲ ص ۱۷۶۔ ارشاد الفحول ص ۱

۲۴۔ احکام الاحکام ۱ ص ۱۰۱

۲۵۔ التقریر و التحبیر ج ۳ ص ۹۸ بحوالہ فلسفہ التشریع للمحمصانی ص ۱۱۹

۲۶۔ قرۃ العینین ص ۲۵۱

۲۷۔ ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۶

۲۸۔ قرۃ العینین ص ۱۰

۲۹۔ ازالۃ الخفاء، ج ۲ ص ۸۵

۳۰۔ قرۃ العینین ص ۵۶

۳۱۔ ایضاً ص ۵۹۔

۳۲۔ احکام الاحکام ج ۳ ص ۲ مسلم الثبوت ج ۲ ص ۲۴۶ ارشاد الفحول ص ۱۹۸

۳۳۔ شافعی (م ۲۰۴ ھ) امام: الرسالہ فی اصول الفقہ ص ۶۵، طبع بولاق ۱۳۲۱ ھ

۳۴۔ ایضاً ص ۶۶۔

۳۵۔ ابو زھرہ محمد: اصول الفقہ ص ۲۱۸ قاھرہ ۱۹۵۷ء۔

۳۶۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۵

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ قرۃ العینین ص ۱۴۸۔

۴۰۔ ابو زھرہ محمد: مصادر الفقہ الاسلامی ص ۹۔

فقہ الحدیث کے مختلف دور

۱۔ تفصیل محمد الخضری کی تاریخ التشریع الاسلامی' (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۴ء) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۲۔ الانصاف ص ت ۴۔ ۵ حجتہ اللہ البالغہ ص ت ۱۳۱۔ ۱۳۲

۳۔ تفصیلات الانصاف ص ت ۵ لغایت ۷ میں مذکور ہیں۔

۴۔ الانصاف ص ۷۔

۵۔ زن حاملہ کو مارنے پیٹنے سے اگر اس کا حمل ساقط ہو کر بچہ مر جائے تو اس بچے کا خون بہاء غرہ ہے یعنی ایک غلام یا لونڈی' پانسو دینار یا درھم۔

۶۔ حضرت عمر بغرض جہاد شام کی طرف لشکر لئے جا رہے تھے کہ انہیں اثنائے سفر وہاں وباء پھیلنے کی اطلاع ملی۔

۷۔ عہد فاروقی میں مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیتے تھے۔

۸۔ الانصاف ص ت ۷۔ ۸۔

۹۔ جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہو۔

۱۰۔ جس کا کرنا بہتر ہو۔

۱۱۔ الانصاف ص ۸۔

۱۲۔ ایضاً ص ۹۔

۱۳۔ الانصاف ص ت ۹۔ ۱۰

۱۴۔ ایضاً ص ۱۰۔

۱۵۔ الانصاف ص ت ۱۰۔ ۱۱

۱۶۔ ایضاً ص ۱۲۔

۱۷۔ الانصاف ص ت ۱۲۔ ۱۳

۱۸۔ کوئی شخص حج کے مہینہ میں عمرہ ادا کرے اور احرام کھول دے۔ پھر ذی الحج کی آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے اور حج کرے تو یہ حج تمتع ہے۔

۱۹۔ عمرہ اور حج دونوں کا احرام بندھا رہے اور دونوں کو ادا کر کے احرام کھولے تو "حج قرآن" ہو گا۔

۲۰۔ حج افراد وہ ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے۔

۲۱۔ الانصاف ص ت ۱۳۔ ۱۴۔

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ الانصاف ص ت ۱۴۔ ۱۵

Marfat.com

۲۵۔ ایضاً ص ۱۷۔

۲۶۔ وہ حدیث، جس کی پوری سند بیان کی جائے۔

۲۷۔ اگر کوئی تابعی یا تبع تابعی بغیر سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کرتا ہے تو یہ حدیث "مرسل" ہے۔

۲۸۔ صحابی ایک بات کہے اور یہ تصریح نہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی تو یہ "موقوف" ہے۔

۲۹۔ کچی کھیتی بیچنا یا زمین کی پیداوار میں سے تہائی یا چوتھائی حصہ دینا "محاقلہ" ہے

۳۰۔ درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے عوض بیچنا مزابنہ ہے۔

۳۱۔ الانصاف ص ۲۱۔

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً ص ۷۔

۳۵۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۹۔

۳۶۔ شہرستانی (م ۵۴۸ ھ) : الملل و النحل برحاشیہ کتاب الفصل لابن حزم ج ۲ ص ۴۵۔

۳۷۔ اس کی تمام تر تفصیلات الانصاف کے باب اسباب الاختلاف بین اھل الحدیث و اصحاب الرای اور حجتہ اللہ البالغہ "باب الفرق بین اھل الحدیث واصحاب الرای" میں موجود ہیں۔

۳۸۔ الانصاف ص ۲۵۔

۳۹۔ الانصاف ص ۲۴۔

۴۰۔ سات شاگردوں سے مراد ہے، سعید" بن المسیب، عروہ" بن زبیر، عبیداللہ" بن عبداللہ بن عتبہ مسعودی، سلیمان" بن یسار ھلالی، خارجہ" بن زید بن ثابت، ابوبکر" بن عبدالرحمن مخزومی اور قاسم" بن محمد بن ابی بکر الصدیق۔

۴۱۔ فخرالدین الرازی کی مناقب امام شافعی میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

۴۲۔ الانصاف ص ۲۷۔

۴۳۔ وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو، بلکہ کہیں نہ کہیں سے راوی ساقط ہو۔

۴۴۔ اعلام الموقعین ص ت ۲۳۔ ۲۴۔

۴۵۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۱۳۔

Marfat.com

۴۶۔ الانصاف اور قرۃ العینین سے ماخوذ۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ت ۱۱۲۔ ۱۱۳

۴۷۔ قرۃ العینین ص ت ۱۷۱۔ ۱۷۲۔

مذاہب اربعہ۔ اصل میں ایک ہیں

۱۔ فیوض الحرمین ص ۶۲۔

۲۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۹۶۔

۳۔ حجاز ایک عرصہ تک ترکان عثمانی کے زیر اہتمام رہا اور ترک ہر دور میں سنی العقیدہ اور حنفی المذہب تھے۔

۴۔ مزید تفصیلات مولانا خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی بھٹکلی کی تالیف عرب و دیار ھند میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

۵۔ المراۃ الوضیہ فی النصیحہ والوصیتہ ص ۱۳۔

۶۔ الجز اللطیف مشہور انفاس العارفین ص ۲۰۳۔

۷۔ فیوض الحرمین ص ت ۱۰۲۔ ۱۰۴۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ فیوض الحرمین ص ۶۲۔

۱۰۔ المراۃ الوضیہ ص ۱۳۔

۱۱۔ تفہیمات الہیہ کے علاوہ۔ جلاء العینین ص ۳۶۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ خلاصہ بحث حکایتہ حال الناس قبل الماۃ الرابعتہ و بعدھا در حجتہ اللہ البالغہ۔

۱۴۔ المراۃ الوضیہ ص ت ۲۔ ۳

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۴۴

۱۷۔ مقدمہ مصفی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۱۸۔ الخیرا لکثیر ص ۱۸۱۔ قرۃ العینین ص ۱۴۲۔

۱۹۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۱۵۔

۲۰۔ فیوض الحرمین ص ۴۸

۲۱۔ صحیح بخاری کا یہ نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ اسے شیخ محمد بن ابوالفتح

بلگرامی للہ آبادی نے لکھا تھا اور ایک عرصہ تک شاہ ولی اللہ کے حلقہ درس میں شامل رہا۔ شاہ صاحب کی مذکورہ تحریر ۱۱۵۹ھ کی ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے اس تحریر کا عکس اپنے مضمون "شاہ ولی اللہ کے کام کا تعارف" مطبوعہ "الفرقان" شاہ ولی نمبر کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۲۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۲۴۷

۲۳۔ الکوثری محمد زاهد: حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی ص ۸۷ مصر ۱۳۶۸ھ دارالانوار

۲۴۔ مصفی ج ۱ ص ۲۴۔

۲۵۔ المسوی ج ۱ ص ۶۱۔

۲۶۔ مصفی ج ۱ ص ۷۰۔

۲۷۔ ایضاً ص ۷۳۔

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ایضاً ص ۷۶۔

۳۱۔ ایضاً ص ۱۱۴

۳۲۔ ایضاً ص ۱۴۵۔

۳۳۔ ایضاً ص ۱۶۹۔

۳۴۔ ایضاً ص ۱۷۸۔

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ایضاً ص ۱۹۱۔

۳۷۔ مصفی ج ۲ ص ۲۷۔

۳۸۔ المسوی ج ۲ ص ۸۴

۳۹۔ ایضاً ص ۵۸۔

۴۰۔ ایضاً ص ۱۸۰۔

۴۱۔ مصفی ج ۱ ص ۳۳۔

۴۲۔ ایضاً ص ۴۰۔

۴۳۔ ایضاً ص ۵۰۔

۴۴۔ مصفی ج ۱ ص ۱۱۶۔

۴۵۔ ایضاً ص ۱۵۳

۴۶۔ المسوی ج ۲ ص ۱۴۸۔

۴۷۔ امام شافعی :۔ قلتین ماء کثیر ہے اور احناف' امام محمد : دورہ ماء کثیر ہے (مصفی ج ۱ ص ۵۶)

۴۸۔ امام ابوحنیفہ : پندرہ روز کی اقامت کے عزم سے قصر ختم اور امام شافعی : چار دنوں کے اقامت کے عزم سے (مصفی ج ۱ ص ۱۴۴)

۴۹۔ آئمہ ثلاثہ : دین کے وقت کتابت و تحمل مستحب ہے (مصفی ج ۱ ص ۳۸۹)

۵۰۔ امام ابو حنیفہ : وزن یا کیل و جنس علت ربوا ہے' اور امام شافعی : علت ربوا نقد و طعم ہے (مصفی ج ۱ ص ۳۴۶)

۵۱۔ امام شافعی' سہوا ایک دو کلمات کہے جائیں تو نماز باطل نہ ہو گی اور امام ابوحنیفہ : تب بھی باطل ہو جائے گی (مصفی ج ۱ ص ۱۳۴)

۵۲۔ امام ابو حنیفہ : فجر میں قنوت نہیں اور وتر میں پورے سال ہے۔ امام شافعی : فجر میں سنت ہے اور وتر میں صرف رمضان میں ضروری (مصفی ج ۱ ص ۱۱۲)

۵۳۔ سجود تلاوت امام ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک چودہ ہیں۔ احناف : ایک سجدہ سورہ ص میں ہے۔ شوافع : نہیں ہے۔ احناف : ایک سورۃ حج میں ہے۔ شوافع : نہیں' دو ہیں۔ (مصفی ج ۱ ص ۹۳)

۵۴۔ امام شافعی : معدن سونے چاندی کی ہو تو زکوۃ واجب' ابو حنیفہ : ہر ڈھالے جا سکنے والے جوہر پر خمس واجب (مصفی ج ۱ ص ۲۲۴)

۵۵۔ ابو حنیفہ : مساقات و مزارعت دونوں جائز نہیں۔ صاحبین ' مزارعت جائز ہے۔ امام مالک' مساقات جائز ہے' مزارعت نہیں۔ امام شافعی : مساقات تو جائز ہے اور اگر مزارعت مساقات کے تابع ہو جائے تو ناجائز نہیں (مصفی ج ۱ ص ۳۹۹)

۵۶۔ آئمہ ثلاثہ : مسلمانوں پر ذمیوں کی شہادت مقبول نہیں (المسوی ج ۲ ص ۱۰۱)

۵۷۔ مصفی ج ۲ ص ۲۵۱۔

۵۸۔ ایضاً ص ۳۶۔

۵۹۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۲۳

۶۰۔ ایضاً۔

۶۱۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ت ۱۲۳۔ ۱۲۴

۶۲۔ ایضاً۔

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۲

۶۶۔ ایضاً

۶۷۔ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۳۹۱۔

۶۸۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۲۴

۶۹۔ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۲۴

۷۰۔ ایضاً

۷۱۔ تفہیمات الہیہ ج ا ص ۲۱۲۔

۷۲۔ بروایت بیہقی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تعریف الغالین الخ۔

اجتہاد۔ اہمیت، فضیلت اور تقاضے

۱۔ احکام الاحکام ج ۳ ص ۱۳۹

۲۔ مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۲۸۹۔ التلویح علی التوضیح ج ۲ ص ۱۱۷۔ کشف الاسرار ج ۴ ص ۱۳۴

۳۔ تفصیل بحث کیلئے کشف الاسرار ج ۴ اور التقریر و التحریر ج ۳ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۴۔ مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۲۸۹

۵۔ مزید تفصیل کشف الاسرار اور التقریر و التحریر میں ہے۔

۶۔ ادلہ تفصیلیہ یعنی تفصیلی دلائل، جن سے ہر دلیل ایک معین حکم ظاہر کرے۔

۷۔ عقد الجید ص ۶

۸۔ ازالۃ الخفاء ج ا ص ۴

۹۔ عقد الجید ص ۶

۱۰۔ مقدمہ مصفی ص ۱۱

۱۱۔ عقد الجید ص ۶

۱۲۔ زاھد الکوثری نے حسن التقاضی ص ۲۵ (حاشیہ) پر ان اقسام کو ابن الکمال وزیر

Marfat.com

(م ۹۴۰ھ) کے رسالہ طبقات الفقہاء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۱۳۔ ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ) محمد امین: رد المختار علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵ ابوالخیر احمد: طبقات الفقہاء ص ت ۷۔ ۱۰ موصل ۱۳۸۰ھ مطبعہ الزہرا الحدیثیہ۔ ابن عابدین: رسم المفتی و شرحہ، ص ت ۱۱۔ ۱۲ ترکی ۱۳۲۵ھ شرکت صحافت عثمانیہ

۱۴۔ جمع الجوامع ص ت ۳۸۵۔ ۳۸۶، زنجانی: لب الاصول ص ۱۴۸

۱۵۔ عقد الجید ص ۶

۱۶۔ الانصاف باب ۴ کے علاوہ عقد الجید ص ت ۱۰۔ ۱۱ سے ماخوذ

۱۷۔ عقد الجید ص ۴۷

۱۸۔ اصول الفقہ ص ۳۸۲

۱۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الانصاف ص ت ۶۵ لغایت ۶۸

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ عقد الجید ص ت ۱۰۔ ۱۱، الانصاف ص ۶۶

۲۲۔ عقد الجید ص ۴۲

۲۳۔ الانصاف ص ت ۶۶۔ ۶۷

۲۴۔ ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۸۴

۲۵۔ عقد الجید ص ۱۱

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ الانصاف ص ۴۷

۲۸۔ عقد الجید ص ت ۴۴۔ ۴۵

۲۹۔ عقد الجید ص ت ۱۱/ ۵۱

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ الخضری محمد بک: اصول الفقہ ص ۳۶۳ مصر ۱۳۵۸ھ مکتبہ التجاریہ الکبری الاشعری

۳۲۔ قاضی ابوبکر باقلانی، ابوالہذیل اور جبائی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ نیز ابوالحسن الاشعری اور معتزلہ اسی کے قائل ہیں [ارشاد الفحول ص ۲۶۱]

۳۳۔ ارشاد الفحول ص ۲۶۱

۳۴۔ ایضاً

Marfat.com

۳۵۔ عقد الجید ص ۱۵
۳۶۔ ایضاً
۳۷۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۳۶۶۔ ارشاد الفحول ص ۲۵۵
۳۸۔ التقریر و التحریر ج ۳ ص ۲۹۴۔ تیسیر التحریر ج ۴ ص ۱۸۳
۳۹۔ التقریر و التحریر ج ۳ ص ۲۹۴
۴۰۔ تیسیر التحریر ج ۴ ص ۱۸۵
۴۱۔ یہ ساری بحث حجۃ اللہ البالغہ باب اقسام علوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے۔
۴۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۴
۴۳۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۳۶۶
۴۴۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۴
۴۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الانصاف باب ۴
۴۶۔ التحریر ص ۵۴۶
۴۷۔ شرح عضد ج ۲ ص ۳۰۸
۴۸۔ اصول الفقہ ص ۳۷۷
۴۹۔ ایضاً ص ۳۸۰
۵۰۔ مقدمہ مصفی ص ۱۲
۵۱۔ خلاصہ: حجۃ اللہ البالغہ باب حکایۃ حال الناس قبل المأۃ الرابعہ و بعد ہا۔ الانصاف باب ۴۔ مقدمہ مصفی
۵۲۔ عقد الجید ص ت ۷۔ ۸
۵۳۔ اصول الفقہ ص ۳۷۳
۵۴۔ الموافقات ج ۴ ص ۵۶
۵۵۔ المستصفی ج ۲ ص ۳۵۰
۵۶۔ التحریر ص ۵۲۴
۵۷۔ اصول الفقہ ص ۳۷۳
۵۸۔ المستصفی ج ۲ ص ۳۵۰۔ ارشاد الفحول ص ۲۵۲
۵۹۔ التقریر ج ۲ ص ۲۹۲۔ احکام الاحکام ج ۲ ص ۱۳۹۔ المستصفی ج ۲ ص ۳۵۲
۶۰۔ عقد الجید ص ۸۶

Marfat.com

۶۱۔ المستصفی ج ۲ ص ۳۵۳
۶۲۔ ارشاد الفحول ص ۲۵۲
۶۳۔ عقد الجید ص ۷
۶۴۔ الانصاف ص ۷۱
۶۵۔ عقد الجید ص ۸
۶۶۔ ارشاد الفحول ص ۲۵۱
۶۷۔ نور الانوار ص ۲ ص ۱۶۹
۶۸۔ التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۲۹۲
۶۹۔ ایضاً
۷۰۔ المستصفی ج ۲ ص ۳۵۰
۷۱۔ ارشاد الفحول ص ۲۵۱
۷۲۔ کشف الاسرار ج ۴ ص ۱۳۵۔ ارشاد الفحول ص ۲۵۱
۷۳۔ عقد الجید ص ت ۹۔ ۸۵۔ ۸۶

تقلید۔ چوتھی صدی ہجری سے پہلے

۱۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۵۷
۲۔ حجۃ اللہ البالغۃ
۳۔ شاہ ولی اللہ : عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید ۹
۴۔ الانصاف ص ۵۹
۵۔ تفصیل کے لئے Lane کی Arabic English Lexcion بذیل مادہ اور Sprenger : A Dictionary of Technical Terms p -1178 اور الطحاوی کی شرح معانی الاثار (ج ۱ ص ۴۳۹) ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔
۶۔ غزالی (م ۵۰۵ ھ) ابو حامد : المنخول ص ۴۷۲ المستصفی من علم الاصول ج ۲ ص ۲۸۷ مصر ۱۳۲۵ ھ المطبعہ المنیریہ بولاق
۷۔ المنخول ص ۲۸۷
۸۔ بہاری (م ۱۱۱۹ ھ) محب اللہ : مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۰۰ مصر

۱۳۲۵ھ المطبعہ المنیریہ بولاق

۹۔ التحریر فی اصول الفقہ ص ۵۴۷

۱۰۔ ارشاد الفحول ص ۲۶۵

۱۱۔ احکام فی اصول الاحکام ج ۳ ص ۱۶۶

۱۲۔ ارشاد الفحول ص ۲۶۵

۱۳۔ تھانوی محمد اعلیٰ ابن علی : کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۱۷۸

۱۴۔ شیرازی (م ۴۷۶ھ) ابو اسحٰق : اللمع فی اصول الفقہ ص ۷۰ مصر ۱۳۷۷ھ مصطفیٰ البابی الحلبی

۱۵۔ ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) ابو عمرو : مختصر منتہی الاصول ج ۲ ص ۳۰۵ مصر ۱۳۱۶ھ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق

۱۶۔ خطیب بغدادی : الفقیہ و المتفقہ ج ۲ ص ت ۶۷۔ ۶۸ ریاض ۱۳۸۹ھ مطبوعہ دارالافتاء

۱۷۔ نابلسی عبدالغنی : خلاصۃ التحقیق فی حکم التقلید و التلفیق ص ۴ استنبول مکتبہ ایشیق۔

۱۸۔ تھانوی اشرف علی : الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد ص ۳۴ دھلی

۱۹۔ ارشاد الفحول ص ۲۶۷

۲۰۔ عقد الجید ص ۳۶

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ حجۃ اللہ البالغہ : باب حکایہ اھل الناس قبل الماۃ الرابعہ و بعد ھا

۲۳۔ مناوی عبدالرؤف محدث : فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۱۰ حدیث الاختلاف امتی رحمہ

۲۴۔ نووی : المجموع' شرح المہذب ج ۱ ص ۹۱ فصل فی آداب المستفتی

۲۵۔ ابن تیمیہ : الفتاویٰ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۴۶

۲۶۔ عقد الجید ص ۳۱

۲۷۔ مزید تفصیل : عقدالجید اور حجۃ اللہ البالغہ باب حکایۃ اہل الناس

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ عقد الجید۔ حجۃ اللہ البالغہ کے باب حکایۃ اہل الناس میں تفصیل درج ہے۔

۳۰۔ الانصاف ص ت ۵۷۔ ۶۳

۳۱۔ تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۵۱۔ حجۃ اللہ البالغہ میں بھی مختلف مقامات پر اس کی تصریح

Marfat.com

موجود ہے۔

۳۲۔ عقد الجید ص ۳۱

۳۳۔ الانصاف ص ۵۹

۳۴۔ الانصاف ص ۶۰

۳۵۔ عقد الجید ص ت ۶۹۔ ۷۰

۳۶۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۶۸

۳۷۔ الفقیہ و المتفقہ ص ۶۸

۳۸۔ حدایہ ج ۱ ص ۲۲۶ باب مایوجب القضاء و الکفارہ

۳۹۔ عقد الجید ص ۵۱

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ابن عابدین : شرح عقود رسم المفتی ص ۴ کراچی ۱۳۷۸ ھ دارالاشاعت

۴۲۔ حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ ملاحظہ ہو : عقد الجید ص ت ۳۶ لغایت ۳۹

۴۳۔ عقد الجید ص ت ۷۸۔ ۷۹۔ مختصر ابن حاجب (مع شرح عضد) ج ۲ ص ۳۰۹ التحریر ص ۵۵۱

۴۴۔ عقد الجید ص ۷۹

۴۵۔ ایضاً ص ۸۹

۴۶۔ نووی (م ۶۷۶ ھ) ابو زکریا محی الدین : شرح المھذب ج ۱ ص ۵۵ مصر الطباعہ المنیریہ

۴۷۔ مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۳۰۹

۴۸۔ الانصاف ص ت ۶۹۔ ۷۱

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ حجۃ اللہ البالغہ باب حکایۃ اہل الناس

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ تفہیمات الہیہ ص ج

۵۳۔ فیوض الحرمین ص ۴۸

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ صدیق حسن خان : حدایہ السائل اولی ادلۃ المسائل ص ۲۲

۵۶۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو : ما تمس الیہ الحاجہ۔ بعض اشارات مقالہ ھذا کے باب "

Marfat.com

رجوع الی الموطا" کی فصل موطا سنن دارمی اور ابن ماجہ' میں بھی موجود ہیں۔

۵۷۔ فیوض الحرمین ص ۹۴

۵۸۔ ایضاً

مختصرات

۱۔ شاہ ولی اللہ کے اپنے ہاتھ کی تحریر' جو پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں صحیح بخاری کے ایک نسخہ پر ثبت ہے اور جس کا عکس الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر(۱۹۴۰ء) میں شائل اشاعت ہے۔ یہ نسخہ ایک عرصہ تک شاہ ولی اللہ کے زیر درس رہا۔

۲۔ تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۱۲۰ (ترجمہ: ہر فاسد شیرازہ کو توڑنے والا)

۳۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۱ مقدمہ' فصل: شاہ ولی اللہ اور ان کا عہد۔

۴۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۱ مقدمہ فصل: شاہ ولی اللہ اور علم حدیث۔

۵۔ تفصیل مقالہ ھذا' ابواب: تطبیق بین الفقہ و الحدیث اور اعتدال بین التقلید والاجتہاد۔

۶۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۱ مقدمہ' فصل: شاہ ولی اللہ اور علم حدیث

۷۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۱ مقدمہ' فصل: شاہ ولی اللہ اور علم حدیث۔ باب ۴ رجوع الی الموطا' فصل: موطا امام مالک۔

۸۔ تفصیلات مقالہ ھذا' باب ۵ تطبیق بین الفقہ والحدیث' فصل: مذاہب اربعہ اصل میں ایک ہیں؟ باب ۶ اعتدال بین التقلید والاجتہاد' فصل: اجتہاد۔

۹۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۱ مقدمہ' فصل: علم حدیث' پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ تک۔

۱۰۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۱ مقدمہ' فصل: شاہ ولی اللہ اور ان کا عہد۔فصل: فضیلت علم حدیث۔

۱۱۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۲ حدیث و متعلقات حدیث' فصل: فضیلت علم حدیث۔

۱۲۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۲ حدیث و متعلقات حدیث' فصل: فضیلت علم حدیث۔

۱۳۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۶' اعتدال بین التقلید و الاجتہاد' فصل: اجتہاد۔

۱۴۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۲ حدیث و متعلقات حدیث' فصل: فضیلت علم حدیث۔

۱۵۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۲ حدیث و متعلقات حدیث' فصل: فضیلت علم حدیث۔

۱۶۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۲' فصل: فضیلت علم حدیث۔ روایت باللفظ۔

Marfat.com

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً فصل: روایت بالمعنی

۱۹۔ تفصیل مقالہ ھذا باب ا فصل: معیار حدیث

۲۰۔ تفصیل مقالہ ھذا باب ۲ طبقات کتب حدیث' فصل ا تا ۵۔

۲۱۔ تفصیل مقالہ ھذا باب' ا فصل معیار حدیث۔

۲۲۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۳ رجوع الی الموطا' فصل: امام مالک شاہ ولی اللہ کی نظر میں اور موطا امام مالک۔

۲۳۔ تفصیل مقالہ ھذا باب ۳' فصل: موطا اور کتاب الآثار۔

۲۴۔ تفصیل مقالہ ھذا باب ۳' فصل: موطا۔ اصح الکتب۔

۲۵۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۴' فصل: صحاح ستہ کی چھٹی کتاب/موطا۔ اصح الکتب۔

۲۶۔ تفصیل مقالہ ھذا باب ا' فصل شاہ ولی اللہ اور علم حدیث۔ موطا امام مالک وجہ تسمیہ' تدوین و تکمیل اور شروح و تعلیقات۔

۲۷۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۵' تطبیق بین الفقہ والحدیث' فصل: مذاھب اربعہ اصل میں ایک ہیں۔

۲۸۔ تفہیمات الٰہیہ ج ا ص ۱۹۔ مزید تفصیل مکتوب مدنی میں ہے۔

۲۹۔ جلبانی' غلام حسین: شاہ ولی اللہ کی تعلیم ص ت ۱۳۷۔ ۱۳۸' حیدر آباد' شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔ معارف (اعظم گڑھ) مارچ ۱۹۷۰ء' مضمون۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔

۳۰۔ تفاصیل وامثال مقالہ ھذا' باب ۵' فصل مذاھب اربعہ اصل میں ایک ہیں۔

۳۱۔ تفہیمات الٰہیہ ج ا ص ت ۲۱۱۔ ۲۱۲۔

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۵ تطبیق بین الفقہ والحدیث' فصل: مصادر فقہ اسلامی/فقہ الحدیث کے مختلف دور۔

۳۴۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۶ اعتدال بین التقلید والاجتہاد' فصل: اجتہاد۔

۳۵۔ تفصیل مقالہ ھذا باب ۶' فصل: تقلید۔

۳۶۔ الجزء اللطیف (مشمولہ انفاس العارفین) ص ۲۰۳۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ا' فصل' شاہ ولی اللہ اور ان کا عہد۔

۳۷۔ فیوض الحرمین ص ۶۵ تفصیل مقالہ ھذا' متفرق ابواب۔

Marfat.com

۳۸۔ تفہیمات الہیہ ج ۱ ص ۲۱۲۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۵ تطبیق بین الفقہ والحدیث'
فصول ثلاثہ۔

۳۹۔ الدرالثمین ص ۵۔ تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۲۵۰۔ تفصیل مقالہ ھذا' ابواب ۵۔ ۶

۴۰۔ فیوض الحرمین ص ت ۴۸۔ ۶۲' تفصیل مقالہ ھذا' ابواب ۵۔ ۶

۴۱۔ مقدمہ مصفی ص ۲۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۴ رجوع الی الموطا۔

۴۲۔ الجزء اللطیف ص ۲۰۴۔ تفصیل مقالہ ھذا باب ۵' تطبیق بین الفقہ والحدیث۔

۴۳۔ مقدمہ مصفی ص ۱۸۔ تفصیل مقالہ ھذا' باب ۶ اعتدال بین التقلید والاجتہاد۔

Marfat.com

مصادر و مراجع

Marfat.com

Marfat.com

(آ) آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) غلام علی بن نوح الحسینی الواسطی چشتی
۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان
میرزا محمد شیرازی بمبئی ۱۳۰۳ھ
۲۔ مآثر الکرام
السنہ الشرقیہ لاہور ۱۹۳۲ھ

الآمدی (م ۶۳۱ھ) سیف الدین ابو الحسن علی
۳۔ احکام فی اصول الاحکام
محمد علی صبیح مصر ۱۳۴۷ھ

(الف) ابراھیم میر سیالکوٹی۔
۴۔ تاریخ اھل حدیث
اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۵۳ء

ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) عزالدین ابو الحسن علی بن محمد
۵۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
مکتبہ الامیہ طھران
۶۔ تاریخ الکامل
قاھرہ ۱۲۹۰ھ

ابن امیر الحاج (م ۸۷۹ھ)

۷۔ التقویر والتحبیر (شرح التحریر لابن ہمام)

المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

ابن البزاز الکروری (م ۸۲۷ھ) حافظ الدین محمد بن محمد

۸۔ مناقب الامام الاعظم

دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ھ

ابن بطوطہ (م ۷۷۹ھ) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن عبداللہ

۹۔ تحفتہ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار

(مرتبہ ڈفریمری) پیرس ۱۹۲۲ء

ابن تغری بردی (م ۸۷۴ھ) الاتابکی، جمال الدین

۱۰۔ النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر و القاہرہ

دار الکتب المصریہ قاہرہ ۱۳۴۸ھ

ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) تقی الدین ابو العباس احمد بن عبدالحلیم

۱۱۔ منہاج السنہ النبویہ فی نقض کلام الشیعہ و القدریہ

الکبریٰ الامیریہ بولاق ۱۳۴۱ھ

ابن جریر: دیکھئے طبری

ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) ابو الفرج عبدالرحمان بن علی

۱۲۔ المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم

دائرہ المعارف حیدر آباد دکن

ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) ابو عمرو جمال الدین بن عمر

۱۳۔ مختصر منتہی الاصول

الکبریٰ الامیریہ بولاق ۱۳۱۶ھ

ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی

۱۴۔ تہذیب التہذیب

دائرہ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ

۱۵۔ هدی الساری بفتح الباری مقدمہ شرح صحیح البخاری
الکبری الامیریہ مصر

۱۶۔ تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ
دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۲۴ھ

۱۷۔ لسان المیزان
دائرہ المعارف ۱۳۲۹ھ

۱۸۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ
بیلو انڈیکا، کلکتہ ۱۸۸۸ء

۱۹۔ النکت علی مقدمہ ابن الصلاح
(مخطوطہ) کتب خانہ پیر جھنڈو

ابن حوقل (م ۳۵۰ھ) ابو القاسم النصیبی

۲۰۔ کتاب صورت الارض
لیڈن ۱۹۳۸ء

ابن خرداذبہ (م ۳۳۰ھ) ابو القاسم عبید اللہ بن عبد اللہ

۲۱۔ المسالک والممالک
مطبع بریل لیڈن ۱۸۸۹ء

ابن خطیب مقری (م ۱۰۴۱ھ)

۲۲۔ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب
بولاق مصر ۱۲۷۹ھ

ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) عبد الرحمن بن محمد الحضرمی المغربی

۲۳۔ کتاب العبر و دیوان المبتداء و الخبر فی ایام العرب والعجم
قاہرہ ۱۲۸۴ھ

ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) شمس الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر

۲۴۔ وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان
مصر ۱۹۴۸ء

Marfat.com

ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ) ابو الفرج زین الدین

۲۵۔ جامع العلوم و الحکم فی شرح اربعین حدیثا من جوامع الکلم
قاہرہ ۱۹۳۷ء

ابن السبکی (م ۷۵۶ھ) تقی الدین قاضی القضاۃ

۲۶۔ الابہاج فی شرح المنہاج

المحمودیہ التجاریہ مصر ۱۹۴۰ء

ابن السبکی (م ۷۷۱ھ) تاج الدین عبد الوہاب

۲۷۔ جمع الجوامع

مصطفے البابی الحلبی مصر ۱۳۵۶ھ

ابن سعد (م ۲۳۰ھ) ابو عبد اللہ محمد

۲۸۔ الطبقات الکبری۔ الطبقات الکبیر

(مرتبہ سخاو) لیڈن ۱۹۳۳ء۔ بیروت ۱۳۷۶ھ

ابن صلاح (م ۶۴۳ھ) ابو عمرو تقی الدین عثمان بن صلاح الدین الشافعی

۲۹۔ علوم الحدیث المعروف بہ مقدمہ ابن الصلاح و شرح التقیید والایضاح

مکتبہ العلمیہ حلب ۱۳۵۰ھ

ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ) محمد امین علامہ

۳۰۔ رد المحتار علی الدر المختار

مصطفے البابی مصر

۳۱۔ رسم المفتی و شرحہ

شرکت صحافت عثمانیہ ترکی ۱۳۲۵ھ

ابن عبد البر (۴۶۳ھ) مالکی اندلسی، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ

۳۲۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمہ الفقہاء

مصر ۱۳۵۰ھ

۳۳۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

Marfat.com

حیدر آباد دکن ۱۳۳۶ھ

۳۴۔ جامع بیان العلم

مطبع منیریہ مصر

ابن عراق (م ۹۶۳ھ)

۳۵۔ تنزیہ الشریعہ المرفوعہ من الاخبار الشنیعہ الموضوعہ

مطبع عاطف قاہرہ ۱۳۷۸ھ

ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) ابو القاسم علی بن ابی محمد الحسن

۳۶۔ تبیین کذب المفتری فیما نسب الامام ابی الحسن الاشعری

مکتبہ التوفیق دمشق ۱۳۴۷ھ

ابن العماد حنبلی (م ۱۰۸۹ھ) ابو الفلاح عبد الحئی بن احمد

۳۷۔ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب

مکتبہ القدسی قاہرہ ۱۳۵۱ھ۔ طبع ثانی ۱۳۹۱ھ

ابن قیم (م ۷۵۱ھ) ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر

۳۸۔ الوابل الصیب فی الکلم الطیب (مشمولہ مجموعۃ الحدیث)

مطابع العروبہ قطر ۱۳۸۳ھ

۳۹۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین

دار الجلیل بیروت ۱۹۷۳ء

ابن کثیر (م ۷۷۴ھ۔۷۷۶ھ) دمشقی ابو الفداء عماد الدین اسمٰعیل بن عمر

۴۰۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ

السعادہ قاہرہ ۱۳۵۱ھ

ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) القزوینی محمد بن یزید

۴۱۔ سنن

المطبعۃ التازیہ مصر

ابن منظور (م ۷۱۱ھ) افریقی، جمال الدین محمد بن مکرم

Marfat.com

۴۲۔ لسان العرب

المطبعۃ الکبری المنیریہ بولاق مصر ۱۳۰۰ھ

ابن ندیم (م ۳۸۵ھ) محمد بن اسحق

۴۳۔ الفہرست

مکتبہ الرحمانیہ قاہرہ ۱۳۴۸ھ

ابن ھمام (م ۸۶۱ھ) کمال الدین محمد

۴۴۔ التحریر فی اصول الفقہ

مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۱ھ

ابوالخیر محمد بن احمد مراد آبادی

۴۵۔ کلمات طیبات

مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۰۹ھ

ابو داؤد (م ۲۷۵ھ) السجستانی سلیمان بن الاشعث

۴۶۔ سنن

مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۷۰ھ

۴۷۔ الرسالہ فی وصف تالفتہ لکتاب السنن

مصر ۱۳۶۹ھ

ابو زہرہ محمد

۴۸۔ اصول الفقہ

دار الفکر عربی قاہرہ ۱۹۵۷ء

۴۹۔ ابن تیمیہ

دار الفکر عربی قاہرہ ۱۹۵۸ء

۵۰۔ احمد بن حنبل

مصر ۱۹۵۹ء

ابو یعلی (م ۵۲۶ھ)

۵۱۔ طبقات الحنابلہ

السنہ المحمدیہ قاہرہ ۱۳۷۱ھ

احمد امین (م ۱۳۷۳ھ)

۵۲۔ ضحی الاسلام

قاہرہ ۱۹۵۶ء

اسمٰعیل پاشا۔ دیکھئے بغدادی

اصفہانی (م ۴۳۰ھ) ابو نعیم حافظ

۵۳۔ حلیتہ الاولیاء و طبقات الاصفیاء

مکتبہ السعادہ قاہرہ ۱۳۵۱ھ

اطہر مبارکپوری، قاضی

۵۴۔ عرب و ہند۔ عہد رسالت میں

ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۷۵ء

امیر بادشاہ۔ دیکھئے الحسینی

انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) علامہ

۵۵۔ فیض الباری علی صحیح البخاری

مطبعہ الاسلامیہ السعودیہ لاہور ۱۹۷۸ء

۵۶۔ العرف الشذی (افادات)

دیوبند

الایجی (م ۷۵۶ھ) عضد الدین قاضی

۵۷۔ شرح القاضی عضد علی مختصر المنتہی لابن حاجب

الکبری الامیریہ مصر ۱۳۱۶ھ

(ب) بارق، معراج محمد

۵۸۔ مقدمہ البلاغ المبین

مکتبہ سلفیہ لاہور

Marfat.com

بحرالعلوم (م ۱۱۸۰ھ) عبدالعلی
۵۹۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت
المطبعہ المنیریہ بولاق مصر ۱۳۲۵ھ
البخاری (م ۲۵۶ھ) ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل
۶۰۔ الجامع الصحیح
مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۲۸ھ
بخاری (م ۷۳۰ھ) عبدالعزیز
۶۱۔ کشف الاسرار شرح بزدوی
مصر
بدایونی (م ۱۰۲۴ھ) ملا عبدالقادر
۶۲۔ منتخب التواریخ
کلکتہ ۱۸۶۸ء
براون، ای جی
۶۳۔ تاریخ ادبیات ایران (اردو ترجمہ)
اورنگ آباد دکن ۱۹۳۲ء
البزدوی (م ۴۸۲ھ) علی بن محمد فخرالاسلام
۶۴۔ اصول بزدوی
اصح المطابع کراچی
البشاری۔ دیکھئے المقدسی
بشیر احمد
۶۵۔ واقعات مملکت بیجاپور
آگرہ ۱۹۱۵ء
بغدادی (م ۱۳۳۹ھ) اسمٰعیل پاشا
۶۶۔ ھدیہ العارفین اسماء المولفین و آثار المصنفین

Marfat.com

مطبع النہیہ استنبول ۱۹۵۱ء

بغدادی۔ دیکھئے خطیب بغدادی

بلاذری (م ۲۷۹ھ۔ ۲۸۰ھ) احمد بن یحییٰ بن جابر :

۶۷۔ فتوح البلدان

(مرتبہ ڈی گوئے) لیڈن ۱۸۶۶ء

بلگرامی۔ دیکھئے آزاد بلگرامی

البناساعاتی احمد عبدالرحمان

۶۸۔ منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داود

المنیریہ قاہرہ ۱۳۷۲ھ

بہاری (م ۱۱۱۹ھ) محب اللہ

۶۹۔ مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت

المطبعۃ المنیریہ بولاق مصر ۱۳۲۵ھ

(پ) پٹنی (م ۹۸۶ھ) محمد بن طاہر شیخ

۷۰۔ تذکرۃ الموضوعات

مکتبہ قیمہ بمبئی ۱۳۴۳ھ

۷۱۔ مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار

دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ۱۹۶۷ء

(ت) الترمذی (م ۲۷۵ھ۔ ۲۷۹ھ) ابو عیسیٰ

۷۲۔ الجامع الصحیح

المطبعۃ المصریہ الازہر ۱۳۵۰ھ۔

ترحتی، محمد بن یحیی التیمی البکری

۷۳۔ الیانع الجنی فی اسانید عبدالغنی

دھلی ۱۲۸۷ھ

التفتازانی (م ۷۹۲ھ) سعد الدین مسعود

۷۴۔ التلویح علی التوضیح
مطبعہ محمد علی صبیح مصر ۱۳۷۷ھ

تھانوی، محمد اعلی بن علی
۷۵۔ کشاف اصطلاحات الفنون
رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۶۲ء

تھانوی اشرف علی
۷۶۔ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد
دھلی ۱۳۷۲ھ

(ث) ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ)
۷۷۔ تفسیر مظہری
دھلی ۱۳۷۵ھ

(ج) الجزائری (م ۱۳۳۸ھ) طاہر بن صالح
۷۸۔ توجیہ النظرالی اصول علم الاثر
مکتبہ الجمالیہ قاہرہ ۱۳۲۸ھ

جصاص (م ۳۷۰ھ) ابو بکر رازی
۷۹۔ اصول الفقہ
(مخطوطہ) کراچی یونیورسٹی لائبریری

جلبانی، غلام حسین
۸۰۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیم
شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء

الجمعودی، علی بن سلیمان
۸۱۔ نور مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ
مصر ۱۲۹۹ھ

جوزقانی۔ دیکھئے منہاج السراج
جہلمی۔ دیکھئے فقیر محمد

(ج) چشتی، محمد عبدالحلیم
۸۲۔ فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ
کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۸۳ھ

چلبی ۔ دیکھئے حاجی خلیفہ
(ح) حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ) چلبی
۸۳۔ کشف الظنون عن اسامی و الکتب الفنون
استنبول ۱۳۶۲ھ

حافظ الدین ۔ دیکھئے نسفی
حاکم (م ۴۰۵ھ) نیشاپوری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ
۸۴۔ معرفۃ علوم الحدیث
دارالکتب المصریہ قاہرہ ۱۳۵۶ھ
۸۵۔ المدخل فی اصول الحدیث
حلب ۱۳۵۱ھ

حسنی (۱۳۴۱ھ) عبدالحیٔ مولانا
۸۶۔ نزھتہ الخواطر و بہجۃ السامع و النواظر
دائرہ المعارف العثمانیہ دکن ۱۳۶۶ھ ۔ طبع ثانی ۱۳۷۶ھ
۸۷۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الهند
المجمع العلمی دمشق ۱۳۷۷ھ
۸۶۔ یاد ایام (تاریخ گجرات)
لکھنؤ علی گڑھ ۱۳۳۷ھ

حسینی دھلوی، شرف الدین محمد، شیخ
۸۹۔ کتاب الوسیلہ الی اللہ
لاہور ۱۹۷۶ء

الحسینی، محمد امین امیر بادشاہ
۹۰۔ تیسیر التحریر

مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۱ھ

خزرجی، صفی الدین

۹۱۔ خلاصہ تذہیب، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال
قاہرہ ۱۳۲۲ء

الخضری، محمد

۹۲۔ تاریخ التشریع الاسلامی
قاہرہ ۱۹۵۴ء

۹۳۔ اصول الفقہ
مکتبہ التجاریہ الکبری مصر ۱۳۵۸ھ

الخطابی (م ۳۸۸ھ) احمد بن محمد

۹۴۔ معالم السنن شرح سنن ابی داؤد
مصر

خطیب (م ۹۲۳ھ) قسطلانی المصری شہاب الدین احمد

۹۵۔ ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری
مصر ۱۳۰۴ھ

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) ابو بکر احمد بن علی

۹۶۔ تاریخ بغداد
مطبعہ السعادۃ قاہرہ ۱۹۳۱ء

۹۷۔ الفیہ و المتفقہ
دارالافتاء ریاض ۱۳۸۹ھ

خلیق احمد نظامی۔ دیکھیے نظامی

خوارزمی (م ۶۵۵ھ) ابو الموید محمد بن محمود

۹۸۔ جامع مسانید الامام الاعظم
دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ

Marfat.com

خیر آبادی۔ دیکھئے فضل امام خیر آبادی

(د) دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ)

۹۹۔ سفینۃ الاولیاء

دھلی ۱۲۶۹ھ

الدینوری (م ۲۸۲ھ) ابو حنیفہ احمد بن داؤد

۱۰۰۔ اخبار الطوال

مصر ۱۹۷۷ء

دھلوی، محبوب علی، مولوی

۱۰۱۔ مجموعۃ فتاوی علمائے دھلی و حرمین شریفین در جواز تقلید

مکتبہ سید الاخبار، دھلی ۱۲۶۲ھ

دھلوی۔ دیکھئے رحیم بخش دھلوی

(ذ) ذکاء اللہ، مولوی

۱۰۲۔ تاریخ ھندوستان

دھلی ۱۸۹۸ء

الذھبی (م ۷۴۸ھ) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد

۱۰۳۔ تجرید اسماء الصحابہ

دائرہ المعارف دکن ۱۳۱۵ھ

۱۰۴۔ مناقب ابی حنفیہ وصاحبیہ

مصر ۱۳۲۱ھ

۱۰۵۔ تذکرۃ الحفاظ

دائرہ المعارف العثمانیہ، دکن ۱۳۷۵ھ

۱۰۶۔ تاریخ اسلام و طبقات المشاھیر و الاعلام

مکتبہ القدس قاہرہ ۱۳۶۷ھ

۱۰۷۔ العبر فی خبر من غبر

حکومت الکویت ۱۹۶۰ء

۱۰۸۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال

مکتبہ السعادہ قاہرہ ۱۳۲۵ھ

(ر) راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) ابوالقاسم حسین بن محمد

۱۰۹۔ المفردات فی غریب القرآن

قاہرہ ۱۳۸۱ھ

رحمان علی مولوی

۱۱۰۔ تذکرہ علمائے ھند

نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۳۰ء

رحیم بخش دھلوی

۱۱۱۔ حیات ولی

افضل المطابع دھلی ۱۳۱۹ھ ۔ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۵۵ء

(ز) الزبیدی (۱۲۰۵ھ) مرتضٰی سید

۱۱۲۔ اتحاف السادۃ المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین

مطبع المیمنہ قاہرہ ۱۳۱۱ھ

۱۱۳۔ تاج العروس من جواہر القاموس

مکتبہ الخیریہ قاہرہ ۱۳۰۶ھ

زبیری، ابراھیم

۱۱۴۔ بساطین السلاطین

(مخطوطہ) کتب خانہ بانکی پور

الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) ابو عبداللہ محمد بن عبدالباقی

۱۱۵۔ شرح المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ للقسطلانی

بولاق مصر ۱۲۹۱ھ

زرقانی، محمد عبدالعظیم

۱۱۶۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن

دار احیاء الکتب العربیہ مصر ۱۳۷۳ھ

(س) سبط ابن الجوزی (م ۶۵۴ھ) شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزاوغلی

۱۱۷۔ الانتصار و الترجیح للمذہب الصحیح

بولاق، مصر

السخاوی (م ۹۰۲ھ) شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمان

۱۱۸۔ فتح المغیث فی شرح الفیہ الحدیث

مطبع انوار محمدی، لکھنؤ ۱۳۰۳ھ

۱۱۹۔ الضوء اللامع لاھل القرن التاسع

مکتبہ القدسی قاھرہ ۱۳۵۳ھ

السرخسی (م ۴۹۰ھ۔ ۵۰۰ھ) ابو بکر محمد

۱۲۰۔ اصول سرخسی

النعمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۲ھ

سرسید احمد خان (م ۱۳۱۵ھ)

۱۲۱۔ آثار الصنادید

نولکشور، لکھنؤ ۱۸۷۶ء۔ نامی پریس کانپور ۱۹۰۴ء

سلیمان ندوی۔ دیکھئے ندوی

السمعانی (م ۵۶۲ھ) ابو سعد عبد الکریم بن محمد

۱۲۲۔ کتاب الانساب

گب میموریل سیریل لندن / لیڈن ۱۹۱۲ء / حیدر آباد ۱۳۸۳ھ

سندھی (م ۱۹۴۴ء) عبید اللہ، مولانا

۱۲۳۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ

سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ۱۹۴۶ء

سیالکوٹی۔ دیکھئے ابراھیم میر سیالکوٹی

السیوطی (م ۹۱۱ھ) جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمان بن کمال

۱۲۴۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی

مکتبہ الخیریہ قاہرہ ۱۳۰۷ھ

Marfat.com

۱۲۵۔ بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ
مکتبہ السعادۃ قاہرہ ۱۳۲۶ھ

۱۲۶۔ تزیین الممالک بمناقب الامام مالک
الخیریہ قاہرہ ۱۳۲۵ھ

۱۲۷۔ الاتقان فی علوم القرآن
مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۷۰ھ

۱۲۸۔ تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفہ
دائرہ المعارف دکن

۱۲۹۔ تنویر الحوالک علی موطا مالک
مصر ۱۳۴۳ھ

۱۳۰۔ اسعاف المبطا برجال المؤطا
مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۴۹ھ

۱۳۱۔ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاہرہ
ادارہ الوطن قاہرہ ۱۲۹۹ھ

۱۳۲۔ التعقبات علی الموضوعات
مکتبہ التجاریہ مصر

(ش) الشاطبی (م ۷۹۰ھ) ابو اسحاق ابراھیم

۱۳۳۔ الموافقات
مکتبہ التجاریہ الکبری مصر

الشافعی (م ۲۰۴ھ) امام

۱۳۴۔ الام
مطبعہ الکبری الامیریہ مصر ۱۳۲۵ھ

شاہ عبد العزیز (م ۱۲۳۹ھ) محدث دھلوی

۱۳۵۔ بستان المحدثین فی تذکرہ کتب الحدیث والمحدثین

Marfat.com

مطبع مجتبائی دھلی ۱۸۹۸ء / مطبع محمدی لاہور

۱۳۶۔ عجالہ نافعہ

کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۸۱ھ / مجتبائی دھلی

شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) دھلوی

۱۳۷۔ الارشاد الی مہمات علم الاسناد

مخطوطہ کتب خانہ پیر جھنڈو / سجاد پبلشرز لاہور

۱۳۸۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

بریلی / اصح الکتب کراچی

۱۳۹۔ الطاف القدس

نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۳۸۴ھ

۱۴۰۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

آرمی برقی پریس دھلی

۱۴۱۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف

مطبع مجتبائی دھلی ۱۹۳۵ء

۱۴۲۔ انفاس العارفین (انسان العین ۔ الامداد فی ماثر الاجداد ۔ الجزء اللطیف)

مطبع احمدی دھلی

۱۴۳۔ البدور البازغہ

مدینہ برقی پریس بجنور / مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۴ھ

۱۴۴۔ بوارق الولایہ

مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۳۵ھ

۱۴۵۔ تاویل الاحادیث ۔ (مع مقدمہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی)

مطبع احمدی مدرسہ عزیزی دھلی / شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۳۸۵ھ

۱۴۶۔ تراجم ابواب بخاری و شرح تراجم بعض ابواب البخاری

دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۶۸ھ

۱۴۷۔ التفہیمات الالہیہ

مدینہ برقی پریس بجنور / مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ

۱۴۸۔ چہل حدیث

مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۱۹ھ

۱۴۹۔ حجۃ اللہ البالغہ

بریلی ۱۲۸۶ھ

۱۵۰۔ حسن العقیدہ

مطبع احمدی دھلی

۱۵۱۔ الخیر الکثیر (مع مقدمہ شاہ محمد عاشق و مولانا احمد رضا)

مدینہ پریس بجنور / مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۲ھ

۱۵۲۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین

ھندوستان الیکٹرک پریس دھلی

۱۵۳۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید

مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۴۴ھ

۱۵۴۔ فتح الرحمان فی ترجمہ القرآن

مطبع ھاشمی میرٹھ ۱۲۸۵ھ

۱۵۵۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (مع فتح الخبیر)

مطبع علمی لاہور

۱۵۶۔ فیوض الحرمین

مطبع احمدی دھلی

۱۵۷۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین

مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۱۰ھ

۱۵۸۔ القول الجمیل

مکتبہ اعزازیہ دیوبند

Marfat.com

۱۵۹۔ المسلسلات

مطبع احمدی، دھلی

۱۶۰۔ المسوی من احادیث الموطا

رحیمیہ دھلی / مکتبہ سلفیہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۱ھ

۱۶۱۔ مصفی فی احادیث الموطا

مطبع فاروقی دھلی ۱۲۹۳ھ

۱۶۲۔ مکتوبات (مع مناقب بخاری و فضیلت ابن تیمیہ)

مطبع احمدی دھلی

۱۶۳۔ مکتوبات (کلمات طیبات)

مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۱ء

۱۶۴۔ مکتوبات (سیاسی) مرتبہ خلیق احمد نظامی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۰ء

۱۶۵۔ ھمات

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ

۱۶۶۔ وصیت نامہ (المقالہ الوصیہ فی النصیحتہ والوصیہ)

مطبع احمدی دھلی ۱۸۹۹ء

۱۶۷۔ سرور المحزون (اردو ترجمہ از خلیفہ محمد عاقل)

دار الاشاعت کراچی ۱۳۵۸ھ

شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء)

۱۶۸۔ سیرۃ النعمان

مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۸۲ء

۱۶۹۔ مقالات شبلی

اعظم گڑھ ۱۳۴۹ھ

شبیر احمد عثمانی۔ دیکھیے عثمانی

الشعرانی (م ۹۷۳ھ) ابوالمواھب عبدالوہاب بن احمد

۱۷۰۔ المیزان الکبریٰ

المکتبۃ المحمودیہ مصر ۱۳۴۴ھ

شوق، احمد علی خان

۱۷۱۔ تذکرہ کاملان رام پور

دہلی ۱۳۲۹ھ

الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ) محمد بن علی امام

۱۷۲۔ نیل الاوطار من اسرار منتقی الاخبار

قاہرہ ۱۳۷۱ھ

۱۷۳۔ الفوائد المجموعہ فی بیان احادیث الموضوعہ

مطبع صدیقی لاہور ۱۳۰۵ھ

۱۷۴۔ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول

مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۶ھ

الشہرستانی (م ۵۴۸ھ) ابوالفتح محمد بن عبدالکریم

۱۷۵۔ الملل و النحل برحاشیہ کتاب الفصل لابن حزم

مطبع حجازی قاہرہ ۱۳۶۸ھ۔

شیال، جمال الدین ڈاکٹر

۱۷۶۔ محاضرات عن الحرکات الاصلاحیہ

مصر ۱۹۵۷ء

الشیرازی (م ۴۷۶ھ) ابو اسحاق

۱۷۷۔ اللمع فی اصول الفقہ

مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۷۷ھ

(ص) صبحی صالح ڈاکٹر

۱۷۸۔ علوم الحدیث و مصطلحہ

مطبعہ جامعہ دمشق ۱۳۸۳ھ

Marfat.com

صدر الشریعہ (م ۷۴۷ھ) عبید اللہ

۱۷۹۔ تنقیح و شرح التوضیح

محمد علی صبیح مصر ۱۳۷۷ھ

صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) نواب قنوجی

۱۸۰۔ ابجد العلوم

مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ

۱۸۱۔ مسلک الختام شرح بلوغ المرام

مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۶ھ

۱۸۲۔ عون الباری لحل ادلہ البخاری

(برحاشیہ نیل الاوطار) مصر ۱۳۱۸ء

۱۸۳۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء المحدثین

مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ

۱۸۴۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ

مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۳ھ

۱۸۵۔ ہدایہ السائل ادلہ المسائل

شاہجہانی بھوپال ۱۳۱۰ھ

الصغانی (م ۶۵۰ھ) رضی الدین حسن، امام

۱۸۶۔ مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ

مکتبہ محمودیہ مصر ۱۳۲۹ھ

۱۸۷۔ رسالہ فی الموضوعات (مشمولہ رسالہ ابو المحاسن)

دار الکتب مصر

(ض) ضیاء، عبد الرحیم

۱۸۸۔ مقالات طریقت المعروف بہ فضائل عزیزی

مطبع ملتمین حیدر آباد دکن ۱۲۹۲ھ

(ط) طاش کبری زادہ (م ۹۶۸ھ) عصام الدین ابو الخیر احمد

١٨٩۔ طبقات الفقہاء
مطبعۃ الزہرا الحدیثہ موصل ١٣٨٠ھ

طباطبائی غلام حسین
١٩٠۔ سیر المتاخرین
نولکشور لکھنؤ ١٣١٤ھ

طبری (م ٣١٠ھ) ابی جعفر محمد بن جریر
١٩١۔ تاریخ الرسل والملوک
(مرتبہ ڈی گوئے) لیڈن ١٨٩٣ء

طبری مکی، محب الدین
١٩٢۔ القری لقاصد ام القری
مصر ١٣٨٦ھ

(ع) عبدالحق (م ١٠٥٢ھ۔) محدث دھلوی
١٩٣۔ الاخبار الاخیار (مع المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل)
میرٹھ ١٢٧٧ھ / مجتبائی دھلی ١٣٢٢ھ
١٩٤۔ اشعتہ اللمعات
مطبع محمدی بمبئی ١٢٧٩ھ

عبدالرحمان (م ١٣١٤ھ) محدث پانی پتی
١٩٥۔ کشف الحجاب
مطبع بہار کشمیر لکھنؤ ١٢٩٨ھ

عبدالرحمان مبارک پوری مولانا
١٩٦۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (مقدمہ)
بیروت ١٣٨٨ھ

عبداللہ
١٩٧۔ تاریخ داودی
(مرتبہ الیٹ) لیڈن

العتبی (م ۴۲۷ھ - ۴۳۱ھ) ابو نصر محمد بن عبد الجبار

۱۹۸۔ تاریخ یمینی

دار الکتب قاھرہ

عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) شبیر احمد، مولانا

۱۹۹۔ فتح الملہم شرح مسلم

مکتبہ مدینہ بجنور ۱۳۵۲ھ

العراقی (م ۸۰۶ھ) ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن الحسین

۲۰۰۔ التنقید والایضاح لما اطلق و اغلق من مقدمہ ابن الصلاح

مکتبہ العلمیہ حلب ۱۳۵۰ھ

۲۰۱۔ فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث

فاس ۱۳۵۴ھ

عسقلانی۔ دیکھئے ابن حجر

عبد روسی (م ۱۰۳۸ھ) شیخ عبد القادر شیخ

۲۰۲۔ النور السافر عن اخبار القرن العاشر

مکتبہ الفرات بغداد ۱۳۵۳ھ

العینی الحنفی (م ۸۵۵ھ) ابو محمد بدر الدین محمود بن احمد

۲۰۳۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری

مطبع الخیریہ مصر

(غ) الغزالی (م ۵۰۵ھ) ابو حامد محمد

۲۰۴۔ المستصفی من علم الاصول

الخیریہ بولاق مصر ۱۳۲۵ھ

غلام سرور (م ۱۳۰۷ھ) مفتی، لاہوری

۲۰۵۔ خزینۃ الاصفیاء

نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۲ء

غلام علی شاہ (م ۱۲۴۰ھ)

۲۰۶۔ مقامات مظہریہ

مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۰۹ھ

(ف) فرشتہ (م بعد از ۱۰۱۳ھ) محمد قاسم ھندو شاہ

۲۰۷۔ گلشن ابراھیمی المعروف بہ تاریخ فرشتہ

نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۴ھ

فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۴۴ھ)

۲۰۸۔ تراجم الفضلاء

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۵۵ء

فضل الدین احمد مرزا (مرتب)

۲۰۹۔ تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد)

لاہور

فقیر محمد جہلمی (م ۱۳۰۴ھ)

۲۱۰۔ حدائق الحنفیہ

نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء

فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) عبدالحیٔ، ابوالحسنات محمد

۲۱۱۔ التطبیق المجد علی موطا الامام محمد

کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۹۶۳ء

(ق) قاسمی، غلام مصطفیٰ مولانا

۲۱۲۔ مقدمہ لمحات

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد

قرشی (م ۷۷۵ھ) عبدالقادر

۲۱۳۔ الجواھر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ

دائرۃ المعارف النظامیہ دکن ۱۳۳۲ھ

Marfat.com

القسطلانی ۔ دیکھئے خطیب القسطلانی

(ک) کاکوری، علی حیدر

۲۱۴۔ مشاہیر کاکوری

لکھنؤ ۱۹۲۷ء

الکتانی (م ۱۳۴۵ھ) محمد بن جعفر علامہ

۲۱۵۔ الرسالہ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنہ المشرفہ

اصح المطابع کراچی ۱۳۷۹ھ

الکتانی (م ۱۳۸۱ھ) عبدالحیٔ

۲۱۶۔ فہرس الفہارس و الاثبات و معجم المعاجم و المشیخات والمسلسلات

مکتبہ الجدیدہ فاس ۱۳۴۶ھ

الکروری ۔ دیکھئے ابن البزاز

کنتوری (م ۱۳۰۶ھ) حامد حسین

۲۱۷۔ استقصاء الافحام و الاستیفاء الانتقام فی رد منتہی الکلام

مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۷۶ھ

الکوثری (م ۱۳۷۱ھ) محدث محمد زاھد

۲۱۸۔ تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب

مصر ۱۳۶۱ھ

۲۱۹۔ رسالہ احقاق الحق

مصر ۱۳۶۰ھ

۲۲۰۔ حسن التقاضی فی سیرہ الامام ابی یوسف القاضی

دارالانوار مصر ۱۳۶۸ھ

۲۲۱۔ حواشی ذیول تذکرۃ الحفاظ

دمشق

۲۲۲۔ الحاوی فی سیرہ الامام ابی جعفر الطحاوی

دارالانوار قاہرہ مصر ۱۳۶۸ھ

Marfat.com

(گ) گنگوھی (م ۱۳۲۳ھ) رشید احمد، مولانا

۲۲۳۔ لامع الدراری علی جامع البخاری (افادات مع تعلیق و مقدمہ

مولانا محمد زکریا

مطبع الجمعیۃ دھلی ۱۳۷۹ھ

گیلانی، مناظر احسن

۲۲۴۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث

نفیس اکیڈمی کراچی

(ل) لاھوری۔ دیکھئے غلام سرور

(م) محبوب علی مولوی۔ دیکھئے دھلوی

محدث پانی پتی۔ دیکھئے عبدالرحمان

محدث دھلوی۔ دیکھئے شاہ ولی اللہ

شاہ عبدالعزیز

محمد بن اسماعیل، امیر یمانی

۲۲۵۔ توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار فی علوم الاثار

مصر ۱۳۶۶ھ

محمد زکریا، مولانا، شیخ الحدیث

۲۲۶۔ اوجز المسالک الی موطا مالک

سہارنپور ۱۳۴۸ھ

محمد معین ڈاکٹر

۲۲۷۔ چہار مقالہ

مکتبہ دانش تہران

مراد آبادی۔ دیکھئے ابو الخیر محمد

مرزوقی، ابو علی

۲۲۸۔ کتاب الازمنۃ والامکنۃ

حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ھ

المزی (م ۷۴۲ھ) ابوالحجاج جمال الدین حافظ

۲۲۹۔ تہذیب الکمال

دارالکتب المصریہ القاہرہ ۱۹۱۴ء

مسلم (م ۲۶۱ھ) ابوالحسن نیشاپوری

۲۳۰۔ الصحیح المسلم

المطبعہ المصریہ مصر ۱۳۵۵ھ

مظہر بقا، ڈاکٹر

۲۳۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۷۳ء

المقدسی (م بعد از ۳۷۵ھ) بشاری ابو عبداللہ محمد بن احمد

۲۳۲۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم

لیڈن ۱۹۰۶ء

المقدسی (م ۵۰۷ھ) ابوالفضل محمد بن طاہر

۲۳۳۔ شروط الائمہ الستہ

مطبع القدسی مصر ۱۳۵۷ھ / حدیث اکادمی فیصل آباد ۱۹۸۲ء

المقری۔ دیکھئے ابن خطیب

ملا جیون (م ۱۱۳۰ھ) شیخ احمد

۲۳۴۔ نور الانوار

المطبعہ الکبری الامیریہ مصر ۱۳۱۶ھ / مکتبہ علوی لکھنؤ

ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نور الدین

۲۳۵۔ مرقاۃ المفاتیح لمشکاۃ المصابیح

مطبعہ المیمنہ قاہرہ ۱۳۰۹ھ

مناظر احسن۔ دیکھئے، گیلانی

Marfat.com

منہاج السراج (م ۶۵۸ ھ) قاضی جوز قانی

۲۳۶۔ طبقات ناصری

ببلو انڈیکا دھلی۔ کلکتہ ۱۸۷۹ء

مولوی دھلوی۔ دیکھئے رحیم بخش۔

میرٹھی، محمد بدر عالم

۲۳۷۔ فیض الباری علی صحیح البخاری (مع حاشیہ البدر الساری الی فیض الباری)

مکتبہ حجازی قاہرہ ۱۳۵۷ھ

(ن) نابلسی، عبدالغنی

۲۳۸۔ خلاصہ التحقیق فی حکم التقلید و التلفیق

مکتبہ ایشیق استنبول

ندوی (م ۱۹۵۳ھ) سید سلیمان

۲۳۹۔ عرب و ھند کے تعلقات

الہ اباد ۱۹۳۰ء

۲۴۰۔ حیات امام مالک

معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ

نسفی (م ۷۱۰ھ) ابوالبرکات المعروف حافظ الدین

۲۴۱۔ کشف الاسرار شرح المنار

المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

نظامی، خلیق احمد

۲۴۲۔ حیات شیخ عبدالحق دھلوی

دھلی ۱۳۷۴ھ

نوشہروی، ابو یحییٰ خان

۲۴۳۔ تذکرہ علمائے حدیث ھند

جید برقی پریس دھلی ۱۳۵۶ھ

Marfat.com

النووی (م ۶۷۶ھ) ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف

۲۴۴۔ تہذیب الاسماء واللغات

مطبع منیریہ قاہرہ

۲۴۵۔ شرح صحیح مسلم (مقدمہ)

مطبع نور محمد، دھلی ۱۳۴۹ھ

۲۴۶۔ شرح المہذب

الطباعہ المنوریہ مصر

۲۴۷۔ خاتمہ الاشارات الی بیان اسماء المبہات

لاہور ۱۹۱۶ء

(ہ) ھاشمی، فرید آبادی، مولوی سید

۲۴۸۔ تاریخ ھند

دکن ۱۹۲۱ء

(ی) یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ)

۲۴۹۔ معجم البلدان

دار الکتب بیروت ۱۳۷۴ھ

فہارس

- اجمل خاں حکیم (م ۱۹۰۱ء)
  فہرست کتب خانہ رامپور
  مطبع احمدی رام پور ۱۹۰۲ء
- شوق (م ۱۳۴۳ھ) احمد علی
  فہرست کتب خانہ ریاست رام پور
  سرکار عالی رام پور ۱۹۲۸ء
- عبد المقتدر

Marfat.com

پٹنہ

عثمان علی، میر

فہرست کتب خانہ بانکی پور

حیدر آباد دکن

الکتانی الفاسی (م ۱۳۴۵ھ) فہرس الفہارس

المطبعۃ الجدیدہ مصر ۱۳۴۶ھ

لوتھ

فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس

لندن ۱۸۷۱ء

رسائل

ماہنامہ برہان دہلی ۱۹۸۳ء

ماہنامہ ثقافت لاہور ۱۹۶۷ء

جرنل آف رائل ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۹۱۶ء

ماہنامہ الرحیم حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء لغایت ۱۹۶۵ء

"الفرقان" (بریلی) شاہ ولی اللہ نمبر ۱۹۴۰ء

مجلہ کلیتہ الاداب، جامعہ فواد الاول القاہرہ ۱۹۵۳ء

معارف، اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء - ۱۹۴۲ - ۱۹۴۷ء

ماہنامہ "الولی" شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ (متفرق شمارے)

Marfat.com

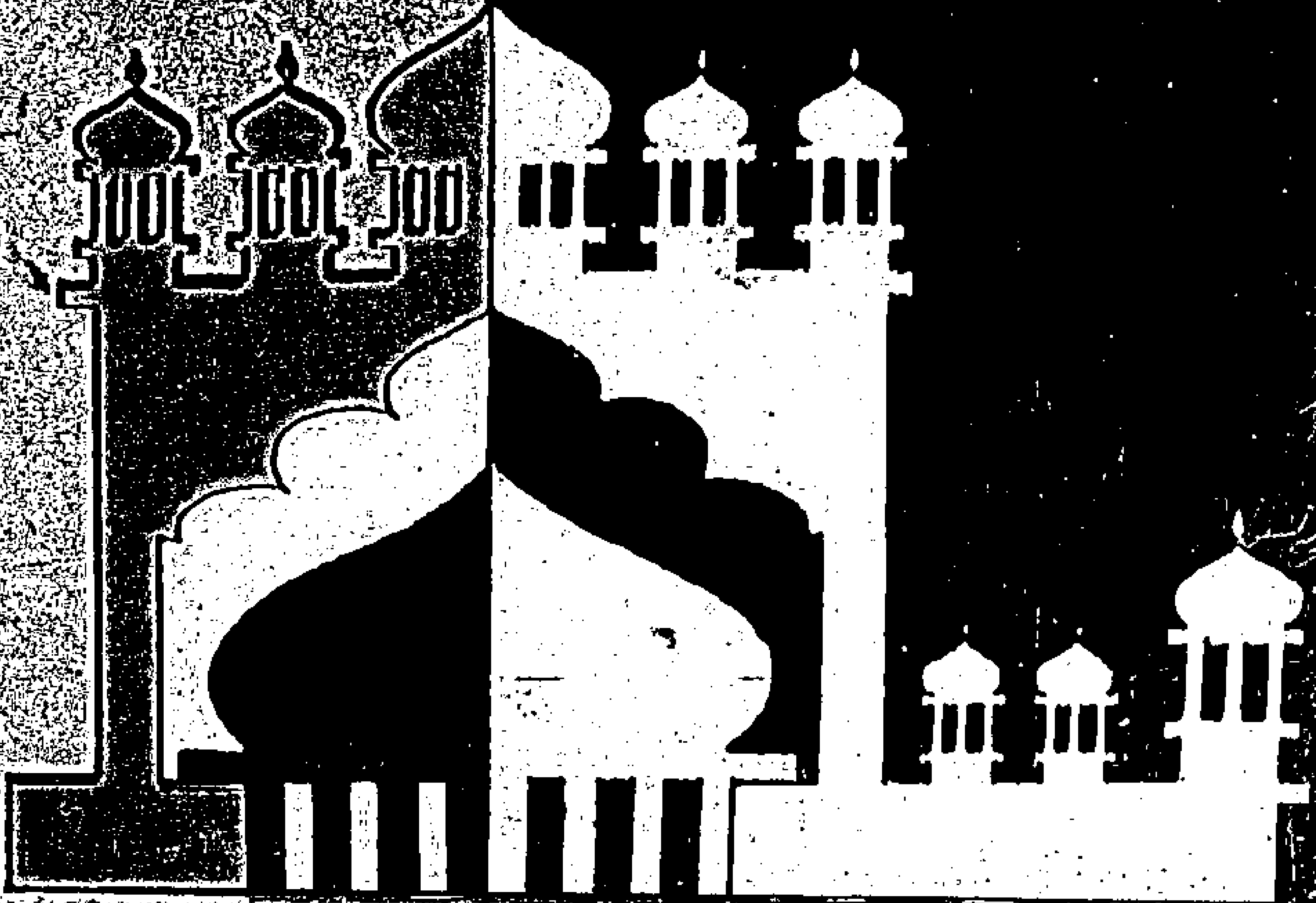

شاہ ولی اللہ اور علم حدیث

ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ ناز

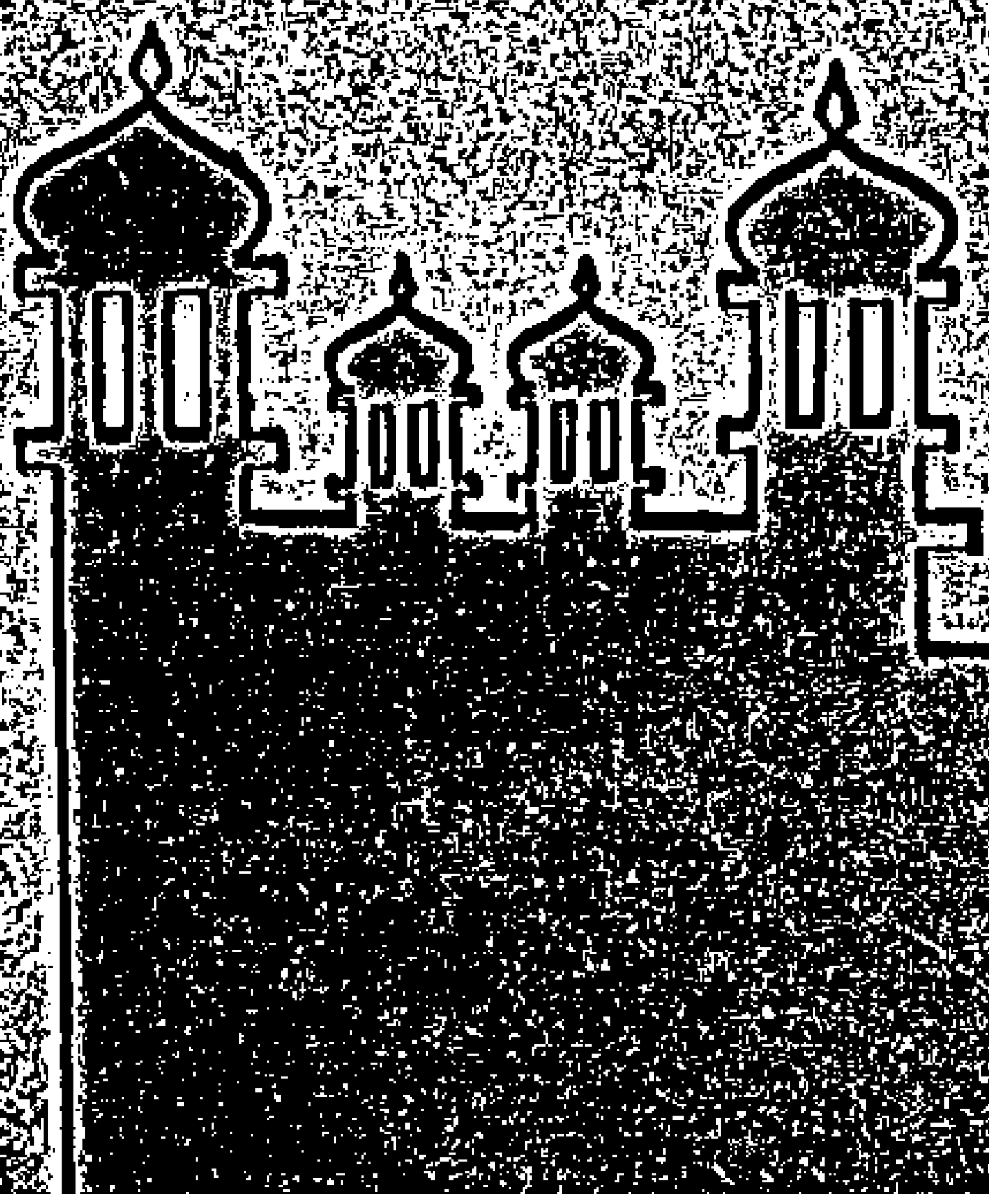

Marfat.com